ایضاح البخاری

جلد سوم

افادات

فخر الاسلام حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند صدر جمعیۃ علماء ہند

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ

کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغہ کما سمع (مشکوٰۃ)

ایضاح البخاری

جلد سوم

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اعمال کی مستند اور کامیاب شرح، اکابر کی تحقیقات اور تمام شروح کا عطر، تراجم ابواب پر محققانہ کلام زندہ اسلوب کیساتھ پہلی بار اردو زبان میں۔

از افادات

فخر الاسلام، امینِ شیخ الہند، وارثِ انور شاہ، جانشینِ شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

مرتّب:- مولانا ریاست علی بجنوری، استاذ دار العلوم دیوبند،

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی

نام کتاب ——— ایضاح البخاری (جلد سوم)

افادات ——— فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ
سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، یوپی
و صدر جمعیۃ علماء ہند

جلد سوم ——— جز (۱۳) تا جز (۱۷)

ترتیب ——— ریاست علی بجنوری، مدرس دارالعلوم دیوبند

قیمت ———

صفحات ——— ۴۸۰

ایضاح البخاری کے بارے میں فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب کا

عکسِ تحریر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ اما بعد کتاب ایضاح البخاری مؤلفہ و مرتبہ عزیز مکرم
جناب مولوی ریاست علی بجنوری ادام اللہ فیوضہ کو جو کہ درحقیقت میری ان
تقریرات کا مجموعہ ہے جسکو عزیز موصوف نے بزمانہ درس بخاری شریف ۸۳ھ، ۸۴ھ
میں درس کے ساتھ ساتھ قلم بند کیا تھا۔ پھر اگلے سال مکرر سماعت کیوقت اپنے
نوشتہ میں اصلاحات اور اضافات کرتے رہے۔ احقر نے حرفاً حرفاً سنا اور
کہیں کہیں حسب ضرورت الفاظ کا ردو بدل بھی کیا۔ مؤلف کی محنت یقیناً قابل تحسین ہے
خداوند کریم قبول فرمائے اور کتاب ہذا کے ثمرات سے خود مؤلف اور دیگر حضرات اہل علم
اور طلبہ علوم دینیہ کو حظ وافر نصیب فرمائے آمین۔ اس کتاب میں سوانح امام بخاری
کا بھی ضروری حصہ شامل ہے۔ اسکے بعض مضامین خود مؤلف نے دیگر مستند کتابوں
سے اخذ کرکے اضافہ کئے ہیں۔ نیز ایک مختصر حصہ احقر کی سوانح کا بھی آگیا ہے
جسکو برادرم عزیزی موصوف نے سوالات کیذریعہ مرتب کیا ہے۔ خدا شاہد ہے
کہ اسمیں میری خواہش کا اصلا دخل نہیں۔ خداوند کریم عزیز موصوف کو اسکا بہتر صلہ
عطا فرمائے کہ اسطرح سے اس گنہگار کے بقاء ذکر کا ایک راستہ قائم کر دیا۔
میری خواہش ہے کہ طلبہ حدیث اس کتاب کے مطالعہ سے ضرور فائدہ اٹھائیں
اور احقر اور مؤلف کو دعاء خیر میں یاد رکھیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
وصلی اللہ علی النبی الامی الکریم محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ العبد المسکین ابو المعین الدعو فخر الدین احمد غفرلہ
ولوالدیہ ولاساتذتہ ومشائخہ اجمعین

فہرست مضامین ایضاح البخاری جلد سوم از جزء ۱۳ تا ۱۷

تمت الفہرس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

باب کیف فُرضت الصلوٰۃ فی الاسراء و قال ابن عباس حدثنی ابو سفیان فی حدیث ھرقل فقال یأمرنا یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالصلوٰۃ والصدق والعفاف:

ترجمہ، باب، جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جایا گیا، اس رات میں نماز کس طرح فرض ہوئی، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ابو سفیان نے ہرقل کی حدیث میں بیان فرمایا کہ آپ یعنی نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز، سچائی اور پاک دامنی کا حکم دیا کرتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے کتاب الصلوٰۃ شروع فرمارہے ہیں۔ ترتیب کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کتاب الطہارۃ کے بعد کتاب الصلوٰۃ آرہی ہے، طہارۃ نماز کے لئے شرط ہے اور وسیلہ بھی ہے۔ اس لئے امام بخاری شرط اور وسیلہ کے بعد مشروط اور مقصود کے بارے میں گفتگو فرمانا چاہتے ہیں۔

یہاں امام بخاری نے جو پہلا عنوان قائم فرمایا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ لیلۃ المعراج میں نماز کی فرضیت کس شان اور کس کیفیت کے ساتھ ہوئی ہے۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں سوال کیفیت سے ہے۔ اور کیفیت زمان، مکان، حالات، شان سب کو عام ہے۔ بلکہ اگر توسع سے کام لیا جائے تو اس میں کیفیت عددی بھی شامل ہو سکتی ہے، یعنی اگر سوال کیفیتِ زمانی سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز ہجرت سے قبل فرض ہوئی یا ہجرت کے بعد؟ اگر سوال کیفیتِ مکان سے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز مکہ معظمہ میں فرض ہوئی یا مدینہ طیبہ میں؟ نیز اگر سوال کیفیتِ شان اور احوال سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ نماز کی فرضیت میں کیا شان رہی، یعنی جس طرح دیگر فرائض اور احکام حضرت جبریل کی معرفت دنیا میں پہنچائے گئے، آیا نماز کی بھی یہی کیفیت ہے یا اس کی فرضیت میں کوئی خاص طریقہ اختیار کیا گیا،

اسی طرح اگر سوال کیفیتِ عددی کا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت جو ہم پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، ابتداء میں یہ پانچ ہی تھیں یا اس سے کم زیادہ تھیں اور بعد میں تخفیف یا اضافہ ہوا.

یہ سب سوالات کیفیت کے تحت آسکتے ہیں. اور اس باب کے ذیل میں امام بخاری نے ان تمام ہی باتوں کا جواب دیا ہے، کہیں یہ بتلائیں گے کہ نماز مکہ معظمہ میں فرض ہوئی، یہ کیفیتِ مکانی کا جواب ہے. کہیں یہ معلوم ہوگا کہ نماز ہجرت سے قبل فرض ہو چکی تھی، یہ کیفیتِ زمانی سے متعلق ہے. کہیں بتلائیں گے کہ نماز کی فرضیت کے متعلق وہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا جو عام فرائض اور احکام کا ہے. کہ حضرت جبرئیل آئیں اور تعلیم دے جائیں، بلکہ نماز کی فرضیت کی شان یہ ہوئی کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش سے عرش پر بلایا گیا اور جس طرح میزبان کی طرف سے معزز مہمان کو کچھ نہ کچھ پیش کیا جاتا ہے، اسی طرح آپ کو لیلۃ المعراج میں نماز جیسی عظیم الشان چیز عطا کی گئی کیونکہ معراج کا معاملہ تو صرف سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا. اور ایک ہی بار تھا، لیکن اس رات میں آپ کو ایسی عظیم الشان عبادت عطا کر دی گئی کہ انسان جب بھی رب العالمین کے دربار میں حاضری دینا چاہے، دے سکتا ہے. اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین فرمایا گیا، کہ نماز مؤمنین کے لئے معراج ہے. پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج میں ہم کلامی کا شرف بخشا گیا تھا، نماز میں بالکل یہی صورت ہوتی ہے کہ بندہ خداوندِ قدوس کے سامنے کھڑا ہو کر حمد و ثنا کرتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں اپنا مقصد عرض کرتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ.

اسی طرح کیفیتِ عددی کے بارے میں بھی حدیث میں جواب آرہا ہے کہ پہلے پچاس نمازیں دی گئیں، اور پھر کس طرح ان میں تخفیف ہوئی. یہ سب سوالات کیفیت سے متعلق ہیں، اور ان کے جوابات ذیل میں دیئے گئے ہیں.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الخ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہرقل والی روایت سے ابوسفیان کا بیان نقل کر دیا، یہ روایت کتاب الوحی میں گذر چکی ہے. یہاں جو ٹکڑا نقل کیا گیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نماز، سچائی اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں. سوال یہ ہے کہ کَیْفَ فُرِضَتِ الصَّلٰوۃ سے اس کو کیا مناسبت ہے. حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں.

"ترجمۃ الباب سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ نماز اسلام کے ابتدائی دور میں

فرض کردی گئی تھی حتیٰ کہ وہ شہرت کے عروج اور دور دراز ممالک تک پہنچ گئی۔"

گویا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک ابوسفیان کا یہ بیان کیفیت زمانی سے متعلق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی کے قریب قریب بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان کی روایت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز مکہ میں فرض کی گئی اور ہجرت سے قبل فرض کی گئی، اسلئے کہ ہجرت کے بعد ابوسفیان ہرقل کی ملاقات تک آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے تھے، اس لئے یَامُرُنَا میں ابوسفیان نے سرکار کی طرف جو امر کی نسبت کی ہے وہ مجاز ہے۔ اس نسبت کا کا مدار شہرت پر ہے، اور اسراء کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ نماز مکہ میں اور ہجرت سے پہلے فرض کی گئی۔ پھر آگے خود ہی کہتے ہیں کہ وقت کی تعیین اگرچہ کیفیت کے ذیل میں حقیقی طور پر داخل نہیں ہے، لیکن اس کے متعلقات میں سے تو ضرور ہے۔ جیسا کہ کتاب الوحی میں گذر چکا ہے کہ وہاں امام بخاری نے کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ کا ترجمہ منعقد کیا اور پھر وحی کے تمام متعلقات اس کے ذیل میں ذکر کر دیئے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے مناسبت کے سلسلہ میں ایک اور بات فرمائی ہے۔ بات دور کی ہے اور نئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کی کیفیت کے بارے میں سوال جب ہی کیا جا سکتا ہے جب پہلے اس کی اصل اور ذات کو ثابت و قائم کر دیا جائے۔ اس لئے امام بخاری نے پہلے ابوسفیان کا بیان نقل کر کے اصل فرضیت کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور اس کے بعد لیلۃ الاسراء کی تفصیلی روایت ذکر کی۔ گویا ابوسفیان کا بیان بطور تمہید ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے قابل قدر اور اچھی بات کہی ہے، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ اور حافظ ابن حجر کی بات بھی اپنی جگہ بہت وزنی ہے۔ اور اگر کیف کے اندر توسع اختیار کیا جائے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

حدثنا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ قَالَ ثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ کَانَ اَبُوْذَرٍّ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَیْتِیْ وَاَنَا بِمَکَّۃَ فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَفَرَجَ صَدْرِیْ ثُمَّ غَسَلَہٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَھَبٍ مُمْتَلِیءٍ حِکْمَۃً وَّاِیْمَانًا فَاَفْرَغَہٗ فِیْ صَدْرِیْ ثُمَّ اَطْبَقَہٗ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِیْ فَعَرَجَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَلَمَّا جِئْتُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا قَالَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ اِفْتَحْ قَالَ مَنْ ھٰذَا قَالَ ھٰذَا جِبْرَئِیْلُ

قَالَ هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ مَعِيَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فُتِحَ
عَلَوْنَا السَّمَآءَ الدُّنْيَا فَاِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلٰى يَمِيْنِهٖ اَسْوِدَةٌ وَعَلٰى يَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ اِذَا نَظَرَ
قِبَلَ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاِبْنِ
الصَّالِحِ قُلْتُ لِجِبْرَئِيْلَ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اٰدَمُ وَهٰذِهِ الْاَسْوِدَةُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ
شِمَالِهٖ نَسَمُ بَنِيْهِ فَاَهْلُ الْيَمِيْنِ مِنْهُمْ اَهْلُ الْجَنَّةِ وَالْاَسْوِدَةُ الَّتِيْ عَنْ شِمَالِهٖ
اَهْلُ النَّارِ فَاِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ ضَحِكَ وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهٖ بَكٰى حَتّٰى عُرِجَ بِيْ اِلَى
السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَ لِخَازِنِهَا اِفْتَحْ فَقَالَ لَهٗ خَازِنُهَا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُ
فَفُتِحَ قَالَ اَنَسٌ فَذَكَرَ اَنَّهٗ وَجَدَ فِي السَّمٰوٰتِ اٰدَمَ وَاِدْرِيْسَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى
وَاِبْرَاهِيْمَ وَلَمْ يُثْبِتْ كَيْفَ مَنَازِلُهُمْ غَيْرَ اَنَّهٗ ذَكَرَ اَنَّهٗ وَجَدَ اٰدَمَ فِي السَّمَآءِ
الدُّنْيَا وَاِبْرَاهِيْمَ فِي السَّمَآءِ السَّادِسَةِ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا مَرَّ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ
السَّلَامُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِدْرِيْسَ قَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ
وَالْاَخِ الصَّالِحِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اِدْرِيْسُ ثُمَّ مَرَرْتُ بِمُوْسٰى فَقَالَ
مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا مُوْسٰى ثُمَّ
مَرَرْتُ بِعِيْسٰى فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْاَخِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا
قَالَ هٰذَا عِيْسٰى ثُمَّ مَرَرْتُ بِاِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ
وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا اِبْرَاهِيْمُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ
فَاَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَاَبَا حَبَّةَ الْاَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُوْلَانِ قَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ
قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ
عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى
فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً قَالَ فَارْجِعْ
اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰى
مُوْسٰى قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَاجَعْتُ
فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ
فَرَاجَعْتُهٗ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ اِلٰى

مُوسٰى فَقَالَ رَاجِعْ رَبَّكَ فَقُلْتُ اِسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّي ثُمَّ انْطَلِقْ بِي حَتّٰى انْتَهٰى بِيْ اِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ لَا اَدْرِيْ مَا هِيَ ثُمَّ اُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ فَاِذَا فِيْهَا حَبَائِلُ اللُّؤْلُؤِ وَاِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور میں اس وقت مکہ میں تھا، پس جبرئیل علیہ السلام اترے اور انہوں نے میرا سینہ چاک کیا، پھر جبرئیل نے اس کو آبِ زمزم سے دھویا، پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے لبریز تھا، اور جو کچھ اس طشت میں تھا وہ انہوں نے میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر انہوں نے سینہ برابر کر دیا، پھر جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لیکر آسمانِ دنیا کی طرف عروج کیا، جب میں قریب ترین آسمان تک پہنچا تو جبرئیل علیہ السلام نے اس آسمان کے تحویلدار سے کہا کھولو! تحویلدار نے معلوم کیا کون ہے؟ کہا جبرئیل! تحویلدار نے دریافت کیا، کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے، جبرئیل نے کہا، ہاں میرے ساتھ محمدؐ ہیں، تحویلدار نے کہا کیا ان کو معراج کے لئے تشریف آوری کی دعوت دے دی گئی؟ جبرئیل نے کہا ہاں، چنانچہ جب اس نے دروازہ کھول دیا، تو ہم آسمانِ دنیا پر آگئے، وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بیٹھے ہوئے ہیں جن کی داہنی جانب بھی کچھ پرچھائیاں ہیں اور بائیں جانب بھی پرچھائیاں ہیں، جب وہ اپنی داہنی جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں، اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، یہ دیکھ کر میں نے جبرئیل علیہ السلام سے معلوم کیا کہ یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ حضرت آدمؑ ہیں، اور یہ جو پرچھائیاں ان کے داہنے یا بائیں ہیں یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں، ان روحوں میں سے داہنی جانب والے اہلِ جنت ہیں، اور بائیں جانب والے اہلِ دوزخ ہیں، چنانچہ جب حضرت آدم داہنی طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ اس کے بعد جبرئیل نے مجھے لیکر دوسرے آسمان کی طرف عروج کیا اور اس کے تحویلدار سے کہا کھولو، دوسرے آسمان کے تحویلدار نے بھی پہلے آسمان کے تحویلدار کی طرح سوالات کئے، پھر دروازہ کھول دیا، حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ بتلایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف آسمانوں میں حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰۃ و السلام سے ملاقات کی، لیکن حضرت ابوذر نے یہ نہیں بتلایا کہ ان کے مقامات کی ترتیب

کیا ہے، بس صرف یہ بتلایا کہ آپ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السّلام سے آسمانِ دنیا پر اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے چھٹے آسمان پر ہوئی، حضرت انس کہتے ہیں کہ جب حضرت جبرئیل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر حضرت ادریس علیہ السّلام کے پاس سے گذرے تو حضرت ادریس نے نبیٔ صالح اور برادرِ صالح کہہ کر استقبال کیا، میں نے جبرئیل سے دریافت کیا، یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ یہ حضرت ادریس ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر میرا گذر ہوا تو انہوں نے بھی نبیٔ صالح اور برادرِ صالح کے الفاظ کے ساتھ مرحبا کہا، میں نے معلوم کیا یہ کون ہیں، تو جبرئیل نے بتایا کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں، پھر حضرت عیسیٰؑ کے پاس سے میرا گذر ہوا تو انہوں نے بھی برادرِ صالح اور نبیٔ صالح کے ساتھ مرحبا کہا، میں نے معلوم کیا یہ کون ہیں، تو جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ حضرت عیسیٰ ہیں، پھر میرا گذر حضرت ابراہیمؑ پر ہوا، تو انہوں نے بھی نبیٔ صالح اور ولدِ صالح کے ساتھ مرحبا کہا، میں نے معلوم کیا کہ یہ کون ہیں، جبرئیل نے بتلایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہیں، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو حبہؓ انصاری دونوں کہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر مجھے ایسے ہموار بلند مقام پر پہنچادیا گیا جہاں میں قلموں کے چلنے کی آواز سن رہا تھا، ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر باری تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض فرمادیں، میں یہ حکم لیکر واپس ہوا تا ایں کہ میرا گذر حضرت موسیٰ پر ہوا، انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا، میں نے کہا پچاس نمازیں! حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپ دوبارہ پروردگار کے پاس جائیے اس لئے کہ آپ کی امت ایک دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ میں واپس ہوا، اور باری تعالیٰ نے نمازوں کا ایک حصہ کم فرمادیا، پھر میں حضرت موسیٰ کی طرف آیا اور انہیں بتلایا کہ ایک حصہ کم کردیا گیا، حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ پروردگار کی طرف پھر رجوع کرو، اس لئے کہ امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، پھر میں نے رجوع کیا اور پھر ایک حصہ باری تعالیٰ نے وضع فرمادیا، اس کے بعد میں دوبارہ حضرت موسیٰ کی طرف آیا، انہوں نے پھر یہی فرمایا کہ پروردگار کی طرف رجوع کرو، اس لئے کہ آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ میں نے پھر پروردگار کی طرف رجوع کیا، تو پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور وہ پچاس کے حکم میں ہیں، میرے نزدیک بات بدلی نہیں جاتی، پھر اس کے بعد میں موسیٰ علیہ السّلام

کی طرف آیا، انہوں نے پھر یہی کہا کہ پروردگار کے پاس جاؤ، اس پر میں نے کہا کہ مجھے پروردگار سے شرم آتی ہے، پھر جبرئیل مجھے لیکر چلے تا اینکہ سدرۃ المنتہی تک پہونچے، اس کو رنگارنگ الوان نے گھیر رکھا تھا جن کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہوسکی، پھر مجھے جنّت کی سیر کرائی گئی جس میں موتیوں کی لڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اس کی مٹی مشک تھی۔

ترجمہ سے ربط حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کی ضروری تفصیلات ہیں، اور اس روایت میں بخاری کے قائم کردہ ترجمہ کَیْفَ فُرِضَتِ الصَّلٰوۃُ فِی الْاِسْرَاءِ سے متعلق بہت سی باتوں کا تذکرہ آگیا ہے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز مکّہ میں فرض ہوئی، کیونکہ معراج کا واقعہ مکّہ کا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نماز کی فرضیت کا تعلق ہجرت سے قبل کے زمانہ سے ہے، اس روایت میں کیفیتِ عددی کے بارے میں بھی ذکر آگیا کہ پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور تخفیف کے بعد پانچ رہ گئیں، اور نماز کی فرضیت کی شان وشوکت اور عظمت ورفعت بھی معلوم ہوگئی، کہ کس طرح آپ کو بلایا گیا اور اس معراج کی عظیم الشان رات میں جو عطیہ آپ کو امّت کے لئے دیا گیا اسی کا نام نماز ہے، اب اس واقعہ کی تفصیل مع تشریحات عرض کی جاتی ہے۔

جبرئیل کی خلافِ معمول طریقہ پر آمد فرج عن سقف بیتی الخ مکّہ کا واقعہ ہے فرماتے ہیں کہ میں امّ ہانی کے مکان میں سورہا تھا، امّ ہانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن ہیں، اس لئے بہ ادنیٰ مناسبت آپ نے ان کے مکان کو بیتی اپنا مکان فرمایا، صورت یہ ہوئی کہ میں سورہا تھا، جبرئیل علیہ السّلام آئے، اور حسبِ معمول دروازے سے نہیں بلکہ خلافِ معمول انہوں نے مکان کی چھت کھول کر نزول فرمایا، اس خلافِ معمول آمد میں کئی چیزوں کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، ایک تو یہ کہ اس وقت کی جبرئیل کی حاضری عام حاضری کے انداز کی نہیں، بلکہ کوئی عظیم الشان مقصد ہے۔ دوسرے یہ کہ جبرئیل چھت کھول کر آئے ہیں، انہوں نے اِدھر اُدھر توجہ نہیں کی بلکہ سیدھے پہنچے ہیں، ظاہر ہے کہ جبرئیل اپنی طرف سے ایسا نہ کرسکتے تھے بلکہ انہوں نے حکمِ خداوندی کی تعمیل میں ایسا کیا ہے، اس سے غایتِ اہتمام کا پتہ چلتا ہے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام کے آسمان سے بالکل سیدھا پہنچنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت کی حاضری کا مقصد اس دنیا کے کسی معاملہ سے نہیں بلکہ عالمِ بالا کے کسی امر سے متعلق ہے، چوتھی چیز یہ بھی قابلِ اعتبار ہے کہ جبرئیل نے چھت کھولی اور برابر کردی، نہ مٹی گری اور نہ کوئی

عیب پیدا ہوا، اب وہ اسی طرح شقِّ صدر کریں گے، اور اس معاملہ میں بالکل مطمئن رہنا چاہیئے۔ جس طرح چھت کھول کر برابر کی جاسکتی ہے اسی طرح سینہ بھی بغیر کسی گھبراہٹ کے چاک اور برابر کیا جاسکتا ہے۔

شقِّ صدر کا راز جبرئیل علیہ السّلام آئے، سینہ مبارک چاک کیا، اور قلب مبارک کو نکال کر آبِ زمزم سے دھویا، پھر وہ سونے[1] کا ایک طشت لائے جو حکمت اور ایمان سے لبریز تھا، انہوں نے اس حکمت و ایمان کو قلبِ مبارک میں اُتار دیا، اور پھر سینۂ مبارک کو برابر کر دیا۔

شقِ صدر اس سے پہلے بھی ہوچکا ہے، مگر وہ دوسرے مقاصد کے لئے تھا، یہاں جس شقِّ صدر کا تذکرہ ہے وہ دوسرے مقاصد کے لئے ہے، عالمِ بالا کی سیر کرانی ہے، تصور سے بالاتر چیزیں دکھانی ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ قلبِ مبارک میں اتنی قوت پیدا کر دی جائے جو ان چیزوں کا متحمل ہو سکے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی نظر خیرہ ہو جائے اور جن چیزوں کو دکھانا اور سمجھانا ہے ان کو دیکھنے اور سمجھنے میں دقّت ہو، چنانچہ شقِّ صدر کیا گیا اور حکمت و ایمان سے لبریز سونے کا طشت قلبِ مبارک میں انڈیل دیا گیا۔

ایمان تو پہلے ہی سے کامل و اکمل تھا، لیکن بظاہر بنیۂ[2] بشری ان مافوق العادۃ چیزوں کا متحمل نہیں ہوتا، چنانچہ جب جبرئیل پہلی بار وحی لیکر آئے، تو اگرچہ وہ اپنی اصل شکل وصورت میں نہ تھے لیکن آپ پر بے حد اثر رہا، کچھ دنوں کے لئے سلسلہ روک دیا گیا، پھر دوبارہ یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے، آواز آئی، دیکھتے ہیں کہ ایک فرشتہ جو آپکے پاس

---

[1] یہاں یہ اشکال نہیں ہونا چاہیئے کہ سونے کا استعمال کیوں کیا گیا پہلی بات تو یہ کہ جبرئیل اپنی طرف سے ایسا نہیں کر سکتے، جو کچھ ہوا بحکمِ خداوندی ہوا، پھر حرمت وحلّت کا سوال ہی ختم ہوجاتا ہے، دوسرے یہ کہ طشت یہاں کا نہیں جنت کا ہے، اور استعمال کرنے والے خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ جبرئیل ہیں، اور یہ حرمت وحلّت کے احکام جنت کے ظروف اور جبرئیل کے بارے میں نہیں ہیں، تیسرے یہ کہ واقعہ مکّہ کا ہے، جب تک احکام نازل نہیں ہوئے تھے، سونے کے برتن کا استعمال بھی غایتِ اہتمام کی طرف مشیر ہے۔ سونا اور وہ بھی جنت کا، نہایت اعلیٰ قسم کی دھات ہے۔ تغیر کو قبول نہیں کرتا، اور مافی الظرف کی حفاظت کرتا ہے، ظرف کی بھی خاصیت ہوتی ہے، اور اطبّاء جانتے ہیں کہ کس کام کے لئے کونسی دھات کا استعمال موزوں ہے، اسی طرح یہاں بحکمِ خداوندی سونے کا طشت استعمال ہوا۔ واللہ اعلم

[2] بِنیۃ، ڈھانچہ، شکل، فطرت، مراد ہے جسم انسانی ۱۲

غار میں آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان کرسی بچھائے بیٹھا ہے، اور دونوں افق اس کے وجود سے گھرے ہیں، یہ صورت دیکھ کر آپ پر لرزہ طاری ہوگیا، یہ تو جبرئیل کا معاملہ تھا، اور اس وقت عالمِ بالا کی سیرکرانی ہے، وہاں میکائیل بھی ہیں، ان کے سامنے جب جبرئیل پہنچتے ہیں تو چھوٹے پرندے کی طرح سمٹ جاتے ہیں، اور میکائیل سے بھی بڑے فرشتے ہیں، اور دوسری عجائبات بھی ہیں، اس ضرورت کے تحت قلبِ مبارک کو چاک کیا گیا، اور حکمت و ایمان سے لبریز کردیا گیا۔

معراج کیلئے روانگی

ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِي الخ ان تمام مراحل سے فارغ ہوکر جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف لے گئے، یہ معراج جسدی ہے، منامی نہیں ہے، حضرت جبرئیل علیہ السّلام آپ کا ہاتھ پکڑے آسمان کی طرف لے جارہے ہیں، آپ ایک برق رفتار بُراق پر سوار ہیں، جس کے بارے میں روایت میں آیا ہے یضع قدمہٗ منتہی نظرہٖ جس کا قدم منتہائے نظر پر پڑتا ہے، سواری کی اس برق رفتاری کے سبب ضرورت تھی کہ جبرئیل آپ کا دستِ مبارک تھامیں تاکہ کسی طرح کا اندیشہ آپ کے قلبِ مبارک میں پیدا نہ ہو، دوسرے یہ کہ آپ ملائکہ و بشر سب میں افضل و برتر ہیں اور خصوصی دعوت پر آسمان کی طرف بلائے جارہے ہیں، اس لئے جبرئیل ہوں یا میکائیل ان کا فرض ہے کہ اپنے مخدوم کی رکاب سنبھالیں اور ساتھ چلیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت ذکر کی ہے اس میں بیت المقدس تک اسرار کا تذکرہ نہیں ہے، اس بنار پر بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ معراج کا واقعہ دو بار پیش آیا، ایک مرتبہ آپ مکّہ سے براہِ راست آسمان کی طرف تشریف لے گئے جس کا تذکرہ اس روایت میں ہے، اور دوسری معراج وہ ہے جس میں آپ پہلے بیت المقدس گئے اور پھر وہاں سے آسمان کی طرف تشریف لے گئے، پھر بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ایک معراج منامی ہے اور دوسری بیداری کی، اور اس میں کچھ استبعاد نہیں ہے، ایسا آپ کی زندگی میں بارہا ہوا ہے۔ کہ جو چیز آپ کو بیداری میں پیش آنے والی ہوتی وہ آپ کو خواب میں پہلے معلوم ہوجاتی تھی، ہمارے اسلاف میں حضرت علامہ کشمیریؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ معراج دو ہیں، ایک منامی ہے اور دوسری بیداری کی حالت میں

امام بخاری رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں کہ جس رات میں نماز فرض ہوئی اسی رات میں بیت المقدس تک اسرار بھی ہے، اور عالمِ بالا تک معراج بھی ہے، اگرچہ اسرار اور معراج

دو الگ الگ چیزیں ہیں کہ بیت اللہ سے بیت المقدس تک سفر اسراء کہلاتا ہے، اور بیت المقدس سے آسمانوں کا سفر معراج، مگر امام بخاریؒ کی تحقیق میں یہ دونوں سفر ایک ہی رات سے متعلق ہیں اس لئے کیف فرضت الصّلوٰۃ فی الاسراء کے معنی یہ ہوئے کیف فرضت الصّلوٰۃ فی لیلۃ الاسراء کہ لیلۃ الاسراء میں نماز کیسے فرض ہوئی۔

اس ترجمہ کے الفاظ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگرچہ روایت میں بیت المقدس تک جانے کا تذکرہ نہیں ہے لیکن وہ واقعہ بھی اسی رات میں بحالتِ بیداری پیش آیا ہے، تذکرہ نہ ہونا راوی کا اختصار ہے، اس میں بیت المقدس کے ذکر کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں مذکور نہیں، جیسے براق وغیرہ۔

آسمانِ دنیا کے دروازے پر

فَلَمَّا جِئْتُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا۔ جب ہم قریب والے آسمان کے دروازے پر پہنچے تو جبرئیل نے دربان سے جس کا نام اسمٰعیل تھا کہا، دروازہ کھولئے، معلوم ہوا کہ دروازہ بند تھا، اگر دروازہ کھلا ہوتا تو اس میں اعزاز کی خاص صورت نہ تھی، دروازہ کھلا ہو تو آمدورفت ہوتی ہی رہتی ہے، اعزاز اس میں ہے کہ جس کے لئے تقریب کا اہتمام کیا گیا ہے اس کے آنے ہی پر دروازہ کھولا جائے، دروازہ بند کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر دروازہ کھلا ہوتا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نظر اندر پہنچتی، دروازہ کا بیرونی حسن وجمال اور اس کی زینت آپ کے سامنے نہ آسکتی۔

چنانچہ جب حضرت جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو دربان نے سوال کیا کون ہے؟ جواب دیا جبرئیل! اس جواب پر دربان نے دروازہ نہیں کھولا، بلکہ وہ پہلے یہ معلوم کرتا ہے کہ آپ تنہا ہیں یا کوئی ساتھ ہے، جواب دیا کہ ہاں میرے ساتھ محمدؐ ہیں قال أأُرْسِلَ اِلَيْهِ۔ دربان نے سوال کیا، کیا تمہیں ان کو بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا، جبرئیل علیہ السّلام نے جواب دیا، ہاں، اس کے بعد دربان نے دروازہ کھول دیا۔

ءَ اُرْسِلَ اِلَيْهِ کے یہ معنی نہیں جیسا کہ بعض حضرات نے بیان کئے ہیں کہ کیا ان کو رسالت دے دی گئی اور پیغمبر بنا دیا گیا؟ اس سوال کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں، کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رسالت اہلِ آسمان کے لئے کوئی پوشیدہ بات نہ تھی، اور خصوصًا دربان کے لئے جہاں سے اعمالِ خیر کا صعود ہوتا رہتا ہے، جس دروازے سے جبرئیل وحی لیکر آتے جاتے ہیں، وہاں رسالتِ محمدیہ کی اطلاع نہ ہونا ممکن ہے، البتہ یہ سوال قرینِ قیاس ہے کہ کیا تم کو ان کے بلانے کے لئے

بھیجا گیا تھا؟ اور اس سوال کی معقول وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاز میں جبرئیل علیہ السلام کو دعوت دینے کے لئے کسی مخصوص دروازے سے بھیجا گیا ہو، اس خاص دروازے سے جبرئیل کو جانے کا شرف آپ کو دعوت دینے کے اعزاز میں حاصل ہوا، لیکن جب وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لیکر واپس ہوئے تو مخصوص دروازے سے نہیں بلکہ عام راستہ سے بلایا گیا تاکہ ایک طرف تو آپ کے سامنے قدرت کا انتظام اس طرح آجائے کہ دربان بھی بغیر یہ بات معلوم کئے کہ آپ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ بُلواتے ہوئے آئے ہیں دروازہ کھولنے کے لئے تیار نہ ہوا، اس سے آپ کے سامنے ملکوت السمٰوات والارض کا انتظام آگیا، اور اس سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ اہلِ آسمان پر آپ کی شان اور عظمت کا مظاہرہ ہوگیا۔

اس معنی کے اعتبار سے آسمان کے دربان اسمٰعیل کے سوال کا مفہوم یہ ہوگا کہ میاں تم کس راہ سے چلے گئے اور کب چلے گئے، ورنہ یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا تم ان کو بلانے کے لئے بھیجدیئے گئے تھے، فرشتے کو اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوپر طلب کئے جانے کی اطلاع نہ ہو، جب کہ اس سلسلہ میں آسمانوں کو خاص طریقہ پر مزین کیا گیا، جبکہ دروازوں پر انبیاء کرام خوش آمدید کہنے کے لئے موجود ہیں، فرشتوں کے پرے کے پرے استقبال کے لئے کھڑے ہیں، درِ آسمان کی زینت خدا معلوم کیا ہوگی؟ اس لئے ان حالات میں آپ کے اوپر طلب کئے جانے کی اطلاع نہ ہو، یہ بھی بعید ہے۔ اس لئے قرین عقل یہی ہے کہ فرشتہ سوال یہ کر رہا ہے کہ تم کب اور کدھر سے چلے گئے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرشتے کو بعثت کی خبر ہے اور اُوپر بُلائے جانے کی بھی خبر ہے لیکن یہ خبر نہیں کہ اس دعوت کے لئے کون سا وقت مقرر کیا گیا ہے، وہ درِ آسمان کی زینت اور دوسرے انتظامات سے بھی باخبر ہے، فرشتوں اور انبیائے کرام کے اہتمام سے بھی واقف ہے، مگر وہ فرشتہ ہے۔ اور یفعلون ما یؤمرون (انہیں جو حکم دیا جائے بجا لاتے ہیں) کے سبب اپنی ذمہ داری کے علاوہ دوسری چیزوں کی تحقیق اس کا شیوہ نہیں، اس معنی کے اعتبار سے اس کا یہ سوال کہ کیا ان کو اوپر تشریف آوری کی دعوت دے دی گئی صحیح ہے، البتہ اس معنی کی کسی صورت گنجائش نہیں کہ کیا ان کو رسول بنا دیا گیا؟ واللہ اعلم

پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات

سوال وجواب کے بعد دروازہ کُھلا، اوپر چڑھے تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی

داہنی جانب بھی کچھ پرچھائیاں پڑرہی ہیں اور بائیں جانب بھی، ان بزرگ کی حالت یہ ہے کہ داہنی جانب نظر جاتی ہے تو خوشی سے ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھتے ہیں تو غم سے روتے ہیں، جب آپ تشریف لے گئے تو ان بزرگ نے مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ کہہ کر استقبال کیا، آپ نے حضرت جبرئیل سے معلوم کیا، یہ کون ہیں، تو بتلایا گیا کہ حضرت آدم ہیں۔ اور ان کے داہنے بائیں جو پرچھائیاں ہیں، یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں، داہنی سمت والے جنتی ہیں اور بائیں طرف والے دوزخی، اسلئے جب وہ داہنی طرف دیکھتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے ہنستے ہیں، بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم سے ملاقات کرائی گئی، کیونکہ سلسلۂ انسانیت انہیں سے چلا ہے۔ وہ سب کے باپ ہیں، اور اسی نسبی حیثیت سے ان کا حق ہے کہ سب سے پہلے ان ہی سے ملاقات کرائی جائے۔

روایت میں آیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں اور بائیں روحیں ہیں، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتاب وسنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کافروں کی روحیں مقام سجین میں رہتی ہیں اور مؤمنین کی روحیں علیین میں انعامِ ربانی سے نوازی جاتی ہیں۔ پھر ان دونوں طرح کی روحوں کا آسمانِ دنیا پر حضرت آدم کے داہنے اور بائیں ہونے کا کیا مفہوم ہے، اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگرچہ روحیں اپنی اپنی جگہ رہتی ہیں لیکن ہوسکتا ہے کہ اس خاص وقت میں ان روحوں کو حضرت آدم کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہو، لیکن اس تقدیر پر اشکال یہ ہے کہ روایت سے یہ چیز ثابت ہے کہ کافروں کی روحوں کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا، اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے جنت حضرت آدم کے داہنی طرف اوپر ہو اور جہنم بائیں طرف نیچے، اور حضرت آدم کے لئے درمیانی حجابات اٹھا دیئے جاتے ہوں، تاکہ وہ اپنی دونوں طرح کی اولاد کے حالات سے باخبر ہوسکیں۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کی روحیں تین حالتوں میں ہیں، ایک تو وہ روحیں ہیں جو اس عالم میں آکر عالمِ آخرت کی طرف منتقل ہوگئیں، دوسری روحیں وہ ہیں جو اس وقت انسانوں کے جسموں سے متعلق ہیں، اور تیسری روحیں وہ ہیں جو ابھی تک اس دنیا میں نہیں آسکی ہیں، اشکال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ہم پہلی اور دوسری قسم کی روحیں مراد لیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں روحیں مراد ہی نہیں ہیں، اس لئے کہ جو روحیں اس عالم میں

آگئیں اور پھر دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوگئیں، ان کا انجام معلوم ہے کہ کافروں کی روحیں سجین سے متعلق ہیں اور مؤمنین کی روحیں علیین سے، اسی طرح وہ روحیں بھی مراد نہیں ہوسکتیں جن کا تعلق ابھی تک انسانی جسموں سے ختم نہیں ہوا، کیونکہ وہ روحیں ابھی تک اس دنیا میں جسموں سے متعلق ہیں، اس لئے صرف تیسری قسم کی روحیں مراد ہوسکتی ہیں، یعنی جو ابھی تک اس دنیا میں نہیں آسکی ہیں، یہ روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے اور بائیں آسمانِ دنیا پر ہیں اور ان کا حال حضرت آدم پر منکشف ہوتا رہتا ہے، اس تقدیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

دوسرے آسمان پر

پہلے آسمان کے بعد دوسرے آسمان کے دروازے پر پہنچے، دروازہ کھلوایا اور وہاں بھی سوال وجواب ہوا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آسمانوں پر آدم، ادریس، موسیٰ، عیسیٰ اور ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی، لیکن حضرت ابو ذرؓ نے یہ نہیں بتلایا کہ کس آسمان پر کس پیغمبر سے ملاقات ہوئی، بس یہ بتلایا کہ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ اور چھٹے آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، یہاں اشکال یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات چھٹے آسمان پر بتلائی گئی ہے جبکہ اس روایت کے علاوہ باقی تمام روایات میں تقریباً حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ساتویں آسمان پر بیان کی گئی ہے۔ اب اگر معراج کا واقعہ ایک بار سے زائد پیش آیا ہے تو کوئی اشکال کی بات ہی نہیں، ورنہ چونکہ دوسری روایات میں ساتویں آسمان کے ساتھ یہ چیز بھی مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے اور بیتُ المعمور اکثر کے نزدیک ساتویں آسمان پر ہے اس لئے اس روایت میں تاویل کی جائے گی، اور وہ تاویل نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا مقام ان کے درجہ کے اعتبار سے گو ساتواں آسمان ہی ہے، لیکن وہ استقبال کی غرض سے چھٹے آسمان تک آگئے تھے، پھر آپ کے ساتھ ہی ساتھ ساتویں پر چلے گئے، اس معنی کے اعتبار سے جن روایات میں ساتواں آسمان مذکور ہے وہ بھی درست ہے، اور جن روایات میں چھٹے آسمان کا ذکر ہے وہ بھی صحیح ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ادریسؑ کے پاس سے گذرے تو انہوں نے مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ نبی صالح اور برادرِ صالح کے الفاظ سے مرحبا کہا، یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ صرف حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ

علیہما السّلام نے آپ کو صالح نبی اور صالح بیٹے کہہ کر خطاب فرمایا ہے، باقی تمام انبیائے کرامؑ صالح نبی اور صالح بھائی کہہ کر خطاب کر رہے ہیں، اسی لئے حضرت ادریسؑ کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ یہ کون ہیں؟ جمہور کی رائے تو یہ ہے کہ یہ بھی حضرت نوحؑ کی طرح آپ کے اجداد میں داخل ہیں اور ان کا زمانہ حضرت نوحؑ سے بھی پہلے ہے۔ لیکن بعض حضرات جن میں امام بخاری بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ حضرت ادریس آپ کے عمودِ نسب اور آپ کے اجداد میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ بخاری آگے کتاب الانبیاء میں بتلائیں گے کہ یہ حضرت ادریسؑ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں، اور دراصل حضرت الیاس کا نام ادریس ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ آپ کے عمودِ نسب میں نہیں ہیں، ان حضرات کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضرتِ ادریس عمودِ نسب میں شامل ہوتے تو وہ آپ کو اخ کہہ کر خطاب نہ کرتے، بلکہ حضرتِ آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح ابن (بیٹا) کہتے، لیکن یہ کوئی مضبوط دلیل نہیں، ہو سکتا ہے کہ حضرت ادریسؑ نے آپ کی عظمت و رفعت کے اعتراف کے لئے ابن کے بجائے اخ سے خطاب کیا ہو، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت آدمؑ نے تو ابن (بیٹے) کے لفظ سے اس لئے خطاب کیا کہ حضرت آدم تو ابو البشر ہیں، سب ہی کے باپ ہیں، اور حضرت ابراہیم کی ابوّت کا اعلان آپ نے خود اس دنیا میں فرمایا ہے، پھر بعض روایات میں حضرت ادریس کی طرف بھی ابن کا لفظ منسوب ہے۔ اس لئے قرینِ قیاس جمہور ہی کی بات ہے، کہ حضرت ادریس علیہ السّلام وہی ہیں جو حضرت نوحؑ سے بھی پہلے ہیں۔ اور آپ کے عمودِ نسب میں شامل ہیں واللہ اعلم

نماز کی فرضیت

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد مجھے ایسے ہموار و بلند مقام پر پہنچایا گیا جہاں سے میں فرشتوں کے دفتروں میں قلم چلانے کی آواز سن رہا تھا، یہ نہیں بتلایا کہ آپ ان دفتروں میں تشریف بھی لے گئے یا نہیں، یا وہ فرشتے جو قلم چلا رہے تھے اپنی جگہوں سے نکل کر باہر آئے یا نہیں، ان چیزوں میں سے کوئی چیز مذکور نہیں ہے۔ کیونکہ جتنی چیزیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو دکھلانی تھیں دکھلا دی گئیں اور جن چیزوں کو دکھلانا نہ تھا، ان کا معائنہ آپ کو نہیں کرایا گیا، بہرکیف اتنی بات اس روایت سے معلوم ہوئی کہ آپ اتنی بلندی پر پہنچے کہ وہاں سے قلم چلانے کی آواز سن رہے تھے

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ نے میری امّت پر پچاس نمازیں فرض فرما دیں۔ یعنی پیغمبر کو تو معراج کرا دی گئی، اس معراج میں سے امّت کو بھی تو کچھ حصّہ ملنا چاہیئے، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام تو اوپر تشریف لے گئے، پروردگار سے مناجات اور مناجات کے بعد

رویت کا شرف حاصل ہوا، امت کا کیا ہوگا، اس شرف میں امت کو حصہ یہ ملا کہ پچاس نمازیں مقرر کردی گئیں، جس قدر خشوع اور خضوع سے نمازیں ادا ہوں گی اسی قدر امت کو ترقی ہوگی، الصّلوٰۃ معراج المؤمنین فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ نماز پروردگار سے مناجات کا ذریعہ ہے تم نماز پڑھ رہے ہو تو باری تعالیٰ سے بات کر رہے ہو، تمہارا رب تمہارے اور قبلہ کے درمیان ہے چنانچہ آپ بے چون وچرا اس تحفہ کو لیکر واپس ہوئے، آپ نے یہ خیال ہی نہیں فرمایا کہ یہ پچاس نمازیں کس طرح ادا ہوں گی، اس لئے کہ آپ مقامِ عبدیت میں ہیں۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ فرمایا گیا ہے، عبودیت کامل تھی اور عبودیت کا تقاضا ہے کہ جب بلوایا جائے چلے جائیں، اور جو چیز دی جائے اس کو بے چون وچرا قبول کریں۔

پچاس نمازوں کی فرضیت میں پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عظمت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا، کیونکہ خداوند قدوس کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نعمت نماز ہے، جس قدر یہ نعمت زیادہ ہوگی اسی قدر شان نمایاں ہوگی۔

حضرتِ موسیٰ کا مشورہ

آپ پچاس نمازوں کا عطیہ بارگاہ ربّ العالمین سے لیکر آرہے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو راستے میں کھڑا کر دیا گیا، تاکہ جب آپ ادھر سے گذریں تو وہ نمازوں کے سلسلہ میں آپ کو مشورہ دیں، چنانچہ جب آپ حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرے تو انہوں نے معلوم کیا کہ آپ کیا ہدیہ لیکر آرہے ہیں، آپ نے فرمایا، پچاس نمازیں! اس پر حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تو بڑی ذمہ داری ہوگئی، میں سمجھتا ہوں کہ امت بڑی کمزور ہے، اس بارِگراں کو برداشت نہ کر سکے گی، اس لئے واپس جائیے، ابھی عرض ومعروض کی گنجائش ہے، آپ واپس ہوئے اور درخواست پیش کی، چنانچہ ایک حصہ کم کر دیا گیا، یہاں شطر کا لفظ ہے، جس کا ترجمہ نصف نہیں بلکہ ایک حصہ ہے، دوسری روایات میں اس کی تفصیل پانچ آئی ہے، آپ پھر بارگاہِ ربّ العالمین سے لوٹے، حضرت موسیٰ منتظر تھے، پوچھا کیا ہوا، آپنے فرمایا پانچ کم کر دی گئیں، حضرتِ موسیٰ نے کہا ابھی اور جاؤ، اب بھی بہت ہیں، موسیٰ علیہ السّلام بار بار واپس فرما رہے ہیں اور آپ واپس جارہے ہیں، اور پروردگار کی طرف سے پانچ پانچ کی تخفیف کی جارہی ہے، ایک مرتبہ میں بھی تخفیف کرکے پانچ کی جاسکتی تھیں، مگر ایسی صورت میں آپ کی شانِ محبوبیت کا اظہار نہ ہوتا، جواب ہو رہا ہے، کہ بار بار حاضری کا موقع دیا جارہا ہے، اور جو عرضداشت محبوب کی جانب سے پیش کیجارہی ہے قبول ہو رہی ہے۔ یہاں تک کہ نمازیں پچاس سے کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں، اور فرمادیا گیا

هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ کہ اب نمازیں پانچ ہیں اور وہ پانچ رہتے ہوئے بھی پچاس ہی ہیں، عالمِ شہود کی پانچ اور عالمِ غیب کی پچاس، یا وجودِ حسی کے اعتبار سے پانچ اور وجودِ حقیقی کے اعتبار سے پچاس ہیں، اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عطاء کا سلسلہ پچاس سے شروع کیا تھا لیکن منظور کتنی نمازوں کا بقا رتھا، یہ نہیں بتلایا تھا۔

آخر میں معلوم ہوا کہ بس پانچ نمازوں کا باقی رکھنا منظور ہے۔ اور اس کے بعد فرمادیا لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ یعنی ہم تو تبدیلی پہلے ہی سے طے کر چکے تھے، البتہ تمہیں خیال گذرا کہ پچاس کا مطلب پچاس ہی ہے۔ حالانکہ ہمیں منظور پانچ ہی کا بقا رتھا، ان دونوں معنی کے اعتبار سے لا یبدل القول لدیّ کا تعلق آئندہ کے معاملات سے نہیں، بلکہ اسی معاملہ سے ہے جو اَب تک ہوتا رہا ہے، یعنی اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آئندہ تبدیلی نہ ہوگی، بلکہ معنی یہ ہیں کہ دیکھو ہمارے یہاں تبدیلی نہیں ہوتی، پہلے ہم نے پچاس کہا تھا، اب بھی پانچ رہتے ہوئے پچاس ہی ہیں یا پہلے ہم نے پچاس کہا ضرور تھا لیکن منظور پانچ ہی کا باقی رکھنا تھا۔

علامہ سندھی کا ارشاد

آپ جب آخری بار پروردگار کی بارگاہ سے واپس ہوئے تو پھر حضرت موسیٰ نے سوال کیا، آپ نے بتلایا کہ اب پانچ رہ گئی ہیں، حضرت موسیٰ نے پھر وہی مشورہ دیا کہ ابھی اور جاؤ اور عرض معروض کرو، میں نے اپنی امت کو بہت آزمایا ہے، باوجودیکہ ان کے قویٰ مضبوط اور ان کی عمریں طویل تھیں وہ تین نمازیں بھی نہ پڑھ سکے، آپ کی امت بہت کمزور ہے، وہ پانچ نمازیں کیسے ادا کر سکے گی، اب بھی بہت ہیں، لیکن آپ حضرت موسیٰ کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي اب مجھے حیا آتی ہے۔

علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ آپ کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ لا یبدل القول لدیّ کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اب پانچ نمازوں میں کمی زیادتی نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے کہ اگر مفہوم یہی ہوتا تو سرکار رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کے جواب میں استحییت من ربّی نہ فرماتے، بلکہ یہ فرماتے کہ اب واپسی اور عرض معروض کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے لا یبدل القول لدیّ فرمایا جا چکا ہے۔

آپ کا حضرت موسیٰ کے جواب میں یہ فرمانا کہ اب میں نہیں جاؤنگا، اب مجھے حیا آتی ہے۔ یہ بتلا رہا ہے کہ آپ بھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ عرض معروض کی گنجائش ہے لیکن حیا مانع ہے۔

پھر علامہ سندھی کہتے ہیں کہ لا یبدل القول لدیّ کا مفہوم یہ ہوگا کہ دیکھو ہمارے

یہاں کا اصول یہ ہے کہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں دی جاتی ہیں اور اس اصول میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، علامہ کہتے ہیں کہ یہ اصول ہی خمسٌ وھی خمسُونَ سے مستنبط ہو رہا ہے کہ نمازیں پانچ ہیں اور پچاس بھی ہیں، ایک اور دس کی نسبت کی طرف اشارہ ہے[1]

حیا کیوں آتی ہے آپ نے فرمایا کہ اب مجھے اور عرض معروض سے شرم آتی ہے، اس لئے کہ اب معاملہ ہے عزتِ نفس کا، کیونکہ انبیاء علیہم السّلام سے نماز کے سلسلہ میں جو تعداد منقول ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ بعض انبیاء نے دو نمازیں ادا کی ہیں، بعض نے تین اور چار، اور بعض انبیاء کرام سے پانچ نمازوں کی گنتی بھی منقول ہے، گویا دیگر انبیاء کرام کے سلسلہ میں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ پانچ نمازوں کا عمل منقول ہوا ہے، اور آپ سیّد الانبیاء ہیں آپ کی امّت خیر الامم ہے۔ اس سیادت اور خیریت کا تقاضا کیا ہے؟ خیریت کا انحصار ہے عمل پر اور اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، اس لئے سیادت اور خیریت کا تقاضا یہ ہے کہ جب نمازیں پانچ رہ گئی ہیں تو اب مزید تخفیف کی درخواست نہ کی جائے، تاکہ اس امّت کی نمازوں کی تعداد اممِ سابقہ سے وجودِ حسّی میں بھی کم نہ ہو۔

حیا کی دوسری وجہ یہ ہے کہ پچاس نمازوں کی فرضیت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مشورے سے آپ جب جب واپس ہوتے ہیں پانچ پانچ کم کر دی جاتی ہیں، اب جبکہ نمازیں صرف پانچ ہی رہ گئی ہیں مزید تخفیف کی درخواست کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باقی ماندہ پانچ نمازیں بھی بالکل ہی معاف کر دی جائیں، اور اس کا مآل العیاذ باللہ عطیۂ خداوندی کا واپس کر دینا ہوگا، جو کسی حال میں مناسب نہیں، نیز یہ کہ اگر تمام نمازیں ہی ختم کر دی جائیں تو لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع جس دین میں نماز نہ ہو اس میں بھلائی نہیں، پھر یہ کہ جب آخری مرتبہ میں آپ نے لا یبدّل

---

[1] حنفیہ پر وجوب وتر کے سلسلہ میں اس روایت کو سامنے رکھ کر اعتراض کیا گیا ہے کہ فرض نمازیں پانچ ہی ہیں اس سلسلہ میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی، اور اضافہ وتر کا قول اس اعلان کے خلاف ہے، لیکن جب ھی خمس وھی خمسون کا مفہوم ایک اور دس کی نسبت ہوا۔ اور لا یبدّل القول لدیّ کا مطلب یہ ہوا کہ اس اصولِ کلی میں کوئی تغیر یا ترمیم نہ ہوگی۔ تو اضافہ وتر کے بعد کہا جائیگا کہ جب نمازیں پانچ تھیں تو ان کا شمار پچاس تھا، اب وتر کے اضافہ کے بعد چھ ہو گئیں تو دس کا اضافہ اور کر لو، علامہ سندھی نے جو بات فرمائی ہے اس کی رو سے وتر کا مسئلہ بھی صاف ہو گیا۔ ۱۲

القول لدیؒ سے یہ سمجھ لیا کہ پانچ کا باقی رکھنا خداوند قدوس کی رضا ہے، توجس سلسلہ میں رضائے الٰہی معلوم ہوگئی اس سلسلے میں عرض معروض سے حیا مانع ہوئی، یہ متعدد وجوہ ہیں جن کی بنا پر آپ نے حضرت موسیٰ سے فرمادیا کہ اب میں عرض معروض نہیں کروں گا، مجھے حیا آتی ہے۔ واللہ اعلم

مشورہ کیلئے حضرت موسیٰؑ کا انتخاب

یہاں ایک یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مشورہ کیلئے تمام پیغمبروں میں سے صرف حضرت موسیٰ کا انتخاب کیا گیا، اس خصوصیت کی کیا وجہ ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں اور یہ ملت ملتِ ابراہیمی بھی ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں، خلت کے مقام پر ہیں، اور خلت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جو حکم ملے اس کو تسلیم کیا جائے، جیساکہ زندگی میں بیٹے کی قربانی وغیرہ کے معاملہ میں اس کا اظہار بھی ہوچکا ہے۔ جب حضرت ابراہیم یہ مشورہ نہیں دے سکتے، تو اب یہ مشورہ کس سے دلایا جائے، ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس امتِ محمدیہ کے شرف اور اس کی عظمت کا بہت زیادہ خیال ہے، دُعا کرتے ہیں ربِّ اجعلنی من امۃِ محمّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، دوسرے یہ کہ انبیاء میں تقسیم ہے، انبیاء بنی اسرائیل اور انبیاء بنی اسمٰعیل، بنی اسرائیل کے جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پہنچتا ہے کہ ان سے مشورہ دلایا جائے، نیز یہ کہ حضرت موسیٰ یہ بھی جانتے ہیں کہ میری بعثت ونبوت کا دور توختم ہوچکا ہے، اس لئے اب میری امت کی فلاح اور نجات کا مدار بھی آپ ہی کے اوپر ایمان لانے میں ہے۔ اور بنی اسرائیل بھی آپ ہی کی امت میں آرہے ہیں جن کا تجربہ حضرت موسیٰ فرماچکے ہیں اسی لئے وہ مشورہ کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے کہ جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرے تھے توروایات میں آتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ روپڑے اور فرمایا انّ ھذا الغلام یکثر بامّتہٖ اس نوجوان کی امت بہت زیادہ ہوگی، یہاں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کے معنی میں غلام کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس میں توہین کا ایہام تھا اور حضرت موسیٰ کی شان ہے کان عند اللہِ وجیھًا بہ ظاہر یہ غلام کا لفظ حضرت موسیٰ کی شان وجاہت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے خداوند قدوس نے حضرت موسیٰ کو مشورہ کے لئے آگے بڑھادیا، کہ اگر معاذ اللہ یہ کلمہ توہین کے لئے ہوتا تو حضرتِ موسیٰ اتنی دل سوزی سے کیوں مشورہ دیتے، اول تو انبیاء کرام ان عیوب سے مبرّا ومادراء ہیں پھر حضرت موسیٰ اس عالم میں ہیں جہاں اس طرح کے جذبات ہی نہیں پیدا ہوتے، لیکن حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی شانِ وجاہت کو صاف فرمانا مقصود تھا اس لئے حضرت موسیٰ ہی سے مشورہ دلایا گیا، واللہ اعلم

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس

اس کے بعد آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جبرئیل پھر مجھے لیکر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے، سدرۃ المنتہیٰ جمہور کے نزدیک بیری کے اس درخت کا نام ہے جس کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور اس کی شاخیں ساتویں آسمان پر ہیں، گویا کہ یہ درخت چھٹے آسمان پر بھی ہے اور ساتویں آسمان پر بھی، اس کو سدرۃ المنتہیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ فرشتے اعمال کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جاتے ہیں اور متعلقہ احکام وہیں سے لاتے ہیں۔

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہٗ سدرۃ المنتہیٰ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان اور زمینیں میرے نزدیک جہنم کا علاقہ ہیں، اور جنّت ساتوں آسمان کے اوپر کا حصّہ ہے۔ اور جنّت کی چھت باری تعالیٰ کا عرشِ اعظم ہے، گویا سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ جو چھٹے آسمان پر ہے جہنم کی حدود میں ہے، اور اس کی شاخیں جو ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہیں جنّت کی حدود میں ہیں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا عندھا جنّۃ الماویٰ اس کے پاس سے یعنی اس کی شاخوں سے جنت کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے، معلوم ہوا کہ اس سے نیچے کا علاقہ جنت کا نہیں ہے بلکہ اس کو جنت کے مقابلہ میں جہنم کا علاقہ کہہ سکتے ہیں، اور یہ تمام علاقے قیامت میں جہنم کی صورت میں تبدیل ہوجائیں گے، گویا حضرت علامہ نور اللہ مرقدہٗ کے نزدیک سدرۃ المنتہیٰ کو سدرۃ المنتہیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں سے جنّت کا علاقہ شروع اور جہنم کا علاقہ ختم ہوجاتا ہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اس کو طرح طرح کے رنگوں نے چھپا رکھا تھا لیکن ان رنگوں کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہوسکی، قرآن کریم میں بھی اس حقیقت کو مبہم الفاظ ہی میں بیان کیا گیا ہے إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ دوسری روایات میں آتا ہے کہ اس درخت کے ہر پتے پر فرشتے کھڑے رہتے ہیں جو باری تعالیٰ شانہٗ کی تقدیس وتسبیح کرتے رہتے ہیں، یہ طرح طرح کے رنگ غالبًا انہی فرشتوں سے عبارت ہیں، جو تجلیاتِ ربانی پر فدا ہورہے تھے، مسلم کی روایت میں فراش من ذھب کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اس درخت پر رنگ رنگ کے سونے کے پتنگے تھے۔

یہاں آپ نے ارشاد فرمایا لا ادری ما ھی اس کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہوسکی، کہ سدرۃ المنتہیٰ پر یہ کیا چیز ہے، معلوم ہوا کہ محض پردہ ہٹا دینے یا مشاہدہ کرا دینے سے ضروری نہیں کہ کسی

چیز کی حقیقت بھی معلوم ہوجائے، آپ طرح طرح کے رنگوں کا مشاہدہ فرمارہے ہیں لیکن یہ فرماتے ہیں کہ ان رنگوں کی حقیقت مجھے معلوم نہ ہوسکی، حیرت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب کا دعویٰ کرنے والے ترمذی کی روایت فتجلیٰ لی کل شیٔ سے استدلال کرتے ہیں کہ خواب میں خداوند قدوس نے آپ کے سینۂ مبارک پر ہاتھ رکھا اور آپ کے سامنے ہر چیز روشن ہوگئی یہ تو خواب کا معاملہ تھا، آپ بیداری میں مشاہدہ کے بعد بھی حقیقت کے ادراک سے انکار فرما رہے ہیں، اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ فتجلیٰ لی کل شیٔ سے علم غیب پر استدلال کی کیا حقیقت ہے۔ جبکہ چیزوں کے سامنے آنے اور مشاہدہ ہوجانے پر بھی ان چیزوں کی حقیقت کا علم ضروری نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر مجھے جنت کی سیر کرائی گئی، معلوم ہوا کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے بعد ہے، اس لئے کہ درجہ بدرجہ عروج ہورہا ہے اور سیر کرائی جارہی ہے، حضرت علامہ کشمیری کی اس تحقیق کے لئے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، ایک شہادت مہیا ہوگئی۔

جنّت میں داخل ہوئے تو دیکھا حبائل اللؤلؤ موتیوں کی لڑیاں لٹکی ہوئی ہیں، جیسا کہ اس دنیا میں امراء و سلاطین کے یہاں کھڑکیوں پر موتیوں کے پردے ڈالنے کا رواج ہے، بعض نسخوں میں حبائل کے بجائے جنابذ کا لفظ ہے، یہ جنبذ کی جمع ہے جو گنبد فارسی کا معرب ہے، یعنی وہاں آپنے موتیوں کے گنبد دیکھے، اور آپ نے دیکھا کہ جنّت میں مٹی کے بجائے مشک ہے، یعنی وہاں کی مٹی مشک کی طرح معطر ہے۔ واللہ اعلم

حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ فَرَضَ اللهُ الصَّلٰوةَ حِيْنَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأُقِرَّتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِيْ صَلٰوةِ الْحَضَرِ۔

ترجمہ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا تو اس وقت سفر اور حضر دونوں میں دو دو رکعت فرض قرار دی تھیں، پھر سفر کی نماز تو اسی حال پر برقرار رکھی گئی اور حضر کی نماز میں زیادتی کردی گئی۔

ترجمہ سے ربط سابق حدیث میں ترجمہ سے متعلق بہت سی چیزوں کا جواب آگیا لیکن یہ بات رہ گئی کہ نماز کی فرضیت کے وقت رکعات کی تعداد کیا تھی، آیا یہی موجودہ شکل نماز کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں شروع سے چلی آرہی ہے، یا اس میں کچھ کمی زیادتی ہوئی ہے

اس کے لئے امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ کی روایت پیش کر دی کہ جب نماز فرض ہوئی تو ابتدار میں دو دو رکعت فرض کی گئی تھیں، پھر حضر کی نماز میں دو دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا اور سفر کی نماز اپنی حالت پر برقرار رکھی گئی، معلوم ہوا کہ نماز کی موجودہ شکل کہ ظہر، عصر اور عشار میں چار چار رکعات ہیں اضافہ کے بعد بنی ہیں، ورنہ ابتدار میں نماز دو دو رکعت ہی تھی، ابن اسحٰق کی روایت میں مغرب کا استثنار کیا گیا ہے، یعنی مغرب کی نماز ابتدار ہی سے تین رکعت ہے، گویا اس روایت میں کیفیتِ عددی کا جواب آگیا۔

سفر میں قصر کیوں ہے

اس روایت سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حنفیہ جو سفر میں دُو ہی رکعت کو ضروری قرار دیتے ہیں وہ اس روایت کے مطابق سفر کی اصلی نماز ہے، ایسا نہیں ہے کہ اصل نماز تو چار چار رکعت تھی، لیکن سفر میں سہولت کی غرض سے دو کی تخفیف کر دی گئی، جیساکہ شوافع کہتے ہیں، بلکہ احناف کے نزدیک سفر میں جو دو رکعت ہیں یہ رخصتِ اسقاط ہیں، خداوندِ قدوس نے مسافر سے دو رکعت ساقط فرما دی ہیں یعنی اصل نماز پر مسافر کے لئے کوئی اضافہ نہیں فرمایا ہے، اب اگر کوئی شخص دو کی جگہ چار ادا کر رہا ہے تو وہ قدرِ مفروض پر زیادتی کر رہا ہے جس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، جس طرح مقیم کی نماز چار کی جگہ دُو نہیں ہو سکتی، ایسا کرنے سے نماز کا فرض بدستور ذمہ پر باقی رہے گا اور ترکِ فرض کی بنا پر سخت گنہگار ہوگا، اسی طرح مسافر بجائے دو دو رکعت کے چار چار رکعت پڑھے تو بالقصد ایسا کرنے والا گنہگار بھی ہوگا، اور فریضۂ وقت بھی اس کے ذمہ باقی رہے گا۔

اس روایت میں اقرّت اور زید کا تقابل ہے، یعنی سفر کی نماز میں زیادتی نہیں کی گئی بلکہ اس کو سابقہ حالت پر قائم رکھا گیا، اس لئے اگر کوئی شخص دو کی جگہ چار ادا کر رہا ہے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور اگر اس نے بالقصد ایسا کیا ہے تو فریضہ ادا نہ ہوگا، کیونکہ اس نے فریضہ کے ساتھ نفل کو شامل کر دیا اور نتیجہ ارزل کے تابع ہوتا ہے اس لئے پوری نماز نفل ہو جائے گی۔

روایتِ باب پر شوافع کے اشکالات

حدیثِ باب حضرات شوافع کے لئے پریشان کُن ثابت ہوئی ہے، شوافع کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں عزیمت چار ہی رکعات کی ادائیگی ہے، البتہ اجازت دو کی بھی ہے، اگر کسی نے دو ہی رکعات ادا کیں تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔

روایتِ باب کے بارے میں حضرات شوافع کہتے ہیں کہ اس روایت کا حاصل صرف اس قدر ہے

کہ سفر میں دو دو رکعت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر میں صرف دو ہی رکعت ہیں، اس پر اضافہ ناجائز ہوگا، بلکہ عزیمت یہ ہے کہ سفر اور حضر دونوں میں چار چار رکعت ادا کی جائیں، البتہ مسافر کو رخصت دے دی گئی ہے کہ وہ سفر میں دو بھی پڑھ سکتا ہے، فریضہ ادا ہو جائیگا اسی طرح اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ہر زمانہ میں سفر کی نماز کے اندر تخفیف کو جاری رکھا گیا، بلکہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بھی نمازوں کو پورا کر دیا گیا تھا، اس کے بعد جب سفر کی مشکلات در پیش ہوئیں تو جہاں مسافر کو اور مراعات دی گئیں وہاں ایک رعایت نماز کے سلسلہ میں بھی دے دی گئی، جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز چار چار رکعت فرض کی گئی تھی اس کے بعد مسافر کے لئے دو دو رکعت کر دی گئیں۔

پھر یہ کہ حضرت عائشہ کا عمل خود اس کے خلاف موجود ہے، حضرت عائشہؓ سفر میں اتمام (پوری نماز ادا) فرماتی تھیں، اگر معاملہ اس طرح ہوتا کہ جس طرح حضر میں چار رکعت فرض ہیں، سفر میں بھی فرض صرف دو ہی رکعت ہوتیں تو حضرتِ عائشہ کا عمل اس کے خلاف کیوں ہوتا، جبکہ خود حضراتِ احناف کا مسلّمہ اصول یہ ہے کہ اعتبار راوی کے عمل اور اس کی رائے کا ہے، روایت کا نہیں، یعنی اگر راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ یا تو اس کی روایت منسوخ ہے یا اس کے وہ معنی نہیں جو بظاہر سمجھ میں آرہے ہیں۔

تیسری چیز یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت مرفوع نہیں ہے۔ کیونکہ نماز جس وقت فرض کی گئی ہے اس وقت حضرتِ عائشہؓ آپ کے ساتھ نہیں تھیں، لہٰذا روایت میں انقطاع ہے۔ اس بنا پر اس روایت سے حنفیہ کا استدلال درست نہیں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اگر معاملہ اسی طرح ہوتا جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے تو اس کی نقل متواتر ہونی چاہئے تھی حالانکہ ان کے علاوہ اس کا کوئی راوی نہیں۔

احناف کے جوابات

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت پر حضرات شوافع کی جانب سے جتنے اشکالات کئے گئے ہیں وہ کوئی وزن نہیں رکھتے، یہ کہنا درست نہیں ہے کہ سفر کی نماز میں تخفیف کو جاری نہیں رکھا گیا، بلکہ مدینہ طیبہ میں آنے کے بعد دو دو کا اضافہ کر دیا گیا تھا، بعد میں مسافر کو سہولت دی گئی ہے۔

ہم سوال کر سکتے ہیں کہ کیا یہ بات کسی روایت سے ثابت بھی ہے۔ بڑی مشکل سے حافظ ابن حجر نے ابن حبان اور بیہقی وغیرہ سے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی کہ "حضر اور سفر

دونوں میں دو دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی، پھر جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور اطمینان ہوگیا تو حضر کی نماز میں دو دو رکعت کا اضافہ کردیا گیا، البتہ فجر کی نماز میں طولِ قراءت اور مغرب کی نماز میں وترِ نہار ہونے کی وجہ سے زیادتی نہیں کی گئی۔

یہ روایت پیش کرکے حافظ نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ جب فریضہ کی چار رکعت قرار پاگئیں تو ہجرت کے چوتھے سال آیت قصر لَاجُنَاحَ نازل ہوئی، لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی جس روایت کو پیش کرکے آپ ہجرت کے بعد فریضہ کی چار رکعت ہونے پر استدلال کررہے ہیں اس میں صاف ہے کہ حضر کی نماز میں دو رکعت کا اضافہ ہوا، سفر کی نماز کا تو اس میں تذکرہ ہی نہیں یہ محض آپ کا ایک قیاس ہے کہ چوں کہ آیتِ قصر ہجرت کے چوتھے سال نازل ہوئی ہے، اس لئے ان چار سال کی مدت میں نمازِ سفر بھی چار ہی رہی ہوگی، اس قیاس کے لئے آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سفر کی نماز کے بارے میں اگر کوئی روایت ہے تو وہ حضرت عائشہؓ کی یہی روایت ہے، جو زیرِ بحث ہے۔ معلوم ہوا کہ اضافہ سفر کی رکعات میں ہوا ہی نہیں۔

اسی طرح اس روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف موجود ہے، اس لئے روایت یا منسوخ ہے یا اس کے کچھ اور معنیٰ ہیں اس لئے درست نہیں ہے، کہ بخاری ہی میں آگے ابواب تقصیر الصلوٰۃ میں آرہا ہے کہ زہریؒ نے عروہؒ سے سوال کیا کہ حضرت عائشہؓ سفر میں نماز پوری کیوں ادا کرتی ہیں، تو عروہ نے جواب دیا تأولت کما تأول عثمان جیسے حضرت عثمانؓ نے تأویل کی اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی تأویل کرتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ سے مختلف جوابات منقول ہوئے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تیمم جنب کے بارے میں ایک مصلحت کی رو سے جواز کا فتویٰ نہ دیتے تھے اور مصلحت بھی پردہ میں رکھنا چاہتے تھے، اسی طرح حضرت عثمانؓ بھی کسی مصلحت کے تحت ایسا کرتے رہے، اسی لئے ان کی طرف سے مختلف جوابات منقول ہیں، کسی کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہاں شادی کرلی ہے، کبھی فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں مکان بنالیا ہے، کبھی فرمایا کہ بہت سے لوگ باہر سے آئے ہوئے تھے اگر میں دو ہی ادا کرتا تو وہ سمجھتے کہ نماز کی دو ہی رکعت ہیں، اس لئے چار ادا کیں تاکہ غلط فہمی نہ ہو، کبھی انہوں نے یہ بیان کیا کہ سفر کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت سیر کی ہے اور ایک قیام کی، سیر کا حکم اور ہے اور قیام کا اور ہے۔

ایک جواب یہ بھی منقول ہوا ہے کہ میں امیر المؤمنین ہوں اور امیر جہاں جائے وہ اس کا

مکان ہے، غرض حضرت عثمان نے بالتاویل اپنے آپ کو مقیم بناکر اتمام فرمایا ہے، مسافر رہتے ہوئے اتمام نہیں فرمایا، یہ دوسری بات ہے کہ ان تاویلات کا درجہ کیا ہے وہ صحیح ہیں یا غیر صحیح، مگر اس کی جوابدہی حنفیہ پر لازم نہیں، وہ سوالات تو حضرت عثمانؓ سے کیجئے وہی اس کا جواب دینگے،

حضرت عائشہؓ کے اتمام کے سلسلہ میں عروہ کا جواب واضح ہے کہ تاویلاً مقیم بنکر اتمام فرمایا ہے نہ کہ مسافر رہتے ہوئے اتمام کا عمل فرمایا، لہٰذا عمل اور روایت میں تضاد کا سوال ختم ہوگیا۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا اجتہاد ہے، کیونکہ وہ فرضیت صلوٰۃ کے وقت حضور کے پاس نہیں تھیں، کیونکہ اعداد رکعات کے بارے میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، ظاہری بات ہے کہ یہ چیز یا تو انہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی یا کسی اور صحابی سے، اس لئے حافظ ابن حجر نے بھی فرمادیا ہے کہ معنیً مرفوع ہے، نقل کا متواتر نہ ہونا بھی کوئی معقول وجہ نہیں، کیونکہ جب ایک عمل منسوخ ہوگیا اور اس کے خلاف دوسرا عمل ہونے لگا تو منسوخ چیز کے متواتر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شوافع کے دوسرے دلائل

حضرات شوافع نے اپنے مسلک کے اثبات کے لئے اور بھی بعض دلائل پیش کئے ہیں، ان کی سب سے مضبوط دلیل قرآن کریم کی آیت فَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ہے کہ جب تم زمین میں سفر کرو تو اس وقت نماز کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ گناہ نہ ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ اس کی صرف اجازت دیدی گئی ہے، عزیمت یہ نہیں ہے، یا زیادہ سے زیادہ مسافر کو اختیار ہے کہ وہ جس چیز پر چاہے عمل کرے، پھر یہ کہ آیت میں قصر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ سفر کی نماز، حضر کی نماز سے کم کرکے دو کی گئی ہے، اصل میں دو رکعت نہیں ہے، جیساکہ حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اب تو پورے طور پر امن ہے اب کیا ضرورت ہے کہ دو رکعت سفر میں ادا کیجائیں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته یہ خدا کی جانب سے صدقہ ہے اس کا صدقہ قبول کرو، شوافع کہتے ہیں کہ لفظ صدقہ سے تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاملہ اختیاری ہے، کیونکہ صدقہ قبول کرنا ضروری نہیں۔

حضرات شوافع کے دونوں استدلال بظاہر مضبوط معلوم ہوتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے

کہ حضرات شوافع نے قرآن کریم کی جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ دو رکعت کے واجب نہ ہونے کے بارے میں نص نہیں کہی جا سکتی، آیت میں فرمایا گیا ہے کہ قصر میں کوئی گناہ نہیں، اس کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قصر اختیاری چیز ہے، بلکہ اس کا منشا ایک شبہ کا ازالہ ہے، اصل چیز یہ ہے کہ حضرات صحابہ عبادت کے سلسلہ میں بہت زیادہ حریص تھے، اور نماز چونکہ تمام عبادتوں میں افضل ترین عبادت ہے، اس لئے نماز سے حضرات صحابہ کو بیحد شغف تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ سفر کی حالت عارضی حالت ہے جو کم پیش آتی ہے، اور حضر کی صورت اکثر رہتی ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ اکثر تو چار رکعت ادا فرماتے، اور جب سفر کی حالت پیش آتی تو دو پر اکتفا کرتے لیکن اسی کے ساتھ وہ دل تنگی محسوس فرماتے کہ جو لوگ مقیم ہیں انہوں نے چار رکعت کا ثواب حاصل کیا اور ہم سفر کے عذر کے سبب صرف دو ہی ادا کر رہے ہیں، اس اندیشۂ نقصان کے ازالہ کے لئے آیت نازل فرمادی گئی کہ تم دل تنگی محسوس نہ کرو، سفر کی حالت کی دو رکعت حضر کی حالت کی چار رکعتوں کے برابر ہیں۔ کیونکہ مدارِ ثواب رکعات کی تعداد نہیں بلکہ امتثالِ امر ہے، جس کو چار کا حکم تھا اس نے چار ادا کیں، تمہیں صرف دو ہی کا حکم ہے اس لئے تم دو ادا کرو، ثواب دونوں کا برابر ہے۔

اس شبہ کے ازالہ کے لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم سفر میں ہو تو نماز کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہ سمجھو، جیسے ایک اور شبہ کے ازالہ کے لئے سعی بین الصفا والمروہ کے بارے میں یہی تعبیر اختیار فرمائی گئی ہے۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی گناہ نہیں ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سعی بین الصفا والمروہ اختیاری چیز ہے۔ یہ سعی بھی واجب ہے، لیکن ایک شبہ کے ازالہ کے لئے لَا جُنَاحَ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، چنانچہ حضرات شوافع کا مسلک سعی بین الصفا والمروہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ منجملہ ارکانِ حج ہے، حالانکہ لاجناح کی تعبیر وہاں بھی موجود ہے۔ اس لئے لَاجُنَاحَ کی تعبیر سے اختیار نکالنا زبردستی ہے، اسی طرح قصر کی تعبیر سے اصل چار کو قرار دینا بھی درست نہیں، کیونکہ اکثر و بیشتر تو حضر رہتا ہے۔ سفر اس کے مقابلہ پر کم پیش آتا ہے، نمازیں دونوں کی الگ الگ مقرر فرمائی گئی ہیں، ایک حالت کی نمازیں چار چار ہیں اور دوسری حالت کی دو دو، سفر کی نماز کو حضر کی نماز کے مقابل قصر سے تعبیر کر دیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل تو چار تھیں، دو رکعت سہولت کی غرض سے کاٹ دی گئی ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر کی روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ صدقہ کی تعبیر ہے، اور صدقہ قبول کرنا لازم نہیں اختیاری چیز ہے، یہ بھی غلط ہے، دیکھنا یہ ہوگا کہ صدقہ دینے والا کون ہے، اگر صدقہ دینے والا

انسان ہے تو بیشک اگر طبیعت چاہے قبول کر لیجئے، اور اگر آپ اس کو عزت نفس کے خلاف سمجھتے ہیں تو واپس کر دیجئے، لیکن جب خداوند قدوس صدقہ دے اور پیغمبر علیہ السلام اس کے ساتھ یہ حکم فرمائیں فاقبلوا صدقتہ، صدقہ قبول کرو، پھر اس میں اختیار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، نہ عزت نفس کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ نہ غیرت کا، اس صورت میں لفظ صدقہ پر اصرار نازیبا معلوم ہوتا ہے یہ ہے کچھ بحث، ورنہ اصل موضوع ابواب تقصیر الصلوٰۃ میں آرہا ہے، وہاں ان شاء اللہ کچھ مزید چیزیں پیش کی جائیں گی، واللہ الموفق۔

بَابُ وُجُوبِ الصَّلٰوةِ فِي الثِّيَابِ وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَمَنْ صَلّٰى مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَيُذْكَرُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَزُرُّهٗ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ نَظَرٌ وَمَنْ صَلّٰى فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ مَالَمْ يَرَفِيْهِ اَذًى وَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا يَطُوْفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ **حدثنا** مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ ثَنَا يَزِيْدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ اُمِرْنَا اَنْ نُّخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتْ امْرَاَةٌ يَّارَسُوْلَ اللّٰهِ اِحْدٰنَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيْرِيْنَ قَالَ حَدَّثَتْنَا اُمُّ عَطِيَّةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا۔

ترجمہ: باب، کپڑوں میں نماز واجب ہونے کا بیان، اور باری تعالیٰ کا ارشاد کہ اپنا لباس ہر نماز اور طواف کے وقت پہن لو، اور اس شخص کا حکم جس نے ایک کپڑا لپیٹ کر نماز ادا کی، حضرت سلمۃ بن اکوع سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ گریبان کو بند کرو، اگرچہ کانٹا لگا کر بند کرنا پڑے، لیکن اس حدیث کی سند میں کلام ہے، اور اس شخص کا حکم جس نے انہیں کپڑوں میں نماز ادا کرلی جن میں جماع کیا تھا جبتک کہ ان میں کوئی گندگی نہ دیکھی ہو، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیت اللہ کا طواف برہنگی کی حالت میں نہ کرو، حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم حائضہ اور پردہ نشین عورتوں کو عیدین میں باہر لائیں، تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعاؤں میں شریک ہوں۔ اور جو

عورتیں ایام سے ہوں وہ عیدگاہ سے الگ رہیں، ایک عورت نے سوال کیا یا رسول اللہ! ہم میں کوئی ایسی ہو جس کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ جانے والی اس کو اپنی چادر میں لے لے، عبد اللہ بن رجاء نے کہا کہ ہمیں عمران نے یہ حدیث سُنائی، انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن سیرینؒ نے یہ حدیث بیان کی اور محمد بن سیرینؒ نے کہا کہ ہم سے ام عطیہؓ نے حدیث بیان کی کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی۔

مقصدِ ترجمہ نماز کی فرضیت ثابت کرنے کے بعد اب امام بخاری شرائطِ نماز کی طرف متوجہ ہیں، سب سے پہلے سترِ عورت کے مسئلہ پر اس لئے توجہ فرمائی کہ سترِ عورت کا معاملہ نماز اور غیر نماز دونوں میں ضروری ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں موالک کا مسلک عجیب ہے، غیر نماز میں تو سترِ عورت کی فرضیت میں وہ سب کے ساتھ ہیں۔ البتہ نماز میں سترِ عورت کی کیا حیثیت ہے، جمہور تو اس کو ضروری اور شرط قرار دیتے ہیں، لیکن موالک کے یہاں یہ سنّت کے درجہ کی چیز ہے، بخاری جمہور کے ساتھ ہیں۔ ممکن ہے اس ترجمہ کا رخ موالک کے رد کی طرف ہو۔

سترِ عورت کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ فرمایا گیا ہے، ہر مسجد میں حاضری کے وقت اپنی زینت اپنے ساتھ رکھو، جب مسجد میں حاضری کے لئے زینت کا ساتھ رکھنا ضروری ہوا تو نماز کے لئے بدرجہ اولیٰ اس کی ضرورت ثابت ہوگئی کیونکہ مسجد میں حاضری کا مقصد ہی نماز کی ادائیگی ہے، اور شریعت کی نظر میں اصل نماز وہ ہے جو مسجد میں جماعت سے ادا کی جائے کیونکہ نماز میں اصل فرائض ہیں جن کے لئے جماعت کی جاتی ہے، اور جماعت کا اصل محل مسجد ہے۔

زینت سے مراد یہ نہیں کہ اعلیٰ قسم کا لباس پہنا جائے، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ اس حصہ جسم کو ڈھانپ کر آؤ جس کا کھلا رہنا معیوب ہے، زینت سے لبس ہی مراد ہے، کیونکہ لباس والا جسم، برہنہ جسم کے مقابلہ پر مزیّن نظر آتا ہے، اس لئے لباس کو زینت فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ آگے بخاری تعمیم کر رہے ہیں وَمَنْ صَلَّى مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، برہنگی دور کرنے کے لئے اگر ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ لی جائے تو اس کی بھی اجازت ہے، ایک کپڑے کے استعمال میں بھی آزادی ہے کہ اس کو بطور تہبند استعمال کرے یا لپیٹ کر نماز پڑھ لے۔

ایک کپڑے میں نماز کی ادائیگی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں شکار کی ضرورت سے زیادہ کپڑے ساتھ نہیں رکھتا صرف ایک کُرتا ڈال کر چلتا ہوں، کیا مجھے اس ایک کرتہ میں نماز کی اجازت ہے، آپ نے فرمایا، نماز ہو جائیگی

لیکن گریبان بند کر لیا کرو، خواہ اس میں کانٹا ہی لگانا پڑے، کانٹا لگانے کا منشا بھی سترِ عورت ہی ہے۔ اگر گریبان کھلا ہوگا تو عورت پر نظر پڑ سکتی ہے، اگرچہ اس حصّہ مستور پر اپنی نظر پڑنے سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی، لیکن فتنہ کا سامان ضرور ہے، بخاری کا استدلال یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جب حصّہ مستور کا چھپانا خود مصلّی ہی کے حق میں ضروری ہے تو غیر سے اس کا چھپانا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگیا، بخاری کہتے ہیں وفی اسنادہ نظر اس کی اسناد میں کلام ہے، کیونکہ اس کا ایک راوی موسیٰ بن محمد منکر الحدیث ہے، اس لئے بخاری نے بصیغۂ یُذکَر تعبیر کیا ہے، باقی مسئلہ اسی طرح ہے اس لئے نقل کر دیا۔

ومن صلّی فی الثوب الّذی یجامع الخ یہاں سے بخاری ایک اور تعمیم کر رہے ہیں کہ وہ کپڑا جو نماز میں استعمال کریں اس میں آزادی ہے خواہ وہ کپڑا نیا ہو یا مستعمل ہو، پھر مستعمل میں بھی آزادی ہے کہ وہ کپڑا عام حالات میں بدن پر رہا ہو یا مجامعت میں بدن ہی پر ہو جس میں پسینہ بھی جذب ہو جاتا ہے، یعنی یہ ضروری نہیں کہ نماز کے لئے کچھ کپڑے الگ کر لئے جائیں۔ ضروری صرف یہ ہے کہ کپڑے پاک ہوں مالم یر فیہ اذیً میں بخاری نے نجاستِ منی کی طرف اشارہ کر دیا۔

وامر النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ان لایطوف بالبیت عریان نماز میں سترِ عورت کے وجوب پر استدلال ہے۔ یہ استدلال دو طرح ہو سکتا ہے، ایک تو یہ کہ برہنگی کی حالت میں طواف سے منع فرمایا گیا ہے، حالانکہ طواف نماز کے مقابلہ میں غیر اہم ہے، اور طواف کے لئے اس قسم کے شرائط و آداب بھی نہیں جس قسم کے نماز کے لئے رکھے گئے ہیں، اس کے باوجود حکم یہ ہے کہ بیت اللہ کا طواف برہنہ نہ کیا جائے، تو نماز جس کے شرائط و آداب زیادہ ہیں وہاں بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا کہ برہنگی کی حالت میں یہ عمل نہ کیا جائے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ طواف میں برہنگی کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ طواف البیت صلوٰۃ، ممانعت اس لئے آئی کہ طواف پر نماز کا اطلاق کیا گیا، پھر جب طواف میں برہنگی کی اجازت نہیں تو اصل نماز میں کیسے اس کی اجازت ہوگی۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ارشاد بھی زینت کی تشریح کے طور پر لایا گیا ہو اور مقصد یہ ہو کہ آیت میں جو خذوا زینتکم آیا ہے اس کے معنی بیش قیمت اور مکمل لباس کے نہیں، گو پسندیدہ یہ ہے کہ لباس مکمل ہو، مگر نماز کی صحت کا مدار پورے جسم کے ستر پر نہیں بلکہ صرف اس حصّہ کے ستر پر ہے جس کو عورت کہا جاتا ہے، چونکہ جاہلیت میں ننگے ہو کر طواف کرنے کا رواج تھا، اس کے مقابل آپ نے

ارشاد فرمایا کہ بیت اللہ کا طواف برہنگی کی حالت میں جائز نہیں، گویا آیت کریمہ میں جو زینت کا لفظ آیا ہے وہ برہنگی کے مقابل ہے، عورت اور حصّہ مستور کھلا ہوا نہو۔ اسی کا نام زینت ہے۔

حدیث باب روایت گذر چکی ہے، یہاں بخاری نماز میں ستر عورت کے مسئلہ پر استدلال کر رہے ہیں، اس روایت میں آیا کہ آپ نے عورتوں کو عید گاہ میں جانے کی تاکید کی۔

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ پردہ کے اندر حاضر ہوں، ایک عورت نے عرض کیا کہ کسی کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے، فرمایا اپنی بہن سے مستعار لے، یا ایک بڑی چادر میں دو عورتیں چلی جائیں۔ معنی یہ ہوئے کہ عیدگاہ جانا ضروری بھی ہے، اور بے پردہ جانے کی بھی اجازت نہیں، پھر جب راستہ کا اس قدر اہتمام ہے تو پھر اصل نماز کپڑے کے بغیر کس طرح درست ہوگی۔ یہ سمجھنا کہ راہ میں تو راہگیروں کی شرم کی وجہ سے پردہ کر لینے کا حکم ہے۔ جیسا کہ بعض شارحین نے اشکال پیش کیا ہے، مگر تعجب کی بات ہے کہ انسان کی شرم اس درجہ ضروری ہے کہ بے نقاب عید گاہ میں جانا ممنوع ہے۔ تو عید گاہ میں جا کر جہاں بکثرت نمازی بھی موجود ہیں جو راستے میں شرم و حیا کا باعث بنے اور خداوند کریم کا بھی سامنا ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس۔ حیا لوگوں کے مقابلہ میں اللہ سے زیادہ ضروری ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب نماز میں حاضری کے وقت کپڑا ضروری ہے تو نماز میں بدرجہ اولیٰ اس کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

باب عَقْدِ الْإِزَارِ عَلَى الْقَفَا فِي الصَّلٰوةِ وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ صَلُّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِيْ أُزُرِهِمْ عَلٰى عَوَاتِقِهِمْ حدثنا أَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ ثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى جَابِرٌ فِيْ إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَبُوْ مُصْعَبٍ قَالَ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِرًا يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ۔

ترجمہ: نماز کی حالت میں گردن پر تہمد کی گرہ لگانا کیسا ہے؟ ابو حازم، سہل سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی گردنوں پر اپنے تہمد باندھے ہوئے نماز پڑھی،

حضرت جابرؓ نے صرف ایک تہمد میں نماز پڑھی، جس کی گرہ انہوں نے اپنی گردن پر لگالی تھی، حالانکہ ان کے کپڑے ایک تپائی پر رکھے ہوئے تھے، چنانچہ کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ آپ نے ایک ہی تہمد میں نماز پڑھ لی، حضرت جابرؓ نے فرمایا، میں نے ایسا صرف اسی لئے کیا تاکہ مجھے تم جیسا بیوقوف دیکھ لے، اور ہم میں سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔
محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر کو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا، اور حضرت جابر نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ ہے کہ نماز کی حالت میں تہمد کو اٹھا کر گردن پر گرہ لگائی جائے، کیونکہ اگر گرہ نہیں لگاتے ہیں تو اندیشہ یہ ہے کہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں تہمد کھنچ کر کھل جائے گا اور اس میں کشفِ ستر کا احتمال رہے گا، اس انتظام کے لئے گرہ لگانے کا معاملہ ہے۔ اس سے اپنی نظر کی بھی حفاظت ہوجائے گی، کشفِ ستر کا احتمال بھی باقی نہ رہے گا، اور دل کے خطرات سے بھی امن ہوجائے گا۔

حضرت ابوحازم انصاری فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی حالت میں نماز ادا کی کہ وہ اپنے کاندھوں پر تہمد کی گرہ لگائے ہوئے تھے، آپ نے دیکھا اور انکار نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ عمل جائز ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کرنا ناجائز ہوتا تو ممکن ہی نہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام ایک ناجائز فعل کو دیکھیں اور سکوت اختیار فرمائیں۔

حدیثِ باب روایت میں آیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے صرف تہمد باندھ کر اور اس کی گرہ اپنی گردن پر لگا کر نماز پڑھی، اور یہ عمل اس لئے نہیں کیا کہ ان کے پاس کپڑے نہ تھے، بلکہ پاس ہی تپائیؔ پر کپڑے رکھے ہوئے تھے، لیکن بیانِ جواز کے لئے حضرت جابرؓ نے ان کو نہیں پہنا، صرف ایک تہمد سے گردن پر گرہ لگا کر نماز پڑھ لی، کسی کہنے والے نے کہہ دیا کہ آپ نے صرف ایک تہمد میں نماز پڑھ لی، حالانکہ کپڑے موجود ہیں، حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے قصداً کیا ہے۔ اور مسئلہ بتلانے کے لئے کیا ہے کہ نماز اس طرح بھی ہوجاتی ہے، اور تم جیسے احمقوں کو

لہ مشجب کا ترجمہ ہمارے یہاں کی متداول تپائی نہیں ہے۔ بلکہ تین لکڑیاں جن کے سر جوڑ دیئے جائیں مشجب کہلاتی ہیں، جیسے سپاہی پریڈ کے میدان میں، تین تین بندوقیں جوڑ کر کھڑی کر دیتے ہیں۔ ۱۲

بتلانے کے لئے کیا ہے، مگر تم باز نہ آئے اور اعتراض کر بیٹھے، حالانکہ تمہارے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں، تمہیں سوچنا چاہئے تھا کہ ایک کثیر الصحبت اور واقف شریعت صحابی ایک عمل کر رہا ہے اس کا یہ عمل خود جواز کی دلیل ہے. لیکن تم بجائے اس کے کہ اس کے عمل سے مسئلہ مستنبط کرتے اعتراض کرنے لگے، اب سمجھ لو کہ مسئلہ یہی ہے، جیسا کہ میں نے عمل کیا ہے، ایک کپڑے میں بھی نماز ہوجاتی ہے. مقصد ستر عورت ہے۔

اس کے بعد حضرت جابرؓ نے ارشاد فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کے دور میں ایسے کتنے لوگ تھے جن کے پاس دو دو کپڑے ہوں، عام طور سے ایک کپڑا ہوتا تھا اور اسی سے صحابہ کرام نمازیں ادا کیا کرتے تھے. اگر ایک کپڑے میں نماز جائز نہ ہوتی یا ایک کپڑے میں نماز کا جواز صرف ناداری کے سبب ہوتا، تو پہلی صورت میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرمادیتے، اور دوسری صورت میں حالات کی تفتیش فرماتے، اور جس کو ایک کپڑے میں نماز ادا کرتے دیکھتے تو اس سے پوچھتے کہ تم نے ایک کپڑے میں نماز ادا کی، کیا تم دوسرے کپڑے کے حصول پر قادر نہیں ہو. لیکن ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز بھی پیش نہیں آئی، معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز بلا کراہت درست ہے بشرطیکہ وہ ساتر ہو، دوسرا کپڑا موجود ہو یا نہ ہو۔

دوسری روایت ترجمہ میں عقدِ ازار کا مسئلہ ہے کہ تہبند کی گرہ گردن پر لگانا کیسا ہے، اس دوسری روایت میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، بظاہر روایت ترجمہ سے بے تعلق معلوم ہوتی ہے. لیکن اس روایت کا مقصد ہی یہ نہیں ہے کہ ترجمہ کو ثابت کریں، ترجمہ تو پہلی روایت سے ثابت ہوگیا، لیکن جس روایت سے ثابت کیا ہے اس میں حضرت جابر کا عمل ہے کہ انہوں نے ایک کپڑے سے نماز ادا کی، دوسری روایت کو لا کر اس عمل کو مرفوع کردیا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے. پھر ایک کپڑے میں تعمیم ہے، خواہ اس کی صورت عقدِ ازار کی ہو یا کوئی اور صورت ہو۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ مُلْتَحِفًا بِهٖ وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي حَدِيْثِهٖ الْمُلْتَحِفُ الْمُتَوَشِّحُ وَهُوَ الْمُخَالِفُ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ وَهُوَ الْاِشْتِمَالُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ وَقَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ اِلْتَحَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ لَّهٗ وَخَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ **حَدَّثَنَا** عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى قَالَ اَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِيْ

ثَوْبٍ وَاحِدٍ قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ **حدثنا** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ ثنا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ قَدْ أَلْقَى طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ **حدثنا** عُبَيْدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَ ثنا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَيْهِ عَلَى عَاتِقَيْهِ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ قَالَتْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ فُلَانُ بْنُ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ وَذَاكَ ضُحًى **حدثنا** عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ سَائِلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَلِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ۔

ترجمہ: ایک کپڑے کو لپیٹ کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔ زہری نے اپنی روایت کردہ حدیث میں بیان کیا کہ ملتحف کے معنی متوشح کے ہیں، اور متوشح اس شخص کو کہتے ہیں جو کپڑے کے داہنے گوشہ کو بائیں بغل کے نیچے سے نکال کر داہنی طرف اور بائیں گوشہ کو داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لے۔ اور دونوں مونڈھوں پر لپیٹ لینا بھی یہی ہے۔ ام ہانی نے فرمایا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا کاندھوں پر اس طرح لپیٹا کہ بایاں گوشہ داہنی طرف اور داہنا بائیں طرف نکل آیا۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز ادا کی۔ اور اس کا داہنا گوشہ بائیں طرف اور بایاں گوشہ داہنی طرف ڈال لیا، حضرت

عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلمہ کے مکان میں ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا جس کے دونوں گوشے آپ نے اپنے دونوں کاندھوں پر ڈال رکھے تھے، حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام سلمہ کے مکان میں ایک کپڑا لپیٹ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے، جس کے دونوں گوشے آپ نے اپنے دونوں مونڈھوں پر ڈال رکھے تھے، حضرت ابو مرہ مولیٰ ام ہانی نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ام ہانی کو یہ حدیث بیان فرماتے سنا ہے، وہ فرماتی تھیں کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فتح مکہ والے سال حاضر ہوئی، فرماتی ہیں کہ میں نے اس وقت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو غسل کرتے پایا، جبکہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ پردہ کئے کھڑی تھیں، فرماتی ہیں کہ میں نے سلام کیا، آپ نے سوال فرمایا کہ یہ کون عورت ہے؟ میں نے عرض کیا میں ام ہانی ہوں، ابو طالب کی بیٹی! چنانچہ آپ نے کہا ام ہانی کو خوش آمدید ہو، پھر جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ایک کپڑا لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز ادا کی، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں جائے بھائی یعنی حضرت علیؓ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس شخص کو قتل کر سکتے ہیں جس کو میں نے پناہ دی ہے یعنی فلاں بن ہبیرہ کو، جبکہ ان سے اس قسم کی توقع نہیں تھی کہ میں جس کو پناہ دوں وہ اسے قتل کرنا چاہیں، یہ سنکر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام ہانی! جس شخص کو تم نے پناہ دیدی اس کو ہم نے بھی پناہ دیدی، ام ہانی نے فرمایا کہ یہ چاشت کا وقت تھا، حضرت سعید بن المسیب حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سائل نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر ایک کے پاس دو دو کپڑے ہیں؟

مقصدِ ترجمہ پچھلے ابواب میں ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کی ایک صورت گذر چکی ہے کہ گردن پر تہمد کی گرہ لگائی جائے، یہ اس کپڑے کے بارے میں ہدایت کی گئی تھی جس میں لپیٹ لینے کی گنجائش نہو، لیکن اگر کپڑے میں گنجائش ہو تو اس کے لئے اس باب میں دوسرا طریقۂ استعمال بیان کر رہے ہیں کہ اس کو لپیٹ لیا جائے، یہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی دوسری صورت ہے، کہ بغیر گرہ لگائے ہوئے اس کو دونوں شانوں پر ڈال لیا جائے

قال الزهري الخ زہری کا قول نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سلسلہ میں روایات میں مختلف تعبیرات منقول ہیں، کہیں التحاف کا لفظ ہے، کہیں توشح کی تعبیر ہے، کہیں مخالفت بین

الطرفین کہا گیا ہے، کہیں اشتمال علی المنکبین کے الفاظ آئے ہیں۔ روایات کے اس اختلاف کو دیکھنے والا دھوکہ کھا سکتا ہے کہ ایک کپڑے کے استعمال کی چار تعبیریں ذکر کی گئی ہیں، شاید اس کی صورتیں بھی الگ الگ ہوں گی، لیکن جب سوچتا ہے تو مصداق میں فرق کرنے سے عاجز رہتا ہے۔
امام بخاریؒ نے زہریؒ کے کلام سے اس خلجان کو رفع کر دیا کہ تعبیرات کا یہ فرق محض لفظی ہے، عمل کی صورتیں مختلف نہیں ہیں، چنانچہ زہریؒ کہتے ہیں الملتحف المتوشح، معلوم ہوا کہ التحاف اور توشح ایک ہی چیز ہے۔ آگے کہتے ہیں وھو المخالف بین طرفیہ علیٰ عاتقیہ، یعنی توشح کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے کے داہنے گوشہ کو بائیں کاندھے پر اور بائیں گوشے کو داہنے کاندھے پر ڈال لیا جائے، پھر آگے کہتے ہیں کہ اسی کو اشتمال بھی کہتے ہیں، معلوم ہوا کہ ان مختلف تعبیرات کا مصداق ایک ہی ہے۔

عمر بن ابی سلمہ کی تین روایتیں

بخاریؒ نے ترجمہ کے ذیل میں پہلے حضرت عمر بن ابی سلمہ کی تین روایتیں ذکر کی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا لپیٹ کر نماز ادا کی، بخاریؒ کا مدعا ثابت ہوگیا۔
پہلی روایت کی سند عالی ہے، اس میں بخاری اور راوی حدیث حضرت عمر بن ابی سلمہ کے درمیان تین واسطے ہیں، اور دوسری اور تیسری روایت میں چار، سوال یہ ہے کہ ایک عالی سند کے بعد دوبارہ اسی روایت کو سافل سند کے ساتھ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی، اصل یہ ہے کہ پہلی روایت کی سند گو عالی ہے لیکن راوی نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایت کی ہے اس میں مشاہدہ کی تصریح نہیں ہے، بخاریؒ نے دوسری سافل سند ذکر کر کے مشاہدہ کی تصریح نقل کر دی، کہ راوی نے جو روایت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے وہ مشاہدہ کے بعد کی ہے، اس کے بعد پھر وہی روایت تیسری بار سافل سند کے ساتھ بخاریؒ نے ذکر کی ہے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ پہلی دونوں روایتوں میں حضرت عروہ نے حضرت عمر بن ابی سلمہ سے بصیغۂ عن روایت کی ہے، تیسری روایت سند سافل سے ذکر کر کے بخاریؒ نے عنعنہ کے بجائے سماع کی تصریح نقل کر دی، کیونکہ عنعنہ میں احتمال کے درجہ میں انقطاع کا شائبہ رہ جاتا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ام ہانی کی روایت

اس سلسلہ میں چوتھی روایت امام بخاریؒ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی پیش کی ہے، اس روایت میں آیا کہ فتح مکہ کے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا، غسل کے درمیان ام ہانی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں، اس وقت حضرت فاطمہؓ پردہ لئے کھڑی تھیں، حضرت ام ہانی نے سلام عرض کیا، آپ نے

معلوم کیا یہ کون عورت ہے ؟ انہوں نے عرض کیا ام ہانی ! حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ غسل کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت ادا فرمائیں، اور اس وقت آپ صرف ایک کپڑا اپنے ہوئے تھے، بخاری کا مقصد صرف اسی جزء سے متعلق ہے کہ آپ نے صرف ایک کپڑا لپیٹ کر آٹھ رکعت ادا کی ہیں، بعض حضرات نے ان رکعات کو فتح کے شکرانہ کی نماز قرار دیا ہے، اور بعض نے اس کو چاشت کی نماز سمجھا ہے، وقت البتہ چاشت ہی کا تھا۔

نماز کے بعد حضرت ام ہانی نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا ماں جایا بھائی یعنی حقیقی بھائی حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جس شخص کو میں نے پناہ دیدی ہے وہ اس کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یعنی میں نے ابن ہبیرہ کو پناہ دیدی ہے لیکن وہ میری اس پناہ کو تسلیم نہیں کرتے، غالباً حضرت علیؓ نے سوچا ہوگا کہ چونکہ عورت کو سیاسی معاملات میں بصیرت نہیں ہوتی اس لئے کوئی ضروری نہیں کہ اس کی پناہ کو تسلیم کیا جائے، لیکن جب ام ہانی نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ قتل نہیں کر سکتے، جس کو تم نے پناہ میں لے لیا وہ ہماری پناہ میں ہے یعنی ہم نے تمہاری پناہ کو برقرار رکھا، یعنی اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو پناہ میں لے لے، خواہ یہ مسلمان کسی طبقہ کا فرد ہو، مرد ہو یا عورت ہو، تو اس کی یہ پناہ تمام مسلمانوں کی طرف سے مانی جائے گی، اب کسی مسلمان کو اس کے جان و مال سے بلا وجہ تعرض کرنے کا حق نہ ہوگا، لیکن اگر امام اس کی پناہ کو مصلحت کے خلاف سمجھے تو پہلے اس پناہ کے ختم کرنے کا اعلان کریگا پھر اس کو اتنا موقع دیگا کہ وہ اپنے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت

پانچویں روایت امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی پیش کی ہے، اس روایت میں یہ آیا کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کپڑے میں نماز کی ادائیگی کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا، کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو دو کپڑے ہیں ؟ آپ کے اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ تم دیکھتے نہیں، ایک بدیہی اور بالکل واضح چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہو، تمہیں سوچنا چاہئے تھا کہ اگر ایک کپڑے میں نماز جائز نہ ہوتی تو میں ضرور انکار کرتا، لیکن نہ تو میں نے ان کے اس فعل پر انکار کیا اور نہ ہی اس کی تفتیش کی کہ یہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والا فاقدِ ثوب ہے یا واجدِ ثوب، لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک کپڑے میں نماز کا عمل جبکہ وہ ساترِ عورت ہو، واجدِ ثوب کے حق میں بھی ایسا ہی صحیح ہے جیسا کہ فاقدِ ثوب کے حق میں صحیح تھا، یہیں سے ایک اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اگر سرکارِ رسالتمآب

صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک شخص کو کسی چیز کی اجازت دیں تو وہ چیز سب کے لئے جائز ہوگی جبتک کہ اس حکم کی خصوصیت اس شخص کے ساتھ کسی دلیل سے ثابت نہ ہوجائے، اس لئے معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں وسعت اور تنگی کا فرق نہیں، دو کپڑے میسر ہوں یا نہوں ہر کسی کے لئے صرف ایک کپڑے میں نماز کا جواز ہے۔ کیونکہ نماز میں کپڑوں کی تعداد پر کوئی انحصار نہیں ہے۔ ستر عورت شرط ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ بشرط گنجائش ایک سے زائد کپڑے استعمال کئے جائیں۔ واللہ اعلم

بَابٌ إِذَا صَلَّى فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَلْيَجْعَلْ عَلَى عَاتِقَيْهِ **حدثنا** أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ شَيْءٌ **حدثنا** أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ سَمِعْتُهُ أَوْ كُنْتُ سَأَلْتُهُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ صَلَّى فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَلْيُخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ۔

ترجمہ: باب۔ جب کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کا کچھ حصہ اپنے کاندھوں پر ڈالے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس وقت تک نماز نہ پڑھے جبتک کہ اس کے کاندھوں پر اس کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔ یحیٰ بن ابی کثیر حضرت عکرمہ سے راوی ہیں کہ میں نے حضرت عکرمہ سے سنا یا میں نے حضرت عکرمہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کا دایاں گوشہ بائیں طرف اور بایاں گوشہ داہنی طرف ڈال لے۔

مقصدِ ترجمہ بخاری کے ترجمہ کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کی نوبت آرہی ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ اس کپڑے کو اپنے دونوں کاندھوں پر ڈال لیا جائے، اس طرح ایک تو پورا بدن ڈھک جائیگا اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کپڑے کے گرجانے یا کھل جانے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا۔ یہ بات اگرچہ سابق احادیث کے ضمن میں بھی معلوم ہوگئی تھی لیکن بخاریؒ نے علیحدہ عنوان قائم کرکے اس حکم کو مستقل طور پر بیان کردیا، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس ترجمہ کا مقصد اس حکم کے متعلق استحباب کی طرف اشارہ

کرنا ہے، امام احمد کے علاوہ ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، امام احمدؒ سے منقول ہے کہ اگر تہمد کے بعد کاندھوں کے ستر کی بھی گنجائش ہو تو شانہ کھول کر نماز درست نہ ہوگی، کم ازکم ایک شانہ ڈھک لینا ضروری ہے، کیونکہ حدیث میں لایصلی فرمایا گیا ہے، امام احمدؒ نے اس نہی کو نہی تحریمی قرار دیا ہے۔ اور جمہورؒ کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے۔ اب اگر امام بخاریؒ کے ترجمہ کے الفاظ فلیجعل میں امر کو امر وجوبی قرار دیں تو اس صورت میں وہ امام احمد کی موافقت میں ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں، ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ استحباب کی طرف اشارہ کر رہے ہوں، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا، تو اس صورت میں بخاریؒ جمہور کے ہم نوا ہوں گے۔ واللہ اعلم

بَابٌ إِذَا كَانَ الثَّوْبُ ضَيِّقًا **حدثنا** يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ قَالَ ثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَجِئْتُ لَيْلَةً لِبَعْضِ أَمْرِي فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي وَعَلَيَّ ثَوْبٌ وَّاحِدٌ فَاشْتَمَلْتُ بِهِ وَصَلَّيْتُ إِلٰى جَانِبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَا السُّرٰى يَا جَابِرُ فَأَخْبَرْتُهُ لِحَاجَتِي فَلَمَّا فَرَغْتُ قَالَ مَا هٰذَا الْإِشْتِمَالُ الَّذِي رَأَيْتُ قُلْتُ كَانَ ثَوْبًا قَالَ فَإِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ **حدثنا** مُسَدَّدٌ قَالَ ثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيٰنَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ كَانَ رِجَالٌ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاقِدِي أُزُرِهِمْ عَلٰى أَعْنَاقِهِمْ كَهَيْأَةِ الصِّبْيَانِ وَيُقَالُ لِلنِّسَآءِ لَا تَرْفَعْنَ رُؤُسَكُنَّ حَتّٰى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا۔

ترجمہ: باب جب کپڑا تنگ ہو تو مصلی کیا کرے، حضرت سعید بن حارث سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلا، پھر ایک رات میں اپنی کسی ضرورت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، اور صورت یہ کہ اس وقت میرے پاس ایک ہی کپڑا تھا، چنانچہ میں نے اس کپڑے کو لپیٹ لیا، اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں نماز شروع کر دی، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے فرمایا: اے جابر! رات میں آنے کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ میں نے

آپ کی خدمت میں اپنی ضرورت عرض کی، جب میں ضرورت عرض کر چکا تو آپ نے فرمایا، اس طرح کپڑا لپیٹنے کا کیا مقصد ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، میں نے عرض کیا کہ بس ایک ہی کپڑا تھا، آپ نے فرمایا کہ اگر کپڑا گنجائش دار ہو تو اس کو لپیٹ لیا کرو، اور اگر تنگ ہو تو اس کو تہمد بنا لیا کرو،
حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ بعض حضرات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ وہ بچوں کی طرح اپنے تہمد کی گرہ اپنی گردن پر لگا لیتے تھے، اور جو عورتیں پچھلی صف میں نماز پڑھتی تھیں ان سے آپ یہ فرما دیتے تھے کہ جب تک مرد اچھی طرح بیٹھ نہ جائیں اس وقت تک وہ سجدے سے اپنے سر نہ اٹھائیں۔

مقصدِ ترجمہ باب سابق میں گذر چکا ہے کہ اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کی ضرورت ہو تو اس کے دونوں گوشے دونوں کاندھوں پر ڈال لے، لیکن اگر کپڑا اتنا تنگ ہو کہ اس کو کاندھوں پر نہیں ڈالا جا سکتا تو ایسی صورت میں کیا کرے، اس باب میں اسی مسئلہ کی وضاحت مقصود ہے، کہ اگر کپڑا تنگ ہو تو کاندھوں پر ڈالنے کے بجائے اس کو بطور ازار استعمال کیا جائے۔

تشریحِ حدیث حضرت سعید بن حارث راوی ہیں کہ ہم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ غزوۂ بواط کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور جبار بن صخر کو اس غرض سے روانہ کیا کہ ہم آگے چل کر منزل پر پانی کا انتظام کریں۔
میں اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ رات میں نماز پڑھ رہے تھے، میں نے موقع کو غنیمت جانا اور نماز میں شرکت کی کوشش کی، مگر صورت یہ تھی کہ میرے پاس ایک کپڑا تھا اور وہ بھی چھوٹا تھا، کاندھوں پر نہ اشتمال ہو سکتا تھا، نہ گرہ لگائی جا سکتی تھی، لیکن وہ کپڑا جھالر دار تھا، اس لئے حضرت جابرؓ نے یہ صورت اختیار کی کہ کپڑے کو پلٹ کر جھالر کو اوپر لیا، اور جھالر کو ٹھوڑی سے دبا کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، نماز کے بعد آپ نے حضرت جابرؓ سے رات میں آنے کا سبب دریافت کیا اور فرمایا، یہ کپڑا تم نے کس طرح استعمال کیا، حضرت جابرؓ نے عرض کیا کہ حضرت ایک ہی کپڑا تھا، مقصد یہ کہ کپڑا ایک تھا اور تنگ تھا، اور ایک کپڑے کے بارے میں ہدایت یہ فرمائی گئی کہ اس کو لپیٹ لیا جائے، آپ نے فرمایا کہ یہ غلطی ہے، دیکھو اگر کپڑے میں گنجائش ہو تب تو اس کو لپیٹ لینا چاہیے، لیکن اگر کپڑا تنگ ہو،

اور لپیٹنا مشکل ہو تو پیچے ازار کی طرح باندھ لینا چاہیئے، کیونکہ مقصد ستر کو چھپانا ہے۔ اگر چھوٹے اور تنگ کپڑے کو بھی لپیٹا گیا تو ستر کھلنے کا اندیشہ رہے گا۔ جو درست نہیں، واللہ اعلم

دوسری روایت میں آیا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوتے، اور اس شان سے گردن پر کپڑوں کی گرہ لگاتے جیسے بچوں کے کپڑے باندھ دیئے جاتے ہیں، کپڑا چھوٹا ہوتا اس لئے قیام میں جسم ڈھکا رہتا، لیکن قیام کے بعد رکوع میں اور رکوع سے زیادہ سجود میں کپڑا کھنچتا ہے، اس لئے ممکن ہے عورت مکشوف ہو جائے۔ اس مصلحت سے پیچھے جو عورتیں کھڑی ہوتیں ان کو حکم دیا گیا کہ وہ سجدے سے سر مردوں کے ساتھ نہ اٹھائیں، بلکہ جب مرد اچھی طرح بیٹھ جائیں اس وقت وہ سر اٹھائیں، ابوداؤد میں اس کی مصلحت یہ بیان کی گئی ہے خشیۃ ان یرین عورات الرجال اس حکم کی مصلحت یہ تھی کہ کہیں عورتوں کی نظر مردوں کے حصۂ مستور پر نہ پڑ جائے، اور پھر یہ صورت فتنہ کا باعث بنے۔

یہاں سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر مصلی نے ستر کی حفاظت کا انتظام کر لیا اور پھر اتفاق سے کسی کی نظر اس کے حصۂ مستور پر پڑ گئی تو اس سے مصلی کی نماز میں نقصان نہیں آتا، دیکھنے والے کے لئے دیکھنا درست نہیں ہے۔ لیکن اس کا دیکھ لینا مصلی کے لئے مفسدِ صلوٰۃ بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

باب الصَّلٰوةِ فِي الْجُبَّةِ الشَّامِيَةِ وَقَالَ الْحَسَنُ فِي الثِّيَابِ يَنْسُجُهَا الْمَجُوسُ لَمْ يَرَ بِهَا بَأْسًا وَقَالَ مَعْمَرٌ رَأَيْتُ الزُّهْرِيَّ يَلْبَسُ مِنْ ثِيَابِ الْيَمَنِ مَا صُبِغَ بِالْبَوْلِ وَصَلّٰى عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي ثَوْبٍ غَيْرِ مَقْصُوْرٍ **حدثنا** يَحْيٰى قَالَ ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ مُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَقَالَ يَا مُغِيْرَةُ خُذِ الْإِدَاوَةَ فَأَخَذْتُهَا فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَارٰى عَنِّي فَقَضٰى حَاجَتَهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَةٌ فَذَهَبَ لِيُخْرِجَ يَدَهُ مِنْ كُمِّهَا فَضَاقَتْ فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَتَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلّٰى۔

ترجمہ، باب، شامی جبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ حسن بصریؒ ان کپڑوں کے بارے میں جو آتش پرستوں کے ہاتھ کے بنے ہوں فرماتے ہیں کہ ان میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، معمر

کہتے ہیں کہ میں نے زہریؒ کو یمن کے بنے ہوئے وہ کپڑے پہنے ہوئے دیکھا جن کے متعلق یہ شہرت تھی کہ وہ پیشاب میں رنگے جاتے ہیں، حضرت علیؓ نے کورے کپڑے میں بغیر دھوئے نماز پڑھی حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، کہ آپ نے فرمایا، مغیرہ! چھاگل لے لو. چنانچہ میں نے چھاگل لے لیا اور آپ چلے، یہاں تک کہ آپ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، پھر آپ نے قضائے حاجت فرمائی، اور اس وقت آپ شامی جبّہ پہنے ہوئے تھے، پھر آپ نے یہ چاہا کہ اس جبّہ کی آستین سے اپنا ہاتھ نکال لیں، لیکن جبّہ کی آستین تنگ نکلی تو آپ نے آستین کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالا، میں نے پانی ڈالا اور آپ نے نماز کے لئے وضو فرمایا، خفین پر مسح کیا پھر نماز ادا کی۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ ہے کہ دار الکفر کا بُنا ہوا کپڑا مسلمان کے لئے استعمال کرنا مباح ہے، نماز میں بھی اور نماز کے علاوہ بھی، خواہ وہ کافر کے ہاتھ کا بنا ہوا ہو یا مسلمان کے ہاتھ کا، کافر، یہودی، نصرانی ہو یا بُت پرست، کپڑا اگر پاک ہے تو ہر حال میں اس کا استعمال درست ہے. کیونکہ کپڑے میں استعمال کا مدار پاکی اور ناپاکی ہے، بننے والے کے احوال اور بننے کی جگہ پر مدار نہیں ہے۔

اور کیونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، لہٰذا کپڑا دار الحرب کا بنا ہوا ہو یا دار الاسلام کا اس کا استعمال اسوقت تک مباح ہوگا جب تک کہ کوئی خصوصی دلیل اس کی نجاست پر قائم نہ ہو جائے اور خصوصی دلیل یہاں دو ہو سکتی ہیں، ایک مشاہدہ اور دوسرے مخبرِ صادق کی اطلاع. مشاہدہ مثلاً یہ کہ کوئی دھبّہ اس کپڑے پر آجائے، اور اطلاع یہ کہ کوئی ثقہ اور معتبر آدمی یہ بتلائے کہ اس کپڑے کی تیاری میں مثلاً کلف یا مانڈی میں فلاں ناپاک چیز استعمال کی گئی ہے، بخاریؒ نے الصّلوٰۃ فی الجبّۃ الشامیۃ کہہ کر اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے[1]، کیونکہ شام اس وقت دار الکفر تھا،

---

[1] فیض الباری میں مولانا بدرِ عالم صاحبؒ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کی طرف ایک دوسری بات منسوب کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بظاہر امام بخاری اس ترجمہ میں کپڑے کی وضع قطع، تراش اور ساخت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، کہ اگر کپڑے کی ساخت اور تراش غیر مسلموں کے طرز کی ہو تو اس کو پہن کر نماز درست ہوگی یا نہیں، روایت باب میں آگیا کہ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے شامی جبّہ میں نماز ادا کی، بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا کہ کپڑا اگر غیر مسلموں کی وضع و تراش کا ہو تو اس میں بھی نماز درست ہے، لیکن حضرت علامہ کشمیریؒ کی طرف یہ نسبت سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ ترجمہ کے بعد دیئے گئے حضرت حسنؒ اور حضرت زہریؒ کے اقوال اس کی تائید نہیں کرتے. اور مولانا بدرِ عالم صاحبؒ نے بھی ترجمہ کا یہ مفہوم متعین کر کے ان اقوال کی کوئی توجیہ نقل نہیں کی۔ واللہ اعلم

اور آپ نے شامی جبہّ میں نماز ادا فرمائی اور یہ تفتیش نہیں کی کہ اس کا بننے والا کون ہے، اور اس میں کوئی ناپاک چیز تو شامل نہیں کی گئی ہے، رہا یہ کہ اگر یہی مسئلہ بیان کرنا تھا تو ترجمہ میں جبۂ شامیہ کی قید کیوں لگادی، تو اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بخاری عام طور پر الفاظ حدیث کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ منعقد فرماتے ہیں۔

حضرت حسنؒ کا قول حضرت حسنؒ کا یہ قول ابو نعیم نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے لا بأس بالصلوٰۃ فی الثوب الذی ینسجہ المجوس قبل ان یغسل، مجوسی کے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑوں کے بارے میں فرمایا کہ بغیر دھوئے اس کو پہن کر نماز پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بخاری کا مدعا ثابت ہوگیا، کہ جب تک مشاہدہ یا معتبر شہادت سے نجاست کا علم نہ ہو جائے اس وقت تک استعمال درست اور مباح ہے۔

حضرت زہریؒ کا ارشاد حضرت معمر کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت زہریؒ کو یمن کے بنے ہوئے وہ کپڑے پہنے دیکھا جن کے بارے میں پیشاب میں رنگنے کی افواہ تھی، پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، جب تک کوئی خصوصی دلیل ان کی نجاست پر قائم نہ ہو جائے، یمن سے جو کپڑے تیار ہو کر عرب میں درآمد کئے جاتے تھے ان کے بارے میں ایک افواہ یہ تھی کہ ان کی تیاری میں جانوروں کا پیشاب استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل بھی بعض کپڑوں میں آب دینے کی غرض سے چربی کے استعمال کی شہرت ہے، حضرت معمر نے تو صرف استعمال ہی نقل فرمایا ہے، نماز کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن ظاہر یہی ہے کہ وہ نماز بھی انہیں کپڑوں میں ادا فرماتے ہوں گے، معلوم ہوا کہ حضرت زہریؒ نے اس افواہ یا شہرت کا اعتبار نہیں کیا بلکہ استعمال فرماتے رہے۔ کیونکہ نہ تو کوئی ظاہری علامت نجاست کی موجود تھی اور نہ کسی مخبر صادق ہی نے خبر دی تھی، صرف افواہ کے درجہ میں ایک بات گشت کر رہی تھی۔

شارحین نے لکھا ہے کہ اگر البول سے مراد جنسِ بول ہے تو معمر کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زہریؒ دھونے کے بعد ان کپڑوں کو استعمال کرتے تھے، یا پھر ان جانوروں کا پیشاب مراد ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ زہری بول مایوکل لحمہ، کی طہارت کے قائل تھے، لیکن یہ توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ' کے قبیل سے ہے، اس لئے کہ اگر عام بول مراد ہو اور حضرت زہریؒ کے اس عمل کا یہ مطلب قرار دیں کہ وہ دھونے کے بعد استعمال فرماتے تھے تو اس میں حضرت زہریؒ کی کیا خصوصیت ہوئی، سب ہی کے نزدیک بالاتفاق ایسے کپڑے

دھونے کے بعد قابلِ استعمال ہیں۔ اور اگر بول مایو کل لحمہ مراد لیں تو حضرت علامہ کشمیریؒ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ زہریؒ نجاستِ ابوال کے قائل ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت زہریؒ کا خیال یہ ہو کہ کپڑا بھی ان چیزوں میں سے ہے جن پر طہارت ونجاست کا حکمِ شرعی تیاری کے بعد لگایا جاتا ہے۔ تیاری کے دوران جو بھی حالات گذریں شریعت ان کا اعتبار نہیں کرتی، جیسے کفش دوز جوتا بناتا ہے، ایک ہی کونڈی میں سڑا ہوا پانی رہتا ہے، اسی پانی میں چمڑا دھاگا اور سب کچھ بھگوتا جاتا ہے، اور تیاری کے دوران کسی طرح کی احتیاط نہیں برتی جاتی، یا مثلاً شکر ہے، گنّے کا رس بغیر کسی احتیاط کے نکالا جاتا ہے، پھر اس کو گرم کیا جاتا ہے، کیڑے مکوڑے گرم بھاپ سے مر کر اسی رس میں ملتے رہتے ہیں، ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ مزدور اس کو پیروں سے کھوندتے ہیں، پیروں کے میل کے علاوہ کبھی خون بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ یا مثلاً گیہوں پر دائیں چلاتے ہیں، بیل پیشاب بھی کرتے رہتے ہیں لیکن ان چیزوں پر شریعت نے تیاری کے بعد طہارت کا حکم دیا ہے، تیاری کے زمانہ کے احوال کا شریعت نے کوئی اعتبار نہیں کیا۔

اس لئے ہو سکتا ہے کہ حضرت زہری کا خیال یہ ہو کہ کپڑا بھی انہیں چیزوں میں سے ہے۔ پھر اگر درمیانی حالات میں بول کا استعمال کیا بھی جاتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ شریعت تو تیاری کے بعد طہارت کا حکم دیتی ہے۔ حضرت زہریؒ کے استعمال کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ شیخ الاسلام الدھلویؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت علیؓ کا عمل

حضرت علیؓ نے کورے کپڑے میں نماز پڑھی جس میں مانڈی لگی ہوئی تھی، یعنی وہ کپڑا بالکل نیا اور کورا تھا، حضرت علیؓ نے بغیر دھوئے اس کپڑے میں نماز ادا کی، مطلب یہی ہے کہ انہوں نے تحقیقِ حال کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ بظاہر کوئی نجاست نہیں ہے۔ اور نجاست پر کوئی معتبر شہادت بھی نہیں ہے، اس لئے ایسے کپڑے کو پاک قرار دیا جائے گا۔

حدیثِ باب

روایت میں آیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ میں نماز ادا فرمائی بخاری نے اس سے اپنے مدعا پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ آپ نے جبہ استعمال فرمایا اور یہ دریافت نہیں کیا کہ یہ کس نے بنایا ہے۔ اور اس کی تیاری میں کوئی ناپاک چیز تو شامل نہیں کی گئی، اس کے ساتھ یہ بھی کہیں مذکور نہیں کہ آپ نے اس کو دھویا یا دھلوایا ہو۔

معلوم ہوا کہ ان چیزوں کی تحقیق میں جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ بلادِ کفار سے جو کپڑے درآمد کئے جاتے ہیں اگر ظاہری آثار، اور مخبر صادق کی اطلاع اس کی نجاست پر نہ ہوں تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہیں ہے، واللہ اعلم

بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّعَرِّي فِي الصَّلٰوةِ وَغَيْرِهَا حدثنا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ ثَنَا رَوْحٌ قَالَ ثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحٰقَ قَالَ ثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ إِزَارُهُ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهُ يَا ابْنَ أَخِي لَوْحَلَلْتَ إِزَارَكَ فَجَعَلْتَ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُونَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهُ فَجَعَلَهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا۔

ترجمہ: باب، نماز میں اور نماز کے علاوہ برہنگی کی کراہت کا بیان۔ حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ حدیث بیان کرتے سُنا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ساتھ کعبہ کی تعمیر کے لئے پتھر لے جاتے تھے، اور اس وقت آپ کے جسم پر آپ کا ازار تھا، اس وقت آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ سے کہا برادر زادے! اگر تم اپنا یہ ازار کھول لو اور اس کو اپنے کاندھوں پر پتھروں کے نیچے رکھ لو تو تمہیں سہولت ہو جائے، چنانچہ آپ نے ازار کھولا اور اس کو اپنے کاندھوں پر ڈال لیا، لیکن فوراً ہی آپ بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر اس کے بعد آپ کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا گیا۔

مقصد ترجمہ برہنگی نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں ممنوع ہے، نماز کی حالت میں تو ظاہر ہے، لیکن نماز کے علاوہ بھی بلا ضرورت ستر کا برہنہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے، بخاری جو روایت اس کے ذیل میں لا رہے ہیں اس میں خارج صلوٰۃ کا واقعہ ہے، بخاری کا استدلال اس طرح ہے کہ جب نماز کے علاوہ بھی اس قدر اہتمام ہے تو نماز میں بدرجہ اولیٰ اس کی ضرورت ثابت ہوگی۔

حدیثِ باب بخاریؒ نے واقعہ نقل کر دیا کہ قریش نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کی تو اس میں تمام لوگ پتھر لانے میں شریک تھے، ان کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دُور سے پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، اس وقت آپ ازار باندھے ہوئے تھے، پتھر چونکہ کھردرا ہوتا ہے نوکیلا بھی ہوتا ہے، اونچا نیچا بھی ہوتا ہے، اس لئے ایک وزنی چیز کو اس طرح لانے میں کندھے

کے زخمی ہونے کا اندیشہ تھا، حضرت عباسؓ نے جو آپ کے چچا تھے، ازراہِ شفقت یہ فرمایا کہ تہبند کھول کر کاندھے پر رکھ لو، پھر اس پر پتھر لاؤ، تاکہ کاندھے کو کوئی گزند یا زخم نہ پہنچے، آپ نے چچا کی بات کو مان لیا اور تہبند کھول کر اس جگہ رکھنا چاہا کہ فوراً ہی بے ہوش ہو کر گر گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ نہیں دیکھا گیا، نہ نبوّت سے پہلے نہ نبوّت کے بعد، بخاریؒ کا مدعا ثابت ہو گیا کہ نماز کا تو معاملہ ہی بہت اہم ہے۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ نبوّت سے پہلے یا نبوّت کے بعد نماز اور غیر نماز کسی بھی حالت میں آپ کو برہنہ نہیں دیکھا گیا، معلوم ہوا کہ برہنگی ہر حال میں ممنوع ہے۔

رہا یہ کہ یہ واقعہ کیوں اور کب پیش آیا، تو زہریؒ نے فرمایا کہ قریش کے ہاتھوں تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ بالغ نہ ہوئے تھے، ابن بطال اور ابن المتین نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ اس وقت عمر شریف پندرہ سال تھی، اس اعتبار سے کشفِ ازار کا معاملہ کوئی اعتراض کی بات ہی نہیں، لیکن چونکہ یہ آپ کی شان کے خلاف تھا اس لئے فوراً بے ہوشی طاری کر دی گئی۔ تاکہ اس چیز پر تنبیہ ہو جائے کہ برہنگی لوگوں کے سامنے اہم سے اہم ضرورت کے موقع پر بھی ناجائز ہے۔ اور چونکہ رسالت سے قبل انبیائے کرام کے لئے وحی کا سلسلہ تو ہوتا نہیں، اسی طرح منجانب اللہ تربیت دی جاتی ہے کہ جہاں کوئی اس طرح کی صورت پیش آئی تنبیہ کر دی گئی، چنانچہ اسی ایک واقعہ کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ آپ بیہوش ہو کر گرے۔ آسمان کی طرف آپ کی نظر اٹھی اور آپ یہ فرماتے رہے کہ میرا تہبند جلدی دو۔

لیکن بنائے کعبہ کے سلسلہ میں بعض دوسرے اقوال بھی ہیں، کسی نے کہا کہ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پانچ سال قبل کا ہے، کسی نے کہا کہ یہ تعمیر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرمانے کے دس سال بعد کا ہے، ان اقوال کی بنا پر اس وقت آپ کی عمر شریف پینتیس سال ہوگی، لیکن اوّل تو یہ واقعہ قبل النبوّت کا ہے جس پر فوراً تنبیہ کر دی گئی، جبکہ عرب میں یہ چیز کچھ زیادہ معیوب نہ تھی، نیز یہ کہ حضرت عباسؓ نے صرف تہبند ہی تو کھول کر کاندھے پر رکھنے کا مشورہ دیا تھا، کرتہ کا تو اس میں ذکر نہیں، اس لئے ضروری نہیں کہ اس صورت میں کامل برہنگی ہوتی ہو، لیکن چونکہ اتنی بات بھی آپ کی شان سے فروتر تھی، اس لئے فوراً تنبیہ ہوئی اور آسمانی اشارے یا سلامتِ طبع کے تحت فوراً آپ بیہوش ہو گئے اور تہبند باندھ لیا۔

واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِی الْقَمِیْصِ وَالسَّرَاوِیْلِ وَالتُّبَّانِ وَالْقَبَآءِ حدثنا سُلَیْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ اَیُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهٗ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ اَوَکُلُّکُمْ یَجِدُ ثَوْبَیْنِ ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ اِذَا وَسَّعَ اللّٰہُ فَاَوْسِعُوْا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَیْهِ ثِیَابَهٗ صَلّٰی رَجُلٌ فِیْ اِزَارٍ وَّرِدَآءٍ، فِیْ اِزَارٍ وَّ قَمِیْصٍ فِیْ اِزَارٍ وَّقَبَآءٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَرِدَآءٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَقَمِیْصٍ فِیْ سَرَاوِیْلَ وَقَبَآءٍ فِیْ تُبَّانٍ وَقَبَآءٍ فِیْ تُبَّانٍ وَقَمِیْصٍ قَالَ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ فِیْ تُبَّانٍ وَرِدَآءٍ۔

ترجمہ: باب۔ قمیص، پائجامہ، جانگیے اور قبا میں نماز کے جواز کا بیان، حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو دو کپڑے حاصل ہیں؟ پھر کسی شخص نے حضرت عمرؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرمائے تو اس وسعت کا اظہار کرو، چاہئے کہ لوگ اپنے جسم پر اللہ کے دیئے ہوئے کپڑے استعمال کریں (چاہئے کہ نماز پڑھے ازار اور چادر میں، ازار اور قمیص میں، ازار اور قبا میں، پائجامہ اور چادر میں، پائجامہ اور قمیص میں، پائجامہ اور قبا میں، جانگیے اور قبا میں، جانگیے اور قمیص میں، ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں، حضرت عمرؓ نے اسی کے ساتھ جانگیے اور چادر میں ادائیگی کے بارے میں بھی فرمایا تھا۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ ہے کہ یہ بات تو طے ہوگئی کہ نماز کے لئے سترپوشی ضروری ہے، اب یہ بتلا رہے ہیں کہ اس ستر کے لئے نہ تو عدد ضروری ہے کہ کپڑے دو یا تین ہوں اور نہ کسی نوعیت کی قید ہے کہ فلاں قسم کے کپڑے سے ستر کیا جائے، بلکہ نماز کی صحت کے لئے صرف سترِ عورت کی ضرورت ہے، خواہ کپڑوں کا عدد کچھ ہو، اور خواہ نوعیت کے اعتبار سے کسی طرح کے ہوں، اس کے لئے بخاریؒ نے عنوان رکھا ہے کہ نماز قمیص میں ہوجاتی ہے، پائجامہ میں بھی ہوجاتی ہے، اور جانگیہ اور چادر میں بھی ہوجاتی ہے یعنی نہ سلے اور بغیر سِلے کپڑے کی شرط ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ سلا ہوا کپڑا فلاں طرح کا اور اتنے عدد ہو۔

تشریحِ حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، آپ نے ارشاد فرمایا، کیا تم میں سے سب کے پاس دو کپڑے ہیں، اتنی بات گذر چکی ہے، اس کے بعد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے یہی سؤال کیا، تو حضرت عمرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب خداوند کریم نے لباس کے معاملہ میں وسعت دی ہے، یعنی ایک سے زائد کپڑے موجود ہیں تو تمہیں وسعت کا اظہار کرنا چاہیئے، اس طرح کے عمل میں اظہار نعمت کے علاوہ ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مصلی کے ساتھ قیام و قعود اور رکوع و سجود میں وہ کپڑے بھی شریک نماز رہیں گے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے، تو لامحالہ بمعیت مصلی ان کی وجہ سے مصلی کے ثواب میں اضافہ ہوگا، اس اصول پر لباس جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب بھی زیادہ ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ایک کپڑے میں بھی نماز درست ہے، لیکن اگر کپڑے ایک سے زائد ہیں تو زائد ہی کپڑوں سے نماز پڑھنی چاہیئے۔

جمع رجل الخ حضرت عمرؓ نے اس عبارت میں اپنے سابق ارشاد کی تفصیل فرمائی ہے۔ کہ وسعت کا اظہار اس طرح ہونا چاہیئے، یہ صورتاً خبر ہے مگر معنی میں انشار کے ہے۔ اس تفصیل میں حضرت عمرؓ نے بتلایا کہ دو دو کپڑے ملا کر نماز پڑھنی چاہیئے۔ ازار اور چادر، ازار اور قمیص، ازار اور قبار، پائجامہ اور چادر، پائجامہ اور قمیص، پائجامہ اور قبار، جانگیہ اور قبار، جانگیہ اور قمیص میں، دو دو کپڑے ملا کر نماز پڑھنی چاہیئے، یہ کل آٹھ صورتیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ ایک نویں صورت بھی فرمائی تھی کہ جانگیہ اور چادر میں بھی دو کپڑے ملا کر نماز ادا کرنی چاہیئے۔

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس تفصیل میں ستر کی رعایت مقدم رکھی ہے۔ یعنی یہ کہ کپڑوں سے مقصود چونکہ ستر پوشی ہے اس لئے دو کپڑے جو وسط جسم کے ستر کے لئے

---

[1] حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ سائل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعب کے درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا تھا، ابی فرماتے تھے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا درست ہے، یعنی مکروہ نہیں ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ ایک کپڑے میں نماز کی ادائیگی کی اجازت اس وقت کی بات ہے جب کپڑے بہت کم تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ بات صحیح وہ ہے جو ابیؓ کہتے ہیں، لیکن حضرت ابن مسعودؓ نے بھی کوتاہی نہیں کی، علامہ عینیؒ نے اس پر تبصرہ یہ کیا ہے کہ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعودؓ کے اختلاف سے یہ لازم نہیں آتا کہ سائل حضرت ابن مسعودؓ ہی ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سوال حضرت ابی نے فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

استعمال ہوتے ہیں، ان کو حضرت عمرؓ نے مقدم ذکر فرمایا ہے، کیونکہ جس حصّہ کا ستر ضروری ہے وہ وسطِ جسم ہی ہے۔ پھر یہ کہ جو کپڑے وسطِ جسم کی حفاظت کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہ تین ہیں۔ ایک ازار، دوسرے سراویل تیسرے جانگیہ، ان تینوں کپڑوں میں ازار کو سب سے مقدم ذکر کیا کیونکہ یہ کثیر الاستعمال بھی ہے اور ساتر بھی ہے۔

عہدِ نبوی میں شلوار کا استعمال بہت ہی شاذ و نادر تھا چنانچہ اس سلسلہ میں بھی اختلاف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سراویل کا استعمال فرمایا ہے یا نہیں، ایک روایت میں خریدنا تو ثابت ہے لیکن استعمال کی تصریح نہیں ہے، البتہ آپ نے تہبند کے مقابلہ میں اس کو "استر" زیادہ چھپانے والا فرمایا ہے، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا۔

یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین درجے فرمائے ہیں، پہلے ازار، دوسرے نمبر پر پائجامہ اور تیسرے نمبر پر جانگیہ، جانگیہ کو سب سے آخر میں اس لئے ذکر کیا کہ اس میں ستر سب سے کم ہے، ہاں چادر یا قمیص کے ساتھ اس کا استعمال ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

حدثنا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ فَقَالَ لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ فَمَنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ محرم کیا لباس پہنے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ محرم قمیص، پائجامہ اور بارانی کا استعمال نہ کرے، اور نہ وہ کپڑا پہنے جو زعفران یا ورس (ایک زرد رنگ دینے والی خوشبودار گھاس) سے رنگا گیا ہو۔ اور جس کے پاس جوتے نہ ہوں وہ خفین کا استعمال کرے، لیکن ان کو مقعد شراک سے کاٹتا ہوا ٹخنوں کے نیچے لے آئے۔

نافعؒ نے سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ ابن عمرؓ یہی روایت کی ہے۔

ترجمہ سے مناسبت | ترجمہ سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ قمیص، سراویل اور

بارانی کے پہننے سے عام احوال میں منع نہیں کیا گیا بلکہ صرف احرام کی حالت میں منع کیا گیا ہے، کیونکہ احرام کی حالت میں مرد کے لئے سلے ہوئے کپڑے کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ غیر احرامی حالت میں عام طور پر ان کپڑوں کا استعمال رہتا تھا، جب عام حالات میں یہ کپڑے استعمال کئے جاتے تھے تو ظاہر ہے کہ نماز بھی انہی کپڑوں میں ادا کی جاتی ہوگی، ورنہ اگر یہ کہا جائے کہ عام لباس تو یہی تھا لیکن نماز کے وقت دوسرے کپڑے استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ ایسی تنگی ہے جو شریعت نے روا نہیں رکھی، ترجمہ سے مناسبت ثابت ہوگئی کہ عام لباس میں قمیص، پائجامہ اور بارانی میں نماز درست ہے، کسی نوع یا کسی عدد کی قید نہیں ہے۔

نیز احرام کی حالت میں منع کرنے کا مفہوم بھی صرف اسی قدر ہے کہ یہ کپڑے احرام کی حالت میں ممنوع ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص نے احرام کی حالت میں ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھ لی تو نماز ادا ہو جائے گی، کیونکہ نماز کی شرط صرف سترِ عورت ہے، یہ الگ بات ہے کہ چونکہ ایک محذور اور ممنوع کا ارتکاب احرام کی حالت میں کیا اس لئے اس جنایت کا فدیہ دینا ہوگا۔

ترجمہ سے مناسبت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حدیث میں یہ آیا کہ احرام کی حالت میں قمیص پائجامہ اور بارانی کا استعمال نہ کرے، بلکہ بغیر سلے ہوئے کپڑے استعمال کرے، معلوم ہوا کہ نماز کے لئے کپڑے کا سلا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ بغیر سلے ہوئے کپڑوں میں بھی نماز ہو جاتی ہے جیسا کہ احرام کی حالت میں ظاہر ہے۔

علامہ سندھیؒ کا ارشاد

علامہ سندھیؒ نے ترجمہ کے ساتھ وجوداً وعدماً کی قید لگائی ہے اس وقت ترجمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ کیا نماز قمیص وغیرہ میں درست ہے اور بغیر قمیص وغیرہ کے نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ چنانچہ پہلی حدیث میں یہ بات آگئی کہ قمیص پہن کر نماز درست ہے۔ یہ مناسبت وجودی ہوگئی، اور دوسری روایت میں یہ آگیا کہ نماز بغیر قمیص کے بھی درست ہے۔ یہ مناسبت عدمی ہوگئی، لیکن ہمیں وجود و عدم کی یہ بحث تکلف معلوم ہوتی ہے، بالکل صاف بات ہے کہ ترجمہ کا مفہوم یہ ہے کہ نماز نہ نوعِ ثیاب پر موقوف ہے نہ عدد پر، دونوں حدیثوں سے ترجمہ ثابت ہوگیا، یہ روایت کتاب العلم کے آخر میں گذر چکی ہے، تشریحات وہاں دیکھ لی جائیں۔ یہاں ترجمہ سے مناسبت بیان کردی گئی۔

واللہ اعلم

بَابُ مَا يُسْتَرُ مِنَ الْعَوْرَةِ **حدثنا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ ثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ اَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهِ مِنْهُ شَيْءٌ۔

ترجمہ: باب ۔ حصۂ مستور میں سے کس چیز کا چھپانا واجب ہے، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑے کو اس طرح لپیٹنے سے منع فرمایا ہے کہ دونوں کاندھوں میں سے ایک کاندھے پر تو اس کپڑے کو ڈال لے اور دوسری جانب کو بالکل کھلا چھوڑ دے، اور یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں احتبار کی شکل سے منع فرمایا ہے جبکہ اس کا عضو مستور مکشوف ہو۔

مقصدِ ترجمہ عورت جسم کا وہ حصہ ہے جو چھپایا جاتا ہے۔ اور جس کا کھولنا انسان کے لئے شرمناک ہے، بخاری کے ترجمہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم کا وہ حصہ جو عورت ہونے کی وجہ سے چھپایا جاتا ہے اس میں سے کتنے حصہ کا ستر واجب اور ضروری ہے۔ اب خواہ اس کو نماز کے ساتھ خاص رکھئے یا نماز اور نماز کے علاوہ ہر صورت میں عام کر دیجئے۔ پہلی صورت میں ترجمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ صحت نماز کے لئے اس حصۂ جسم میں سے جس کا نام عورت ہے کتنے حصہ کا ستر ضروری ہے، کہ اگر اس کا ستر نہ کیا گیا تو نماز نہ ہوگی، اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ میں کتنے حصۂ جسم کا ستر ضروری ہے، یعنی عورت کہ جو جمہور کے نزدیک ناف سے گھٹنے تک کا حصہ ہے خارجِ صلوٰۃ میں کتنے حصہ کے کشف سے انسان کو غیر ساتر کہیں گے۔

گویا بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ کشف اور ستر کا مدار کتنے حصہ پر ہے، آیا یہ ضروری ہے کہ ناف سے گھٹنے تک پورے حصہ کا ستر کیا جائے، اور اگر صرف سوأتین (یعنی پیشاب اور پائخانے کا مقام)، کا ستر کر رکھا ہو باقی حصہ کھلا ہو تو ایسے شخص کو برہنگی کا الزام دے سکیں بخاریؒ نے بتلایا کہ عورت کے کشف اور ستر کا مدار سوأتین کے کشف اور ستر پر ہے ۔ اگر سوأتین کھلے ہیں اور پورا جسم ڈھکا ہوا ہے تو ایسے شخص کو برہنہ کہا جائیگا، اور اگر سوأتین مستور ہیں تو پھر خواہ سارا جسم کھلا ہو، کشفِ ستر کا الزام نہیں دیا جا سکتا۔

نماز کا معاملہ تو گذر چکا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ بخاری اس باب میں خارج صلوٰۃ

کا مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہی ہے کہ امام بخاری یہاں خارج صلوٰۃ کے مسئلہ سے بحث کر رہے ہیں، لیکن علامہ عینیؒ حافظ کی اس تخصیص سے مطمئن نہیں وہ کہتے ہیں کہ نہی عام ہے، نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔

مذکورہ بالا مقصد مَا یَسْتُرمِنَ العَوْرَۃِ میں مِنْ کو تبعیضیہ مان کر ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ دونوں اس طرف جارہے ہیں کہ "من" تبعیضیہ نہیں ہے۔ بیانیہ ہے، اگر مِن کو بیانیہ مانا جائے تو عبارت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "مایستر" یعنی جس حصّہ بدن کا ستر ضروری ہے وہ کیا ہے؟ کہ من العورۃ یعنی وہ عورت ہے، یعنی مایستر وہ حصّہ جسم ہے جس کو عورت کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تشریح حدیث

حدیث میں آیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتمالِ صمّار سے منع فرمایا ہے۔ اشتمالِ صمّار کی ایک تشریح فقہاء نے کی ہے، اور دوسری اہلِ لغت نے، فقہاء کی بیان کردہ صورت یہ ہے کہ چادر اوڑھی اور اوپر سے دو مالا کاندھے پر ڈال لیا۔ جس سے جسم کا ایک حصّہ بالکل کھل جائے گا جبکہ اس کے نیچے کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو، یہ فقہاء کی بیان کردہ تشریح ہے۔

دوسری تشریح اہلِ لغت نے کی ہے، اور وہ یہ کہ چادر اس طرح بدن پر لپیٹی جائے کہ ہاتھ بھی بندھ جائیں اور ہاتھوں کے باہر نکالنے کا کوئی راستہ نہ رہے، اس طرح لپیٹ لینے میں نقل وحرکت میں بہت دشواری ہوگی، ہاتھ نکالنے میں بہت تکلف ہوگا، اور ستر کھلنے کا قوی اندیشہ رہے گا، بہرحال ان دونوں معنی میں سے اشتمالِ صمار سے جو بھی مراد لیا جائے، حدیث میں نہی کا مقصد ستر کی رعایت ہے۔

وان یحتبی الرجل الخ حدیث کا یہ جزء اس مدّعا کو واضح کر رہا ہے کہ کشف اور ستر کا مدار سوأتین پر ہے، کیونکہ احتباء کا مطلب یہ ہے کہ سُرین پر بیٹھا ہوا گھٹنوں کو پیٹ سے ملاکر ہاتھ یا کپڑے سے اس کی بندش کرلے۔

حدیث میں منع کیا گیا کہ کپڑے سے اس طرح احتباء جبکہ شرمگاہ کھلی رہ جائے ممنوع ہے۔ گھٹنے اٹھا کر چادر لپیٹ لی اور شرمگاہ کو کھلا چھوڑ دیا تو کہا جائیگا کہ جس حصّہ کا ستر ضروری تھا اس کو کھلا چھوڑ دیا اور جس حصّہ کا ستر ضروری نہ تھا اس کو ڈھک لیا معلوم ہوا کہ کشف وستر کا مدار سوأتین پر ہے۔ واللہ اعلم

حدثنا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَٰنُ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ عَنِ اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ وَاَنْ يَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ وَاَنْ يَّحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کی بیع، بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے منع فرمایا ہے، اور ایک ہی کپڑے میں احتباء سے منع فرمایا ہے

تشریح حدیث بیع وشراء کے یہ دو طریقے جن میں ایک کا نام نباذ یا منابذہ ہے اور دوسرے کا لماس یا ملامسہ ہے ایام جاہلیت میں رائج تھے، لیکن چونکہ یہ جوئے یا قمار کی شکل میں تھے اس لئے شریعت نے ان سے منع فرمادیا، بیع لماس کی شکل یہ تھی کہ مثلاً کپڑے کی دوکان پر مشتری اور بائع کے درمیان زبانی بات چیت ہوگئی، قیمت طے ہوگئی، اب مشتری نے آنکھ بند کرکے اپنا ہاتھ جس تھان پر رکھ دیا وہی تھان اس مقررشدہ قیمت میں اس کا ہوگیا، نہ بائع کو یہ اختیار ہے کہ وہ مشتری سے یہ کہہ سکے کہ یہ تھان بہت عمدہ ہے، ان داموں میں نہیں دیا جاسکتا، اور نہ مشتری ہی کو خیار عیب یا خیار رویت ہے، جس حال میں بھی ہو بس یہی تھان مشتری کو لینا ہوگا۔

اسی طرح نباذ کا طریقہ یہ تھا کہ زبانی بات چیت اور قیمت طے ہونے کے بعد بائع نے آنکھ بند کرکے جو تھان مشتری کی طرف پھینک دیا وہی مشتری کا ہوگیا، خواہ وہ اعلیٰ قسم کا ہو یا گھٹیا ہو، یہ دونوں طریقے قمار میں داخل ہیں، اس لئے شریعت نے ان دونوں کو حرام قرار دیدیا، اس جزء سے ترجمہ کا کوئی تعلق نہیں،

وان یشتمل الصماء الخ اشتمال صماء اور احتباء دونوں کی تشریح گذرچکی ہے، ترجمۃ الباب کا اثبات اس طرح ہے کہ لباس کا مقصد ستر پوشی ہے۔ اگر سارا جسم کھلا ہوا ہے اور ستر محفوظ ہے تو اس شخص کو برہنگی کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اگر سارا جسم ڈھکا ہوا ہے اور ستر بے پردہ ہے تو سارا لباس بیکار ہے۔

حدثنا اِسْحٰقُ قَالَ ثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا ابْنُ اَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ اَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي اَبُوْبَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِيْنَ يَوْمَ النَّحْرِ نُؤَذِّنُ بِمِنًى

اَنْ لَّا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ اَرْدَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا فَاَمَرَهُ اَنْ يُّؤَذِّنَ بِبَرَاءَةٍ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَاَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِيْ اَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضرت ابو بکرؓ نے حجۃ الوداع سے ایک سال قبل والے حج میں یوم نحر میں اعلان کرنے والوں کے ساتھ روانہ کیا کہ ہم منیٰ میں یہ اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرسکے گا۔ اور کوئی شخص برہنہ ہوکر بیت اللہ کا طواف نہ کرسکے گا، حمید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو پیچھے روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ سورۂ براءۃ کی ابتدائی آیات کا اعلان فرمادیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمارے ساتھ منیٰ میں نحر کے دن اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرسکے گا، اور کوئی شخص برہنہ ہوکر بیت اللہ کا طواف نہ کرسکے گا۔

تشریح حدیث

روایت میں آیا ہے کہ طواف کے درمیان برہنگی سے منع کیا گیا، کیونکہ "طواف البیت صلوٰۃ" فرمایا گیا ہے، اوپر کی روایات سے معلوم ہوا کہ برہنگی اور ستر پوشی کا مدار سوأتین کے ستر اور کشف پر ہے، اس لئے یہاں بھی وہی معنیٰ مراد لئے جائیں گے۔

براءۃ کے اعلان کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ براءۃ کی ابتدائی آیات کا اعلان حضرت علیؓ سے کرایا گیا، ان ابتدائی آیات میں ان معاہدوں کا ذکر ہے جو آپ کے اور دوسرے قبائل کے درمیان تھے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ھ میں جب آپ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا، اور قریش مکۂ مکرمہ نے اس وقت مکہ میں نہ جانے دیا تو حدیبیہ میں ان سے صلح ہوگئی تھی، اور اس صلح کی مدت معتبر روایات کے مطابق دس سال تھی، مکہ میں قریش کے علاوہ جو دوسرے قبیلے آباد تھے ان کے بارے میں یہ بات طے ہوئی کہ اس صلح میں جو قبیلہ چاہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آجائے۔ اور جو قبیلہ چاہے قریش مکہ کے ساتھ رہے، چنانچہ خزاعہ آپ کے ساتھ رہے اور بنی بکر قریش کے ساتھ رہے، ایک سال تک کوئی بات نہ ہوئی، اور پھر ۷ھ میں حسب قرارداد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کی قضا فرمائی، آپ واپس تشریف

لے آئے، آپ کی تشریف آوری کے چند ماہ بعد بنو بکر نے رات کے وقت بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، اس حملہ میں قریش نے اسلحہ اور افراد سے بنو بکر کی مدد کی، اس حملہ سے حدیبیہ کی قرارداد کے مطابق یہ صلح ٹوٹ گئی، بنو خزاعہ نے آپ سے امداد طلب کی چنانچہ آپ نے ۸ھ میں تیاری کر کے قریش پر چڑھائی کی، اور مکہ فتح فرمالیا۔

سورۂ برارت کی ابتدائی آیات میں جن جماعتوں کا ذکر ہے وہ چار ہیں، ایک تو یہی قریش مکہ جنہوں نے بدعہدی کی اور صلح کو توڑ دیا، دوسرے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی حمزہ اور بنی مدلج تھے جنہوں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا، اور بقول معتبر مفسرین ان کی مدت معاہدہ ختم ہونے میں نو ماہ باقی تھے، تیسرے کچھ عام قبائل تھے جن سے معاہدہ تھا اور مدت معاہدہ معین نہیں کی گئی تھی، چوتھے چند وہ عام قبیلے تھے جن سے کسی طرح کا عہد نہ تھا، سورۂ برارت میں ان چاروں جماعتوں کے لئے احکام نازل فرمائے گئے۔

پہلے فریق یعنی قریش مکہ کے متعلق فتح مکہ سے قبل یہ حکم تھا کہ جب تک یہ حضرات معاہدہ پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو، اور جب یہ جنگ کریں تو تم بھی قتال کرو، لیکن چونکہ ان حضرات نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اس لئے سورۂ برارت میں اعلان کر دیا گیا کہ اشہر حرم گذرنے کے بعد ان سے قتال کی اجازت ہے، دوسرے فریق کے بارے میں یہ حکم دیا گیا کہ چونکہ انہوں نے خلاف ورزی نہیں کی اس لئے ان کی مدت معاہدہ پوری کی جائے، تیسرے اور چوتھے فریق کے بارے میں اعلان یہ ہے کہ وہ اس اعلان کی تاریخ سے چار ماہ کی مدت کے اندر اندر اپنا فیصلہ کر لیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کو رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، ورنہ انہیں اس جگہ رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور ان کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی۔

ان یؤذن ببراءۃ الخ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو ایک مخصوص اعلان کے لئے جس کا تعلق برارت ذمم سے تھا، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمارے ساتھ اس اعلان میں بھی شرکت کی جس کو حضرت ابوہریرہؓ اور ان کے دوسرے ساتھی انجام دے رہے تھے۔ یعنی لایطوف بالبیت عریان وغیرہ۔

بَابُ الصَّلٰوةِ بِغَيْرِ رِدَآءٍ **حدثنا** عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ اَبِي الْمَوَالِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُلْتَحِفًا بِهٖ وَرِدَآءُهٗ مَوْضُوْعٌ

فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ تُصَلِّيْ وَرِدَآءُكَ مَوْضُوْعٌ قَالَ نَعَمْ اَحْبَبْتُ اَنْ يَّرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ كَذَا۔

ترجمہ: باب، بغیر چادر کے نماز پڑھنے کا بیان، محمد بن منکدر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت جابر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہ اس وقت ایک کپڑا لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور ان کی چادر پاس ہی رکھی ہوئی تھی، جب وہ نماز سے فارغ ہوگئے تو ہم نے عرض کیا، ابو عبداللہ! آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کی چادر الگ رکھی ہوئی ہے۔ حضرت جابر نے فرمایا، جی ہاں! میں یہ چاہتا ہوں کہ تم جیسے جاہل مجھے دیکھ لیں، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بھی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

مقصدِ ترجمہ باب "عقد الازار علی القفا فی الصلوٰۃ" کے ذیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر کلام گذر چکا ہے، یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت پر دوسرا ترجمہ منعقد فرمایا ہے کہ چادر کے ہوتے ہوئے صرف ایک کپڑا لپیٹ کر نماز ادا کرنا جائز ہے، اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تکمیل ہیئت کے لئے چادر کو عرفاً ضروری سمجھا گیا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کرتہ پہنے ہوئے ہے، تہمد باندھے ہوئے ہے، تو یہ لباس بے شک کافی ہے، ساتر بھی ہے اور زینت بھی ہے، لیکن اس ہیئت کی تمامیت کا مدار چادر کے استعمال پر ہے، اور یہی طریق عام طور پر سلف میں بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ کرتہ اور ازار یا پائجامہ کے ساتھ چادر بھی استعمال کرتے تھے۔

توجب عام حالات میں چادر کا استعمال زینت کی تکمیل کے لئے ضروری سمجھا گیا تو نماز میں بھی چادر کی ضرورت ہونی چاہیئے، اسی بنا پر بعض حضرات قائل ہوئے ہیں کہ نماز میں کرتہ اور ازار کے علاوہ چادر بھی ضروری ہے، بخاری تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ نماز کی صحت کا مدار کپڑوں کی گنتی یا نوعیت پر نہیں ہے۔ صرف ستر عورت پر ہے۔ اگر ستر پوشی ازار سے ہوگئی تو چادر کی ضرورت نہیں ہے، یہ دوسری بات ہے کہ چادر سے زینت بڑھ جاتی ہے، لیکن گفتگو اس سلسلہ میں ہے کہ بغیر چادر نماز ہو جائے گی یا نہیں، کہتے ہیں کہ ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت جابر نے چادر کے ہوتے ہوئے بیانِ جواز کے لئے بغیر چادر نماز پڑھ لی۔

بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَرْهَدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْفَخِذُ عَوْرَةٌ وَقَالَ اَنَسٌ حَسَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَخِذِهٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَحَدِيْثُ اَنَسٍ اَسْنَدُ وَحَدِيْثُ جَرْهَدٍ اَحْوَطُ حَتّٰى نَخْرُجَ مِنْ اِخْتِلَافِهِمْ وَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰى غَطَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُكْبَتَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَخِذُهٗ عَلٰى فَخِذِيْ فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتّٰى خِفْتُ اَنْ تَرُضَّ فَخِذِيْ **حدثنا** يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا خَيْبَرَ فَصَلَّيْنَا عِنْدَهَا صَلٰوةَ الْغَدَاةِ بِغَلَسٍ فَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكِبَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَاَنَا رَدِيْفُ اَبِيْ طَلْحَةَ فَاَجْرٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زُقَاقِ خَيْبَرَ وَاِنَّ رُكْبَتِيْ لَتَمَسُّ فَخِذَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ حَسَرَ الْاِزَارَ عَنْ فَخِذِهٖ حَتّٰى اِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِ فَخِذِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا دَخَلَ الْقَرْيَةَ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ قَالَهَا ثَلٰثًا قَالَ وَخَرَجَ الْقَوْمُ اِلٰى اَعْمَالِهِمْ فَقَالُوْا مُحَمَّدٌ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا وَالْخَمِيْسُ يَعْنِي الْجَيْشَ قَالَ فَاَصَبْنَاهَا عَنْوَةً فَجُمِعَ السَّبْيُ فَجَآءَ دِحْيَةُ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَعْطِنِيْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ فَقَالَ اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً فَاَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ فَجَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَعْطَيْتَ دِحْيَةَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ سَيِّدَةَ قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لَكَ قَالَ ادْعُوْهُ بِهَا فَجَآءَ بِهَا فَلَمَّا نَظَرَ اِلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا قَالَ فَاَعْتَقَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَزَوَّجَهَا فَقَالَ لَهٗ ثَابِتٌ يَا اَبَا حَمْزَةَ مَا اَصْدَقَهَا قَالَ نَفْسَهَا اَعْتَقَهَا وَتَزَوَّجَهَا حَتّٰى اِذَا كَانَ بِالطَّرِيْقِ جَهَّزَتْهَا لَهٗ اُمُّ سُلَيْمٍ

فَاهْدَتْهَا لَهُ مِنَ اللَّيْلِ فَأَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرُوسًا
فَقَالَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِيْ بِهِ وَبَسَطَ نَطْعًا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ
بِالتَّمْرِ وَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِالسَّمْنِ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَدْ ذَكَرَ السَّوِيْقَ
قَالَ فَحَاسُوْا حَيْسًا فَكَانَتْ وَلِيْمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: باب، ران کے عورت ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ مذکور ہے اس کا بیان، ابو عبداللہ بخاری کہتے ہیں کہ ابن عباس، جرہد اور محمد بن جحش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ فخذ عورت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران کو کھولدیا۔ حضرت انس کی حدیث از روئے سند قوی ہے، اور جرہد کی حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔ تاکہ اس مسئلہ میں علماء کے اختلاف سے نکلا جا سکے، حضرت ابو موسیٰ نے بیان کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں گھٹنوں کو اس وقت ڈھک لیا جب حضرت عثمان آگئے۔
حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی اور اس وقت آپ کی ران میری ران کے اوپر تھی، اور مجھے اتنا وزن محسوس ہوا کہ مجھے یہ خوف ہوگیا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پر غزوہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے چنانچہ ہم نے خیبر کے پاس رات کی تاریکی ہی میں فجر کی نماز پڑھ لی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ابو طلحہ بھی اپنی سواری پر سوار ہوئے، اور میں ابو طلحہؓ کے پیچھے بیٹھ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو خیبر کی گلیوں میں روانہ کردیا اور اس وقت میرا گھٹنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک سے مس کر رہا تھا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فخذ مبارک سے ازار کو ہٹادیا، یہاں تک کہ میں دیکھ رہا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فخذ کی سفیدی کی طرف، چنانچہ جب آپ خیبر کی آبادی میں داخل ہوگئے تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! خیبر تباہ ہوگیا، بیشک جب ہم کسی قوم کی سرزمین پر اترتے ہیں تو ان ڈرائی گئی قوم کی صبح اس کے حق میں بگڑ جاتی ہے، آپ نے یہ کلمات تین مرتبہ ارشاد فرمائے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب خیبر والے اپنے اپنے کاموں کے لئے باہر نکلے۔

تو انہوں نے کہا یہ "محمد ہیں" عبد العزیز کہتے ہیں کہ ہمارے بعض ساتھیوں نے کہا اور خمیس یعنی لشکر بھی ساتھ ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں چنانچہ ہم نے خیبر کو طاقت سے فتح کیا، پھر اس کے بعد قیدیوں کو جمع کیا گیا، پھر حضرت دحیہؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا، رسول اللہ! مجھے گرفتار شدگان میں سے ایک باندی دے دیجئے، آپ نے فرمایا، جاؤ اور ایک لے لو، چنانچہ حضرت دحیہ نے حضرت صفیہؓ بنت حُیی کو لے لیا، پھر ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے صفیہؓ بنت حُیی جو قریظہ اور نضیر کے سردار کی بیٹی ہیں حضرت دحیہ کو بخشدیں، جبکہ وہ صرف آپ ہی کے لائق ہیں، آپ نے فرمایا ان کو بلاؤ کہ وہ صفیہؓ کو اپنے ساتھ لیکر آئیں، چنانچہ حضرت دحیہ ان کو لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کی طرف دیکھا تو حضرت دحیہ سے فرمایا کہ تم قیدیوں میں سے صفیہؓ کے علاوہ اور کوئی باندی لے لو، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد فرمادیا اور اپنے نکاح میں لے لیا، حضرت ثابت نے حضرت انس سے کہا، اے ابوحمزہ! حضرت صفیہؓ کو آپؐ نے مہر کیا دیا تھا، حضرت انس نے کہا کہ خود حضرت صفیہؓ کی ذات، کہ پہلے آپ نے ان کو آزاد کیا پھر نکاح فرمایا، یہاں تک کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں تھے تو حضرت امّ سلیم نے حضرت صفیہؓ کو دُلہن بنایا اور اسی شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدیا، چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عروس ہوکر صبح کی، اور فرمایا کہ جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہو وہ اس کو لے آئے اور آپ نے چمڑے کا دسترخوان بچھادیا۔

چنانچہ کوئی شخص کھجور لے کر آرہا تھا اور کوئی گھی لے کر آرہا تھا، عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں حضرت انس نے ستو کا بھی ذکر فرمایا تھا، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر ان سب چیزوں کو ملاکر مالیدہ تیار کرلیا گیا، پس یہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ تھا۔

مقصدِ ترجمہ ترجمہ کے الفاظ ہیں ما یذکر فی الفخذ یعنی جو باتیں فخذ کے بارے میں مذکور ہوئی ہیں، امام بخاری یہاں ان تمام باتوں کا ذکر کررہے ہیں،

مگر صریح فیصلہ نہیں کرنا چاہتے، نہ فخذ کو عورت ہی کہتے ہیں کہ ستر ضروری ہے، نہ یہ بتلاتے ہیں کہ ران عورت نہیں ہے، بلکہ دونوں جانب کا مواد پیش کرکے فیصلہ قارئین پر چھوڑ رہے ہیں۔ بخاری نے دونوں نظرئیے پیش کردیئے۔ فخذ کے عورت ہونے کے بارے میں انہوں نے بیان کیا کہ ابن عباس، جرہد اور محمد بن جحش سے پیغمبر علیہ السّلام کا ارشاد الفخذ عَورَۃٌ منقول ہوا ہے۔ یہ ایک نظریہ ہوا، دوسرا نظریہ لیست بعورۃ کا ہے۔ اس کے متعلق بخاری نے تین چیزیں پیش کیں، پہلی بات تو حضرت انس کی روایت ہے کہ خیبر کی گلیوں میں حضرت انس کا گھٹنہ پیغمبر علیہ السّلام کی فخذ مبارک سے بار بار رگڑ کھاتا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک سے کپڑے کو ہٹا لیا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ کی فخذ کی وہ چمک دمک اب تک میری نظر میں ہے۔ یہ دوسرے نظریے کا مواد ہوا۔ اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں کنویں کے اوپر رکبۂ مبارک کھولے ہوئے پیر لٹکائے بیٹھے تھے، حضرت صدیق اکبرؓ آئے اور آپ کے داہنی طرف اسی شان سے گھٹنہ کھول کر بیٹھ گئے، حضرت عمرؓ آئے اور دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ ایک خاص شان سے بیٹھے ہوئے ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ بھی اسی شان سے گھٹنہ کھول کر بائیں طرف بیٹھ گئے، پھر حضرت عثمانؓ آئے تو آپؐ نے اپنے گھٹنے ڈھک لئے، اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے بھی ڈھک لئے۔

گھٹنہ دو ہڈیوں سے مرکب ہے، ایک ہڈی ساق کی ہے اور ایک ہڈی فخذ کی، اس گھٹنے کے کھولنے سے معلوم ہوا کہ فخذ کے عورت ہونے کا معاملہ قوی نہیں ہے۔

دوسرے نظریئے کے مواد کے سلسلہ میں تیسری بات بخاریؒ نے یہ پیش کی کہ کاتب وحی حضرت زید کا بیان ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھا تھا، نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی، اس کیفیت میں ایک خاص ثقل ہوتا تھا، اس کیفیت میں آپ کی فخذ مبارک میری فخذ پر آپڑی۔ اتنا ثقل ہوگیا کہ مجھے اپنی ران کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ فخذ عورت نہیں ہے۔ اگرچہ فخذ کا یہ اتصال غیر اختیاری تھا، لیکن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا غیر اختیاری فعل بھی اگر آپؐ نے اس کے بارے میں کوئی تنبیہ بعد میں نہ فرمائی ہو حجت ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ اتصال میں کوئی خرابی نہیں۔ پھر اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اتصال بغیر حجاب کے نہ تھا بلکہ دونوں حضرات تہمد باندھے ہوئے تھے۔

اور کپڑا درمیان میں حائل تھا، اس لئے فخذ کے عورت ہونے پر اس سے استدلال درست نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اعضاء جو اتفاق اور اجماع کے ساتھ عورت ہیں جیسے سوأتین ان کا حجاب اور حائل کے باوجود دوسرے سے اتصال حرام ہے، اور یہاں اتصال ہوا۔ خواہ حجاب اور حائل ہی کے ساتھ ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ فخذ عورت نہیں ہے۔

بخاریؒ کا رجحان

امام بخاریؒ نے یہ دونوں مواد پیش کر دیئے، لیکن کوئی واضح فیصلہ نہیں فرمایا، بس ایک تبصرہ یہ کیا کہ ازروئے سند حضرت انسؓ کی روایت قوی ہے۔ جرہد کی روایت اس درجہ کی نہیں، لیکن تقاضائے احتیاط یہی ہے کہ جرہد کی حدیث پر عمل کیا جائے، اور اس احتیاط کی وجہ بھی بتلادی حتی نخرج الخ جب کسی معاملہ میں اختلاف ہو اور معاملہ حلت وحرمت یا جواز اور عدمِ جواز کا ہو تو تقاضائے احتیاط یہی ہے کہ حرمت پر عمل کیا جائے، کیونکہ زیر بحث مسئلہ میں مثلاً اگر فخذ کو ڈھک کر نماز پڑھی جائے تو سب کے نزدیک نماز ہو جائے گی۔ لیکن اگر فخذ کھلی ہو تو غیر عذر کی حالت میں جمہور ائمہ کے نزدیک سرے سے نماز ہی نہیں ہوگی، اس لئے اختلاف سے بچنے کے لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہوا کہ جرہد کی روایت پر عمل کیا جائے، اسی طرح خارجِ صلوٰۃ میں بھی جو حضرات فخذ کو عورت نہیں مانتے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں کہ بے ضرورت فخذ کھولے رہیں، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ اگر فخذ کھلی ہو تو یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

امام بخاری نے دونوں نظریوں کے استدلال ذکر فرما دیئے اور کوئی صاف بات نہیں کی، غالباً امام بخاری کے ذہن میں اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے۔ جس کو انہوں نے کسی وجہ سے صاف کرکے بیان نہیں کیا، بلکہ اس کی طرف اشارہ کرکے چھوڑ دیا ہے، وہ تفصیل یہ ہے کہ بخاری فخذ کا معاملہ بین بین بتلاتے ہیں، اور اعلائے فخذ کو سوأتین کے ساتھ ملحق کہتے ہیں، لیکن اسفلِ فخذ کو جو گھٹنے کی جانب ہے اس کے متعلق بخاری کا خیال ہے کہ بے تکلف احباب اور ان حضرات کے سامنے جو کثرت سے آنے جانے والے ہیں، اس کے کشف کا مضائقہ نہیں ہے، لیکن اجانب اور وہ حضرات جو گاہے گاہے آنے جانے والے ہوں یا ایسے حضرات جن سے بے تکلفی نہ ہو ان کے سامنے کشفِ فخذ کی اجازت نہیں دیتے۔

اختلافِ مذاہب اور احناف کا مسلک

یہاں تک تو امام بخاری کے رجحان کا تذکرہ تھا، خود ائمہ مجتہدین فخذ کے

سلسلہ میں اختلاف رکھتے ہیں، احناف کا مسلک اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ناف سے گھٹنے تک مرد کے لئے عورت ہے، اور ناف اور گھٹنہ بھی عورت میں شامل ہیں۔ اگر نماز کی حالت میں فخذ یا گھٹنہ کا کشف ہوگیا تو اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ربع عضو کا کھلنا پورے عضو کے کھلنے کے حکم میں ہے۔ نماز باطل ہوجائے گی۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا جسم عورت ہے، لیکن ناف اور گھٹنہ اس میں شامل نہیں ہیں، گویا فخذ ان کے نزدیک بھی عورت کے حکم میں ہے، یہی صحیح روایت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ اگرچہ ایک قول ان کی طرف یہ بھی منسوب ہوا ہے کہ وہ فخذ کو عورت نہیں مانتے۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح روایت فخذ کے عورت ہونے کی ہے۔ اگرچہ ایک دوسرا قول بھی ان کی طرف منسوب ہے۔ مگر وہ ضعیف ہے۔ اس لحاظ سے ائمہ اربعہ فخذ کے عورت ہونے پر متفق ہیں۔ البتہ اصحاب ظواہر داؤد ظاہری، علامہ ابن حزم وغیرہ کے نزدیک فخذ عورت نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام بخاری نے جو دلائل فریق ثانی کی تائید میں دیئے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جرہد کی روایت میں الفخذ عورۃ آیا ہے، یہ ایک کلیہ ہے اور اس کی حیثیت تشریع عام کی ہے۔ کیونکہ یہ پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قول ہے، اور قول کی حیثیت تشریع عام کی ہوتی ہے۔ اسی لئے اگر قول وفعل میں تعارض ہو تو ترجیح قول کو دی جاتی ہے۔ قول کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے فعل کو اس کے ماتحت لانے کی کوشش کیجاتی ہے اور اگر فعل کسی بھی تاویل سے مطابق نہ ہوسکے تو اس جزئیہ کو یا خصوصیت پر محمول کیا جاتا ہے یا حکایۃ حال لاعموم لھا کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں حضرت انس، حضرت ابوموسیٰ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی روایات جو بخاری نے فریق ثانی کے مواد میں پیش کی ہیں، سب کی سب جزئیات ہیں اور فعلی روایتیں ہیں، قولی روایت سے تعارض کے وقت ان میں تاویل کی جائے گی۔ حضرت انس کی روایت تو تفصیل سے بخاری نے ذکر کی ہے۔ اس پر تو کلام سب سے آخر میں کیا جائے گا، ابوموسیٰ اور زید بن ثابت کی روایت کے بارے میں سُن لیجئے۔

حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں آیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی آمد پر اپنے گھٹنے ڈھک لیے۔ اوّل تو اس بارے میں روایات بہت مختلف ہیں، پھر یہ

تعبیر کا توسع بھی ہو سکتا ہے، کہیں فخذ کے کشف کی تعبیر ہے۔ کہیں رکبہ کے کشف کا ذکر ہے، کسی روایت میں رکبہ کے بعض حصہ کا تذکرہ ہے۔ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے فخذ کے ستر اور عورت نہ ہونے پر استدلال بہت ہی کمزور استدلال ہے۔

اسی طرح حضرت زید بن ثابت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی، اس وقت آپ کی فخذ مبارک میری فخذ پر غیر اختیاری طور پر ثقلِ وحی کے باعث آپڑی جس سے مجھے اتنا وزن محسوس ہوا کہ اپنی ران کے ٹوٹ جانے کا خوف ہوگیا، اس روایت سے مدعا کے اثبات کے لئے کئی مقدمات لگائے گئے تھے، سابق میں گذر چکا ہے، لیکن اوّل تو روایات کا اختلاف کہ اتصال فخذ کا ہوا یا رکبہ کا، دوسرے یہ کہ اگرچہ یہ چیز مسلم ہے کہ عورت غلیظہ کا بدون حیلولت اور حیلولت کے ساتھ دونوں طرح اتصال حرام ہے۔ لیکن فخذ کا معاملہ سوأتین سے ہلکا ہے، اہل عرف حیلولت کے ساتھ اسفل فخذ کے اتصال کو زیادہ معیوب نہیں سمجھتے، تیسری چیز یہ کہ ایسا بالکل اضطراری کیفیت میں ہوا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اضطراری افعال بھی اگر بعد میں تنبیہ نہ آئی ہو، حجت ہیں، اسی لئے ہم نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ حیلولت کے بعد اسفلِ فخذ کا معاملہ عورتِ غلیظہ سے مختلف ہے۔

روایتِ باب

بخاری نے فریقِ ثانی کی تائید میں جو مواد فراہم کیا ہے اس میں سب سے زیادہ مضبوط یہی روایتِ باب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے غزوۂ خیبر کے موقعہ پر فجر کی نماز تاریکیٔ شب میں ادا کی۔ بالکل سویرے تاریکی میں ادا کرنا اس مصلحت سے تھا کہ دشمن کو آمد کی اطلاع نہ ہو، اور اس کی بے خبری میں ہم خیبر پہنچ جائیں، راوی کا حیرت کے انداز میں غلس کہنا بتلا رہا ہے کہ یہ آپ کی عادتِ شریفہ نہ تھی۔

پھر خیبر کی گلیوں میں پیغمبر علیہ السلام نے اپنی سواری ڈالدی، اور حضرت ابوطلحہ بھی اپنی سواری پر آپ کے ہمراہ ہوگئے، حضرت انس حضرت طلحہ کے پیچھے تھے، ان کی سواری پر بیٹھے تھے، تنگیٔ مقام کے باعث حضرت انس کا گھٹنہ پیغمبر علیہ السلام کی فخذ سے رگڑ کھا جاتا تھا، اس لئے اس اندیشہ پر کہ کہیں گھٹنہ سے الجھ کر تہمد گر نہ جائے، آپ نے اس کو اوپر کرلیا تھا، اس میں اتفاقاً حضرت انس کی نظر آپ کی فخذ مبارک پر پڑ گئی۔

جس کا اس روایت میں ذکر ہے، روایت کا یہی جز اس وقت زیر بحث ہے، فریق ثانی کا استدلال اس طرح تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالاختیار فخذ کا کشف فرمایا اور فخذ کھلی ہی رہی، یہاں تک کہ حضرت انس نے بھی دیکھا جو حضرت طلحہ کے پیچھے تھے، یہ کشف اضطراری نہ تھا، بلکہ اختیاری تھا، حسر کی تعبیر ہے جس کا ترجمہ ہے کھولدیا، معلوم ہوا کہ فخذ عورت نہیں ہے۔

لیکن یہ استدلال بھی چند در چند وجوہ سے محل نظر ہے، پہلی بات یہ ہے کہ ایک تنگ گلی میں سواری جارہی ہے، ہوا کا رُخ ہے۔ سواری تیزی سے چل رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ گھٹنہ بار بار تہمد سے الجھتا ہو، اور ہوا نے تہمد کا رُخ پلٹ دیا ہو، یا اگر آپ نے خود پلٹا تو اس کی معقول وجہ یہ ہے کہ تہمد کے بار بار اٹھنے سے آپ نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں اس الجھاؤ میں ایسا نہ ہو کہ اس حصہ جسم کی بے پردگی ہوجائے جس کی کسی صورت نوبت نہیں آنی چاہیئے۔ اور اس خیال سے کہ اذا ابتلی الانسان ببلیتین فلیختر اھونهما، اس خیال سے آپ نے تہمد گھٹنہ پر سے ہٹا کر فخذ مبارک کے نیچے دبا لیا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حسر کی تعبیر پر مدار نہیں رکھا جاسکتا، دوسری روایات میں انحسر کا بھی لفظ ہے۔ چنانچہ مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بجائے حسر کے انحسر وارد ہوا ہے، اور اگر اصل روایت حسر ہی ہے تو حسب تصریح صاحب قاموس یہ لازم بھی ہے اور متعدی بھی ہے، جو اضطراری کیفیت کی طرف مشیر ہے، اس لئے ہوسکتا ہے کہ تہمد ہوا کے زور اور سواری کی تیزی کے سبب خود ہی پلٹ گیا ہو، نیز اسمٰعیلی کی روایت میں اذسقط الازار کے الفاظ ہیں کہ اچانک تہمد گر گیا، یہ سب رواۃ کی تعبیریں ہیں، ہمیں بھی احتمالات نکالنے کی گنجائش ہے، پھر اس درجہ محتمل روایت کو ایک قولی روایت الفخذ عورة کے مقابل لانا ہمارے نزدیک کسی طرح درست نہیں، خود اسی بخاری کی روایت میں موجود ہے کہ میرا قدم آپ کے قدم سے مس کر رہا تھا، اس اعتبار سے کشف فخذ کا معاملہ اور کمزور ہوگیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ حسر ازار کے کھولنے کے لئے ہو، تاکہ وہ ران سے چپک نہ جائے، اتفاق سے کھولتے وقت کچھ فخذ پر حضرت انس کی غیر اختیاری نظر پڑگئی، یہ دلیل فخذ کے غیر عورت ہونے کے لئے کسی بھی صورت میں صحیح نہیں قرار پاتی، آگے روایت میں آیا کہ راوی نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ آپ نے حضرت صفیہ کو مہر میں کیا دیا، حضرت انس نے کہا نفسها اعتقها ثم تزوجها کہ مہر میں ان کو ان کا نفس دیا گیا، پہلے آپ نے ان کو آزاد کیا، پھر نکاح کیا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عتق بشرط التزوج میں بھی ایجاب وقبول کی ضرورت ہوگی، مہر میں حضرت

صفیہ کو ان کا نفس دیا گیا، علماء نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، لیکن امام احمدؒ اس کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں، اور عتق لبشرط التزوج میں مستقل ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں سمجھتے، روایتِ باب کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ راوی کا یہ بیان راوی کے اپنے علم کے مطابق ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ صورۃً یہی معاملہ رہا ہو کہ کچھ لین دین نہ ہوا ہو، کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آزاد فرمایا اور امہات المومنین میں داخل کیا، حضرت صفیہؓ نے اس کے شکریہ میں مہر سے دست برداری دیدی۔ صورۃً یہی معاملہ ہوا کہ مہر نہیں دیا گیا، لیکن مسئلہ اپنی جگہ رہا، تفصیل انشاء اللہ آگے اپنی جگہ آئے گی۔ واللہ اعلم

بَابٌ فِي كَمْ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ مِنَ الثِّيَابِ وَقَالَ عِكْرَمَةُ لَوْ وَارَتْ جَسَدَهَا فِي ثَوْبٍ جَازَ **حدثنا** أَبُو الْيَمَانِ قَالَ أَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْفَجْرَ فَتَشْهَدُ مَعَهُ نِسَاءٌ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ مُتَلَفِّعَاتٍ فِي مُرُوطِهِنَّ ثُمَّ يَرْجِعْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ مَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ۔

ترجمہ: باب۔ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے؟ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اگر عورت نے ایک کپڑے سے اپنا جسم ڈھک لیا تو اس کی نماز درست ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھتے تھے تو مسلمانوں کی عورتیں آپ کے ساتھ حاضر ہوتیں، اس حالت میں کہ وہ سر سے پیر تک چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوتیں اور ان کو کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔

مقصدِ ترجمہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے، یعنی اس کے لئے کوئی عدد مطلوب ہے یا اس کا وہی حکم ہے جو مرد کا ہے، کہ ستر کا چھپانا ضروری ہے، کپڑوں کی گنتی سے کوئی سروکار نہیں، حضرت عکرمہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدار نوعیت اور عدد پر نہیں ہے بلکہ جسم کے چھپانے پر ہے، گویا مسئلہ دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ کہ مرد کے لئے بھی سترِ عورت ضروری ہے اور عورت کے لئے بھی، البتہ فرق یہ ہے کہ مرد کے لئے تو ستر ناف سے رکبہ تک ہے، اور عورت کا پورا جسم قدم، کفین اور چہرے کے علاوہ عورت ہے، پورے جسم کے ستر کے لئے عام طور پر عورتوں کو ایک سے زائد کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس سلسلہ میں روایات بھی مختلف ہیں، اور علماء کے اقوال میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کی روایت اس

سلسلہ میں یہ ہے کہ عورت قمیص اور چادر میں نماز پڑھے، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ عورت کو قمیص اور دوپٹے میں نماز پڑھنی چاہیئے، عطاء فرماتے ہیں کہ نہیں تین کپڑوں میں نماز پڑھے، اور وہ ازار کا بھی اضافہ کرتے ہیں، ابن سیرینؒ نے ایک کا اور اضافہ کردیا اور وہ تین کے بجائے چار کے قائل ہیں کہ قمیص، دوپٹہ اور ازار کے بعد چادر بھی ہونی چاہیئے۔

امام بخاری اس ترجمہ میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس اختلافِ اقوال کا یہ مطلب نہیں کہ ان حضرات کے نزدیک عورت کے لئے نماز کی صحت کسی گنتی پر موقوف ہے، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ منشاء ان اقوال کا یہ ہے کہ چونکہ عورت کا پورا جسم عورت ہے، اس لئے یہ سب حضرات ایک سے زائد کپڑوں کے استعمال کی ہدایت کر رہے ہیں، کیونکہ سر سے پیر تک کا چھپانا عام حالات میں دو سے کم کپڑوں میں نہیں ہوتا، لیکن اگر ستر پوشی اور سارے جسم کو چھپانے کا مقصد ایک ہی کپڑے سے حاصل ہو جائے تو یہ بھی کافی ہے۔

روایتِ باب چنانچہ اس مدعا کے اثبات کے لئے بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت پیش کردی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عورتیں فجر کی نماز میں اس طریقہ پر حاضر ہوتیں کہ سر سے پیر تک ان کا پورا جسم چادروں سے ڈھکا ہوتا اور چونکہ یہ عورتیں اپنی اپنی چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، اس لئے جب وہ اپنے گھروں کو واپس ہوتیں تو انہیں کوئی پہچان نہ سکتا تھا، یعنی یہ تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ عورت ہے مرد نہیں ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ کون عورت ہے۔

اس روایت کو ترجمے سے مناسبت یہ ہے کہ جس دور کا یہ تذکرہ ہے وہ کپڑوں کی فراوانی نہیں بلکہ قلت کا دور ہے۔ اور روایت میں آیا کہ عورتیں چادروں میں سر سے پیر تک لپٹی ہوتی تھیں، اس لئے قرینِ قیاس یہی ہے کہ چادروں کے نیچے دوسرے کپڑے نہ ہوں گے، یا اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ پورا جسم تو چادر سے ڈھکا ہوا ہے، اس لئے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ اس چادر کے نیچے دوسرا کپڑا ہے یا نہیں! اور پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کی تفتیش نہیں کی کہ آیا ان عورتوں کے پاس صرف یہی چادریں ہیں یا اس کے نیچے اور بھی کپڑے ہیں، آپ نے تفتیش نہیں فرمائی، اگر عدد ضروری ہوتا تو آپ ضرور تفتیش فرماتے، گویا عورتوں کے ظاہر حال سے تو معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے پاس کتنے کپڑے ہیں، اور پیغمبر علیہ السّلام تفتیش بھی نہیں فرماتے، تو اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ مدارِ عورتوں کے

معاملہ میں بھی کپڑوں کی گنتی پر نہیں بلکہ ستر پر ہے۔ اگر عورت سر سے پیر تک چادر لپیٹ لے اور ستر ہو جائے تو نماز کے لئے کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

بَابٌ اِذَا صَلّٰى فِىْ ثَوْبٍ لَهٗ اَعْلَامٌ وَّنَظَرَ اِلٰى عَلَمِهَا **حدثنا** اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ قَالَ اَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِىْ خَمِيْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِىْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِىْ جَهْمٍ وَأْتُوْنِىْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِىْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِىْ اٰنِفًا عَنْ صَلَاتِىْ وَقَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰى عَلَمِهَا وَاَنَا فِى الصَّلٰوةِ فَاَخَافُ اَنْ تَفْتِنَنِىْ۔

ترجمہ: باب۔ جب کوئی شخص منقش کپڑے میں نماز پڑھے اور اس کے نقش و نگار کی طرف دیکھے، حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اُونی چوکور سیاہ پلو دار چادر میں نماز ادا فرمائی جو منقش تھی، جس کو خمیصہ کہتے ہیں۔ اور ایک نظر اس کے نقش و نگار پر پڑی، چنانچہ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ میری اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ان سے ان کی انبجانی چادر لے آؤ، اس لئے کہ اس منقش چادر نے مجھے ابھی نماز میں دوسری طرف متوجہ کر دیا، ہشام بن عروہ حضرت عروہ سے اور حضرت عروہ بواسطہ حضرت زبیرؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس چادر کے نقش و نگار کی طرف نماز کی حالت میں نظر کی تو مجھے خوف ہوا کہ یہ کہیں مجھے فتنہ میں نہ ڈال دے۔

مقصدِ ترجمہ منقش کپڑا پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اگر کپڑا بیل بوٹوں دار ہوگا اور نمازی کی نظر ان نقش و نگار پر پڑے گی تو ہو سکتا ہے کہ نقش و نگار کی طرف طبیعت کا میلان نماز میں کسی نقصان کا سبب ہو جائے اور فساد یا کراہت پیدا ہو، بخاری نے ترجمہ میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، لیکن ذیل میں جو روایت پیش کی ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ نماز ہو جائے گی، کیونکہ نماز کے لئے تو کپڑے کا ساتر اور طاہر ہونا شرط ہے جو اس صورت میں بھی حاصل ہے۔

حدیثِ باب حضرت ابوجہمؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خمیصہ پیش کیا، خمیصہ ایک اُونی سیاہ چادر ہوتی ہے، جس کے پلّو بنے ہوئے

ہوتے ہیں، آپ نے اس کو پہن کر نماز پڑھی، اور چونکہ وہ منقش کپڑا جسمِ مبارک پر نماز میں تھا اس لئے اتفاقاً ایک نظر اس پر بھی پڑ گئی لیکن یہ نظر قائم نہیں رہی۔ نظر نظرۃً کے الفاظ ہیں، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ منقش چادر ابوجہم کو دے آؤ، اور ابوجہم سے ان کی انبجانیہ چادر لے آؤ، انبجان ایک جگہ کا نام ہے یہاں کے کپڑے سادہ اور موٹے ہوتے تھے، چنانچہ آپ نے چادر واپس کرادی اور دوسری چادر منگائی، تاکہ ابوجہم یہ خیال نہ کریں کہ ان کا ہدیہ دربارِ رسالت سے واپس کر دیا گیا، ان کے لئے یہ خمیصہ بابرکت ہوگا، اور میں اپنے لئے منقش کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ اس سے نماز میں توجہ بٹ سکتی ہے، معلوم ہوا کہ نماز تو ہو جاتی ہے۔ کیونکہ صحتِ نماز کے لئے صرف کپڑے کا ساتر ہونا شرط ہے، کپڑا منقش ہو یا غیر منقش نماز تو ہو جائے گی لیکن اگر نمازی یہ خیال کرے کہ ایسا کپڑا نمازی کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے تو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

چنانچہ آپ کی نظر نماز کی حالت میں کپڑے پر پڑی تو آپ نے نماز کو نہ تو ختم کیا اور نہ اعادہ فرمایا، بلکہ صرف اس قدر فرمایا کہ یہ فتنہ کا سامان ہے۔ اَلْهَتْنِي اٰنِفًا عَنِ الصَّلٰوةِ مجھے خطرہ ہوا کہ یہ کپڑا نماز سے مجھے غافل نہ کر دے، چنانچہ دوسری منقطع روایت لاکر بخاری نے اس مفہوم کو واضح کر دیا جس میں آیا اخاف ان یفتننی مجھے خوف ہوا کہ یہ فتنہ کا سامان نہ ہو جائے مسئلہ نکل آیا کہ ایسے کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر فتنہ کا سامان ہو تو سادہ کپڑا استعمال کرنا اولیٰ ہے۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام نے منقش کپڑا واپس فرما دیا اور سادہ چادر طلب فرمائی۔

رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابوجہم اس کپڑے کو کیسے استعمال کریں جس کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ کا سامان فرما چکے ہیں۔ جب حضور کے لئے وہ کپڑا فتنہ کا سبب ہو سکتا ہے تو ابوجہم کے لئے بدرجۂ اولیٰ ہو سکتا ہے، تو سیدھی سادی بات یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کپڑا دیا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس میں نماز بھی ادا کریں، ابوجہم دوسرے طریق پر اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔ دوسری بات شارحین نے یہ کہی ہے کہ ابوجہم چونکہ نابینا تھے اس لئے منقش کپڑا ان کے حق میں سامانِ فتنہ نہ تھا۔

نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ جس چیز کا اثر پیغمبر علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر ہو اس کا اثر عوام کے دل پر بھی ہو، کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کا قلبِ مبارک تو ایک آئینہ ہے، اور آئینہ جس قدر مجلّیٰ ہوگا اسی قدر کمالِ صفائی اور غایتِ لطافت کی بنا پر وہ ظاہری نقوش کا اثر جلد

قبول کرسکے گا۔ لیکن اگر آئینہ پر جلاء نہ ہو تو وہ معمولی نقوش کو قبول ہی نہیں کرتا، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جن چیزوں کا اثر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینۂ قلب پر ہو ان کا اثر عوام پر بھی ہو، اس لئے آپ نے ابوجہم کو چادر واپس فرمادی کہ وہ استعمال کریں گے تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، پھر یہ کہ آپ کے بھی قلب مبارک پر اثر نہیں ہوا۔ صرف اندیشہ ہوا، لیکن چونکہ آپ کی شان بیانِ احکام ہے۔ اس لئے آپ نے ایک حکم بیان فرمادیا کہ جو چیز بھی نمازی کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہو اس سے بچنا چاہیئے، واللہ اعلم

بَابٌ اِنْ صَلّٰی فِیْ ثَوْبٍ مُصَلَّبٍ اَوْ تَصَاوِیْرَ هَلْ تَفْسُدُ صَلٰوتُهٗ وَمَا یُنْهٰی مِنْ ذٰلِكَ **حدثنا** اَبُوْمَعْمَرٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ صُهَیْبٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَیْتِهَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمِیْطِیْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِیْرُهٗ تَعْرِضُ فِیْ صَلَاتِیْ۔

ترجمہ: باب۔ اگر نمازی ایسے کپڑے میں نماز پڑھے جس پر صلیب کی شکل بنی ہو، یا ایسی جگہ جہاں اس کے علاوہ دوسری صورتیں ہوں تو کیا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ اوران چیزوں کا بیان جو ایسی چیزوں سے نہی کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا ایک باریک اُونی رنگین منقش پردہ تھا جو انہوں نے اپنے حجرے کے ایک کونے میں ڈال رکھا تھا، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم یہ پردہ ہمارے سامنے سے ہٹادو، اس کی تصویریں برابر میری نماز کے سامنے آتی رہیں۔

مقصدِ ترجمہ ترجمہ کے الفاظ ہیں اذا صلی فی ثوب مصلب اوفیہ تصاویر الخ اوفیہ تصاویر کا عطف اگر مصلب پر ہو تو الفاظ کا ترجمہ یہ ہوگا، اگر ایسا کپڑا پہنکر نماز پڑھی جس پر صلیب کا نقش ہو یا دوسری تصویریں ہوں، اور اگر فیہ تصاویر کا عطف ثوب پر قرار دیں تو ترجمہ ہوگا کہ اگر ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جس پر صلیب کا نقش ہو، یا ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں تصویریں ہوں تو اس نماز کا کیا حکم ہے۔ ھل تفسد صلوتہ امراً ایسے کپڑے میں یا ایسی جگہ نماز صحیح رہے گی یا فاسد ہوجائے گی، آگے کہتے ہیں ومایُنھیٰ عنہ فی ذٰلک یعنی اس سلسلہ میں جو نہی وارد ہوئی ہے، گویا اب ترجمہ کے تین جزء ہوگئے، صلیب دار کپڑے میں نماز

محلِّ تصاویر میں نماز اور تصویر کے بارے میں جو نہی وارد ہوئی ہے اس کا بیان، بخاری نے ترجمہ کے الفاظ میں کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ نماز فاسد ہوگی یا نہیں، بلکہ انہوں نے ذیل میں جو روایت پیش کی ہے اس سے یہ مسئلہ نکل رہا ہے کہ نماز فاسد تو نہیں ہوگی۔ ہاں کراہت رہے گی۔

روایتِ باب روایت میں آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مکان کے ایک گوشہ میں ایک باریک قسم کا منقش کپڑا پردے کے لئے لٹکا رکھا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز پڑھی اور نماز سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہمارے سامنے سے اپنا یہ پردہ ہٹا دو، کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں بار بار میرے سامنے آتی ہیں۔

روایت میں بس اسی قدر ہے، اب اسی روایت سے بخاری کے قائم کردہ ترجمہ کے تینوں اجزاء ثابت کرنے ہیں۔ ان تینوں اجزاء پر استدلال اس طرح ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس پردے کے سامنے نماز پڑھی، لیکن اس پردے کے نقش و نگار کی وجہ سے نہ تو آپ نے نماز کو قطع کیا اور نہ اس نماز کا اعادہ فرمایا۔ البتہ یہ فرمایا کہ یہ پردہ ہٹا دو۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ایسی صورت میں نماز فاسد تو نہیں لیکن یہ صورت مکروہ ہے، اور اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

لاتزال تصاویرہ الخ آپ نے فرمایا کہ اس پردہ کی تصاویر نماز میں بار بار میرے سامنے آتی ہیں، تصویریں دو طرح کی ہوتی ہیں، ذی روح کی اور غیر ذی روح کی، پھر ان دونوں میں دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ تصویریں ایسی چیزوں کی ہوں گی جن کی مشرکین کے یہاں پوجا کی جاتی ہے یا وہ ہوں گی جن کی پوجا نہیں کی جاتی۔ روایتِ باب سے مخصوص طور پر کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس پردے پر کیسے نقوش تھے، چلیپا کا نقش تھا یا اور کچھ تھا، آپ کے ارشاد میں صرف اس قدر ہے کہ اس پردے کی تصویریں بار بار میرے سامنے آتی ہیں اس کو ہٹا دو، معلوم ہوا کہ تصویر ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی، اس کی پوجا کی جاتی ہو یا نہ کی جاتی ہو، بہر صورت تصویر کا نماز میں سامنے آنا نماز میں نقصان کا سبب ہے۔ لیکن نماز کو فاسد نہیں کرتا، پھر اس میں بھی فرقِ مراتب کرنا ہوگا کہ جن چیزوں کی پوجا کی جاتی ہے ان کی تصویر کا سامنے آنا زیادہ بُرا ہے بمقابلہ ان چیزوں کے جو یا تو ذی روح کی نہیں یا ہیں تو ان کو معبود نہیں بنایا گیا، یہیں سے بخاری کا ترجمہ ثابت ہو رہا ہے کہ جب ان تصویروں کا سامنے آنا ہی بُرا ہے تو اگر یہ تصویریں اس کپڑے پر ہوں جو مصلّی کے بدن پر ہے تو کراہت کا ایک درجہ اور بڑھ جائے گا۔ اور یہ مسئلہ بھی

نکل آیا کہ کراہت کے باوجود یہ کپڑا اگر طاہر اور ساتر عورت ہو تو نماز ہو جائے گی۔ خواہ کراہت ہی کے ساتھ ہو۔

اسی طرح ایسی جگہ کے بارے میں بھی جہاں تصویریں ہوں تفصیل کرنی پڑے گی۔ کہ وہ تصویر مصلی کی کس جانب ہے، اگر پس پشت ہے تو نماز میں کوئی خلل نہیں، کیونکہ روایت میں تعرض فی صلوٰتی فرمایا گیا ہے۔ گویا جو تصویر نظر کے سامنے نہ ہو وہ مضر نہیں۔ البتہ نظر کے سامنے ہونا نماز میں خلل کا باعث ہے۔ اس لئے اس سے منع کیا جائے گا، اسی طرح داہنے اور بائیں ہونے میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں عرض کی صورت ہو جاتی ہے، اس لئے یہ بھی کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ اب دو صورتیں اور باقی رہ گئیں کہ تصویر سر کے اوپر چھت یا کسی اور طرح ہو یا پیروں کے نیچے ہو، ان دو صورتوں کا حکم یہ ہے کہ سر کے اوپر لگانا یا لٹکانا چونکہ تعظیم کی صورت ہے اس لئے یہ بھی کراہت سے خالی نہیں۔ البتہ تحت القدم پامال ہو تو یہ اہانت کی صورت ہے لہٰذا اس میں کراہت بھی نہیں۔

اس طرح ترجمہ کے دو پہلے اجزاء تو ثابت ہو گئے۔ اب رہ گیا ترجمہ کا تیسرا جزء وما ینہی عنہ الخ اس کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کس قسم کی تصاویر سے نہی فرمائی گئی، کیونکہ غیر ذی روح کی تصویر سازی تو قابل اعتراض نہیں تو اس کا گھروں میں رکھنا بھی جائز ہوا۔ ذی روح کی تصویر سازی بھی حرام ہے۔ تو اس کا استعمال بھی حرام قرار پایا۔ جس کی تفصیل ابھی گذر چکی، خصوصیت کے ساتھ صلیب یعنی چلیپا کا نقش تو اس درجہ قابل نفرت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جہاں بھی اس کا نقش پاتے اس کو مٹا دیتے یا اس کو اکھاڑ دیتے، جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت سے بصراحت ثابت ہے۔ اور غالباً بخاری کی بھی روایات میں آتا ہے کہ جس مکان میں ذی روح کی تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کا فرشتہ پر نہیں مارتا، مصور پر بھی لعنت ہے، البتہ اگر وہ تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے سے اس کے اجزاء یا اعضاء الگ الگ معلوم نہ ہوتے ہوں بلکہ پھول معلوم ہو تو اسکے رکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

ترجمہ کے ہر سہ اجزاء یعنی ثوب مصلب میں نماز کا عمل، محل تصاویر میں نماز کی ادائیگی اور اس میں ممنوع صورت کا ذکر، یہ تینوں اسی حدیث سے ثابت ہو رہے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اس مقام پر نماز مکروہ ہوئی جہاں تصاویر ہوں تو تصویر والا کپڑا پہن کر بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگی، اور ما ینہی کے ذیل میں یہ بات ظاہر ہے کہ مدار نہی عرض تصاویر ہے، جہاں عرض کی

صورت پیدا ہوگی وہاں نہی کا عمل رہے گا، جیسا کہ سابق میں مذکور ہو چکا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ صَلَّى فِي فَرُّوجِ حَرِيرٍ ثُمَّ نَزَعَهُ **حدثنا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوجُ حَرِيرٍ فَلَبِسَهُ فَصَلَّى فِيهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيدًا كَالْكَارِهِ لَهُ وَقَالَ لَا يَنْبَغِي هٰذَا لِلْمُتَّقِينَ۔

ترجمہ: باب۔ جس شخص نے ریشمی قبار میں نماز پڑھی، پھر اس کو اُتار دیا، حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشم کی ایک قبار ہدیہ کی گئی، آپ نے اس کو پہنا اور اس میں نماز پڑھی، پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس کو اس طرح جلدی سے اُتار کر الگ کر دیا کہ گویا آپ اس سے نفرت فرما رہے ہیں۔ اور فرمایا کہ یہ لباس اہلِ تقویٰ کا نہیں ہے۔

مقصدِ ترجمہ امام بخاری مسئلہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ مردوں کے لئے ریشم استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے ریشم کا لباس پہن کر نماز پڑھ لی تو اس کا کیا حکم ہے؟ بخاری کہتے ہیں کہ نماز ہو جائے گی، اگرچہ پہننا حرام ہے۔ جیسا کہ محرم کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا حرام ہے۔ لیکن اگر پہن لے اور نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی، ان عوارض سے جو نقصان آتا ہے اس کی تعبیر کراہت سے کی جاتی ہے۔

تشریحِ حدیث دومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر نے آپ کی خدمت میں ریشم کا فروج ہدیہ کیا، فروج اس قبار کو کہتے ہیں جو پیچھے سے بھی کٹی ہوئی ہو، گھوڑے پر سواری کے لئے ایسے ہی لباس میں سہولت رہتی ہے، جو آگے پیچھے دونوں طرف سے کھلا ہوا ہو آپ نے اس کو پہن کر نماز پڑھی، اور نماز کے بعد آپ نے اس کو اس طرح اپنے بدن سے الگ فرمایا جیسے کسی چیز سے سخت نفرت ہو، اور اس کے ساتھ فرمایا لاینبغی ھٰذا للمتقین۔ اہلِ تقویٰ کا یہ لباس نہیں، لیکن اس کے باوجود آپ نے نماز کو لوٹایا بھی نہیں، معلوم ہوا کہ نماز ہو جائے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ریشم کا استعمال درست ہے یا نہیں۔

حریر کے متعلق مذہب یہ ہے کہ اس کا استعمال مخصوص ضرورتوں کے علاوہ مردوں کے لئے حرام ہے۔ وہ مخصوص ضرورتیں مثلاً جہاد کے موقع پر زرہ کے نیچے حریر کا استعمال درست

ہے۔ تاکہ زرہ کی کڑیاں بدن میں نہ گھسیں، اور اگر دشمن کی تلوار زرہ کو کاٹ دے تو تلوار حریر پر جاکر بیکار ہوجائے، یا مثلاً اور کوئی کپڑا نہیں ہے تو ستر پوشی یا سردی سے حفاظت کے لئے لامحالہ اسی کا استعمال کیا جائے گا۔ یا خشونتِ جسم کے باعث خشک خارش پیدا ہوگئی ہو یا جوئیں پڑ گئی ہوں اور جہاد کی وجہ سے اس مقام پر فی الفور کوئی دوسری تدبیر بن نہ آتی ہو تو بضرورتِ علاج اس کا استعمال مباح ہے۔ ان جیسی چند ضرورتوں کے علاوہ ریشم کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا لاینبغی ھٰذا للمتقین، متقی کے دو معنی ہیں، ایک متقی عن المعاصی اور دوسرے متقی عن الکفر، متقی عن المعاصی کا مطلب یہ ہے کہ دل میں خدا کا خوف ہے اس لئے ہر معاملہ میں احتیاط پر عمل کرتا ہے اور معاصی سے بچتا ہے، متقی کا یہ ترجمہ معروف ہے، اور متقی عن الکفر کا مطلب یہ ہے کہ کفر سے بچا ہوا ہے، اس دوسرے معنی کے اعتبار سے آپ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہوگا کہ مسلمان کے لئے حریر کا استعمال درست نہیں، اور پہلے معنی کے اعتبار سے ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ لباس اہلِ تقویٰ کا نہیں ہے۔ جو بھی معنی مراد لئے جائیں، سوال یہ ہے کہ آپ نے اوّلاً حریر کا استعمال فرمایا، اور نماز کے فوراً بعد ناگواری کے ساتھ اس کو اتار دیا، اس کی کیا وجہ تھی، ہوسکتا ہے کہ نماز سے پہلے جب آپ نے یہ لباس پہنا تھا اس وقت تک ریشم کی حرمت آپ کو نہ بتائی گئی ہو، بلکہ نماز کے فوراً بعد اس کی حرمت آپ کو بتائی گئی۔ اور آپ نے ناگواری کے ساتھ اس کو اپنے جسم سے الگ فرمادیا جیساکہ مسلم کی روایت میں تصریح ہے۔ کہ آپ نے نماز کے فوراً بعد اس لباس کو اتار دیا اور فرمایا کہ مجھے جبرئیلؑ نے اس سے منع کیا ہے، گویا ممانعت پہلے نہیں تھی اب نازل ہوئی۔

اب اگر ممانعت اسی وقت نازل ہوئی تب تو بات بالکل صاف ہے کہ جب آپ نے استعمال کیا اس وقت تک حرمت نہیں تھی، ورنہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب تک آپ نے ریشم استعمال نہیں کیا تھا اس وقت تک آپ کو اس کے عیب و نقصان کا اندازہ نہ تھا، جب آپ نے استعمال کیا تو اس کا عیب معلوم ہوا اور آپ نے اپنی سلامتِ طبع کی بنا پر اس کو ناگواری کے ساتھ اُتار دیا، عیب مثلاً یہی کہ ریشم عیش پرستوں کا لباس ہے۔ اور اس کے استعمال سے جسم میں لینت اور نرمی پیدا ہوتی ہے جو عورتوں کے مناسبِ حال ہے، مرد کا جسم تو سخت اور مضبوط ہونا چاہیئے اس کا نزاکت سے کیا واسطہ؟ اس لئے آپ نے اُتارتے وقت فرمایا کہ

یہ خدا پرستوں کا لباس نہیں، یعنی عیش پرستوں کا لباس ہے۔ جس سے بچنا چاہیے۔

بہرحال بخاری نے اپنا مطلب نکال لیا، کہ گو مردوں کے لئے ریشم کا استعمال حرام ہے لیکن اگر حریر میں کسی نے نماز پڑھ لی تو چونکہ نماز کی شرط صرف سترِ عورت ہے اس لئے حریر کے استعمال کا گناہ الگ رہا لیکن نماز ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْاَحْمَرِ

حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ اَبِي زَائِدَةَ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَأَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذٰلِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً لَهٗ فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّوْنَ مِنْ بَيْنِ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔

ترجمہ: باب۔ سُرخ کپڑے میں نماز کا بیان، حضرت ابوجحیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چمڑے کے سُرخ خیمہ میں دیکھا اور حضرت بلال کو دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا پانی لئے ہوئے تھے اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس آب وضو کے حصول کے لئے جلدی کر رہے ہیں، اور جس شخص کو اس پانی کا کچھ حصہ مل جاتا ہے وہ اس کو اپنے چہرے پر مل لیتا ہے۔ اور جس کو اس پانی میں سے کچھ نہیں ملتا وہ اپنے ساتھی کے ہاتھ کی تری میں سے کچھ حاصل کرتا ہے، پھر میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ وہ ایک نیزہ لئے ہیں، اور انہوں نے عنزہؔ[1] زمین میں گاڑ دیا، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرخ جوڑے میں اِزار اُڑسے ہوئے تشریف لائے اور عنزہ کو سترہ بنا کر آپ نے لوگوں کو دو رکعت پڑھائیں، اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور چوپائے عنزہ کے سامنے سے گذر رہے تھے۔

---

[1] عنزہ (عین، نون اور زاء کے فتح کے ساتھ) یہ نیزے سے چھوٹا اور عصا سے بڑا ہوتا ہے، اس میں شام لگی ہوتی ہیں، گویا یہ ایک شام دار لاٹھی ہوتی ہے۔ جس کو زمین میں نصب کر دیتے ہیں۔ ۱۲

مقصدِ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا، بخاری کا مقصد یہ ہے کہ سُرخ کپڑے میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ سُرخی قرطم کی نہ ہو، یہی بات صحیح ہے، کیونکہ قرطم یعنی عصفر کے رنگے ہوئے سُرخ کپڑے کی ممانعت روایات سے ثابت ہے۔ اس لئے اس ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جو قید لگائی ہے وہ بالکل درست ہے۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس ترجمہ کا رُخ دراصل احناف کی تردید کی طرف ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک سُرخ رنگ کا لباس مکروہ تحریمی ہے۔ اور حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے سُرخ حُلہ زیب تن فرمایا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابن حجرؒ احناف کے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ چونکہ بہت دیر سے کہیں بخاری کو احناف کے مقابل لانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لئے اس موقع پر انہوں نے احناف کے مسلک کی صحیح تحقیق کئے بغیر لکھدیا کہ ترجمہ احناف کی تردید میں ہے، حالانکہ سُرخ رنگ کے استعمال کے سلسلہ میں احناف کے یہاں بہت زیادہ تفصیل ہے۔ ملّا علی قاریؒ نے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام فرمایا ہے احناف کا مسلک اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر وہ رنگ عصفر یا زعفران کا ہے تو اس کا استعمال مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر ان دو چیزوں کے علاوہ سُرخ رنگ ہو، تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ رنگ شوخ ہے یا پھیکا ہے، اگر رنگ شوخ ہے تو اس کا استعمال مکروہ تنزیہی یا خلافِ تقویٰ ہے۔ اور اگر رنگ پھیکا ہے تو اس کا استعمال مباح ہے۔ پھر اگر یہ سُرخ کپڑا دھاری دار ہو، یعنی زمین دوسرے رنگ کی ہو اور اس پر سُرخ دھاریاں پڑی ہوں تو اس کے استعمال میں نہ صرف یہ کہ کوئی کراہت نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو پسند فرماتے تھے، مستحب یا اس معنی کر کہ پیغمبر علیہ السلام نے اس کو استعمال فرمایا، ترقی کر کے سنت بھی کہا جا سکتا ہے۔ گویا سُرخ رنگ کے استعمال میں اختلافِ اسباب کی بنا پر احناف کے یہاں مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی مباح بلاکراہت، مندوب اور سنیت تک کے اقوال ہیں، پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مذہب کی تفصیلات سے یکسر آنکھ بند کر کے حافظ ابن حجرؒ ترجمہ کا رُخ احناف کی طرف موڑ دیں۔

تشریح حدیث حضرت ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو سُرخ چمڑے کے قبہ میں تشریف فرما دیکھا، آپ کی وضو کا بچا ہوا پانی بلالؓ لے کر آئے تو لوگوں کا یہ عالم تھا کہ اس پانی پر ٹوٹے پڑتے تھے، جسے وہ پانی مل گیا اس کے زہے نصیب، اس نے اپنے چہرے پر مل لیا، اور جسے نہ مل سکا اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری حاصل کر کے اپنے چہرے پر ملا، اس کے بعد حضرت بلالؓ ایک عنزہ لے کر آئے اور اس کو زمین میں گاڑ دیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سُرخ حلّہ زیب تن فرمائے دامن اٹھائے ہوئے تشریف لائے۔ اور عنزے کو سترہ بنا کر دو رکعت نماز لوگوں کو پڑھائی، بخاری کا مقصد اسی جزء سے متعلق ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُرخ حلّہ پہن کر نماز ادا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اس روایت میں دور، دور یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ سُرخ رنگ عصفر کا تھا، اس لئے اس روایت کو احناف کی تردید کے لئے پیش نہیں کیا جا سکتا، پھر ابوداؤد کی روایت میں علیہ حلۃ حمراء من برود یمانیۃ قطریۃ کے الفاظ ہیں یعنی یہ سُرخ حلّہ یمنی، قطری چادروں کا تھا، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ قطر عمان اور سیف البحر کے درمیان ایک مقام کا نام ہے، قطری اس مقام کی تیار کردہ وہ چادریں کہلاتی ہیں جن میں سُرخی ہو، یا وہ کپڑا جس پر سُرخ دھاریاں ہوں، چنانچہ حضرت علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ حلّہ حمراء کے بارے میں میں نے تلاش کیا تو احکام القرآن لابن العربی میں ایک روایت ملی جس سے معلوم ہوا کہ اس حلّہ پر سُرخ خطوط تھے، پھر ان تفصیلات کے بعد یہ کہنا قطعاً انصاف کے خلاف ہے کہ اس روایت سے احناف کے مسلک پر زد پڑتی ہے۔

آگے راوی کا بیان ہے کہ عنزہ کو سترہ بنا کر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، اور لوگ نیز چوپائے اس سترے کے آگے سے گذر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ سترے کے اس طرف گذرنے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي السُّطُوْحِ وَالْمِنْبَرِ وَالْخَشَبِ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللهِ وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا اَنْ يُّصَلِّيَ عَلَى الْجَمْدِ وَالْقَنَاطِيْرِ وَاِنْ جَرٰى تَحْتَهَا بَوْلٌ اَوْ فَوْقَهَا اَوْ اَمَامَهَا اِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا سُتْرَةٌ وَصَلّٰى اَبُوْهُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ بِصَلٰوةِ الْاِمَامِ وَصَلّٰى ابْنُ عُمَرَ عَلَى الثَّلْجِ **حدثنا** عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَا سُفْيٰنُ قَالَ نَا اَبُوْحَازِمٍ قَالَ سَأَلُوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ فَقَالَ مَا بَقِيَ فِي النَّاسِ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ

هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهُ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهُ فَقَرَأَ وَرَكَعَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ رَجَعَ قَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ فَهٰذَا شَانُهُ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ سَأَلَنِيْ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ وَاِنَّمَا اَرَدْتُّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَعْلٰى مِنَ النَّاسِ فَلَا بَأْسَ اَنْ يَّكُوْنَ الْاِمَامُ اَعْلٰى مِنَ النَّاسِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ قَالَ فَقُلْتُ فَاِنَّ سُفْيٰنَ ابْنَ عُيَيْنَةَ كَانَ يُسْئَلُ عَنْ هٰذَا كَثِيْرًا فَلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ قَالَ لَا۔

ترجمہ: باب۔ چھت، منبر اور تختوں پر نماز پڑھنے کا حکم، ابو عبداللہ بخاری کہتے ہیں کہ حضرت حسن، برف اور پلوں پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، اگرچہ پلوں کے نیچے یا اوپر یا سامنے پیشاب بہہ رہا ہو، اگر پیشاب کے سامنے ہونے کی صورت میں نمازی اور پیشاب کے درمیان کوئی چیز حائل ہو، حضرت ابوہریرہؓ نے امام کے پیچھے مسجد کی چھت پر نماز ادا کی اور حضرت ابن عمرؓ نے برف پر نماز پڑھی، حضرت ابو حازم سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضرت سہل بن سعد سے دریافت کیا کہ آپ کا منبر کس چیز سے تیار کیا گیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں لوگوں میں مجھ سے زیادہ جاننے والا اب کوئی نہیں ہے۔ مقامِ غابہ کے جھاؤ کے درخت سے تیار کیا گیا تھا، اور اس منبر کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فلاں عورت کے فلاں غلام نے تیار کیا تھا، جب وہ منبر تیار ہوگیا اور مسجد میں رکھدیا گیا تو آپ اس پر کھڑے ہوئے، قبلہ کا استقبال کیا اور تکبیر کہی، اور لوگ آپ کے پیچھے اقتداء کے لئے کھڑے ہوئے، پھر آپ نے قرارت کی اور رکوع کیا، لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا، پھر آپ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا، پھر منبر پر گئے، پھر قرارت کی اور رکوع کیا، پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا یہ اس منبر کا حال ہے جسکے بارے میں سوال کیا گیا۔

مؤلف کہتے ہیں کہ علی بن عبد اللہ مدینی نے کہا کہ مجھ سے احمد بن حنبل نے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا اور کہا میرا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بلند جگہ پر تھے،

اس لئے اس حدیث کی رو سے اس چیز میں کوئی حرج نہیں کہ امام مقتدیوں سے بلند جگہ پر ہو ،
علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ سفیان بن عیینہ سے اس روایت کے بارے میں بہت سوال کیا جاتا تھا، کیا تم نے ان سے یہ روایت نہیں سنی، تو انہوں نے فرمایا نہیں۔

سابق سے ربط کتاب الصلوٰۃ کے آغاز میں امام بخاریؒ نے سب سے پہلے فرضیتِ صلوٰۃ کے مسئلہ سے بحث کی ہے، اس کے بعد شرائطِ صلوٰۃ کے سلسلہ میں سترِ عورت کی شرط کو مقدم ذکر کیا، کیونکہ سترِ عورت خارجِ صلوٰۃ اور داخلِ صلوٰۃ دونوں حالتوں میں ضروری ہے۔ داخلِ صلوٰۃ میں تو اگر بغیر مجبوری کے ستر کھلا رہ جائے تو نماز ہی نہیں ہوگی۔

اب امام بخاریؒ دوسری شرط یعنی نماز کی جگہ کی طہارت بیان کرنا چاہتے ہیں ، اس کا مختصر بیان یوں سمجھئے کہ محل صلوٰۃ کی طہارت کا حاصل بس اس قدر ہے کہ مصلی جہاں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہے وہ جگہ اور جس جگہ سجدہ ہو وہ مقام پاک ہونا چاہئے، خواہ ماحول کتنا ہی گندہ اور آلودہ ہو ، ایسی جگہ نماز ادا کرنے سے نماز کا فرض پورا ہو جائے گا۔ اور نماز صحیح اور درست مانی جائے گی، اس سے قطع نظر کہ وہ پاک جگہ اونچی ہو یا نیچی ، ہموار ہو یا ناہموار، گڑھا ہو یا ٹیلہ، زمین کا کوئی قطعہ ہو یا بالاخانہ، مکان کی چھت ہو یا منبر کے درجات ہوں یا گندے نالے کا پل ہو، خواہ پل کے اوپر یا نیچے نجاست بہہ رہی ہو بلکہ خود پل پر مصلی کے سامنے بھی پیشاب بہہ رہا ہو۔ لیکن مصلی کی سجدہ گاہ اور کھڑے ہونے کی جگہ محفوظ ہو تو نجاست کے بہنے سے اس کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جس زمین پر نماز پڑھے اس پر کسی قسم کا فرش ہو تو وہ جنسِ ارض کی کسی چیز کا ہو ، بلکہ ہر قسم کے پاک فرش کو زمین پر پھیلا کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ وہ فرش خواہ تختوں کا ہو یا بوریے کا ہو یا دری اور قالین کا ہو یا پوستین اور کمبل کا، برف نے زمین پر اپنی تہہ جما رکھی ہو یا پانی پر منجمد برف کی تہہ چھت کے طور پر قائم ہو گئی ہو، اسی طرح شب خوابی کے بستر پر بھی نماز درست ہے، بلکہ اگر عورت اس پر لیٹی ہو اور قرب کے باعث مصلی کا کپڑا اس کے بدن پر گر رہا ہو تو ہر صورت میں نماز ہو جائے گی، غرض یہ کہ صرف نماز کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ اگر یہ شرط پوری ہو جاتی ہے تو نماز بہر حال ہو جائیگی

مقصدِ ترجمہ چنانچہ اس سلسلہ میں امام بخاری نے جو پہلا باب منعقد فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مکان کی چھت پر نماز پڑھیں یا منبر پر یا لکڑی کے تختوں پر، یہ سب

صورتیں جائز ہیں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جعلت فی الارض مسجدًا وطھورًا کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ زمین پر بغیر حائل کے سجدہ ہونا چاہئے بلکہ اگر زمین اور مصلّی کے درمیان چھت، تختہ یا منبر ہو تو یہ سب صورتیں جائز قرار دی جائیں گی۔ ہمارے خیال میں بھی بخاری اس مسئلہ میں توسع ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہوں نے اس کے لئے راہ یہ اختیار کی ہے کہ دراصل جگہ کی طہارت ضروری ہے اگر جگہ پاک ہے تو چھت اور سطح زمین کا فرق نہیں ہے۔

سلف میں حضرت حسن بصریؒ، حضرت ابن سیرینؒ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے الواح اور اخشاب پر نماز کی کراہت منقول ہوئی ہے۔ اس لئے بخاری کو ترجمہ میں والخشب کی تصریح کرنی پڑی کہ تختوں پر بھی نماز درست ہے۔

حسن بصریؒ کا مسلک

ولم یر الحسن بأسًا ان یصلی علی الجمد حضرت حسن بصری برف پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی مثلاً پانی پر جو برف جم جاتی ہے۔ وہ پانی پر بمنزلہ چھت کے ہے۔ جیسے مکان کی چھت ہوتی ہے اور اس پر نماز درست ہے، اسی طرح منجمد برف جو پانی کی چھت ہے، نماز درست ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے لفظ جَمْد بسکون المیم وفتح الجیم ہوگا۔ یعنی جما ہوا پانی یا برف، لیکن برف پر نماز کی صحت اس پر موقوف ہے کہ سجدہ کی حالت میں پیشانی زمین پر ڈال دی جائے، محض پیشانی سے برف کا چھو جانا ادائے سجدہ میں کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ سجدہ کی حقیقت زمین پر پیشانی ڈال دینا ہے نہ کہ محض زمین کا چھو جانا۔

اور اگر حضرت حسن بصریؒ کے قول کو جَمَد نہ پڑھیں۔ جُمْد (جیم کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ) پڑھیں تو اس کا ترجمہ سخت اور بلند زمین ہوگا، یہ معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں، اور اس وقت مناسبت یہ ہوگی کہ جس طرح چھت بلند ہوتی ہے اور اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح اگر بلندی بغیر چھت کے خود زمین ہی میں ہو تب بھی نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔

آگے فرماتے ہیں والقناطیر وان جری الخ قنطرہ پتھر کے پُل کو کہتے ہیں۔ لکڑی کے پل کو جسر کہا جاتا ہے، پل پر نماز چھت اور منبر دونوں کے مشابہ ہے، کہ جس طرح چھت اور منبر کے نیچے خلا ہوتا ہے، اسی طرح پل کے نیچے خلا ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ پل پر نماز پڑھنے میں کوئی

مضائقہ نہیں۔ خواہ اس کے نیچے یا اوپر یا سامنے پیشاب بہہ رہا ہو، بشرطیکہ نمازی اور پیشاب کے درمیان آڑ ہو یعنی اس حصہ میں پیشاب نہ پہونچ سکے جس سے مصلی کے قیام اور سجدے کا تعلق ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ کا عمل

صلی ابو هريرة علی ظهر المسجد الخ حضرت ابوہریرہؓ نے مسجد کی چھت پر امام کی اقتدار کی۔ معلوم ہوا کہ چھت پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس کا بھی جواز معلوم ہوا کہ اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ نیچے کھڑے ہو جائیں اور کچھ لوگ کسی عذر سے امام سے بلند جگہ پر ہوں تو نماز ہو جاتی ہے۔ احناف اور شوافع کے یہاں یہ ضروری ہے کہ مقتدی چھت پر امام سے آگے نہ ہوں وصلی ابن عمر علی الثلج حضرت ابن عمرؓ نے برف پر نماز پڑھی، شرط یہی ہے کہ برف سخت ہو، اور پیشانی اس پر جما کر سجدہ کیا جائے، ورنہ اگر ایسی صورت ہے کہ برف میں تلبد نہیں آیا ہے یا برف میں تلبد آگیا ہے لیکن پیشانی جما کر سجدہ نہیں کیا جا سکا، تو چونکہ حقیقت سجدہ متحقق نہیں ہوئی اس لئے نماز نہیں ہوگی۔ سجدہ میں دو چیزیں شرط ہیں، ایک تو یہ کہ جس چیز پر سجدہ کیا جا رہا ہے وہ اتنی سخت ہو کہ پیشانی اس پر رک جائے، اسی لئے روئی پر سجدہ نہیں ہوتا، دوسری شرط یہ ہے "طرح" اور القاء الجبهة، یعنی سر ڈالدیا جائے، صرف مسجود علیہ کا چھونا کافی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

تشریح حدیث

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے دریافت کیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا تھا، انہوں نے فرمایا کہ آج اس منبر کے متعلق مجھ سے زیادہ معلومات کسی کو نہیں، حضرت سہلؓ مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ہیں، اس لئے ان کا یہ فرمانا کہ اس سلسلہ میں مجھ سے زیادہ معلومات کسی کو نہیں۔ اس معنی کر بھی ہو سکتا ہے کہ سب حضرات کا انتقال ہو چکا ہے، اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ یہاں میرے سوا اس کو جاننے والا کوئی نہیں، پھر فرمایا کہ آپ کا یہ منبر مقام غابہ کے جھاؤ کے درخت سے بنایا گیا تھا، اور معتبر روایات کے مطابق عائشہ انصاریہؓ کے میمون نامی غلام نے یہ منبر تیار کیا تھا۔ جو مدینہ منورہ میں نجاری کی شہرت رکھتا تھا[۱]، منبر پر کھڑے ہو کر امامت کی وجہ مسلم کی

---

[۱] رہا یہ کہ منبر کی تیاری کا یہ واقعہ کب پیش آیا، حافظ ابن حجرؒ نے ۹ھ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس کی وجہ (بقیہ بر صـ۹۳)

روایت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ بغیر منبر کے نماز کی امامت میں آپ کو صرف وہ لوگ دیکھ سکتے تھے جو پہلی صف میں ہوں، اور پچھلی صفوں کے لوگ اگلی صفوں کو دیکھ کر اقتدار کرتے تھے، آپ نے خیال فرمایا کہ تمام مقتدی آپ کی نماز کا مشاہدہ کرلیں۔ اس لئے آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر امامت فرمائی چنانچہ آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر نماز شروع فرمائی، قرارت اور رکوع منبر پر فرمایا، رکوع سے سر اٹھایا تو منبر پر سجدہ کی جگہ نہ تھی اس لئے پچھلے پاؤں اترے تاکہ قبلہ سے انحراف نہ ہو اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، بخاری کا ترجمہ ثابت ہوگیا، ترجمہ کے تین جز تھے، چھت، منبر اور تختوں پر نماز کا جواز۔ روایت میں آگیا کہ آپ نے منبر پر نماز پڑھی جو لکڑی کا تھا اور سطح زمین سے بلند تھا، تینوں اجزاء اسی روایت سے ثابت ہوگئے۔

آپ کا یہ منبر دو سیڑھیوں اور ایک نشست گاہ پر مشتمل تھا، منبر سے اترنے میں عملِ کثیر کا شبہ نہیں ہونا چاہئے، اوّل تو ایک ہی قدم چل کر زمین پر اترا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حنفیہ کے نزدیک دو قدم سے زیادہ چلنا اس وقت عمل کثیر کہلائیگا جب اس میں تسلسل ہو، اور اگر تسلسل نہ ہو بلکہ صورت یہ ہے کہ ایک قدم اٹھایا اور رک گئے، پھر چلے اور رک گئے تو یہ عمل کثیر نہیں بلکہ عملِ قلیل کا تکرار ہے۔ اس لئے آپ کے منبر سے اتر کر سجدہ کرنے سے عمل کثیر پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

قال ابوعبدالله الخ علی بن مدینی بخاری کے استاد کہتے ہیں کہ مجھ سے امام احمدؒ نے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا کہ کیا اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر نماز پڑھائی، اور آپ مقتدیوں سے اونچے تھے، اسی طرح اگر امام قوم کے بالمقابل

یہ ہے کہ ذوالیدین کے واقعہ میں یہ آیا ہے کہ نماز کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے ایک تنے کے سہارے کھڑے ہوئے، ظاہر ہے کہ درخت کا یہ تنہ وہی تھا جس سے منبر کی تیاری کے بعد رونے کی آواز سُنی گئی تھی، حنفیہ ذوالیدین کے واقعہ کو نسخ کلام سے پہلے کا بیان کرتے ہیں۔ اس لئے حافظ ابن حجر تیاری منبر کے اس واقعہ کو ۷ھ میں ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ ذوالیدین کے واقعہ کو زیادہ سے زیادہ مؤخر ثابت کرسکیں۔ لیکن اول تو یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ ذوالیدین غزوۂ بدر میں شہید ہوئے ہیں اس لئے یہ ماننا ہوگا کہ ذوالیدین کا وہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے۔ اور اس طرح حافظ ان دور از کار راستوں سے اپنا کام نہیں نکال سکیں گے۔ تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔ واللہ اعلم

کسی اونچی جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھائے تو یہ اس حدیث کی رو سے جائز ہونا چاہئے، اس سوال پر علی بن مدینی نے امام احمدؒ سے کہا کہ مجھے تعجب ہے، کیا آپ نے سفیان بن عیینہ سے اس روایت کے بارے میں کچھ نہیں سنا، سفیان سے اس مسئلہ کے متعلق بار بار پوچھا گیا ہے، تو امام احمدؒ نے کہا کہ میں نے نہیں سنا، یعنی میں نے پوری بات نہیں سنی، اتنا تو سنا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر تیار کرایا اور وہ مسجد میں رکھا گیا، خود مسند احمد میں سفیان سے اتنی روایت موجود ہے، لیکن اس منبر پر نماز بھی پڑھائی یہ حصہ امام احمد کے پاس نہیں ہے، علی بن مدینی سے یہ حصہ بھی معلوم ہوگیا کہ منبر پر نماز پڑھی گئی۔

رہا یہ مسئلہ کہ امام مقتدی سے اونچائی پر کھڑا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو مسئلہ یہ ہے کہ بے ضرورت تو امام کا مقتدی سے یا مقتدی کا امام سے بلندی پر کھڑا ہونا کراہت سے خالی نہیں۔ البتہ اگر یہ فرق کسی ضرورت کی بنا پر ہو رہا ہے تو یہ اس حدیث کی رو سے جائز ہے، امام کے اونچا کھڑے ہونے کی وجہ مثلاً یہ ہوسکتی ہے کہ پچھلی صفوں والے مقتدی حضرات بھی امام کی حرکات وسکنات سے باخبر رہ سکیں، جیسا کہ تعلیم کی غرض سے خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر نماز پڑھائی، اسی طرح مقتدی کے امام سے اونچا ہونے کی ضرورت یہ ہوسکتی ہے کہ امام کی تکبیرات دوسرے مقتدیوں تک پہونچانے کے لئے کوئی مقتدی بلند جگہ کھڑا ہوجائے یا مثلاً جمعہ وغیرہ میں مجمع زیادہ ہو، جگہ کم رہ جائے تو فصیل یا چھت پر نماز پڑھنے کی نوبت آجائے، وغیرہ۔ بے ضرورت اس اونچائی کو مکروہ اس لئے کہا گیا ہے کہ جگہ کی بلندی امام یا مقتدی کا ایسا امتیاز ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ امام کی امامت کے لئے شریعت نے صرف یہ امتیاز باقی رکھا ہے کہ وہ آگے کھڑا ہوگا، اسی لئے جب امام سلام پھیر دیتا ہے تو امام کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی پشت قوم کی طرف کئے رہے، بلکہ امام کو داہنی یا بائیں جانب مڑجانا چاہئے، کیونکہ نماز سے فراغت کے بعد امام کی حیثیت ختم ہوگئی ہے۔ اسی طرح بے ضرورت اونچا رہنا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اور جب امام کے لئے درست نہیں تو مقتدی کے لئے بھی بدرجہ اولیٰ پسندیدہ نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام کی بے ضرورت بلندی میں اہل کتاب سے تشبہ ہے، اور مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہو اس تشبہ سے بچنا چاہیئے۔ البتہ ضرورت کے موقعہ پر جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

واللہ اعلم

حدثنا محمد بن عبد الرحيم قال نا يزيد بن هارون قال انا حميد الطويل عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سقط عن فرسه فجحشت ساقه اوكتفه وآلى من نسائه شهرا فجلس في مشربة له درجتها من جذوع النخل فاتاه اصحابه يعودونه فصلى بهم جالسا وهم قيام فلما سلم قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا ركع فاركعوا واذا سجد فاسجدوا وان صلى قائما فصلوا قياما ونزل لتسع وعشرين فقالوا يا رسول الله انك آليت شهرا فقال ان الشهر تسع وعشرون۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے اور آپ کی پنڈلی یا شانہ مجروح ہوگیا، اور آپ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی، اور اپنے بالاخانہ میں تشریف فرما ہوئے جس کی سیڑھی کھجور کے تنوں کی تھی چنانچہ صحابۂ کرام آپ کی عیادت کے لئے آئے۔ آپ نے صحابۂ کرام کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور وہ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر جب آپ نے سلام پھیر دیا تو فرمایا کہ امام صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدار کی جائے، جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو، اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو، اور اگر وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہوکر اس کی اقتدار کرو، اور آپ نے انتیس ۲۹ یوم میں بالاخانہ سے نزول فرمایا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایک ماہ الگ رہنے کی قسم کھائی تھی، آپ نے فرمایا مہینہ انتیس ۲۹ دن کا ہے۔

روایت باب کے دو واقعات ذی الحجہ ۵ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر گئے اور آپ کی پنڈلی یا شانہ مجروح ہوگیا۔ چوٹ معمولی نہیں بلکہ زیادہ تھی، بعض روایات میں انفکت قدمہ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی آپ کا قدم مبارک اتر گیا تھا اس وقت چونکہ عذر تھا اس لئے آپ بالاخانہ پر رہتے تھے، تاکہ صحابہ کو عیادت اور زیارت کی سہولت رہے، وہیں نمازیں پڑھتے، صحابۂ کرام عیادت کے لئے تشریف لاتے اور موقع پاکر نمازیں شریک ہوجاتے تھے، یہ ایک واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ بالاخانہ ہی پر قیام کا ۹ھ میں پیش آیا، اس وقت آپ نے ایک ماہ تک

ازواجِ مطہرات سے الگ رہنے کی قسم کھائی، یہ لغوی ایلار تھا، اور اس لئے آپ نے بالاخانہ پر قیام فرمایا، پہلے واقعہ میں بالاخانہ پر قیام معذوری کے سبب ہے، اور دوسرے واقعہ میں تخلیہ کی غرض سے ہے، پہلے واقعہ میں آپ معذوری کے سبب مسجد میں تشریف نہ لاتے تھے لیکن دوسرے واقعہ میں آپ کا مسجد تشریف لانا ثابت ہے، آپ حسبِ معمول نماز کے اوقات میں مسجد میں تشریف لاکر امامت فرماتے تھے۔ چنانچہ خود بخاری میں دوسرے واقعہ کی تفصیلات میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فجر کی نماز مسجد میں آپ کے پیچھے ادا کی۔ پہلے واقعہ کے ۵ھ میں ہونے کی تصریح ابن حبان نے کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر کو دھوکا لگ گیا، اور انہوں نے دونوں واقعات کو ایک ہی سلسلہ میں رکھدیا۔ فتح الباری جلد ثامن میں یہ بحث ہے۔ حالانکہ ان دونوں واقعات میں قدر مشترک صرف بالاخانہ کا قیام ہے۔ اور غالباً اسی قدر مشترک کے سبب راوی نے ان دو واقعات کو جن میں چار سال کا فاصلہ ہے ایک ہی روایت میں ذکر کیا ہے۔

ترجمہ کا ثبوت

دونوں واقعات کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے بالاخانہ پر قیام فرمایا اور نماز پڑھی، اس نماز پر صادق ہے کہ یہ مرتفع مکان اور چھت کی نماز ہے۔ پھر وہ چھت اگر لکڑی کی تھی تو اس سے صلوٰۃ علی الخشب بھی نکل آیا، اور اصل یہ ہے کہ ان تفصیلات کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ بخاری نے یہ چند جزئیات چھت، پل، منبر برف وغیرہ تمثیلاً ذکر کی ہیں، ورنہ حضرت شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ مقصد کے مطابق تو بخاری غیر ارض پر نماز کا حکم بیان کر رہے ہیں جو بہرحال ثابت ہے، یا پھر یہ کہ بخاری کا اصل مدّعا جگہ کی طہارت کا اثبات ہے۔ اور یہ چیزیں بطور مثال ذکر کی ہیں۔ جگہ طاہر ہے تو وہ بالاخانہ کی چھت ہو یا اور کوئی صورت ہو بخاری کا مدعا ثابت ہو جائے گا۔

تشریحِ حدیث

روایت میں آیا کہ جب صحابۂ کرام بالاخانہ پر عیادت کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں، صحابۂ کرام اس کو غنیمت سمجھتے تھے، اعتکاف کے زمانے میں بھی صحابۂ کرام سے ایسا منقول ہوا ہے کہ حاضرِ خدمت ہوئے اور دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں تو شامل ہو گئے، ظاہر یہی ہے کہ صحابۂ کرام فریضہ مسجد میں ادا کر کے حاضرِ خدمت ہوئے ہوں گے۔ لیکن حصولِ برکت کے لئے انہوں نے آپ کی اقتدار میں نفل کی نیت کرلی، رہا یہ کہ نفل کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں، چنانچہ ابن حزم

نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے کہ ہوسکتی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ استدلال علی الاطلاق محلِ نظر ہے۔ روایت سے صرف یہ معلوم ہورہا ہے کہ اگر بغیر تداعی کے کچھ لوگ از خود جمع ہوجائیں اور وہ نفل نماز میں کسی مقتدیٰ کی اقتدار سے برکت حاصل کرنا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے، علی الاطلاق نفل کی جماعت پر استدلال درست نہیں قرار دیا جائے گا۔

روایت میں آیا کہ صحابہؓ نے کھڑے ہوکر آپ کی اقتدار کی جبکہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے، معلوم ہوا کہ قائم کی اقتدار قاعد کے پیچھے درست ہے۔ امام مالکؒ اس سے مطلقاً منع کرتے ہیں۔ امام احمدؒ نے ایک تفصیل فرمائی ہے، اور بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روایات میں جو تعارض نظر آرہا تھا امام احمد نے اس کے رفع کی ایک صورت نکالی ہے اور کہا ہے کہ اثنار صلوٰۃ میں قعود طاری ہو تو قائم کا اقتدار قاعد کے پیچھے درست ہے، اور اگر امام ابتدار سے بیٹھا ہوا ہو تو مقتدی کھڑے ہوکر اس کی اقتدار نہیں کرسکتے۔ ان دونوں حضرات کا استدلال یہ ہے کہ آپ نے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے یعنی اگر کسی کو امام بناؤ تو اس کے اور اپنے عمل میں مشاکلت ہونی چاہئے۔ پھر ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے آپ نے اس کی تفصیل بھی فرمادی کہ اگر نماز کھڑے ہوکر پڑھنی ہے تو قائم کا اقتدار کرو، اگر کھڑے ہوکر بیٹھے ہوئے کی اقتدار کروگے تو یہ موضوعِ امامت کے منافی ہوگا۔

احناف اور شوافع کے یہاں امام قاعد کی اقتدار کھڑے ہوکر درست ہے، روایتِ باب کا جواب یہ ہے کہ چونکہ صحابۂ کرام کی یہ نماز درست قرار دی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ آپکا حکم استحباب پر محمول تھا اور نافلہ سے متعلق تھا، مرض الوفات کے واقعۂ نماز سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے۔ تفصیل آئندہ آئے گی۔

آگے آیا کہ انتیس [۲۹] دن کے بعد آپ بالاخانے سے اترے، یہ پھر دوسری ایلار والی روایت کا جز آگیا، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپنے ایک ماہ تک علیحدگی کی قسم کھائی تھی اور ابھی ۲۹ دن ہوئے ہیں، آپنے فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، یعنی تم نے خیال کیا ہوتا کہ یہ ماہ انتیس دن کا ہی ہوگا، اسی لئے تو میں انتیس دن میں اتر آیا ہوں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ الشہر میں الف لام عہد کا ہے یعنی یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا اَصَابَ ثَوْبُ الْمُصَلِّیْ اِمْرَاَتَهٗ اِذَا سَجَدَ حدثنا مُسَدَّدٌ عَنْ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا حِذَاءَهٗ وَاَنَا حَائِضٌ وَرُبَّمَا

أَصَابَنِي ثَوْبُهُ إِذَا سَجَدَ ، قَالَتْ وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ۔

ترجمہ: باب ، اگر سجدے کی حالت میں نمازی کا کپڑا اس کی بیوی کے بدن سے مس کر جائے ، حضرت میمونہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تھے اور میں بحالت حیض آپ کے روبرو لیٹی ہوتی ، اور بسا اوقات آپ کا کپڑا سجدہ کی حالت میں میرے بدن پر پڑ جاتا تھا ، اور حضرت میمونہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کھجور کے چھوٹے بوریے پر نماز پڑھتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ نماز کی حالت میں اگر مصلی کا کپڑا عورت کے بدن سے مس ہوتا رہے تو اس سے نماز میں نقصان نہیں آتا ، مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی کے قریب اس کی بیوی سو رہی ہو اور نمازی کے کپڑے کا کوئی گوشہ سجدہ وغیرہ میں جاتے وقت عورت کے بدن پر گر جائے تو اس کا مضائقہ نہیں ، نماز بے کھٹکے ہو جائے گی ۔ کیونکہ صحتِ نماز کی شرط تو صرف مقامِ صلوٰۃ کی طہارت ہے یعنی اگر نمازی کے سجدے اور قیام کی جگہ پاک ہے تو قریب میں عورت کے لیٹے رہنے سے خواہ وہ کسی جانب ہو نقصان نہیں آتا ، اور قریب میں لیٹے رہنا تو درکنار اگر نمازی کا کپڑا بھی عورت کے بدن سے لگتا رہے تو کوئی اندیشہ نہیں ، بلکہ اگر قربت اس درجہ کی ہو کہ نمازی کا کپڑا کچھ نمازی کے بدن پر ہو اور کچھ قریب والی عورت کے بدن پر ہو تب بھی نماز میں نقصان نہ ہوگا ، ہاں کپڑا اتنا وسیع ہو کہ رکوع سجدے کی حرکت سے اس حصہ میں حرکت نہ ہو جو عورت کے بدن پر پڑا ہوا ہے ۔ غرض نجس یا خبث کا قرب مانع صحت صلوٰۃ نہیں ہے ۔ یہ امر آخر ہے کہ اس قسم کے عوارض سے خالی جگہ کی نماز اولیٰ اور افضل رہے گی ۔ روایت میں آگیا کہ حضرت میمونہ ایامِ حیض میں آپ کے قریب لیٹی رہتیں اور آپ نماز پڑھتے رہتے ۔ بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا ۔

بَابُ الصَّلٰوةُ عَلَى الْحَصِيْرِ وَصَلّٰى جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ فِي السَّفِيْنَةِ قَائِمًا وَقَالَ الْحَسَنُ تُصَلِّي قَائِمًا مَا لَمْ تَشُقَّ عَلٰى أَصْحَابِكَ تَدُوْرُ مَعَهَا وَإِلَّا فَقَاعِدًا **حَدَّثَنَا** عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ لَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَلِأُصَلِّيَ لَكُمْ ، قَالَ أَنَسٌ فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيْرٍ لَنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيْمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ انْصَرَفَ ۔

ترجمہ: باب، بوریے پر نماز پڑھنے کا حکم، حضرت جابرؓ بن عبد اللہ اور حضرت ابو سعیدؓ نے کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی، حضرت حسن نے فرمایا کہ اگر تمہارے رفقاء سفر قائماً نماز پڑھنے میں زیادہ مشقت محسوس نہ کریں تو قائماً ہی نماز پڑھی جائے ورنہ قاعداً بھی نماز پڑھ سکتے ہو، لیکن ہر حال میں کشتی کے ساتھ سمت قبلہ کی طرف گھومتے رہو حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ان کی نانی ملیکہؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت پر بلایا جس کو انہوں نے آپ ہی کی خاطر تیار کیا تھا، چنانچہ آپ نے وہ کھانا تناول فرمایا، پھر فرمایا کہ کھڑے ہوجاؤ تاکہ میں لوگوں کو نماز پڑھادوں، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں اُٹھ کر ایک بوریا لایا جو زیادہ استعمال کی بناپر سیاہ ہوگیا تھا، پھر میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے آپ کے پیچھے ایک صف بنائی اور ہمارے پیچھے پیرانہ سال نانی کھڑی ہوگئیں، پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی اور واپس تشریف لے آئے۔

مقصد ترجمہ بعض حضرات زمین پر فرش بچھاکر نماز پڑھنے کو اچھا نہیں سمجھتے، حضرت عمر بن عبد العزیز سے منقول ہے کہ وہ جب بوریے پر کھڑے ہوتے تو سجدہ زمین پر کرتے تھے، یا پھر بوریے پر سجدے کی جگہ مٹی ڈال کر سجدہ فرماتے حضرت عروہ سے بھی اسی قسم کا عمل منقول ہے۔ بخاری کہتے ہیں کہ بوریے پر نماز پڑھنا درست ہے، اور ان حضرات کا عمل تواضع پر محمول ہے، جمہور کے نزدیک اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے. بخاری اس سلسلے میں جمہور کے ساتھ ہیں، حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آپ کا ایک بوریا تھا، جس کو دن میں بچھاکر نماز پڑھتے اور شب میں اس کو کھڑا کرکے معتکف کی دیوار بناتے، حضرت عائشہ کی ایک روایت یزید بن مقدام کے طریق سے ایسی بھی نقل ہوئی کہ آپ حصیر پر نماز نہیں پڑھتے تھے. غالباً اس ترجمہ میں اس کی تردید کا اشارہ ہے۔ یزید بن مقدام محدثین میں قابلِ اعتبار نہیں، بوریے پر نماز کے سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو زمین پر زیادہ تواضع حاصل ہو ان کو نماز خالی زمین پر پڑھنی چاہئے، لیکن جن لوگوں کی طبیعت میں خالی زمین پر نماز پڑھنے سے انتشار ہوتا ہو ان کے لئے فرش بچھاکر نماز پڑھنا اولیٰ ہے. حضراتِ صحابہ سے بھی دونوں عمل ثابت ہیں. اس سلسلہ میں بھی اصل یہ ہے کہ بخاری غیر ارض پر نماز کا جواز ثابت کر رہے ہیں، اس کے لئے انہوں نے ترجمہ رکھا الصلوٰۃ علی الحصیر حصیر بڑے بوریے کو کہتے ہیں جس پر مصلی کھڑا بھی ہوسکے اور اسی پر سجدہ بھی کرسکے۔ آگے باب الصلوٰۃ علی الخمرہ آرہا ہے. خمرہ چھوٹے مصلے کو کہتے ہیں، کہ اگر اس پر کھڑے ہوجائیں تو سجدہ نہ ہوسکے، اور اگر اس پر سجدہ کریں تو کھڑے نہ ہوسکیں. یہ اصل میں

چھوٹی چٹائی ہوتی تھی، جس کا مقصد بحالتِ سجود ہاتھ اور پیشانی کا تحفظ ہوتا تھا، یعنی یہ ضروری نہیں کہ چٹائی پر نماز ہو تو مصلی کا ہر جز چٹائی ہی پر ہو، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ کچھ حصہ چٹائی پر ہو اور کچھ زمین پر، یہاں سے ہر دو بابوں یعنی صلوٰۃ علی الحصیر اور صلوٰۃ علی الخمرہ کا فرق بھی ظاہر ہوگیا، اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے باب کو رکھنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔

حضرت جابرؓ اور حضرت ابو سعیدؓ نے کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی، یہ ایک اثر پیش کر دیا، معلوم ہوا کہ کشتی میں بھی قادر علی القیام سے قیام ساقط نہیں ہے۔ کھڑا ہونا پڑے گا۔ یہی مسلک ہمارے یہاں صاحبین کا ہے۔ امام اعظمؒ جالسین کشتی کی عمومی حالت کا لحاظ کر کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ کشتیاں عموماً چکر کھاتی ہیں۔ بیٹھنے والوں کا سر چکراتا ہے۔ متلی کی شکایت ہوتی ہے۔ گرنے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ چونکہ کشتی میں یہ شکایت عموماً رہتی ہے اس لئے امام صاحبؒ نے ان اکثری احوال کے ماتحت سب ہی کو کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے بغیر عذر کے کشتی میں بیٹھ کر نماز ادا کی، البتہ اگر کسی شخص کو کوئی شکایت اور خطرہ لاحق نہ ہو، مثلاً جہاز اور کشتی پر کام کرنے والے ملّاح وغیرہ جن پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو ان لوگوں کو کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھنی چاہئے اگرچہ جواز امام صاحب کے قول پر ان حضرات کے لئے بھی ہے۔[1]

قال الحسن الخ۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھو جب تک کہ تمہارے ساتھیوں پر قیام بھاری نہ ہو۔ ساتھیوں سے مراد نماز کے ساتھی ہو سکتے ہیں اور کشتی کے رفقاء بھی، نماز کے ساتھی مراد ہوں تو مفہوم یہ ہوگا کہ اگر یہ سمجھو کہ دوسرے ساتھی کھڑے نہیں رہ سکتے تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اس سے بطور مفہوم یہ نکل آیا کہ اگر کھڑے ہونے میں کوئی اندیشہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز ہے۔ یدور معہا کشتی میں نماز پڑھنے کی صورت یہ ہے کہ چونکہ کشتی گھومتی رہتی ہے، اس لئے ابتداء میں تو سمت قبلہ درست کی جائے گی، لیکن درمیان میں اگر کشتی گھومتی ہے تو سمت قبلہ کی حفاظت ضروری ہوگی، اور کشتی کے ساتھ نمازی کو بھی گھومنا ہوگا۔

ان دونوں باتوں کی الصلوٰۃ علی الحصیر سے مناسبت یہ ہے کہ جس طرح بوریا زمین کا فرش ہوتا ہے

---

[1] البتہ ریل کو کشتی پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ ریل کے حالات کشتی کے حالات سے مختلف ہیں، ریل میں نہ تو عموماً دورانِ سر ہوتا ہے۔ نہ ریل میں ایسے جھٹکے لگتے ہیں کہ نمازی کو گرنے کا اندیشہ ہو، اور اگر بالفرض کوئی گر بھی جائے تو زیادہ اندیشہ کی بات نہیں گرے گا بھی تو ریل کے اندر ہی رہیگا اس لئے ہمارے اسلاف کا عمل یہی رہا ہے کہ ریل میں کھڑے ہوکر نماز ادا کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح کشتی پانی کا فرش ہے۔ پھر دونوں کا مادہ ایک ہی ہے۔ یعنی جس طرح بوریا نباتی ہے اسی طرح کشتی جو تختوں سے بنائی جاتی ہے وہ بھی نباتی ہے۔ چونکہ معنوی اور مادی اعتبار سے کشتی اور بوریے میں یہ چیزیں قدرِ مشترک ہیں اس لئے بخاری نے ان دونوں آثار کو الصلوٰۃ علی الحصیر کے تحت ذکر کیا۔

تشریح حدیث

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ان کی نانی ملیکہؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت پر بلایا، یہ کھانا انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے تیار کیا تھا، چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور جس مقصد کے لئے انہوں نے بلایا تھا پہلے اس سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد آپنے فرمایا کہ اب کھڑے ہوجاؤ نماز بھی پڑھا دوں، کیونکہ بزرگوں کی دعوت سے مقصود حصولِ برکت ہوتا ہے۔ اس لئے برکت کے لئے آپ نے ایسا کیا، مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ تو جماعت میں شریک ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ملیکہؓ کو یہ موقع نصیب نہیں ہوتا اس طرح یہ بھی نماز کا مشاہدہ کرلیں گی، چنانچہ حضرت انسؓ اٹھے اور ایک بوریا لائے جو کثرتِ استعمال سے سیاہ ہوگیا تھا، اس پر پانی کے چھینٹے دیئے ممکن ہے کہ حضرت انسؓ سیاہی دور کرنا چاہتے ہوں یا ہو سکتا ہے وہ بوریا سخت ہو اور حضرت انسؓ نے اس طرح اس کو نرم کیا ہو، بہرکیف آپنے بوریے پر نماز پڑھائی، اور اس شان سے کہ پہلی صف میں حضرت انسؓ اور ان کے چھوٹے بھائی ضمیرہ جن کو یتیم بھی کہتے تھے کھڑے ہوگئے اور ان کے پیچھے دوسری صف میں ملیکہ کھڑی ہوگئیں آپ نے دو رکعت پڑھائیں اور واپس تشریف لے آئے۔ یہاں چونکہ آپ کو اصل میں کھانے کی دعوت پر بلایا گیا تھا اس لئے پہلے آپ نے کھانا تناول فرمایا پھر نماز پڑھائی۔ ایک دوسرا واقعہ آگے آرہا ہے کہ حضرت عتبانؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا بدن بھاری ہے، آنکھیں خراب ہیں برسات میں راستہ گلناک ہوجاتا ہے اس لئے مسجد میں آنا دشوار ہوتا ہے آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیں تو اس کو میں مصلیٰ بنالوں، آپ تشریف لے گئے اور پہلے نماز پڑھی اس کے بعد کھانا تناول فرمایا آپ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ جو چیز مقصود ہو اس کو مقدم کرنا چاہیئے۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْخُمْرَۃِ

حدثنا اَبُو الْوَلِیْدِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعْبَۃُ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ الشَّیْبَانِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

---

[1] انّ جدّتہ ملیکۃ الخ جدتہ کی ضمیر بعض حضرات کے نزدیک حضرت انس کی طرف راجع ہے۔ اور یہ ملیکہ ان کی نانی ہیں۔ کیونکہ یہ ام سلیم کی والدہ ہیں، بعض حضرات کے نزدیک یہ ضمیر اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی طرف راجع ہے۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ ام سلیم پہلے مالک بن نضر کے نکاح میں تھیں، ان سے انسؓ پیدا ہوئے۔ پھر مالک بن نضر کے بعد ان کا نکاح ابو طلحہ سے ہوا، ابو طلحہ سے عبداللہ اور ابو عمر پیدا ہوئے۔ اور یہ عبداللہ اسحاق راوی حدیث کے والد ہیں اس لئے ملیکہ حضرت انس کی نانی ہیں۔ اور اسحاق راوی حدیث کی پردادی، دونوں کا سلسلہ اس طرح ہوگا۔ انس بن ام سلیم بنت ملیکہ اور اسحاق بن عبداللہ بن ام سلیم بنت ملیکہ۔ بہرحال دونوں کی طرف ضمیر راجع ہوسکتی ہے۔ ۱۲

يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ۔

ترجمہ: باب، چھوٹی چٹائی پر نماز کا بیان، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی چٹائی پر نماز ادا فرماتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ خمرہ، وہ چھوٹی چٹائی جو قدِ آدم نہ ہو۔ باب سابق میں حصیر اور خمرہ کا فرق اور ان دونوں ابواب کے الگ الگ منعقد کرنے کی وجہ بیان کی جا چکی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے ان ابواب کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ بخاری ان ابواب میں ایک واہمہ کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً اور عفر وجھك فی التراب سے یہ واہمہ گذرتا ہے کہ شاید مٹی ہی پر سجدہ کرنا ضروری ہو۔ اسی طرح آپ نے حضرت رباح سے فرمایا تَرِّبْ تَرِّبْ حضرت رباح نے پھونک مار کر مٹی کو اڑانا چاہا تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ پیشانی کو مٹی سے آلودہ کرو۔ ان روایات سے جو واہمہ پیدا ہو رہا ہے کہ سجدہ مٹی ہی پر کیا جائے، بخاری ان ابواب میں اس کی نفی کر رہے ہیں، اور الصلوٰۃ علی الحصیر، الصلوٰۃ علی الخمرۃ، الصلوٰۃ علی الفراش وغیرہ میں اسی واہمہ کا ازالہ ہے کہ زمین پر سجدہ ضروری نہیں، بلکہ بوریا، چٹائی اور دوسرے کسی بھی طرح کے پاک فرش پر سجدہ کرنا جائز ہے۔

الصلوٰۃ علی الخمرۃ کو مستقل بیان کرنے کی ایک وجہ باب سابق میں گذر چکی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی کبھی بخاری تکرار کی پرواہ کئے بغیر جو روایت اپنے اساتذہ سے جس عنوان سے سنتے ہیں اسی طرح نقل فرما دیتے ہیں۔ پہلے یہی روایت حضرت مسدد سے مطول سنی تھی تو اس پر دوسرا ترجمہ منعقد کیا تھا، پھر یہی روایت مختصراً دوسرے شیخ ابوالولید سے سنی تو اس پر ایک اور ترجمہ منعقد فرما دیا۔ اس میں دوسرے فوائد کے ساتھ الفاظِ حدیث کی بھی رعایت ہو گئی۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى الْفِرَاشِ وَصَلّٰى اَنَسٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ وَقَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْجُدُ اَحَدُنَا عَلٰى ثَوْبِهٖ **حدثنا** اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ اَبِي النَّضْرِ مَوْلٰى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِيْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلِيْ وَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ **حدثنا** يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ وَهِيَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلٰى فِرَاشِ اَهْلِهٖ اِعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ **حدثنا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ

قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَعَائِشَةُ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى الْفِرَاشِ الَّذِي كَانَ يَنَامَانِ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: باب، زمین پر فرش بچھاکر نماز پڑھنے کا بیان، حضرت انس نے اپنے فرش پر نماز پڑھی۔ اور فرمایا کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور ہم میں سے کوئی اپنے کپڑے پر سجدہ کرلیتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی اور میرے دونوں پیر آپ کی سجدہ گاہ کی جانب ہوتے تھے۔ جب آپ سجدہ میں جاتے تو میرے پیروں کو دبادیتے اور میں ان کو کھینچ لیتی، اور جب آپ کھڑے ہوجاتے تو میں پیروں کو دراز کرلیتی۔ حضرت عائشہ نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت گھروں میں چراغ نہ تھے۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ انہیں حضرت عائشہ نے بتلایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کے بستر پر نماز پڑھتے تھے۔ اور حضرت عائشہ آپ کے اور قبلہ کے درمیان جنازہ کی طرح آپ کے سامنے لیٹی رہتیں، حضرت عروہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور حضرت عائشہ آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس بستر پر لیٹی رہتیں جس پر یہ دونوں سوتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ | فرش ہر وہ چیز جو زمین پر بچھائی جائے خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، دری ہو یا قالین یا اور کوئی دوسری چیز، پچھلے دو ابواب میں بخاری نے حصیر اور خمرہ پر نماز کا جواز بتلایا تھا، اب آگے ترقی کرکے کہتے ہیں کہ حصیر اور خمرہ کی کوئی تخصیص نہیں، کوئی بھی پاک چیز زمین پر بچھاکر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ فرش میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ سلف نے ان پر نماز پڑھنے سے انکار کیا ہے۔ جیسے عمدہ قالین یا ایسا فرش جس پر رُواں زیادہ ہو، حضرت اسود ایسی چیزوں پر نماز پڑھنا مکروہ قرار دیتے تھے، حضرت امام مالکؒ سے اس قسم کا عمل منقول ہے۔ یہ حضرات قالین یا کمبل پر کھڑے بھی ہوں تو سجدہ زمین پر کرتے تھے اس لئے بخاری نے ترجمہ رکھ دیا کہ فرش کسی قسم کا ہو، گھٹیا ہو یا بڑھیا ہو سب پر نماز درست ہے۔ امام اعظم اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے، البتہ ایسا فرش جو تکلف کے سبب قلب کو نماز سے مشغول کرسکے اس پر نماز پسندیدہ نہیں لیکن اگر نماز پڑھ لی جائے تو اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے اور ہم میں سے کوئی شخص اپنے کپڑے پر سجدہ کرتا، اگلے باب میں آرہا ہے کہ یہ کپڑا جسم سے الگ نہ ہوتا تھا بلکہ بدن ہی کے ملبوس کپڑے کو کسی ضرورت سے زمین پر ڈال کر اس پر سجدہ کیا جاتا تھا۔ اس سے جو مسئلہ متعلق ہے وہ آگے آرہا ہے، یہاں بخاری کا مدعا صرف یہ ہے کہ سجدہ کیلئے زمین ضروری نہیں، کوئی بھی پاک چیز زمین پر بچھاکر اس پر نماز پڑھی جاسکتی ہے اور سجدہ کیا جاسکتا ہے۔

روایاتِ باب | حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رات کے وقت اپنے بستر پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے لیٹی رہتی اور میرے پیر آپ کے قبلہ کی جگہ ہوتے، جب آپ سجدہ میں جانے لگتے تو میرا پیر دبا دیتے، میں پیر کھینچ لیتی، جب آپ کھڑے ہو جاتے تو میں پیر پھیلا لیتی، اور اس کی نوبت اس لئے آتی تھی کہ اس وقت مکانوں میں چراغ نہ تھے، اگر چراغ ہوتا تو میں دیکھ سکتی تھی کہ آپ سجدہ میں کس وقت جا رہے ہیں اور خود ہی پیر سمیٹ لیتی، لیکن چونکہ اندھیرے کے سبب کچھ نظر نہ آتا تھا اس لئے آپ کو پیر دبانے کی ضرورت پڑتی تھی۔

ترجمہ کے اثبات کے لئے یہ روایت بھی کافی تھی؛ ظاہر بات ہے کہ جس بستر پر حضرت عائشہؓ لیٹی رہتیں اس بستر پر آپ نماز بھی پڑھتے تھے، لیکن چونکہ یہ چیز اس روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور نہ تھی اس لئے بخاری نے اس کے ساتھ دوسری روایت بھی ذکر کر دی کہ آپ اپنے اہل خانہ کے بستر پر نماز پڑھتے، اور حضرت عائشہؓ اسی بستر پر آپ کے سامنے جنازہ کی طرح لیٹی رہتیں، پھر تیسری روایت میں اس بستر کی مزید تفصیل آ گئی۔ علی الفراش الذی کان ینامان علیہ یعنی یہ بستر وہ تھا جس پر یہ دونوں سوتے بھی تھے۔

ان روایات سے بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا کہ بوریا، چٹائی اور دوسرے فرش خواہ وہ استعمالی ہوں اور خواہ وہ سونے کے کام بھی آتے ہوں ان سب پر نماز درست ہے، پیشانی زمین پر رکھنا ضروری نہیں۔

بَابُ السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ وَقَالَ الْحَسَنُ وَكَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ حدثنا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ حَدَّثَنَا غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُودِ۔

ترجمہ: باب، گرمی کی شدت کے سبب کپڑے پر سجدہ کا بیان، حضرت حسنؒ نے ارشاد فرمایا کہ صحابۂ کرامؓ عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کیا کرتے تھے، اور ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ اس کی آستین میں ہوتا تھا حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پس ہم میں سے کوئی شخص گرمی کی شدت کے سبب اپنے کپڑے کے فاضل گوشہ پر سجدہ کرتا تھا۔

---

[۱] یہاں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مس مراۃ ناقض وضو نہیں، حضرات شوافع تاویلیں کر رہے ہیں کہ یہاں پیر کا مس بالحجاب تھا جو ناقض طہارت نہیں۔ لیکن یہ تاویل ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ بحث اپنی جگہ گذر چکی ہے۔ ۱۲

مقصدِ ترجمہ ترجمہ میں فی شدۃ الحر کی قید الفاظِ حدیث کی رعایت سے ہے، ورنہ اصل مقصد یہ ہے کہ اگر زمین گرمی کی شدت کے سبب تپ رہی ہو یا سردی کے سبب اولا بن گئی ہو اور زمین پر پیشانی کا ٹھہرانا دشوار ہو تو ان دونوں صورتوں میں سجدہ کے لئے زمین پر کپڑا ڈالنے کی اجازت ہے۔ خواہ زمین پر کپڑا ڈال لو یا پیشانی پر کپڑا ڈال کر سجدہ کرلو، خواہ کپڑا الگ سے بچھایا جائے یا پہنے ہوئے کپڑے کے فاضل حصہ کو زمین پر ڈال کر سجدہ کیا جائے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لوگ گرمی کے زمانے میں زمین کے تپ جانے کے سبب عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے، عمامہ پر سجدہ کا مطلب یہ ہے کہ عمامہ کے پیچ یا شملہ پر سجدہ کیا جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ عمامہ کا پیچ اتنا ہلکا ہونا چاہئے کہ پیشانی کو زمین کی صلابت کا احساس ہو اور پیشانی زمین پر ٹھہر جائے ورنہ سجدہ درست نہ ہوگا، ویداہ فی کمہ کا مفہوم یہ ہے کہ گرمی سے پیشانی کی حفاظت تو عمامہ یا ٹوپی کے ذریعہ کی جاتی اور ہاتھوں کی حفاظت آستین سے یعنی آستین کو آگے بڑھا کر اس پر ہاتھ رکھ لیے اس طرح پیشانی کی حفاظت بھی ہو جاتی تھی اور ہاتھ کی بھی، ظاہر ہے کہ عمامہ اور ٹوپی ثوبِ ملبوس ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ثوبِ ملبوس پر سجدے کی اجازت ہے۔

حدیثِ باب حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے، اور ہم میں سے کوئی شخص اپنے کپڑے کے گوشہ پر گرمی کی شدت کے سبب سجدہ کرتا تھا، طرف الثوب کے معنی یہی ہیں کہ صحابۂ کرام ثوبِ ملبوس کے فاضل حصہ پر سجدہ کرتے تھے۔ امام اعظم، امام مالک، امام احمد اور امام اسحٰق وغیرہم نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے، کہ گرمی کی شدت سے بچنے کے لئے ثوبِ ملبوس کے فاضل حصّہ پر سجدہ درست ہے۔ کیونکہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کا یہ عمل دیکھا، اور اس پر انکار نہیں فرمایا، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی، لیکن امام شافعیؒ ثوبِ ملبوس کے فاضل حصہ پر سجدہ کی اجازت نہیں دیتے، حدیثِ باب کی تاویل میں حضراتِ شوافع نے یہ کہا ہے کہ طرف الثوب سے مراد یا تو وہ کپڑا ہے جو مصلی کے بدن پر نہ ہو، اور اگر بدن پر ہو تو وہ اتنا گنجائش دار ہو کہ اس کا سجدہ کی جگہ ڈالا گیا گوشہ مصلی کی حرکت سے متحرک نہ ہو، اور اگر دانستہ نمازی نے ایسے ثوبِ ملبوس پر سجدہ کیا جو مصلی کی حرکت سے متحرک ہوتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اور باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا کپڑا مصلی کے ساتھ نماز میں شامل ہے۔ گویا وہ مصلی کے بدن کا جزء ہے، اس لئے ایسے ثوبِ ملبوس پر سجدہ زمین پر سجدہ نہیں، اپنے جزء پر سجدہ ہے، جس کی اجازت نہیں۔

لیکن جمہور کے نزدیک سجدہ میں نمازی کے بدن کے کپڑے اور دوسرے کپڑے کے درمیان کوئی فرق نہیں، ان کی دلیل روایتِ باب ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ صحابۂ کرام کی مجموعی حالت یہ تھی کہ ان کے پاس تو پہننے کے کپڑے بھی پورے نہ تھے۔ چہ جائیکہ فاضل کپڑے جنہیں محلِ سجود میں ڈال لیا کریں، اور نہ بدن کے کپڑے میں اتنی کشادگی کا امکان ہے کہ نمازی کی حرکت سے کپڑا متحرک نہ ہو، اس لئے یہ فرق قابلِ قبول نہیں۔ نیز حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، ابن عمر، عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور حضرت انسؓ وغیرہ سے مختلف طرق سے حفاظِ حدیث نے روایت کی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستارِ مبارک کے پیچ پر سجدہ کیا، اس طرح ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ سخت گرمی کے دن حضرت عمرؓ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور اپنے کپڑے کا گوشہ زمین پر ڈال کر سجدہ کرلیا۔ اور حاضرین سے فرمایا کہ تم میں جس شخص کو زمین کی گرمی محسوس ہو اور وہ زمین پر پیشانی نہ ٹیک سکے اس کو چاہئے کہ اپنے کپڑے کے گوشہ پر سجدہ کرلے۔ ان روایات میں کوئی تفصیل نہیں، کہ کپڑا اتنا کشادہ ہونا چاہئے جو مصلی کی حرکت سے متحرک نہ ہو، اس لئے جمہور اس تاویل کو قبول نہیں کرتے۔ بخاری نے بھی جمہور کی تائید کی ہے۔ ترجمہ کے ذیل میں حضرت حسن کی روایت سے عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کا ذکر بخاری کے مسلک کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِي النِّعَالِ **حدثنا** اٰدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ اَنَا اَبُوْ مَسْلَمَةَ سَعِيْدُ بْنُ يَزِيْدَ الْاَزْدِيُّ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ۔

ترجمہ: باب، جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا بیان، سعید بن یزید ازدی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعلین پہن کر نماز پڑھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا ہاں!

مقصدِ ترجمہ باب سابق میں گرمی یا سردی سے بچنے کے لئے پیشانی کی حفاظت کی صورت بیان ہوچکی ہے، یہاں پیروں کی حفاظت کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔ کہ اگر جوتا پاک ہو اور وہ عرب کے طرز کا ہو یعنی چپل ہو جس میں بوقتِ سجدہ پیر کی انگلیاں زمین سے لگ سکتی ہوں تو ایسا جوتا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ مُداس اور مکعب جن میں پیر کا اتصال زمین سے نہیں ہوتا ہے بلکہ جوتے کی نوک یا صرف ٹوہ کا سہارا زمین پر ہوتا ہے اور پیر بالکل معلق رہتا ہے ان میں نماز کا عمل صحیح نہیں۔ کیونکہ پیر زمین سے بالکل الگ رہتے ہیں۔ اور سجدہ میں وضع قدم علی الارض ضروری

ہے، خوب سمجھ لیں) روایت میں آیا کہ حضرت انسؓ سے سوال کیا گیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتا پہن کر نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں پڑھی ہے، معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے بعض حضرات نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو رخصت قرار دیا ہے۔ اور بعض حضرات نے مستحب کہا ہے۔ فیصلہ کی بات یہ ہے کہ یہ عمل بذاتِ خود مطلوب نہیں ہے۔ شریعت نے اس کو صرف جائز قرار دیا ہے۔ لیکن ہمارے فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جہاں یہود کی آبادی ہو وہاں جوتے پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ یہود جوتا پہن کر نماز پڑھنے کو جائز نہیں قرار دیتے اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے خالفوا الیھود یہود کی مخالفت کرو، گویا دراصل تو یہ چیز مباح تھی لیکن یہود کے عمل سے اختلاف ظاہر کرنے کی صورت میں اس میں استحباب پیدا ہوگیا۔ یہود نے عدمِ جواز کا فیصلہ ایک غلط فہمی کی بنا پر کیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو ندا آئی یا موسیٰ انی انا ربك فاخلع نعلیك انك بالواد المقدس طوی، اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں، جوتے اتار دو، تم اس وقت مقدس وادی میں ہو۔ اس حکم کا مطلب یہ تھا کہ دیکھو تم رب کے سامنے ہو، مقدس جگہ میں ہو، اس لئے مقامِ ادب کا تقاضا ہے کہ جوتے اتار دو، لیکن یہود نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مطلقاً مواقع قرب میں جوتا پہن کر جانے کی اجازت نہیں، اس بنا پر وہ نعلین پہنے ہوئے کی نماز کو باطل قرار دیتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے یہود کی اس غلط فہمی پر تنبیہ فرماتے ہوئے اس کی اجازت دیدی کہ تم نعلین پہنے ہوئے نماز پڑھ سکتے ہو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر مخالفتِ یہود کی نیت کی ہو تو اس میں استحباب بھی آجاتا ہے۔

واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةُ فِي الْخِفَافِ حَدَّثَنَا اٰدَمُ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ اِبْرَاهِيْمَ يُحَدِّثُ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ رَأَيْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى فَسُئِلَ فَقَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَكَانَ يُعْجِبُهُمْ لِاَنَّ جَرِيْرًا كَانَ مِنْ اٰخِرِ مَنْ اَسْلَمَ **حدثنا** اِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ نَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَصَلّٰى۔

ترجمہ: باب، موزوں میں نماز کا بیان، ہمام بن حارث سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ کو دیکھا، انہوں نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور خفین پر مسح کیا، پھر وہ کھڑے

ہوئے اور نماز پڑھی، پھر حضرت جریرؓ سے اس مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت جریرؓ کے اس بیان کو حاضرین نے بہت پسند فرمایا، اسلئے کہ حضرت جریر ان لوگوں میں تھے جو آخر میں اسلام لائے تھے، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا، آپ نے خفین پر مسح فرمایا اور نماز پڑھی۔

مقصد ترجمہ باب سابق میں بیان ہوچکا ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا یہود کی مخالفت کی وجہ سے مستحب ہے، حضراتِ شیعہ کے نزدیک موزے پہن کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ امام بخاری نے اسی کے ساتھ یہ مسئلہ بھی بتلا دیا کہ موزے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے گرمی اور سردی سے پیروں کی حفاظت کا یہ دوسرا طریقہ ہے کہ زمین اور پیروں کے درمیان موزوں کو حائل کر دیا جائے۔

روایت میں آگیا کہ حضرت جریرؓ نے موزوں پر مسح کر کے نماز پڑھی، اور جب ان سے موزوں کے مسح کے سلسلہ میں معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اور چونکہ حضرت جریر رمضان سنہ ۱۰ھ میں نزولِ مائدہ کے بعد ایمان لائے ہیں۔ اس لئے ان کی روایت فامسحوا برؤسکم وارجلکم کے بعد کی ہے۔ اور اس میں وہ اپنا مشاہدہ نقل فرمارہے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے موزے پر مسح فرمایا۔ بعض صحابہ کو آیت وضو کے بعد یہ شبہ ہوگیا تھا کہ اب کسی حال میں بھی پیر کا مسح درست نہیں، پیر دھونا ہی پڑیگا۔ جب حضرت جریر نے یہ واقعہ نقل فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان کا تو اسلام ہی آیت مائدہ کے نزول کے بعد ہوا ہے۔ تو یہ اطمینان ہوگیا کہ مسح خف کا جواز بدستور باقی ہے۔ غسلِ رجل کا تعلق صرف عدم تخفف کی حالت سے ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت جریرؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ یہ حکم تو نزولِ مائدہ سے پہلے تھا تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا ما اسلمت الا بعد المائدۃ میں تو اسلام ہی نزولِ مائدہ کے بعد لایا ہوں، باب المسح علی الخفین کے ذیل میں یہ بحث گذر چکی ہے۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ موزے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضراتِ شیعہ نے جو آیتِ مائدہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ اس آیت میں پیروں کا مسح بغیر موزے کے ہے وہ بھی سرتا سر غلط ہے۔

واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا لَمْ يُتِمَّ السُّجُوْدَ حدثنا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ نَا مَهْدِيٌّ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ اَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَاٰى رَجُلًا لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهُ وَلَا سُجُوْدَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: باب، جب نمازی سجدے کو تمامیت کے ساتھ نہ کرے، حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی نماز میں رکوع اور سجدے کو تمامیت کے ساتھ ادا نہیں کر رہا تھا، جب یہ شخص نماز سے فارغ ہوگیا تو حضرت حذیفہ نے اس سے فرمایا تمہاری نماز نہیں ہوئی، ابو وائل کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں حضرت حذیفہ نے اس سے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر تم اسی حالت میں فوت ہو جاؤ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر فوت نہ ہوگے۔

مقصدِ ترجمہ بخاری کے اس ترجمہ کے سلسلہ میں شارحین بہت حیران ہیں۔ ابھی تک تو سترِ عورت کے ابواب چل رہے تھے، نماز کی کیفیت اور صفت کے مسائل شروع نہیں ہوئے تھے کہ بخاری نے یہ دو باب بظاہر بے جوڑ رکھ دیئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرما دیا کہ یہ ابواب مستملی کے نسخہ میں نہیں ہیں جو سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اس لئے ان ابواب کا اس جگہ ہونا ناسخین کی غلطی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فربری سے نقل کیا گیا ہے کہ صحیح بخاری کے بعض اوراق کتاب سے علیحدہ تھے، بعض ناسخینِ بخاری سے غلطی ہوئی اور انہوں نے ان اوراق کو ان جگہوں سے ملحق کردیا جہاں مصنف نے الحاق نہیں کیا تھا، پھر فرماتے ہیں کہ یہ باب اور اس سے ملحق باب اسی طرح کے ابواب ہیں جو ناسخین کی غلطی سے دوسری جگہ لگ گئے، اس لئے کہ یہ مسائل دراصل ابواب صفۃ الصّلوٰۃ کے ہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں ان ابواب کے سلسلہ میں نہ ناسخین پر الزام دینے کی ضرورت ہے اور نہ اوراق میں ردوبدل کہنے کی حاجت، بلکہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ بخاری نے بالقصد ایسا کیا ہے، اور اس سے ان کا ایک خاص مقصد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پچھلے ابواب میں بخاری نے بیان کیا ہے کہ اگر گرمی کی شدّت ہو تو پیشانی کے نیچے کپڑا ڈال لیا جائے، اسی طرح پیروں کی حفاظت کے لئے نعال اور موزوں میں نماز کا جواز ہے، سر اور پیر دونوں کی حفاظت کی صورت بیان کرنے کے بعد اب بتلاتے ہیں کہ اس انتظام کی ضرورت اس لئے ہے کہ نماز کا مدار تمامیتِ افعال پر ہے، اور افعال میں سجدہ کو خاص اہمیت ہے کہ اگر سجدہ نامکمل رہ گیا تو گویا نماز ہی نہ ہوگی، چنانچہ بخاری نے ترجمہ کے ذیل میں

جو روایت پیش کی ہے اس میں حضرت حذیفہ ایسے ہی شخص سے فرما رہے ہیں مَاصَلَّیْتَ تم نے نماز نہیں پڑھی، یعنی یہ عمل نماز کا عمل نہیں ہے، اور اسی پر بس نہیں فرماتے، بلکہ کہتے ہیں کہ اگر اسی حالت میں تمہیں موت آجائے تو یہ موت خلاف فطرت طریق پر ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ نماز کے ارکان میں تمامیت کا ضرور خیال رکھا جائے۔ نماز کی صحت، حفاظت اور تمامیت کے لئے اگر پیشانی کے نیچے کپڑا اور پیروں کے لئے نعال یا موزے استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ در اصل سجدہ میں یہی دو عضو اصل اصول اور مدار علیہ سجدہ ہیں۔ یعنی پیشانی اور قدم یہ دونوں اگر زمین پر ٹھہرے ہوئے ہیں تو سجدہ مانا جائے گا، اگر ایسا نہیں ہے کہ پیشانی زمین پر لگی ہوئی نہیں یا قدم زمین سے الگ ہے تو وہ سجدہ نہیں ہے۔ اس لئے ان ابواب میں اس کا اہتمام کیا گیا۔

اس معنی کر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بخاری نے اس باب میں پچھلے ابواب کی وجہ بیان کی ہے، اور اسی کے ساتھ جب تمامیت سجدہ کی بحث چھڑ گئی تو انہوں نے دوسرا باب بھی رکھ دیا یبدی ضبعیہ یعنی سجدہ کا اتمام یہ ہے کہ بازو کھلے اور پہلوؤں سے الگ رہیں۔ اس اعتبار سے ناسخین اور اوراق کے رد و بدل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اتمام سجدہ کا مسئلہ کیفیت صلوٰۃ سے بھی متعلق ہے۔ اور شرائط صلوٰۃ سے بھی، یعنی سجدہ کس شان سے ہو، اس کا تعلق کیفیت صلوٰۃ سے ہے۔ اور سجدہ میں تمکن علی الارض ہو، یہ اس کی شرائط سے متعلق ہے۔ اس لئے بخاری نے یہاں یہ مسئلہ شرائط کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ اور آگے کیفیت صلوٰۃ کے سلسلہ میں اس کو لائیں گے۔ اس لئے یہاں غیر متعلق ہونے کا اشکال نہ ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم

باب يُبْدِي ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِي جَنْبَيْهِ فِي السُّجُوْدِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرٍ عَنِ ابْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلَّى فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ نَحْوَهٗ۔

ترجمہ: باب، نمازی سجدہ میں بازوؤں کو ظاہر کرے اور بازوؤں کو پہلوؤں سے الگ رکھے، حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو کشادہ رکھتے، یہاں تک کہ آپ کے بغل مبارک کی سفیدی ظاہر ہوتی، لیث کہتے ہیں کہ جعفر بن ربیعہ نے مجھ سے اسی طرح کی روایت بیان کی۔

مقصدِ ترجمہ حافظ ابن حجرؒ اور حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس باب کو اس جگہ رکھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سترِ عورت کے مسائل چل رہے ہیں بخاریؒ نے آخر میں یہ باب رکھ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ سترِ عورت ضروری ہے لیکن بازوؤں کا پہلوؤں سے سجدہ میں الگ رکھنا جیسا کہ حدیثِ باب سے معلوم ہوتا ہے۔ نہ خلافِ سنت ہے اور نہ سترِ عورت کے منافی ہے۔

لیکن صاف بات یہ ہے کہ بخاری اس باب میں بابِ سابق یعنی اتمامِ سجدہ کی مزید تشریح کر رہے ہیں، کہ سجدہ میں جاؤ تو ہاتھوں کو کشادہ اور پہلوؤں سے الگ رکھو، پیغمبر علیہ السلام جب سجدہ میں جاتے تو یہی شان ہوتی تھی، یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ابوابِ صفۃ الصلوٰۃ میں انشاء اللہ اپنی جگہ آئے گا۔ واللہ اعلم

الیٰ ھنا تمّ الجزء الثالث عشر من ایضاح البخاری بعون اللہ
وکرمہ وسیلیہ الجزء الرّابع عشر انشاء اللہ
تعالیٰ واوّلہ باب فضلِ استقبال القبلۃ

حضرۃ الاستاذ مولانا سید فخر الدین احمد نور اللہ مرقدہٗ کا تصحیح فرمودہ مسودہ یہاں
ختم ہو گیا

کتاب الصلوٰة

باب فَضْلِ اِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ. يَسْتَقْبِلُ بِاَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ قَالَهُ اَبُوحُمَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **حدثنا** عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ سِيَاهٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ **حدثنا** نُعَيْمٌ قَالَ نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حُمَيْدِ الطَّوِيْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاءُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ وَقَالَ ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ اَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ وَقَالَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ سَاَلَ مَيْمُوْنُ بْنُ سِيَاهٍ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ يَا اَبَا حَمْزَةَ مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَهٗ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَهٗ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ وَقَالَ ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ اَنَا يَحْيٰى بْنُ اَيُّوْبَ قَالَ نَا حُمَيْدٌ قَالَ نَا اَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب۔ استقبال قبلہ کی فضیلت کا بیان، نمازی اپنے پیروں کی انگلیوں کا رُخ بھی قبلہ کی طرف رکھے، اس کو ابوحمید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے **حضرت** انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے اور نماز میں ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھائے تو یہ ایسا مسلمان ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول کا عہد وامان متعلق ہے، پس تم اللہ کی ذمہ داری میں بدمعاملگی نہ کرو۔ **نعیم** بن المبارک بواسطہ حمید الطویل حضرت انس بن مالک سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں کلمۂ طیبہ کا قائل ہونے تک لوگوں سے جہاد کروں ۔ پس جب لوگ کلمۂ طیبہ کے قائل ہو جائیں اور ہماری طرح نماز ادا کریں، ہمارے قبلہ کا استقبال کریں اور ہمارے ذبیحہ کو کھائیں تو اس وقت ہم پر ان کے خون اور مال حرام ہو جائیں گے مگر حق تلفی کے بدلے میں ان کے جان و مال سے تعرض درست ہوگا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ۔ حمید راوی نے کہا کہ ہم سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث بیان کی، حمید کہتے ہیں کہ میمون بن سیاہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے دریافت کیا کہ اے ابو حمزہ ! کونسی چیز انسان کی جان اور اس کے مال کو حرام قرار دیتی ہے ؟ تو حضرت انس نے فرمایا جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شہادت دی، ہمارے قبلہ کا استقبال کیا اور ہماری طرح نماز ادا کی اور ہمارا ذبح کیا ہوا کھا لیا تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہوں گے جو ایک مسلمان کے ہیں اور اس سے وہی مؤاخذے ہوں گے جو ایک مسلمان سے کئے جاتے ہیں ۔

مقصدِ ترجمہ ستر عورت کے ابواب سے فراغت کے بعد اب امام بخاری نماز کی ایک اور شرط استقبال قبلہ کے متعلق ابواب منعقد فرمار ہے ہیں، اسی ضمن میں وہ مساجد کے احکام بھی بیان فرمائیں گے ۔ اس سلسلے کا پہلا باب باب فضل استقبال القبلۃ ہے یعنی استقبالِ قبلہ کی فضیلت کا بیان ، استقبالِ قبلہ نماز کی شرط ہے ، امام بخاری رحمہ اللہ سب سے پہلے اس کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں، کہتے ہیں کہ استقبال کی اتنی اہمیت ہے کہ نمازی کو اپنے تمام اعضاء سے قبلہ کا استقبال کرنا چاہیئے حتیٰ کہ سجدے اور قعود کی حالت میں بھی نمازی کو اپنے پیروں کی انگلیوں کا رخ موڑ کر قبلہ کی طرف کر لینا چاہیئے ۔

آگے روایت ذکر فرمارہے ہیں کہ جس شخص نے ہماری طرح نماز پڑھی ، استقبالِ قبلہ اسی ضمن میں آگیا تھا اس لئے کہ ہماری نماز وہ ہے جس میں رکوع بھی ہے ، سجدہ بھی ہے اور قبلہ کا استقبال بھی ہے ، لیکن روایت میں اس ضمنی تذکرے پر اکتفا نہیں ہے بلکہ واستقبل قبلتنا میں مستقل طور پر استقبال قبلہ مذکور ہے ، اس طرح روایت سے استقبالِ قبلہ کی خصوصی فضیلت اور اہمیت معلوم ہوگئی اور اس حقیقت پر تنبیہ ہوگئی کہ قبلہ کا استقبال مستقلاً مطلوب ہے ۔

تشریحِ حدیث حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر ہے (۱) جو شخص ہماری طرح نماز ادا کرے ، (۲) ہمارے قبلہ کا استقبال کرے (۳) ہمارے ذبیحہ کو حلال سمجھے ، جب یہ تینوں چیزیں جمع ہو جائیں تو یہ وہ مسلمان ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ اس سے متعلق ہو گیا ہے ، اس ارشاد سے استقبال قبلہ کی اہمیت معلوم ہوگئی کہ یہ

اُن تین چیزوں میں سے ایک ہے جن کے اختیار کرنے پر خداوند قدوس کا ذمہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد متعلق اور قائم ہو جاتا ہے اور کسی شرعی جواز کے بغیر ایسے شخص سے تعرض یعنی بدعہدی کرنے کے جرم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مؤاخذہ شروع ہو جاتا ہے ۔

انہیں احادیث کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے اہل قبلہ کا لقب اختیار کیا گیا ہے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہیں، نماز اور استقبال قبلہ مذہبی امتیاز ہے کہ دوسرے مذاہب میں اوّل تو نماز اس طرح کی نہیں ہے کیونکہ ان کی نماز میں رکوع نہیں ہے، دوسرے یہ کہ ان کی نماز کا جو بھی طریقہ ہے اس میں وہ ہمارے قبلہ کا استقبال نہیں کرتے بلکہ مثلاً نصاریٰ بیت اللحم کا استقبال کرتے ہیں اور یہودی صخرۂ بیت المقدس کا۔ دوسرا امتیاز ذبیحہ کا کھانا ہے، یہ معاشرت کے سلسلے کا امتیاز ہے کہ مثلاً یہودی ہمارے ذبیحہ کا استعمال نہیں کرتے جبکہ مسلمان اہلِ کتاب کے ذبیحہ کو حلال سمجھتے ہیں اور کھاتے ہیں، گویا یہ چیزیں مسلمانوں کیلئے شعار کے درجہ میں ہیں اور اگر کوئی ایسی چیز ظاہر نہ ہو جس کے اختیار کرنے سے کفر لازم آجاتا ہے تو ان چیزوں کے اختیار کرنے والے کو مسلمان سمجھا جائے گا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہ تین چیزیں ہی مسلمان ہونے کے لئے کافی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین کی دوسری ضروریات کے ساتھ ان امتیازات کو قائم رکھیں وہ مسلمان ہیں ۔

دوسری روایت میں آیا فقد حرمت علینا دماءُھم واموالُھم، کہ جو لوگ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں، ہمارے طریقہ پر نماز پڑھیں، ہمارے قبلہ کا استقبال کریں اور ہمارے ذبیحہ کو استعمال کریں تو ان کی جانیں اور ان کے اموال حرام ہو گئے ۔ گویا اس روایت میں سابق روایت کی تشریح آ گئی، پچھلی روایت میں صرف یہ آیا تھا کہ ایسے لوگوں سے اللہ اور اس کے رسول کا عہد قائم ہو جاتا ہے، اس روایت میں اُس عہد کی تشریح اور وضاحت آ گئی کہ ان لوگوں کے جان اور مال کے بلا وجہ درپے ہونا خدا اور اس کے رسول کے عہد میں دخل اندازی کرنا ہے اِلَّا بِحَقِّھَا یعنی اگر ایسے شخص پر مالی یا جانی تاوان یا قصاص واجب ہو تو وہ اس سے ضرور وصول کیا جائے گا اور یہ ذمّہ اور عہد کے خلاف نہ ہوگا ۔

تیسری روایت لا کر دوسری روایت کی سند میں عنعنہ سے پیدا ہونے والے اشتباہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دوسری روایت میں حمید الطویل عن انس بصیغۂ عن تھا تحدیث کی تصریح نہ تھی اس لئے امام بخاریؒ نے تیسری روایت لا کر بتلا دیا کہ روایت کی سند میں کوئی اشتباہ نہیں ہے بلکہ میمون بن سیاہ نے حمید الطویل کی موجودگی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، معلوم ہوا کہ حمید الطویل نے حضرت انسؓ سے بلا واسطہ روایت کی ہے، پھر اس کی تقویت کے لئے امام بخاری نے روایت کی چوتھی سند بھی ذکر فرما دی جس میں حمید الطویلؒ اخبرنا انسؓ کی تصریح کر رہے ہیں، عنعنہ نہیں ہے ۔ واللہ اعلم

بَابُ قِبْلَةِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَاَهْلِ الشَّامِ وَالْمَشْرِقِ لَيْسَ فِي الْمَشْرِقِ وَلَا فِي الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ وَلٰكِنْ شَرِّقُوا اَوْ غَرِّبُوا حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَا سُفْيَانُ قَالَ نَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيْدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا. قَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيْضَ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ وَنَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

ترجمہ، باب ۔ اہلِ مدینہ اور شامیوں کی سمت قبلہ کا بیان اور ان لوگوں کی سمت مشرق کا حکم[1] مشرق اور مغرب میں ان لوگوں کا قبلہ نہیں ہے اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کے وقت رو بقبلہ نہ ہو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو حضرت ابوایوب رضی الله عنہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف رخ کرو اور نہ قبلہ کی طرف پشت کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرلو، حضرت ابوایوب رضی الله عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم شام گئے تو ہم نے وہاں بیت الخلاء قبلہ رخ پائے چنانچہ ہم وہاں ترچھے ہوکر بیٹھتے اور باری تعالیٰ سے استغفار کرتے ۔ زھری عطاء سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سنی ہے ۔

مقصد ترجمہ مقصد ترجمہ یہ ہے کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کی سمت قبلہ کیا ہے اور ان کی سمت مشرق و مغرب کا کیا حکم ہے ۔ ان دونوں بلاد کی دونوں سمتوں کے بیان کے لئے فرمایا لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلة یعنی اہل شام اور اہل مدینہ کا قبلہ نہ مشرق میں ہے نہ مغرب میں ہے بلکہ ان کا قبلہ جنوب میں ہے ۔ مدینہ منورہ اور شام یہ دونوں مکہ معظمہ سے جانبِ شمال میں واقع ہیں اور مکہ معظمہ ان کے جنوب میں ہے، اس لئے اہلِ شام اور اہل مدینہ کا قبلہ نہ مشرق میں ہوگا نہ مغرب میں ۔ بلکہ جنوب میں ہوگا ۔

لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلة کا تعلق اہل مدینہ، اہلِ شام اور ان لوگوں سے ہے جن کی سمتِ قبلہ مدینہ اور شام کے مطابق ہو، اس کو عموم پر محمول کرنا درست نہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کا قبلہ مشرق و مغرب کی طرف

[1] ترجمہ میں صرف مشرق ہی مذکور ہے، مغرب نہیں ہے لیکن حکم بہرحال دونوں ہی سمتوں کا بیان کرنا پیشِ نظر ہے ۔ مغرب کو ترک کرکے صرف مشرق کا تذکرہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ امام بخاری نے ایک سمت کا حکم بیان کردیا تو دوسری سمتِ مقابل کا حکم بھی سمجھا جاسکتا ہے ۔ یا پھر یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ اکثر آبادی اُس وقت سمتِ مشرق ہی میں تھی ۔ اس لئے صرف اسی سمت کا حکم بیان فرمادیا گیا ۔ واللہ اعلم

نہیں ہے، ابن بطال شارح بخاری نے صرف ایک صورت کے استثناء کے بعد اس کو عموم پر محمول کیا ہے، مگر ان کے قول کے مطابق بہت زیادہ اشکال پیش آتے ہیں مثلاً خود امام بخاری، جو بخارا کے رہنے والے ہیں ان کا قبلہ بھی سمتِ مغرب میں ہے جیسا کہ ہم اہلِ ہندوستان کا قبلہ مغرب میں ہے، اس لئے بخاری کے قول لیس فی المشرق ولا فی المغرب قبلۃ کو عموم پر محمول کرنے کا مفہوم یہ ہوگا کہ خود امام بخاری کو اپنی سمتِ قبلہ بھی معلوم نہ ہو، حالانکہ یہ بعید از قیاس ہے، اس لئے امام بخاری کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ حکم صرف اہلِ مدینہ اور اہلِ شام ہی کیلئے ہے کہ مشرق اور مغرب میں ان کا قبلہ نہیں بلکہ ان کا قبلہ مغرب اور مشرق کے مابین جنوباً وشمالاً واقع ہو رہا ہے، پھر امام بخاری نے خود ہی اس تخصیص کی دلیل بھی بیان فرمادی کہ روایت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قضائے حاجت کے وقت رو بہ قبلہ ہو کر، یا قبلہ کی جانب پشت کر کے نہیں بیٹھنا چاہیئے بلکہ شرقاً و غرباً بیٹھنا چاہیئے۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کیلئے ہے جن کا قبلہ شرقاً و غرباً نہیں ہے، اور وہ اہل مدینہ، اہلِ شام اور وہ لوگ ہیں جن کی سمت قبلہ اہلِ مدینہ کے مطابق ہو۔

تشریح حدیث روایت پر تفصیلی گفتگو ایضاح البخاری جزء، میں گزر چکی ہے یہاں صرف اتنی بات ہے کہ ترجمہ میں یہ بتلایا گیا تھا کہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شام کا قبلہ مشرق و مغرب میں نہیں ہے حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت سے یہ بات ثابت کردی گئی جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قضائے حاجت کے لئے شرقاً و غرباً بیٹھا کرو، اس سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ کا قبلہ اس سمت میں نہیں ہے، اگر ان لوگوں کا قبلہ شرقاً و غرباً ہو تو حدیث کے اوّل و آخر میں تعارض ہو جائے گا کہ اوّل تو یہ فرمایا گیا کہ استقبالِ قبلہ نہ کیا جائے اور آخر میں شرقاً و غرباً بیٹھنے کی تعلیم دی گئی۔

نیز یہ کہ روایت میں شام کا بھی تذکرہ ہے کہ ہم لوگ شام گئے تو وہاں یہ صورتِ حال دیکھی اور یہ عمل کیا اس طرح ترجمہ کے دونوں جز یعنی اہلِ مدینہ اور اہلِ شام دونوں کے قبلہ کے بارے میں علم حاصل ہوگیا۔

باب قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى **حدثنا** الحُمَيْدِيُّ قَالَ نَا سُفْيَانُ قَالَ نَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ لِلْعُمْرَةِ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اَيَأْتِيْ امْرَأَتَهٗ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔

ترجمہ، باب، باری تعالیٰ کا ارشاد کہ تم مقام ابراہیم کو قبلۂ نماز بناؤ۔ عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے عمرہ کیلئے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا

مروہ کے درمیان سعی نہیں کی، آیا ایسا شخص اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے؟ تو حضرت ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے خانۂ کعبہ کا سات بار طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور بے شک تمہارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ اور عمرو بن دینار نے کہا کہ ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ایسا شخص ہرگز اپنی بیوی کے پاس نہ جائے یہاں تک کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرلے۔

مقصد ترجمہ امام بخاری نے آیتِ پاک وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى کو ترجمہ کے طور پر ذکر کیا ہے کہ مقام ابراہیم کو نماز گاہ بناؤ۔ اِتَّخِذُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر کی اصل وجوب ہے اور، مقامِ ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر پر آپ کے دونوں پیروں کے نشانات موجود ہیں، یہ پتھر بیت اللہ کے سامنے نصب ہے مُصَلّٰی کا مطلب قبلہ ہے یہ دراصل مُصَلًّى اِلَیْہ تھا، حرفِ جار کو حذف کر دیا گیا، اب گویا آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ مقام ابراہیم کی طرف نماز پڑھی جائے حالانکہ مقام ابراہیم کی طرف نماز پڑھنے کو کوئی ضروری نہیں سمجھتا، اس لئے لامحالہ یا تو اتَّخِذُوا میں وجوب کے علاوہ کوئی اور معنی اختیار کئے جائیں یا پھر مقام ابراہیم میں توسع اختیار کیا جائے چنانچہ اکثر حضرات نے اتَّخِذُوا میں وجوب کے بجائے استحباب مراد لیا اور مقام ابراہیم سے مراد وہی پتھر لیا گیا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقوشِ پا موجود ہیں، اس صورت میں جس نماز کو مقام ابراہیم میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف تحیۃ الطواف کی دو رکعت ہیں یعنی وہ دو رکعتیں جو طواف کے بعد ادا کی جاتی ہیں، ان کے لئے تمام مقامات سے اولیٰ تر مقام، مقام ابراہیم ہے یعنی وہ جگہ جہاں یہ پتھر رکھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ اتخذوا صیغۂ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

لیکن اس صورت میں دشواری یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ کے ذیل میں جو تین روایات ذکر کی ہیں، اس تقدیر پر ان تینوں روایات میں سے پہلی روایت تو ترجمہ سے بلا تکلف منطبق ہو جائے گی لیکن باقی دو روایتوں کو منطبق کرنے کیلئے تکلفات سے کام لینا ہوگا، اسلئے امام بخاری کی ذکر کردہ روایات کے پیش نظر بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اتخذوا کو تو اپنے اصل معنی یعنی وجوب پر محمول کیا جائے اور مقام ابراہیم میں توسع کر کے اس سے مراد بیت اللہ شریف لیا جائے کیونکہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ بیت اللہ چونکہ نماز کا قبلہ ہے اس لئے ہر شخص مکلف ہے کہ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے، اس صورت میں صیغۂ امر اپنی اصل یعنی وجوب کے معنی میں رہا اور مقام ابراہیم کے معنی بیت اللہ ہو گئے، اس

صورت میں تینوں روایات کے انطباق میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

مقام ابراہیم کی مراد میں چند اقوال اس سلسلہ میں علماء امت کے مختلف اقوال ہیں (۱) وہ مقام جہاں وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشاناتِ قدم ہیں (۲) بیت اللہ شریف (۳) مسجد حرام (۴) پورا حرم شریف۔ ان چار مشہور اقوال میں سے ہم نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں، تیسرے اور چوتھے معنی میں بہت زیادہ توسع ہے اور آیت کریمہ کی مراد یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے کسی بھی حصہ کا استقبال نماز میں فرض ہے۔ چونکہ بیت اللہ وہ مقام ہے جسکو حضرت ابراہیمؑ نے قائم فرمایا اور تعمیر کیا تھا اور تمہاری ملت ملتِ ابراہیمی ہے اسلئے بیت اللہ کو تمہارا قبلہ مقرر کیا گیا۔

یہ معنی مراد لینے کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ کی ذکر کردہ روایات بے تکلف ترجمہ سے منطبق ہو جاتی ہیں، دوسرے یہ کہ امام بخاری نے یہ باب، ابوابِ قبلہ میں ذکر کیا ہے، اگر اتخذوا کو استحباب پر محمول کیا جائے اور مقام ابراہیم سے مراد وہ خاص پتھر لیا جائے تو ابوابِ قبلہ سے اس باب کا ربط کمزور ہو جائیگا۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث حضرت عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے عمرہ کی نیت کی، بیت اللہ شریف کا طواف کیا لیکن صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کی، ایسا شخص اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی ایسے شخص کو احرام کھولدینے کی اجازت ہے یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے صریح جواب نہیں دیا بلکہ پیغمبر علیہ السلام کا عمل نقل فرمادیا کہ آپ تشریف لائے آپ نے بیت اللہ کے سات طواف کئے پھر مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز تحیۃ الطواف ادا کی اور پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی، پھر آخر میں حضرت ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کا عمل تمہارے سامنے ہے اور آپ کا عمل وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کی اقتدار تمہارے ذمہ لازم ہے۔ اس کے بعد یہی مسئلہ حضرت جابرؓ سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے جواب میں صراحت فرمادی کہ عمرہ کرنے والے کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی سے پہلے عورتوں کے قریب جانا جائز نہیں۔

بخاری کا مقصد صرف صلیٰ خلف المقام رکعتین سے ہے، اب اگر اتخذوا من مقام ابراھیم مصلی میں اتخذوا کو استحباب پر محمل کریں تو بھی روایت کی مطابقت ظاہر ہے کہ تحیۃ الطواف کیلئے سب سے اولیٰ تر مقام مقامِ ابراہیم ہی ہے، ضروری کسی کے نزدیک نہیں اور اگر اتخذوا کو وجوب پر محمل کریں تو مقام ابراہیم سے مراد بیت اللہ شریف ہوگا، اس صورت میں روایت کا ترجمۃ الباب سے انطباق ظاہر ہے کہ نماز میں کعبہ کو قبلہ بنایا جائے جیسا کہ روایت میں آپ کے عمل سے یہی ثابت ہوا۔

حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيىٰ عَنْ سَيْفٍ قَالَ سَمِعْتُ مُجَاهِدًا قَالَ اُتِيَ ابْنُ عُمَرَ، فَقِيْلَ لَهٗ هٰذَا

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْکَعْبَۃَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ فَاَقْبَلْتُ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ وَ اَجِدُ بِلَالًا قَائِمًا بَیْنَ الْبَابَیْنِ فَسَاَلْتُ بِلَالًا فَقُلْتُ اَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْکَعْبَۃِ قَالَ نَعَمْ رَکْعَتَیْنِ بَیْنَ السَّارِیَتَیْنِ اللَّتَیْنِ عَلٰی یَسَارِہٖ اِذَا دَخَلْتَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلّٰی فِیْ وَجْہِ الْکَعْبَۃِ رَکْعَتَیْنِ **حدثنا** اِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ دَعَا فِیْ نَوَاحِیْہِ کُلِّھَا وَلَمْ یُصَلِّ حَتّٰی خَرَجَ مِنْہُ فَلَمَّا خَرَجَ رَکَعَ رَکْعَتَیْنِ فِیْ قُبُلِ الْکَعْبَۃِ وَقَالَ ھٰذِہٖ ھِیَ الْقِبْلَۃُ۔

ترجمہ سیف مخزومی سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے مجاہد سے سنا کہ حضرت ابن عمرؓ کو یہ بتایا گیا کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ابھی کعبہ کے اندر داخل ہوئے ہیں حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں خانۂ کعبہ کی طرف گیا تو آپؐ اندر سے تشریف لا رہے تھے اور میں نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے ہیں، چنانچہ میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں دو رکعت، ان دو ستونوں کے درمیان جو تمھارے اندر جاتے وقت بائیں ہاتھ کی طرف پڑتے ہیں، پھر پیغمبر علیہ السلام باہر تشریف لائے اور آپ نے کعبہ کے سامنے دو رکعت نماز ادا کی۔ عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا، انھوں نے کہا کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے خانۂ کعبہ کے تمام گوشوں میں دعا کی اور نماز ادا نہیں کی حتی کہ آپ باہر تشریف لائے۔ پھر جب آپ باہر آگئے تو آپ نے کعبہ کے سامنے دو رکعت ادا کیں اور فرمایا کہ قبلہ یہی ہے۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاری نے یہ دو روایتیں اور ذکر کی ہیں، ان روایات میں آیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، آپ کے ہمراہ حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما تھے[۱]، باہر سے دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ ہجوم نہ ہو جائے، کعبہ میں داخل ہو کر آپؐ نے کیا کیا؟ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ دعا فرمائی، حضرت بلال کہتے ہیں کہ نماز پڑھی، اس موقعہ پر حضرت بلال کی بات کو قبول کیا گیا ہے اور حضرت اسامہ کی بات کو لاعلمی پر محمول کیا گیا ہے حالانکہ دونوں حضرات اندر تھے مگر بات یہ ہوئی کہ جب آپ اندر داخل ہوئے تو آپ نے دعا شروع کی حضرت اسامہؓ

---

[۱] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بظاہر مراسیل ابن عباس میں سے ہے اسلئے کہ حضرت ابن عباس کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر جانا ثابت نہیں لیکن مسلم نے محمد بن ابی بکر ابن جریج کے طریق سے اور اسماعیلی اور ابونعیم نے اپنی مستخرج میں اسحاق بن راہویہ عن عبد الرزاق اور پھر اسی مذکورہ متن اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت ابن عباس نے یہ روایت حضرت اسامہ بن زید سے کی ہے۔

بھی دعا میں مشغول ہو گئے، اس کے بعد آپ نے تو دو رکعت بھی ادا فرمائیں لیکن حضرت اسامہ اپنی دعا ہی میں منہمک رہے، حضرت بلال نے چونکہ آپ کی نماز کا مشاہدہ بھی کیا اس لئے ان کی روایت مشاہدہ کی وجہ سے قوی ہے اور از روئے اصول بھی چونکہ حضرت بلال ایک امر زائد مثبت کی خبر دے رہے ہیں اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی، بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ آپ نے کعبہ کے اندر نماز ادا کی۔

حضرت ابن عمرؓ کو معلوم ہوا کہ آپ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے ہیں تو یہ فوراً وہاں پہنچے، دیکھا تو آپ باہر تشریف لا چکے ہیں اور حضرت بلال دروازے پر کھڑے ہیں وہ کواڑوں کے درمیان تھے، اسی کو حضرت ابن عمرؓ نے بین البابین سے تعبیر فرمایا، ابن عمر نے حضرت بلال سے آپؐ کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت بلال نے نماز کی اطلاع دی اور کہا کہ جب تم بیت اللہ میں داخل ہو جاؤ تو آگے بڑھتے رہو، جب آخری دیوار تین ذراع کے بقدر رہ جائے تو ان دو ستونوں کے درمیان جو داخل ہونے والے کے بائیں طرف واقع ہوتے ہیں وہاں آپ نے دو رکعت ادا کی ہیں اور جب باہر تشریف لے آئے تو دو رکعت خانہ کعبہ کے سامنے ادا کیں اور دوسری روایت میں یہ مزید آیا کہ کعبہ کے باہر دو رکعت ادا فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا، ھٰذہ ھی القبلۃ کہ یہی مسلمانوں کا قبلۂ نماز ہے۔

ترجمہ کا ثبوت ان دونوں روایات میں مقام ابراہیم بمعنی مخصوص پتھر کا کوئی ذکر نہیں، اسلئے اگر ترجمۃ الباب کی آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے میں اتخذوا کو استحباب پر حمل کریں اور مقام ابراہیم سے مخصوص پتھر مراد لیں تو بظاہر ان دونوں روایات کا ترجمہ سے ربط باقی نہیں رہتا کیونکہ ان دونوں ہی روایات میں مقام ابراہیم کا کوئی تذکرہ نہیں، اِلّا یہ کہ یوں کہا جائے کہ بخاری نے پہلی روایت سے تو تحیۃ الطواف کے لئے مقام ابراہیم کی تخصیص پر استدلال کیا ہے اور دوسری و تیسری روایت سے فرائض اور دیگر نمازوں کیلئے مقام ابراہیم سے عدم تخصیص پر استدلال کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس توجیہ میں کس درجہ تکلف ہے

اور اگر امر کو وجوب پر حمل کریں اور مقام ابراہیم سے پورا بیت اللہ مراد لیں تو کوئی تکلف نہیں، ظاہر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی پھر باہر تشریف لا کر کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اور فرمایا ھٰذہ ھی القبلۃ یعنی مسلمانوں کا قبلۂ نماز، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر فرمودہ اور قائم کردہ خانہ کعبہ ہے، اس تقریر پر کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ قَالَ نَا إِسْرَائِيْلُ عَنْ أَبِيْ إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ اَنْ یُوَجَّہَ اِلَی الْکَعْبَۃِ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْہِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا فَتَوَجَّہَ نَحْوَ الْقِبْلَۃِ وَقَالَ السُّفَھَآءُ مِنَ النَّاسِ وَھُمُ الْیَھُوْدُ مَا وَلّٰھُمْ عَنْ قِبْلَتِھِمُ الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْھَا قُلْ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ فَصَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ مَا صَلّٰی فَمَرَّ عَلٰی قَوْمٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فِیْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ یُصَلُّوْنَ نَحْوَ بَیْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ ھُوَ یَشْھَدُ اَنَّہٗ صَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَّہٗ تَوَجَّہَ نَحْوَ الْکَعْبَۃِ فَتَحَرَّفَ الْقَوْمُ حَتّٰی تَوَجَّھُوْا نَحْوَ الْکَعْبَۃِ ۔

ترجمہ باب نمازی کہیں بھی ہو قبلہ کی طرف رُخ کرے حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے قبلہ کا استقبال کرو پھر تکبیر تحریمہ کہو، حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے یہ تھے کہ انہیں کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوجائے چنانچہ باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی قد نری تقلب وجهك الیٰ آخر الآیۃ یعنی ہم آپ کے چہرہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں پس ہم ضرور آپ کے لئے وہی قبلہ مقرر کردیں گے جو آپ چاہتے ہیں، اس حکم کے بعد آپ نے قبلہ کی طرف رُخ فرمالیا، اس پر بے عقل لوگوں نے جو یہود تھے یہ کہا کہ ان لوگوں کو کس چیز نے اس قبلہ سے بدل دیا جس کی طرف پہلے متوجہ تھے۔ آپ فرمادیجئے کہ مشرق اور مغرب اللہ کی ملکیت ہیں جس کو چاہتے ہیں سیدھا راستہ دکھادیتے ہیں، پھر ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رُوبہ قبلہ نماز پڑھی اور نماز کے بعد چلاگیا، پھر عصر کی نماز میں یہ شخص انصار کی ایک جماعت سے گذرا، یہ انصار اس وقت بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھ رہے تھے، چنانچہ اس شخص نے ان لوگوں کو اطلاع دی کہ وہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ اُس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز ادا کی ہے چنانچہ یہ خبر سنتے ہی سب لوگ نماز میں گھوم گئے اور انھوں نے اپنا رُخ کعبہ کی طرف کرلیا۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ استقبال قبلہ ضروری ہے حیث کان نمازی کہیں بھی ہو۔ سفر میں ہو یا حضر میں کعبہ کے پاس ہو یا دور، بیت اللہ کے اندر ہو یا باہر، ہر صورت میں نماز کیلئے قبلہ کا استقبال ضروری ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تکبیر کہنے سے پہلے سمت قبلہ صحیح کرلو۔ اگر کعبہ سامنے ہے تو استقبال عین کعبہ کا کرنا ہوگا، لیکن اگر کعبہ سامنے نہیں ہے تو عین کعبہ کا استقبال جمہور کے نزدیک تکلیف مالا یطاق ہے اس لئے دوری کی صورت میں قبلہ کا نہیں جہت قبلہ کا استقبال ضروری قرار دیا گیا ہے۔ نوافل میں گنجائش ہے، اگر کوئی سفر میں جارہا ہے اور دابّہ (سواری کے جانور) پر سوار ہے تو اس کو نفل میں اجازت ہے کہ جس طرف سواری کا رُخ ہو اسی سمت میں نفل پڑھتا چلا جائے، ابوداؤد کی روایت کے پیش نظر بعض

حضرات نے یہ شرط کی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رُخ قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط نہیں ، البتہ اگر زمین پر نماز پڑھے تو اطمینان کی حالت میں رُو بہ قبلہ ہونا ضروری ہے اور اگر غیر اطمینانی حالت ہے اور چلتے چلتے نماز ادا کرنے کی مجبوری ہے تو جس طرف بھی رُخ ہو اسی طرف نماز پڑھتا چلا جائے اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ستر عورت اور استقبالِ قبلہ دونوں چیزوں کو خاص ضرورتوں میں ساقط مان لیا گیا ہے مثلاً دابہ پر سوار ہے اور وہ سرکش ہے قبضہ میں نہیں ہے اور بوجہ ضعف یا خوفِ دشمن یا کسی اور وجہ سے دابہ سے اتر بھی نہیں سکتا یا اتر تو سکتا ہے لیکن بغیر سہارا دئے ہوئے سوار نہیں ہو سکتا اور سہارا دینے والا وہاں کوئی نہیں ہے یا مثلاً بارش کی کثرت ہے یا درندے کا خوف ہے تو ان صورتوں میں مصلّی مجبور ہے اور استقبالِ قبلہ اس سے ساقط ہے جس طرف بھی رُخ ہو اسی طرف نماز پڑھ لے ۔

تشریح حدیث یہ روایت کتاب الایمان میں باب الصلوٰۃ من الایمان کے تحت گذر چکی ہے ، اس روایت میں یہ آیا کہ حضرت بشر بن برار کا انتقال ہو گیا ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کیلئے بنو سعد میں تشریف لے گئے ، اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا ، وہیں ظہر کی نماز ادا کی ، دو رکعت ادا کرنے پائے تھے کہ قبلہ کا حکم بدل گیا اور بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کے استقبال کا حکم آگیا ، آپ نے نماز کے درمیان ہی میں رُخ بدل دیا ۔ معلوم ہوا کہ استقبالِ قبلہ اس قدر ضروری ہے کہ اگر مصلّی کو نماز کے دوران یہ معلوم ہو کہ وہ قبلہ سے منحرف ہے اور یہ انحراف اپنی تحرّی کی بنا پر ہو اور اثنا رِ صلوٰۃ میں مصلّی کا خیال بدل گیا یا کسی شخص نے اس کو صحیح سمتِ قبلہ کی اطلاع دیدی تو بقیہ نماز اسی حالت پر پوری کرنے کی اجازت نہیں بلکہ رُخ بدلنا ہوگا کیونکہ قبلہ کا استقبال ضروری ہے ، ابتدا میں بھی اور انتہا میں بھی چنانچہ اس واقعہ میں یہ ہوا کہ دو رکعتیں پڑھی جا چکی تھیں ، پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ قبلہ اب منسوخ ہو گیا ہے تو یہ نہیں کیا گیا کہ اس نماز کو ناتمام چھوڑ کر نئے سرے سے بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے اور یہ بھی نہیں ہوا کہ اس نماز کو بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کئے ہوئے پورا کر لیتے بلکہ استقبال قبلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسی وقت رُخ بدل دیا گیا حالانکہ اس تبدیلی میں یقیناً بہت زیادہ تکلف ہوا ہوگا ، اس طرح نماز کی حالت میں رُخ بدلنا خصوصاً امام کیلئے بہت دشوار ہے ، کیونکہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے میں رُخ شمال کی طرف تھا اور اب جنوب کی طرف متوجہ ہونا پڑا ، بہر حال تکلّف اور دشواری تو ضرور ہوئی لیکن قبلہ اسی حالت میں درست کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ استقبالِ قبلہ کی بڑی اہمیت ہے ، صورتِ حال کتنی بھی پریشان کن ہو اور مصلّی کہیں بھی ہو سمتِ قبلہ کا درست کرنا ضروری ہے ۔ واللہ اعلم

حدثنا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَا يَحْيٰى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ

تَوَجَّهَتْ بِهٖ فَاِذَا اَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ

ترجمہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کے اونٹ پر نماز پڑھتے تھے خواہ وہ سواری کسی بھی جانب آپ کو لے جارہی ہو لیکن جب آپ فرض کا ارادہ فرماتے تو سواری سے اتر جاتے اور قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے ۔

تشریح حدیث اس روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ استقبالِ قبلہ کے معاملہ میں نوافل میں گنجائش ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر خواہ وہ کسی طرف بھی جارہی ہو نمازیں پڑھ لیتے تھے، لیکن فرائض کیلئے آپ سواری سے اتر جاتے اور قبلہ رو ہو کر فرائض ادا فرماتے ۔گویا فرائض کا عمل تو سواری پر مجبوری کے بغیر درست ہی نہیں ،البتہ اگر کوئی اس طرح کی مجبوری ہو جس کی مثالیں حدیث سابق کے ذیل میں دی جاچکی ہیں تو فرائض میں بھی گنجائش دی گئی ہے ، علامہ عینی نے خلاصۃ الفتاویٰ سے نقل کیا ہے

"رہا فرض نماز کا سواری پر پڑھنا تو یہ بھی عذر میں جائز ہے اور بارش بھی عذر ہی ہے ،امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر سفر میں بارش ہو جائے اور نماز پڑھنے کیلئے خشک جگہ نہ ملے تو سواری کو روک کر رو بہ قبلہ ہو کر فرض ادا کرلے اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو بغیر استقبال قبلہ ہی نماز ادا کرے ،یہ اس صورت میں ہے جب اتنی کیچڑ ہو کہ منہ اس میں دھنس جائے اور اگر صرف زمین پر نمی اور تری ہی ہے تو زمین پر نماز پڑھنی چاہیئے اور یہ سب اس وقت ہے کہ سواری قابو میں نہ ہو اور اگر قابو میں ہو تو نفل یا فرض سواری پر پڑھنا درست نہیں " (عینی جلد دوم ص۳۰۹)

مفہوم یہ ہے کہ مجبوری میں تو الضرورات تبیح المحذورات کے اصول کے تحت نوافل ہی نہیں فرائض میں بھی گنجائش ہے ۔ واللہ اعلم

حدثنا عُثْمَانُ قَالَ نَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا اَدْرِيْ زَادَ اَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَلَمَّا اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ اِنَّهٗ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلٰوةِ شَيْءٌ لَنَبَّاْتُكُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ، ابراہیم راوی حدیث کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ سہواً نماز میں رکعت کی زیادتی ہوگئی تھی یا کمی ،پس آپ نے جب سلام پھیر دیا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے اس طرح نماز پڑھی ہے ،کیا نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم نازل ہوگیا ہے ؟

آپ نے فرمایا، نئی بات کیا ہوئی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے اس اس طرح نماز پڑھی ہے، یہ سن کر آپ نے اپنے دونوں پیروں کو موڑا، قبلہ کا استقبال کیا اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا، پھر چہرۂ مبارک سے ہماری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اگر نماز میں کوئی نئی بات پیش آئی ہوتی تو میں نے تمہیں آگاہ کردیا ہوتا لیکن میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں اور جس طرح تمہیں بھول ہوتی ہے مجھے بھی ہوتی ہے۔ پس اگر مجھے بھول ہوجائے تو (سبحان اللہ وغیرہ کہہ کر) یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہوجائے تو وہ غلبۂ ظن سے درست صورتِ حال کی تلاش کرے۔ پھر اس درست صورتِ حال پر اپنی سابق نماز کو پورا کرے پھر سلام پھیر دے پھر دو سجدے کرلے۔

تشریح حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، اور اس میں سہو ہوگیا، ابراہیم راوی حدیث کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال نہیں رہا کہ نماز میں زیادتی ہوئی تھی یا کمی، آگے انہی ابراہیم کی روایت دوسری سند سے آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں زیادتی ہوگئی تھی اور چار کے بجائے پانچ رکعتیں ہوگئی تھیں، گویا روایت بیان کرتے وقت ابراہیم کو ایک بار زیادتی کا یقین رہا اور دوسری بار شک ہوگیا، جب آپ نے سلام پھیردیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آگیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ کیا ہوا؟ عرض کیا گیا کہ آپ نے اتنی رکعت پڑھی ہیں؟ نماز میں صحابۂ کرام اس لئے خاموش رہے کہ شاید نماز میں کسی تبدیلی کا حکم آگیا ہے، نماز کے بعد جب صورتِ حال آپ سے عرض کی گئی تو آپ نے فوراً پیروں کو قبلہ کی طرف موڑ دیا اور سجدۂ سہو کرکے نماز کو پورا کیا، پھر نماز کے بعد فرمایا کہ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں، بشریت کے تقاضے اور عوارض میرے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں اور جس طرح نسیان تم لوگوں کو ہوتا ہے اسی طرح مجھے بھی ہوسکتا ہے، اسلئے اگر میں بھول جایا کروں تو یاد دلادیا کرو پھر آپ نے فرمایا کہ اگر نماز کے بارے میں کوئی نیا حکم آیا ہوتا تو میں نماز سے قبل ہی آگاہ کردیتا۔

آپ نے یہ فرما کر اس حقیقت پر تنبیہ کردیا کہ یہ سہو ونسیان اعمال کے معاملہ میں تو ممکن ہے لیکن تبلیغ کے معاملہ میں ایسا ناممکن ہے کیونکہ اس معاملہ میں ذمہ داری خداوند قدوس نے لے رکھی ہے لاتحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه ثم ان علينا بيانه کہ آپ قرآن کریم کو محفوظ رکھنے کی غرض سے زبان کو عجلت کے ساتھ حرکت نہ دیجئے بے شک اس کو جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارا کام ہے پھر یہ کہ اس کو بیان کرادینا بھی ہماری ذمہ داری ہے، بیان کرادینے کی ذمہ داری کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو اس کے بیان میں تاخیر ناممکن تھی پھر یہ کہ اعمال کے سلسلے میں جو سہو انبیاء علیہم السلام کو پیش آیا ہے وہ بھی دراصل باری تعالیٰ کی ایک حکمت بالغہ کے سبب ان پر طاری کیا جاتا ہے تاکہ عام مسلمانوں کو عملی طور پر مسائل سہو کی تعلیم دی جاسکے۔ واللہ اعلم

نماز میں سہو پیش آنے پر تحری اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو نماز کی رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہوجائے تو اس کو تحری کرلینی چاہیے، تحری کے معنی ہیں اَحری یعنی انسب کی تلاش، اگر تحری کے ذریعہ غلبۂ ظن سے کوئی بات راجح ہوجائے تو اسی پر آگے عمل کی بنا کرے۔ پھر اگر تحری کی وجہ سے رکن کی ادائیگی میں تاخیر ہوگئی تو سلام کے بعد سہو کے دو سجدے کرلئے جائیں، اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اس سلسلہ میں اختلاف صرف اَولیٰ وغیر اَولیٰ کا ہے اور یہ بحث آئندہ سجدۂ سہو کے ابواب میں آرہی ہے۔ نیز اس روایت سے معلوم ہوا کہ تحری جو شریعت غرّا میں ایک ثابت شدہ اصل ہے نماز میں سہو پیش آجانے کی صورت میں اس کا اعتبار ہے چنانچہ احناف نے اس پر عمل کیا ہے۔ احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر نمازی کو زندگی میں پہلی بار سہو ہوا ہے تو نماز کو از سرِ نو پڑھنا چاہیے اور اگر سہو پہلی بار نہیں ہے تو تحری کرنی چاہیے، اگر تحری سے کوئی جانب راجح ہوجائے تو آئندہ عمل کی بنا اسی غلبۂ ظن پر کرے، اور اگر دونوں جانب برابر ہیں تو جانب اقل پر عمل کرے، اس طرح حنفیہ نے اس سلسلے میں وارد شدہ تمام احادیث کو جمع کرلیا۔ لیکن حضرات شوافع کے یہاں اس باب میں تحری کا مسئلہ سرے سے نہیں ہے بلکہ ان کے یہاں تمام صورتوں میں اقل پر بنا کرنے ہی کو ضروری قرار دیا گیا ہے گویا ان حضرات نے نماز میں سہو پیش آجانے کی صورت میں تحری کی ثابت شدہ اصل کو بالکل ترک کردیا ہے۔

ترجمہ سے ربط نماز میں کلام کا مسئلہ امام بخاری کے پیش نظر یہاں بالکل نہیں ہے، یہ بحث آگے ذوالیدین کی حدیث کے تحت آرہی ہے بلکہ امام بخاری یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے صرف یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ نماز میں قبلہ کی رعایت نہایت ضروری ہے حتی کہ اگر کوئی شخص سہواً نماز سے خارج ہوکر غیر قبلہ کی طرف متوجہ ہوگیا ہو اور اس کو خیال آئے کہ اس نے سلام غلط پھیر دیا ہے تو اس صورت میں اگر کوئی مانع نہ ہو تو فوراً قبلہ کی طرف رُخ کرے اور نماز پوری کرلے اور اگر صرف سجدۂ سہو کرنا ہو تو چونکہ وہ بھی متمم صلوٰۃ ہے اسلئے اس کو بھی قبلہ رُو کرے اس سے استقبال قبلہ کی اہمیت اور ضرورت ثابت ہوگئی۔

باب مَاجَاءَ فِي الْقِبْلَةِ وَمَنْ لَمْ يَرَ الْاِعَادَةَ عَلٰى مَنْ سَهَا فَصَلّٰى اِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ وَقَدْ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَكْعَتَيِ الظُّهْرِ فَاَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهٖ ثُمَّ اَتَمَّ مَا بَقِيَ **حدثنا** عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّيْ فِيْ ثَلٰثٍ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اتَّخَذْنَا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَنَزَلَتْ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى وَاٰيَةُ الْحِجَابِ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَ نِسَاءَكَ اَنْ يَحْتَجِبْنَ فَاِنَّهٗ يُكَلِّمُهُنَّ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ الْحِجَابِ وَاجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ عَسٰى رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا

خَيْرًا مِنْكُنَّ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ. قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ وَقَالَ ابْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ قَالَ حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا بِهٰذَا **حدثنا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ اِذْ جَاءَهُمْ اٰتٍ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْاٰنٌ وَقَدْ اُمِرَ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا وَكَانَتْ وُجُوْهُهُمْ اِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوْا اِلَى الْكَعْبَةِ **حدثنا** مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ خَمْسًا فَقَالُوْا اَزِيْدَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ، قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَثَنٰى رِجْلَيْهِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ۔

ترجمہ، باب، ان چیزوں کا بیان جو قبلہ کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں اور اس شخص کے نقطۂ نظر کا بیان جو نماز کا اعادہ اس شخص پر واجب نہیں سمجھتا جس کو قبلہ کے بارے میں سہو ہوگیا اور اس نے غیر قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر آپ نے اپنا چہرہ لوگوں کی طرف کیا اور پھر باقی نماز کو پورا فرمایا **حضرت** انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین معاملات میں حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ میری رائے میرے پروردگار کے موافق رہی، ایک یہ کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ہم مقام ابراہیم کو قبلۂ نماز بنالیں تو بہتر ہو چنانچہ آیت پاک وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى نازل ہوئی. دوسرا واقعہ حجاب کی آیت ہے، کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم فرمادیں تو بہتر ہے اسلئے کہ ان سے گفتگو کرنے والوں میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی. چنانچہ آیتِ حجاب نازل ہوگئی تیسرا موقع یہ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، آپ کی خدمت میں رشک وغیرت کے جذبات کے ساتھ جمع ہوئیں تو میں نے ان سے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سب عورتوں کو طلاق دیدیں تو کچھ بعید نہیں کہ آپ کے پروردگار آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمادے، چنانچہ اسی مضمون کی آیت نازل ہوگئی - ابو عبداللہ بخاریؒ کہتے ہیں کہ سعید بن ابی مریم نے یہ روایت اس سند سے بیان کی ہے کہ ہمیں یحیی بن ابی ایوب نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہم سے حُمید نے حدیث بیان کی اور حُمید نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضؓ سے اسی طرح سنا ہے **حضرت** عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ اس حال میں کہ لوگ مسجد قبا میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ یکایک ایک آنے والا آیا اور اس نے اطلاع دی کہ رات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا ہے اور اس میں آپ کو قبلہ کے استقبال کا حکم دیدیا گیا ہے، چنانچہ ان سب لوگوں نے قبلہ کا استقبال کیا، اس وقت ان کا رُخ شام کی طرف تھا لیکن حکم سننے کے بعد وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے، **حضرت** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہو سے ظہر کی رکعتیں پانچ پڑھ لیں، صحابہ نے عرض کیا، کیا نماز میں زیادتی

ہوگئی ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کیوں ؟ کیا ہوا ؟ عرض کیا گیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں، چنانچہ یہ سنتے ہی آپ نے اپنے پیروں کو موڑا اور دو سجدے کئے ۔

مقصدِ ترجمہ | بابٌ مَاجاء فی القبلۃ عنوان ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غیر قبلہ کی طرف سہواً نماز پڑھ لی اور سہو کی بنیاد غفلت نہیں بلکہ بنیاد یہ تھی کہ قبلہ مشتبہ تھا اور غور و فکر کے باوجود سمتِ قبلہ کے تعین میں غلطی ہوگئی تو اطلاع کے بعد ایسے شخص کو نماز کے اعادے کی ضرورت نہیں ۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اگر غلطی معلوم ہو جائے تو ہر صورت میں نماز کو دوبارہ پڑھنا ضروری ہے ، امام مالک علیہ الرحمہ کے یہاں اگر یہ غلطی وقت کے اندر ہی معلوم ہو جائے تو نماز کا لوٹانا ضروری ہے ، وقت گذرنے کے بعد معلوم ہو تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ۔ امام بخاری رح نے اس مسئلہ میں احناف کی موافقت کی ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں

" اس ترجمہ کا مقصد بظاہر امام ابوحنیفہ رح کی موافقت کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر نمازی نے کسی اندھیری رات میں قبلہ کی تحری کے سلسلے میں غلطی کی اور غیر قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز درست ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں ، امام شافعی رح کا اس سلسلے میں دوسرا مسلک ہے ، امام بخاری کا استدلال سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اس طرح ہے کہ آپ نے چہرۂ مبارک نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف پھیر دیا اور قبلہ رُو نہ رہے ، لیکن اس کے باوجود آپ نے اسی پر نماز کی بنا کی اور نماز کو نہیں لوٹایا "

امام بخاریؒ نے بھی عنوان یہی قائم کیا ہے کہ اگر کسی نے سہواً غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہوگئی اعادے کی ضرورت نہیں، اس عنوان کا مقصد اور حاصل یہ ہے کہ تحری شرعاً معتبر ہے یعنی اگرچہ نماز میں قبلہ کا استقبال ابتدا سے ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں سمتِ قبلہ معلوم نہیں ہو سکتی ، نہ ہی ایسی کوئی علامت موجود ہے ، نہ کوئی ایسا شخص موجود ہے جس سے سمت معلوم ہو سکے اور نماز کا وقت آجائے تو امام بخاری کہتے ہیں کہ شریعت کا ضابطہ قبلہ و غیر قبلہ دونوں کے لئے ایک ہے کہ جس طرح شریعت کے اور تمام احکام میں مکلّف کی قوت و وسعت کا اعتبار ہے اسی طرح استقبالِ قبلہ اور سمتِ قبلہ کے تعیّن کے سلسلے میں بھی شریعت نے مکلّف کی قوت و وسعت کی رعایت سے تحرّی کا ضابطہ مقرر فرمایا ہے کیونکہ یہی آخری چارۂ کار ہے اور جب تحرّی کے بعد ایک جانب متعین ہوگئی تو غلطی واضح ہو جانے کے بعد بھی اعادے کی ضرورت نہیں کیونکہ متحرّی کے حق میں جہتِ تحرّی ہی قبلہ ہے ۔

روایت میں آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور قبلہ رُو نہ رہے ، پھر معلوم ہوا کہ دو رکعت رہ گئی ہیں تو آپؐ نے فوراً قبلہ رُو ہو کر نماز کو پورا کیا ، بخاریؒ نے مسئلہ نکال لیا کہ نماز کی حالت میں

آپ نے دوگانہ کو چار رکعت سمجھ کر سلام پھیر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ ظن واقعہ کے مطابق نہ تھا بلکہ سلام درمیان میں پھیر دیا گیا ہے۔ ظن کی غلطی واضح ہو جانے کے بعد بھی آپ نے نماز کا استیناف نہیں فرمایا بلکہ انہی دو رکعتوں پر نماز کی بنا کی۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ تحری میں بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان اشتباہ کی حالت میں قبلہ معین کرتا ہے اور نماز شروع کر دیتا ہے، نماز کے بعد اگر جہت کی غلطی واضح ہو تو اعادے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو پورا سمجھتے ہوئے سلام پھیرا تھا اور پھر نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

روایاتِ باب پہلی روایت میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی یعنی جو تین باتیں میرے دل میں آئیں انہیں کے مطابق حکم خداوندی نازل ہوا، یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادب کی رعایت کرتے ہوئے موافقت کی نسبت اپنی طرف کی ہے ورنہ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم اُن کی رائے کے موافق نازل ہوا ہے اسی طرح تین جگہ کا تذکرہ بھی حصر کے لئے نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی مواقع ہیں جیسے غزوۂ بدر کے قیدیوں، منافقین کی نماز جنازہ اور حرمتِ خمر وغیرہ کے بارے میں قرآن کریم نے حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق حکم دیا ہے۔ [1]

وہ تین مواقع یہ ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر ہم مقام ابراہیم کو نماز گاہ بنالیں تو بہتر ہے چنانچہ آیتِ پاک اسی طرح نازل ہو گئی، دوسرے حجاب کے واقعہ میں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ امہات المومنین کو پردہ کا حکم فرمادیں تو بہتر ہے اس لئے کہ ان سے مومن و منافق اور نیک و بد ہر طرح کا آدمی گفتگو کرتا ہے چنانچہ آیتِ حجاب نازل ہو گئی یٰایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔ اور تیسرا واقعہ یہ کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رشک وغیرت کے سبب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھا ہوئیں حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر ان سے کہا کہ ہوش کی بات کرو، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم سب کو طلاق دیدیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو حسن وجمال اور اطاعت و دینداری میں تم سے بہتر بیویاں دے سکتا ہے چنانچہ اسی مضمون کی آیت نازل ہو گئی، یہ پہلی روایت ہے۔

دوسری روایت میں آیا کہ لوگ صبح کی نماز مسجد قبا میں ادا کر رہے تھے کہ کسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوا ہے اور اس میں بیت اللہ کے استقبال کا حکم دے دیا گیا ہے چنانچہ ان لوگوں نے جو شام کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کر رہے تھے نماز ہی میں گھوم کر قبلہ کی طرف رُخ کر لیا۔
تیسری روایت وہی ہے جو ابھی باب سابق میں گذری ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سہواً

[1] قسطلانی میں موافقاتِ عمرؓ کی تعداد بائیس لکھی ہے، تاریخ الخلفاء میں سیوطیؒ نے بیس سے زائد شمار کرائے ہیں، علامہ سیوطیؒ کا اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے قطف الثمر فی موافقات عمرؓ۔ ۱۲

پانچ رکعت ادا فرمالیں، نماز کے بعد عرض کیا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ کا حکم نازل ہوگیا ہے، آپ نے فرمایا، کیوں؟ کیا ہوا؟ عرض کیا گیا کہ آپ نے پانچ رکعت ادا فرمائی ہیں، چنانچہ یہ بات سنتے ہی آپ نے پیر موڑ لئے اور سہو کے دو سجدے کئے۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس ترجمہ کے ذیل میں تین روایات نقل فرمائی ہیں، پہلی روایت کا تعلق ترجمہ کے پہلے جز ماجاء فی القبلۃ سے ہے کہ اتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مقام ابراہیم کو قبلۂ نماز بنائیں۔

دوسری اور تیسری روایت ترجمۃ الباب کے دوسرے جز یعنی من لم یر الاعادۃ علیٰ من سہا (سمتِ قبلہ میں سہو ہوجائے تو اعادے کی ضرورت نہیں) سے متعلق ہے، دوسری روایت سے اس جز کا ثبوت اس طرح ہو رہا ہے کہ استقبالِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد جن لوگوں کو فوراً اطلاع ہوگئی انھوں نے قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی لیکن جن لوگوں کے علم میں بات نہیں آئی انہوں نے بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھی، اس روایت میں قباوالوں کا تذکرہ ہے جن کے علم میں یہ بات تھی کہ خداوند قدوس نے تحویلِ قبلہ کا وعدہ فرمایا ہے لیکن ظہر کی نماز میں نازل شدہ تحویل قبلہ کا حکم، ان لوگوں کے علم میں دوسرے دن فجر کی نماز میں آیا، مطلع ہوتے ہی ان لوگوں نے قبلہ کی طرف رُخ کرلیا، اس موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابۂ کرام سے یہ نہیں فرمایا کہ وہ نمازوں کا اعادہ کریں اور نہ ان حضرات ہی کو خیال پیدا ہوا کہ بیت اللہ کے استقبال کا حکم نازل ہونے کے بعد، بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے پڑھی گئی نمازوں کے بارے میں استفسار کرلیں بلکہ ان کی نمازوں کو درست قرار دیا گیا۔ امام بخاریؒ نے مسئلہ نکال لیا کہ چونکہ ان کا عمل ان کے یقین کے مطابق درست تھا اس لئے انہوں نے جو نمازیں پڑھیں انہیں درست قرار دیا گیا، اعادہ نہیں کرایا گیا۔ تحری میں بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان غور وفکر کے بعد ایک سمت کو قبلہ قرار دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے جیسا کہ اہلِ قبا نے اپنے یقین کے مطابق بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نمازیں ادا کیں اور کوئی سوال اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا۔

تیسری روایت سے اس جز کا ثبوت اس طرح ہو رہا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے نماز میں اپنے ظن کے مطابق عمل کیا جو خلافِ واقعہ تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے توجہ دلائی تو آپ نے اپنے ظن کے مطابق خلافِ واقعہ کئے ہوئے عمل کو فسادِ صلوٰۃ کا موجب نہیں قرار دیا بلکہ اسی وقت سہو کے دو سجدے کئے، معلوم ہوا کہ ظن اگر واقعہ کے خلاف بھی ہو تو فسادِ صلوٰۃ کا موجب نہیں، امام بخاری کے استدلال کیلئے اتنا بھی کافی ہے۔

یہ دوسری اور تیسری روایت ترجمے کے پہلے جز ماجاء فی القبلۃ سے بھی مربوط ہوسکتی ہے، دوسری روایت سے استدلال کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس میں آپ کو قبلہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم ہوا ہے اور تیسری روایت سے استدلال کا

طریقہ یہ ہے کہ استقبال قبلہ اتنی اہم چیز ہے کہ سجدۂ سہو کے لئے بھی اس کا وجوب ثابت ہے واللہ اعلم

بَابُ حَكِّ الْبُزَاقِ بِالْيَدِ مِنَ الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ نَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُءِيَ فِي وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهٖ فَاِنَّهٗ يُنَاجِي رَبَّهٗ اَوْ اِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى بُصَاقًا فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ فَحَكَّهٗ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ يُصَلِّي فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ قِبَلَ وَجْهِهٖ اِذَا صَلّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي جِدَارِ الْقِبْلَةِ مُخَاطًا اَوْ بُصَاقًا اَوْ نُخَامَةً فَحَكَّهٗ ۔

ترجمہ، باب، مسجد میں تھوک پڑا ہو تو اس کو اپنے آپ کھرچ کر پھینک دینا چاہیئے حضرت انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی سمت والی دیوار پر دیکھا کہ کھنکار (سینے سے نکلا ہوا بلغم) لگی ہوئی ہے، چنانچہ آپ کو یہ بات بہت گراں گذری حتی کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر اس کے آثار نظر آنے لگے، چنانچہ آپ کھڑے ہوئے اور خود اس کو کھرچ ڈالا، پھر فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی شخص جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ بے شک اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے یا یہ فرمایا کہ بے شک اس کا پروردگار اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے اسلئے کوئی شخص اپنے قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکے لیکن اپنی بائیں جانب یا اپنے پیروں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی چادر کا ایک گوشہ لیا اور اس میں تھوک ڈال کر دکھایا پھر اس کے ایک حصّہ کو دوسرے حصے سے رگڑ دیا اور فرمایا کہ اس طرح بھی کر سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی سمت والی دیوار پر تھوک دیکھا تو اس کو کھرچ ڈالا پھر لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اپنے سامنے کی جانب نہ تھوکے اس لئے کہ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے منھ کے سامنے ہوتا ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار قبلہ پر ناک کی رطوبت یا تھوک یا کھنکار کو دیکھا تو آپ نے اس کو کھرچ دیا۔

ربط ابواب اور مقصد ترجمہ امام بخاری علیہ الرحمہ قبلہ کے احکام ذکر کر رہے تھے، ان سے فراغت کے بعد اب مسجدوں کے احکام بیان کر رہے ہیں، قبلہ اور مسجد کے درمیان جو مناسبت

ہے وہ محتاج بیان نہیں کیونکہ مسجد میں قبلہ کی سمت متعین ہوتی ہے، ہر خاص و عام کو یہاں استقبال قبلہ کی سہولت حاصل رہتی ہے اور مسجد میں داخل ہونے والا ہر انسان بہ آسانی قبلہ کی سمت پہچان لیتا ہے بس اسی مناسبت سے امام بخاری نے مسجد کے احکام، ابواب قبلہ کے ساتھ شامل کر دیئے کہ مسجد کی کیا شان ہے، اس کے کیا آداب ہیں اور داخل ہونے والے کو کیا کیا چیزیں ملحوظ رکھنی چاہئیں وغیرہ، بس اسی طرح کی باتیں ان ابواب میں ذکر کی جائیں گی۔ ۵

اس سلسلے میں سب سے پہلے حك البزاق باليد من المسجد لا رہے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ مسجد خانۂ خدا ہے اس لحاظ سے اس کا احترام ضروری ہے چنانچہ مسجد میں اگر کوئی گھناؤنی چیز پڑی ہو، تھوک ہو یا ناک کی رطوبت یا کوئی اور چیز ہو تو جس کی بھی نظر پڑ جائے اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ اس چیز کو مسجد سے صاف کر دے، یہ درست نہ ہوگا کہ خادم یا مؤذن کی آمد کا انتظار کرے، مسجد میں داخل ہونے والے کی یہ شان ہونی چاہیئے کہ وہ مسجد کو خود صاف کر دے، مسجد کے احترام کا تقاضا بھی یہی ہے، خصوصًا اس مسجد کے نمازیوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ مسجد کو گھناؤنی چیزوں سے پاک رکھیں۔

ترجمہ میں حك البزاق کے ساتھ باليد کا لفظ اسی مفہوم کو واضح کرنے کیلئے ہے باليد کا مفہوم ہے بيده نفسه یعنی اپنے آپ، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس گھناؤنی چیز کو ہاتھ سے صاف کرے اسکے لئے کسی آلہ کا استعمال نہ کرے، اگر بعض حضرات نے آنے والے باب حك المخاط بالحصى کی رعایت سے جس میں بالحصى کی تصریح ہے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ یہاں باليد، بالحصى کے مقابل ہے، گویا ان حضرات کے نزدیک ایک باب میں یہ تبلانا مقصود ہے کہ گھناؤنی چیز کو حصى یا کسی آلہ کی مدد سے چھیل دے اور اس باب میں یہ تبلانا مقصود ہے کہ کسی آلہ کے بغیر ہاتھ سے دور کرے، لیکن یہ خیال سرسری اور سطحی ہے، بخاری کا یہ مقصد نہیں، بخاری تو مسجد میں آنے والے ہر شخص پر یہ ذمہ داری ڈال رہے ہیں کہ جب آنے والے نے یہ دیکھ لیا کہ دیوار یا مسجد کے فرش پر کھنکار پڑی ہوئی ہے تو یہ اس کا مستقل فریضہ ہو جاتا ہے کہ اس کو ایک لمحہ کیلئے بھی پڑا نہ رہنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو اس کو صاف کرنے کی کوشش کرے، رہا یہ کہ ترجمہ میں باليد اور بالحصى کے الفاظ کے ذریعہ فرق کرنے کی کیا وجہ ہے تو یہ روایاتِ باب کے الفاظ کے اتباع میں ہے، اور امام بخاری کا یہ طریق کار صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہے

تشریح احادیث | روایت میں آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قبلہ کی دیوار پر کھنکار پڑی ہوئی

---

۵ علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ یہاں سے باب سترة الامام تک پچپن ابواب ہیں جن میں مسجدوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں اس لئے ان ابواب کے درمیان خصوصی ربط بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ۱۲

ہے۔ کھنکار میں غلظت اور لزوجیت زیادہ ہوتی ہے اور یہ بات جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر تنفر بھی زائد ہوگا،
چنانچہ آپ کو یہ دیکھ کر اس قدر ناگواری ہوئی کہ چہرۂ مبارک سے اثر ظاہر ہونے لگا اور آپ اس تکلیف کو
برداشت نہ کر سکے، فوراً کھڑے ہوئے اور اس کو کھرچ ڈالا فقام فحکہٗ میں فا، تعقیب مع الوصل کے
لئے ہے، دوسری روایت میں تصریح ہے کہ آپ نے اس کو کسی نوکدار چیز سے کھرچا، اس لئے اس روایت میں
بھی بیدہ کے معنیٰ واضح اور متعین ہو گئے کہ اپنے آپ صاف کرے، یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنے ہاتھ سے
صاف کرے، کسی آلہ کو استعمال نہ کرے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی حیثیت مناجات
کرنے والے کی ہوتی ہے، گویا وہ نماز میں باری تعالیٰ سے سرگوشی اور عرض معروض کے لئے کھڑا ہے اور اس وقت اس
کے پروردگار کی توجہ اس کے اور قبلہ کے درمیان ہے کیونکہ نمازی نے خداوند قدوس کی عبادت کیلئے اس وقت
اسی سمت میں رُخ کیا ہے ورنہ ذات خداوندی کسی مخصوص جہت کی قید سے منزہ اور پاک ہے، ایسی صورت
میں قبلہ کی سمت میں تھوکنا خواہ وہ لعاب دہن ہو یا بلغم اور کھنکار ہو انتہائی ناگوار امر ہے، کیونکہ یہ سب ہی
چیزیں قابل نفرت ہیں، نمازی کی طرف سے مناجات اور پروردگار عالم کی طرف سے نمازی اور قبلہ کے درمیان
توجہ کے دوران یہ عمل ایک طرح کی بے اعتنائی اور اعراض کا معاملہ ہے کہ تھوکنے سے زیادہ اور کیا بے توجہی
ہوگی اس لئے آپ نے متنبہ فرمایا کہ آئندہ یہ عمل ہرگز نہ کیا جائے[1]

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایسی صورت میں تھوکنے کی مجبوری ہی پیش آجائے تو بائیں طرف تھوک سکتے ہیں
اور اگر بائیں طرف بھی نمازی موجود ہے تو اپنے قدم کے نیچے تھوک سکتے ہیں اور اگر اس کا بھی موقع نہ ہو تو کپڑے میں
لیکر مل دینا چاہیئے لیکن سمت قبلہ میں تھوک کر اعراض اور بے توجہی کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیئے۔

روایات میں تعدد الفاظ کی وجہ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی پہلی روایت میں صرف نُخَامَۃٌ کا لفظ ہے یعنی
کھنکار، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی دوسری روایت میں بُصَاق کا لفظ
ہے یعنی تھوک اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی تیسری روایت میں شک کے طور پر مخاط، بصاق اور نخامہ یعنی
تینوں لفظ استعمال کئے گئے ہیں یعنی ناک کی رطوبت، تھوک اور کھنکار، امام بخاری ان تینوں روایتوں کو لاکر یہ
بتانا چاہتے ہیں کہ منھ کا تھوک ہو یا ناک کی رطوبت یا سینہ کا بلغم، تینوں چیزیں گھناؤنی ہیں اور مسجد کے معاملہ

---

[1] سمت قبلہ میں تھوکنے کی ممانعت کی وجہ اس روایت میں تو یہی احترام قبلہ اور پروردگار عالم کی اس سمت میں
خاص تجلی ہی ہے مگر دوسری روایات میں مسجد کا احترام، نماز کا احترام، کاتب حسنات کا احترام، داہنی سمت کا
احترام اور نمازیوں کو ایذار سے بچانا وغیرہ بھی مذکور ہیں - ۱۲

میں ان کا حکم یکساں ہے ، یہ چیزیں مسجد کے فرش پر نظر آئیں یا دیوار قبلہ پر، تر ہوں یا خشک ، احترام مسجد کی رعایت سے ضروری ہوگا کہ ان کو مسجد سے فوراً کھرچ دیا جائے اور یہ ہر دیکھنے والے کی ذمہ داری ہے ۔

بَابُ حَكِّ المُخَاطِ بِالْحَصٰى مِنَ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنْ وَطِئْتَ عَلٰى قَذَرٍ رَطْبٍ فَاغْسِلْهُ وَاِنْ كَانَ يَابِسًا فَلَا حدثنا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ نَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ اَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَبَا سَعِيْدٍ حَدَّثَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى نُخَامَةً فِيْ جِدَارِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ حَصَاةً فَحَتَّهَا فَقَالَ اِذَا تَنَخَّمَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى ۔

ترجمہ، باب ، مسجد میں ناک کی رطوبت پڑی ہو تو اس کو کنکری سے کھرچ کر پھینکنے کا بیان ، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تمہارا پیر کسی تر گندگی پر پڑجائے تو اس کو دھو ڈالو اور اگر خشک گندگی پر پڑے تو دھونے کی ضرورت نہیں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر کھنکار کو دیکھا تو آپ نے ایک کنکری لی اور اس کو کھرچ ڈالا اور فرمایا کہ کسی شخص کو کھنکار میں بلغم آئے تو وہ سامنے کی جانب بلغم نہ ڈالے ، نہ داہنی جانب ڈالے بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوکے ۔

مقصد ترجمہ عنوان ہے کنکری کے ذریعہ مسجد میں پڑی ہوئی رطوبت کو صاف کرنا ، اسی بنیاد پر بعض شارحین کو خیال ہوا کہ پچھلے باب میں بالید کا لفظ تھا اور مقصد تھا ہاتھ سے رطوبت کو صاف کرنا اور یہاں بالحصیٰ کا لفظ ہے اس لئے مقصد ہوگا کنکر، سنگریزے یا کسی بھی آلہ سے رطوبتوں کو صاف کرنا ، لیکن باب سابق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ سرسری خیال ہے ، امام بخاری کا یہ مقصد نہیں ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی رائے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس عنوان سے امام بخاری کا مقصد ان حضرات کی تردید ہے جنھوں نے حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے ناک کی رطوبت کو نجس اور ناپاک قرار دیا ہے ، ان حضرات کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بذات خود اس کام کو انجام دینا صرف مسجد کی نظافت کے پیش نظر نہ تھا بلکہ آپ مسجد کو نجاست سے پاک کرنا چاہتے تھے ، ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے پیش نظر ان حضرات کی تردید ہی ہو کیونکہ امام بخاری نے اپنے تراجم میں عام طور پر ان چیزوں کو ملحوظ رکھا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد بھی شاید اسی لئے نقل کیا ہو کہ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ مقصد ترجمہ کے سلسلے میں عمدہ توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ امام بخاری کے پاس اگر ایک حدیث متعدد سندوں سے ہوتی ہے تو وہ ان تمام سندوں کو ایک جگہ ذکر نہیں کرتے بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ ہر روایت کو مستقل عنوان کے تحت ذکر کرتے ہیں اور الفاظ حدیث کی رعایت سے عنوان اور ترجمہ میں

تنوع پیدا کردیتے ہیں اور اصل مقصد اس حدیث کی مختلف سندوں کا ذکر کر دینا ہوتا ہے، اس رائے کو حضرت علامہ کشمیری علیہ الرحمہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق یہاں امام بخاریؒ کے پیش نظر اس روایت کی دوسری سند کا بیان کر دینا ہے اور اس کیلئے انھوں نے مستقل ایک ترجمہ منعقد کیا جس کا عنوان ہے کہ مسجد میں کسی گھناؤنی چیز کو پڑا نہ رہنے دیا جائے بلکہ اس کو فوراً صاف کیا جائے البتہ اس باب میں اس کی ایک مخصوص صورت کا تذکرہ ہو گیا کہ اگر اس گھناؤنی چیز کو مسجد سے دور کرنے میں کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت ہو تو اس کا اختیار ہے خواہ کسی نوکدار چیز سے ازالہ کیا جائے یا دھونے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس کا اثر حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اگر تمہارا پیر کسی تر گندگی پر پڑے تو اس کو دھوڈالو اور اگر گندگی خشک ہے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امام بخاریؒ اس ارشاد کو اس باب کے تحت نقل کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ علامہ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری یہ اثر نقل کر کے ادھر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس نہی میں اہم ترین علت احترام قبلہ ہے محض تھوک وغیرہ کا قابلِ نفرت ہونا نہیں، علامہؒ کی رائے میں اگرچہ ان چیزوں کا قابلِ نفرت ہونا بھی ایک سبب ہے لیکن قبلہ کے احترام کی بات اس سے زیادہ اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ مسجد کے سلسلے میں تر اور خشک کا فرق نہیں کیا گیا حالانکہ جن چیزوں میں نہی کی علت محض ان کا قابلِ نفرت ہونا ہے وہاں یہ فرق کیا جا سکتا ہے کہ خشک پر پیر پڑے تو کوئی مضایقہ نہیں اور تر پر پیر پڑے تو اس کو دھونا چاہیئے، گویا حضرت ابن عباس کے اثر میں تر اور خشک کا یہ فرق اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ معاملہ مسجد کا نہیں ہے، مسجد کے معاملہ میں تر اور خشک کا فرق نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ گندی چیز تر ہو یا خشک اس کو مسجد سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے گا، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی یہی مناسبت ذکر فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجر کی یہ بات بہت دُور کی ہے مگر علامہ عینیؒ نے حسب عادت اس پر گرفت فرمائی اور کہا کہ نہی میں اہم علت احترام قبلہ کے ساتھ حصول اذیٰ ہی ہے اسلئے کہ حضرت ابو سہلہ کی روایت میں اِنَّكَ اٰذَيْتَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ کی تصریح ہے اور اس اعتراض کو مدلل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ابن عباسؓ کے اثر کی مناسبت یہ بھی تو ہوسکتی ہے کہ ترجمہ میں بھی حَكِّ الْمُخَاطِ بِالْحَصٰى ہے اور روایت میں بھی اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ناک کی یہ رطوبت خشک تھی اسلئے کہ اگر رطوبت تر ہو تو کنکری وغیرہ سے ازالہ کی صورت میں وہ اور پھیل جائے گی اسلئے ابن عباس کا یہ اثر در اصل خشک اور تر کے حکم میں فرق واضح کرنے کیلئے لایا گیا ہے اگرچہ روایت میں بہ ظاہر اس کی صراحت نہیں ہے، علامہ عینیؒ کی ذکر کردہ مناسبت قریب کی ہے اور آسان بھی ہے۔

روایت باب | روایت پر بحث گذر چکی ہے، ترجمہ بھی ثابت ہے کیونکہ روایت میں یہ آیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سنگریزہ لیا اور اس سے رطوبت کو کھرچ کر صاف فرمادیا معلوم ہوا کہ مسجد کی صفائی کیلئے اگر کسی آلہ کی ضرورت پڑے تو اسکے استعمال میں مضایقہ نہیں، کیونکہ مقصد تو مسجد کو ہر طرح کی گھناؤنی چیزوں سے صاف کرنا ہے واللہ اعلم

باب لَا يَبْصُقُ عَنْ يَمِيْنِهِ فِى الصَّلَاةِ **حدثنا** يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَبَا سَعِيْدٍ اَخْبَرَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى نُخَامَةً فِى حَائِطِ الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَاةً فَحَتَّهَا ثُمَّ قَالَ اِذَا تَنَخَّمَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَخَّمْ قِبَلَ وَجْهِهٖ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى **حدثنا** حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِىْ قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتْفُلَنَّ اَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرٰى.

ترجمہ، باب، نماز میں اپنی داہنی جانب نہیں تھوکنا چاہیئے **حضرت** ابوہریرہؓ اور **حضرت** ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی دیوار پر کھنکار کو دیکھا تو آپ نے ایک کنکری لی اور اس کو کھرچ دیا، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب کھنکار کو تھوکے تو اس کو اپنے سامنے کی جانب میں یا داہنی طرف نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں جانب یا پیر کے نیچے تھوکنا چاہیئے **حضرت** انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے سامنے یا اپنی داہنی جانب نہ تھوکے بلکہ اس کو اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوکنا چاہیئے۔

مقصد ترجمہ | مقصد یہ ہے کہ نماز کی حالت میں اگر مجبورًا تھوکنے کی ضرورت ہو تو داہنی جانب میں تھوکنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے کہ اس طرف تھوکنے میں حسنات لکھنے والے فرشتے کی توہین ہے جو امیر بھی ہے، ہاں بائیں طرف اور قدم کے نیچے تھوکنے کی اجازت ہے، امام بخاری نے ترجمہ میں ــــــ فی الصلوٰۃ ــــ کی قید لگائی ہے، یہ اشارہ ہے کہ خارج صلوٰۃ میں داہنی طرف تھوکنے میں مضایقہ نہیں ہے

اشارے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ متعدد اسلاف نے اس کی ممانعت کی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے نماز کی حالت کے علاوہ بھی داہنی طرف تھوکنے کو مکروہ قرار دیا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا کہ میں نے اسلام قبول کر لے کے بعد کبھی داہنی جانب نہیں تھوکا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے صاحبزادے کو داہنی طرف تھوکنے سے مطلقاً منع فرمایا، چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے وضاحت کردی کہ مسجد سے باہر ہو یا مسجد میں، نماز میں ہو یا خارج صلوٰۃ ہو داہنی طرف تھوکنا بالکل ممنوع ہے، ان

حضرات کی دلیل غالباً فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَکًا ہے کہ داہنی طرف تھوکنے سے اس فرشتے کی توہین لازم آتی ہے جو کاتب حسنات ہے، "اِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ مَلَکًا" کے الفاظ تو خود بخاری کی روایت میں ہیں اور مسند ابن ابی شیبہ میں یہ روایت فَاِنَّ عَنْ یَمِیْنِهٖ کَاتِبَ الْحَسَنَاتِ کے الفاظ میں منقول ہے۔

مگر امام بخاری ترجمہ میں فی الصَّلٰوۃ کی قید بڑھا کر تبلانا چاہتے ہیں کہ نماز کی حالت میں تو اس سمت میں تھوکنے کی اجازت نہیں لیکن خارج صلوٰۃ میں مضایقہ نہیں ہے، امام مالک سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ نماز سے باہر داہنی سمت میں تھوکنے میں مضایقہ نہیں ہے، قاضی عیاض نے تو یہاں تک صراحت فرمادی ہے کہ نماز میں داہنی طرف تھوکنے کی ممانعت بھی اس وقت ہے جبکہ کوئی دوسری صورت ممکن ہو اور اگر مجبوری ہو تو اس کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ تھوکنے کے وقت ازالہ کی بھی نیت کرلی گئی ہو۔

ترجمہ کا ثبوت روایات تو گذر چکی ہیں، بس یہاں اتنی بات قابل لحاظ ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ میں فی الصَّلٰوۃ کی قید ذکر کی ہے جبکہ روایات باب میں یہ قید نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی بعض سندوں میں خود امام بخاری کے یہاں اِذَا قَامَ فِیْ صَلٰوتِهٖ اور اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ یُصَلِّیْ گذر چکا ہے اور دوسرے باب کی روایت میں بھی یہ قید آرہی ہے۔ اس لئے امام بخاری نے ترجمہ میں اس کی صراحت کردی اور یہ امام بخاری علیہ الرحمہ کی عادت ہے۔

بَابٌ یَبْصُقُ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرٰی حدثنا اٰدَمُ قَالَ ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ نَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا کَانَ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلَا یَبْزُقَنَّ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ حدثنا عَلِیٌّ قَالَ نَا سُفْیَانُ قَالَ نَا الزُّهْرِیُّ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبْصَرَ نُخَامَةً فِیْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَحَکَّهَا بِحَصَاةٍ ثُمَّ نَهٰی اَنْ یَبْزُقَ الرَّجُلُ بَیْنَ یَدَیْهِ اَوْ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰکِنْ عَنْ یَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْیُسْرٰی، وَعَنِ الزُّهْرِیِّ سَمِعَ حُمَیْدًا عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ نَحْوَهٗ

ترجمہ، باب، اپنی بائیں جانب یا اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوکنا چاہیئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کی حالت میں ہے اس لئے اس کو اپنے سامنے یا اپنی داہنی جانب نہیں تھوکنا چاہیئے لیکن اپنی بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکنا چاہیئے۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قبلہ کی سمت میں کھنکار کو دیکھا تو اس کو ایک کنکری سے کھرچ دیا پھر آپ نے سامنے کی سمت میں یا داہنی طرف تھوکنے سے منع فرمایا اور بائیں جانب یا بائیں پیر کے نیچے تھوکنے کی اجازت دی، دوسری روایت میں زہری نے حمید بن

عبدالرحمن سے سماع کی تصریح بھی کی ہے ۔

مقصد ترجمہ مقصد واضح ہے کہ نمازی کو بائیں جانب یا بائیں قدم کے نیچے تھوکنے کی اجازت ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ اجازت عام نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں وارد تمام روایات پر نظر ڈالنے کے بعد یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ مسجد میں یا نماز میں تھوکنے میں توسع نہیں اور یہ بات تقریبًا تمام ہی علماء کے نزدیک طے شدہ ہے کہ اضطرار اور انتہائی مجبوری میں بائیں جانب یا بائیں قدم کے نیچے اجازت دی گئی ہے اور اس میں بھی تمام روایات کو جمع کیا جائے تو یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے کہ پہلے تو روکنے کی کوشش کرے ، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اگر بائیں جانب کوئی نہیں ہے تو ادھر تھوکنا چاہیئے اور اگر یہ سمت خالی نہ ہو تو بائیں پیر کے نیچے بشرطیکہ نیچے فرش وغیرہ نہ ہو اور اگر فرش ہو تو حاشیہ شیخ الاسلام میں ہے کہ پھر کپڑے ہی میں تھوکنے کی صورت متعین ہو جاتی ہے اور اگر کپڑا بھی موجود نہیں ہے تو علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں نگل لینا ہی ، امر ممنوع کے ارتکاب سے اولیٰ معلوم ہوتا ہے

روایاتِ باب روایتیں گذر چکی ہیں ، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ امام بخاری نے پچھلے ترجمہ میں فی الصّلاۃ کی قید ذکر کی ہے اور وہاں روایت میں اس قید کا ذکر نہیں تھا ، اس باب میں ترجمہ عام ہے جبکہ روایت میں انّ المومن اذا کان فی الصّلاۃ کی قید ہے ، اس لئے یہ بدگمانی دور ہو جانی چاہیئے کہ امام بخاری خواہ مخواہ قیدیں بڑھا رہے ہیں ۔

دوسری روایت میں یہ وضاحت آ گئی کہ مسجد میں یہ عمل انتہائی مجبوری کی صورت میں کیا جا سکتا ہے ، اب پہلی روایت میں نماز اور دوسری روایت میں مسجد کی صراحت سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ان مواقع پر تھوکنے کا عمل ناگوار ہے اور اگر بالکل اضطرار کی صورت پیدا ہو جائے تو چند چیزوں کی رعایت کے ساتھ اس کی گنجائش ہے ورنہ نہیں ، دوسری روایت کے آخر میں ایک سند نقل کر کے امام بخاری نے یہ بھی وضاحت فرما دی کہ روایت اگرچہ معنعن ہے لیکن زہری کا سماع حمید بن عبدالرحمن سے ثابت ہے ۔

ترجمہ میں بصاق ، اور دوسری روایت میں نخامہ کے تذکرے سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تھوک بلغم ، کھنکار اور ناک کی رطوبت وغیرہ تمام ہی ناگوار اور ناپسندیدہ چیزوں کا مسجد کے بارے میں ایک ہی حکم ہے ۔

باب كَفَّارَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ **حدثنا** آدَمُ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ نَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا ۔

باب مسجد میں تھوکنے کے کفارے کا بیان **حضرت** انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس گناہ کا کفارہ اس کو دفن کر دینا ہے ۔

مقصدِ ترجمہ مسجد میں ضرورت اور شدید مجبوری کے بغیر تو تھوکنا جائز ہی نہیں لیکن اگر اضطرار کی صورت میں اس کی نوبت ہی آجائے تو اس کا تدارک اور کفارہ کیا ہوگا ؟ اضطرار کی صورت مثلاً یہ ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے ، اب اگر تھوک کو منھ میں جمع کرتا ہے تو قرارت میں دشواری ہوگی اور ہر شخص کی طبیعت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ تھوک کو جمع کرتا رہے ، بسا اوقات طبیعت خود تھوک کو پھینکتی ہے ، ایسی حالت میں کئی صورتیں ممکن ہیں کہ مسجد سے باہر جائے اور تھوک کر واپس آئے اور نماز شروع کر دے یا ممکن ہو تو مسجد میں کھڑے کھڑے باہر پھینک دے لیکن مجمع زیادہ ہو اور سامنے کی جانب کوئی کھڑکی وغیرہ نہ ہو تو اب اضطرار کی صورت پیدا ہوگئی اور متعین ہوگیا کہ یا تو بائیں قدم کے نیچے تھوکے یا کپڑے میں لیکر مل دے ، پچھلے ابواب میں حاشیۂ شیخ الاسلام سے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ کپڑے میں لیکر مل دینا سب سے اہون ہے

حدیث بتلاتی ہے کہ تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو دفن کر دیا جائے یعنی اگر زمین ریتیلی یا کچی ہے تو تھوک کر زمین کے اندر دبا دیا جائے اور اگر مسجد کا فرش پختہ ہو تو اٹھا کر پھینک دینا چاہیئے ۔

مقصدِ ترجمہ کی تعیین کے سلسلے میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ امام بخاری باب سابق لیبصق عن یسارہ او تحت قدمہ الیسریٰ اور اس باب کفارۃ البزاق فی المسجد کے ذریعہ ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ اور دونوں مسلک کے مستدلات بیان کر دینا چاہتے ہیں ، اختلاف یہ ہے کہ ان روایات میں تھوکنے کی اجازت یا ممانعت کا یہ مسئلہ احکام صلوٰۃ سے متعلق ہے یا احکام مسجد سے ، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ روایات کے الفاظ میں دو جگہ عموم ہے اور دونوں میں تعارض ہے ایک جگہ ارشاد ہے البزاق فی المسجد خطیئۃ ، اور دوسری جگہ ارشاد ہے لیبصق عن یسارہ او تحت قدمہ ، اگر پہلی روایت کو عام رکھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ تھوکنا ہر حال میں گناہ ہے دفن کی نیت ہو یا نہ ہو اور اگر تھوک ہی دیا اور بہ مجبوری یہ گناہ ہوگیا تو اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے ، یہ نووی کی رائے ہے ۔ اور اگر دوسری روایت کو عام رکھا جائے تو مفہوم یہ ہوگا کہ تھوکنا اس وقت گناہ ہے جب نیت اس کو دفن کرنے کی نہ ہو ، دفن کرنے کی نیت ہو تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنے میں مضایقہ نہیں ، یہ قاضی عیاض کا قول ہے ، حافظ ابن حجرؒ قاضی عیاض کے خیال کی تائید میں ہیں اور اس سلسلے میں متعدد روایات سے استدلال کر رہے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ "اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ اس موضوع سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ایسے عام ارشادات ہیں جن میں بظاہر تعارض ہے ، ایک ارشاد ہے البزاق فی المسجد خطیئۃ کہ مسجد میں تھوک ڈالنا گناہ ہے اور دوسرا ارشاد ہے کہ ضرورت ہو تو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنا جائز ہے ، ان دونوں عام ارشادات میں نوویؒ نے پہلے کو عام قرار دیتے ہوئے دوسرے میں تخصیص کی ہے کہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنے کی اجازت مسجد میں نہ ہونے کی صورت میں ہے ، جبکہ

قاضی عیاض نے ان دونوں ارشادات میں سے دوسرے کو عموم پر باقی رکھتے ہوئے پہلے ارشاد میں یہ تخصیص کی کہ اگر تھوکنے کے بعد زمین میں دفن کرنے کا ارادہ نہ ہو تو مسجد میں تھوکنا گناہ ہے ''

یہ اختلاف واضح کرنے کے بعد حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ متعدد علماء نے قاضی عیاض کی تائید کی ہے پھر کئی روایتیں ذکر کی ہیں جن سے قاضی عیاض کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف علامہ عینیؒ نوویؒ کی تائید میں ہیں، علامہ عینیؒ نے باب لا یبصق عن یمینہ فی الصلاۃ کے تحت فرمایا ہے کہ حدیث باب لا یتنخم قبل وجھہ ولا عن یمینہ میں کوئی قید نہیں اور اسی لئے نووی نے ہر حال میں سامنے اور داہنی سمت میں تھوکنے کی ممانعت کی ہے، نماز کے اندر ہو یا خارج صلوٰۃ میں، مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر، پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ سے اس کی تائید میں اقوال نقل کئے ہیں

اس لئے ممکن ہے کہ امام بخاری، ان ابواب میں قاضی عیاض اور نووی کے پسندیدہ مسلک اور مستدل کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہوں، کیونکہ زیر بحث باب کفارۃ البزاق فی المسجد سے امام نووی کے مسلک کی تائید اس طرح کی جا سکتی ہے کہ روایت میں صاف آرہا ہے کہ مسجد میں تھوک ڈالنا گناہ ہے اور دفن کر دینے سے اگرچہ اس گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے لیکن گناہ ہونا تو ثابت ہو گیا، جبکہ اس سے پہلے باب لیبصق عن یسارہ او تحت قدمہ الیسریٰ میں ترجمۃ الباب کا عموم قاضی عیاض کے مسلک کی طرف اشارہ کے لئے کافی ہے۔

حضرۃ الاستاذ کا ارشاد امام بخاری نے اگرچہ قاضی عیاض اور امام نووی کے مسلک کی طرف، دو الگ الگ ابواب میں اشارہ کر دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قاضی عیاض کا استدلالی تعجب انگیز ہے، کہتے ہیں کہ دفن کی نیت سے تھوکے تو گناہ نہیں ہے، گناہ جب ہے کہ دفن کرنے کی نیت نہ ہو، حالانکہ حدیث میں صاف فرمایا جارہا ہے کہ مسجد میں تھوکنا گناہ اور سیئہ ہے اور اگر کسی سے یہ گناہ سرزد ہو ہی گیا تو اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے گویا یہ گناہ کے بعد توبہ کے درجہ کی بات ہے، جبکہ قاضی عیاض کے مسلک کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ توبہ کی نیت سے گناہ کیا جائے تو گناہ نہیں، معلوم ہوا کہ قاضی عیاض کی بات بہت کمزور ہے واللہ اعلم

بَابُ دَفْنِ النُّخَامَةِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ اَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ اَمَامَهٗ فَاِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهٖ فَاِنَّ عَنْ يَمِيْنِهٖ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ فَيَدْفِنُهَا۔

ترجمہ، باب، ناک کی رطوبت کو مسجد میں دفن کرنے کا بیان حضرت ابوہریرہؓ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز کیلئے کھڑا ہو تو وہ اپنے سامنے کی جانب نہ تھوکے اس لئے کہ وہ جبتک اپنی نماز کی جگہ میں ہے اس وقت تک وہ اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہے اور نہ داہنی جانب تھوکے اس لئے کہ داہنی جانب فرشتہ ہے اور اس کو بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوکنا چاہیئے پھر اس کو دفن کر دینا چاہیئے ۔

مقصدِ ترجمہ عام طور پر شارحین کا یہ خیال ہے کہ امام بخاری اس باب میں مسجد میں ان چیزوں کو دفن کرنے کا جواز بیان کرنا چاہتے ہیں ، کیونکہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ دفن کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان چیزوں کو مسجد سے باہر کر دیا جائے ، وجہ یہ ہے کہ دفن کو حقیقی معنی پر محمول کرنے میں ان گھناؤنی چیزوں کا مسجد ہی میں باقی رہ جانا لازم آتا ہے جو احترام مسجد کے منافی ہے ۔ لیکن امام بخاری اس معاملہ میں جمہور علماء کی طرح جواز ثابت فرما رہے ہیں کہ اولاً تو یہ چیزیں ناپاک نہیں ہیں ، پھر یہ کہ ان کو زمین کے نیچے دفن کر دیا جاتا ہے اسلئے اس عمل میں مسجد کے احترام کی خلاف ورزی نہیں ہے اور یہ جائز ہے ۔

حضرۃ الاستاذ کا ارشاد مگر ہم تو امام بخاری کا منشا یہ سمجھ رہے ہیں کہ نماز کی حالت میں تھوکنے کی مجبوری ہو تو اس کیلئے احادیث میں مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں کہ کپڑے میں لیکر مل دے اپنے پاؤں کے نیچے یا بائیں سمت میں تھوکے وغیرہ ، اس سلسلے میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ ان چیزوں کا تعلق احکام مسجد سے ہے یا احکام صلوٰۃ سے ، مثلاً امام نووی اور ان کے نقطۂ نظر کی تائید کرنے والے بڑے شد و مد سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ان احکام کا مسجد سے کوئی تعلق نہیں ہے ، ان حضرات کا خیال ہے کہ مسجد سے باہر نمازی کو تھوکنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ یہ عمل کرے کہ بائیں جانب یا پیروں کے نیچے تھوک لے ۔ امام بخاری اس مسئلے میں اپنی تحقیق ظاہر فرما رہے ہیں اور انہوں نے ترجمۃ الباب میں فی المسجد کی قید کا اضافہ کر کے اس کو ظاہر فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک تھوکنے کی مجبوری پیش آجائے تو مسجد اور بیرونِ مسجد کا فرق نہیں ہے بلکہ مسجد میں نماز پڑھنے والے کو بھی مجبوری کی صورت میں پاؤں کے نیچے یا بائیں جانب تھوکنے کی اجازت ہے ، البتہ مسجد میں ہو تو اسے نماز سے فراغت کے بعد دفن کر دینا ہوگا ۔

تشریحِ حدیث روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی نماز کیلئے کھڑا ہو جائے تو اسے یہ اہتمام کرنا چاہیئے کہ لعاب دہن سامنے کی سمت میں نہ پھینکے ، کیونکہ اس وقت وہ اپنے پروردگار سے مناجات کی حالت میں ہے اور سامنے یعنی قبلہ کی سمت میں رحمتِ خداوندی کا نزول ہو رہا ہے ، اسی طرح یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ داہنی سمت میں بھی تھوکنے کی اجازت نہیں کیونکہ داہنی جانب فرشتہ ہوتا ہے یعنی وہ فرشتہ جو کاتب حسنات ہے اور قابلِ تعظیم ہے ، اس توجیہ کے مطابق یہ اشکال نہیں

ہو سکتا کہ بائیں جانب تھو کنے میں کاتب سیئات کی توہین ہوگی کیونکہ فان عن یمینہ ملکا میں ملکا کی تنوین تعظیم کیلئے ہے اور مراد یہ ہے کہ داہنی جانب کا کاتب حسنات فرشتہ جو امیر کی حیثیت رکھتا ہے اس کے احترام کے پیش نظر داہنی طرف نہیں تھوکنا چاہیئے۔ پھر ایک روایت میں تصریح ہے کہ بائیں جانب قرین یعنی شیطان ہوتا ہے اسلئے بائیں جانب کا تھوک شیطان پر پڑے گا، یہ روایت طبرانی میں حضرت ابوامامہ سے مروی ہے

فانہ یقوم بین یدی اللہ و ملکہ عن یمینہ وقرینہ عن یسارہ (فتح الباری ص۵ ج۲)

اسلئے کہ نمازی اللہ کے روبرو کھڑا ہوا ہے اور اس کا فرشتہ اسکے دائیں جانب ہے اور اس کا شیطان بائیں جانب ہے

رہا یہ کہ بائیں جانب کا فرشتہ یعنی کاتب سیئات اس وقت کہاں ہوتا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس وقت نماز ہو رہی ہے جو بدنی عبادات میں سب سے اچھا عمل خیر ہے، اسلئے اس وقت کاتب سیئات کی ضرورت نہیں، اس وقت وہ یا تو داہنی طرف منتقل ہو جاتا ہے یا ہٹ جاتا ہے اور یہ پھینکا ہوا تھوک شیطان ہی پر پڑتا ہے

روایت میں یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد اس تھوک کو دفن کرنا ہوگا، دفن کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ تھوک پر معمولی سی مٹی ڈال کر اس کو چھپا دیا جائے، کیونکہ اس صورت میں تو یہ امکان باقی رہتا ہے کہ وہاں کوئی بیٹھ جائے یا اس کا پیر وغیرہ پڑجائے اور اس کو اس گندگی سے تکلیف ہو، اس وجہ سے دفن کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ زمین کو کھود کر تھوک کو اس کے اندر دبا دیا جائے۔ پھر زمین ہموار کردی جائے اور یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب زمین کچی ہو اور اگر فرش پختہ کر دیا گیا ہے تو یہ بات پچھلے ابواب میں بیان کی جاچکی ہے کہ ایسی صورت میں تھوک زمین پر پھینکنے کے بجائے کپڑے پر لیکر مل دینا ہی متعین ہے، اور اگر اس کی نوبت نہ آئی ہو بلکہ زمین پر تھوکنا ہی پڑ گیا ہو تو دفن کرنے کے بجائے اس کو اٹھا کر باہر پھینک دینا ضروری ہے اور مسجد کے فرش کو دھو کر صاف کرنا چاہیئے واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا بَدَرَهُ الْبُزَاقُ فَلْيَأْخُذْ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ **حدثنا** مَالِكُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ نَا زُهَيْرٌ قَالَ نَا حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأٰى نُخَامَةً فِي الْقِبْلَةِ فَحَكَّهَا بِيَدِهٖ وَرُئِيَ مِنْهُ كَرَاهِيَتُهٗ اَوْ رُئِيَ كَرَاهِيَتُهٗ لِذٰلِكَ وَشِدَّتُهٗ عَلَيْهِ وَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ اَوْ رَبُّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ فِيْ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَزَقَ فِيْهِ وَرَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ قَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا.

ترجمہ: باب، جب تھوک نمازی کو مجبور کر دے تو اس کو اپنے کپڑے کے گوشہ میں لینا چاہیئے **حضرت** انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی سمت میں ناک کی رطوبت کو لگا ہوا دیکھا تو آپ نے اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ ڈالا اور اس کی ناگواری آپ کے چہرے سے ظاہر ہوئی یا اس رطوبت کے قبلہ کی

سمت میں ہونے کے سبب آپ کی ناگواری اور شدید ناگواری ظاہر ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کی حالت میں ہوتا ہے یا اس کا رب اس کے اور نمازی کے درمیان ہوتا ہے اس لئے وہ قبلہ کی جانب میں ہرگز نہ تھوکے، لیکن بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک لے پھر آپ نے اپنی چادر کے کنارے کو پکڑا اور اس میں تھوکا اور اس کے ایک حصے کو دوسرے حصے پر مل دیا اور فرمایا کہ یا اس طرح بھی کرسکتا ہے۔

مقصدِ ترجمہ نماز میں تھوکنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس سلسلہ میں دو صورتیں بیان فرمائی جاچکی ہیں ایک بائیں جانب اور دوسرے پاؤں کے نیچے، اس کے آداب اور شرائط بیان کئے جاچکے ہیں، اب ایک تیسری صورت بیان کرتے ہیں کہ اپنے کپڑے کے اندر تھوک کو لے کر مل دینا بھی جائز ہے، مگر اس تیسری صورت کو امام بخاری نے اذا بدرہ البزاق سے مقید کیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ کپڑے میں لیکر رگڑنے کی صورت اس وقت کے لئے ہے جب تھوک نمازی پر غالب آجائے، اس کا موقع باقی نہ ہو کہ وہ دائیں اور بائیں کا امتیاز کرسکے تو ایسی مجبوری میں کپڑے میں لیکر مل دینا چاہیئے۔

امام بخاری نے اس قید کا اضافہ کردیا اور حدیث میں یہ موجود نہیں ہے، اس کا جواب عام طور پر شارحین بخاری نے یہ دیا ہے کہ یہ قید مسلم شریف اور ابو داؤد شریف کی صحیح روایات میں موجود ہے، چونکہ وہ روایتیں امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھیں اس لئے ان کو ذکر نہیں کیا گیا، البتہ وہ روایات بھی صحیح ہیں اس لئے بخاری نے ان روایات کے پیشِ نظر حدیث پاک کے مطلق حکم کو مقید فرمادیا، اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ دوسری روایات کی رعایت سے کبھی ابہام کی وضاحت یا عموم کی تخصیص یا خصوص کی تعمیم فرمایا کرتے ہیں

جن روایات کے پیش نظر یہاں امام بخاری نے قید کا اضافہ کیا ہے ان میں سے مسلم شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں ولیبصق عن یسارہ وتحت رجلہ الیسری، فان عجلت بہ بادرۃ فلیقل بثوبہ ھکذا الحدیث۔ یعنی نمازی اپنی بائیں سمت میں اور اپنے بائیں پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ لیکن اگر تھوک عجلت پر مجبور کرے تو اپنے کپڑے میں اس طرح لے لے۔

مفہوم یہ ہے کہ اگر نماز میں تھوکنے کی ضرورت پیش آجائے تو موقع دیکھ کر ان تفصیلات کے مطابق عمل کیا جائے جو روایات میں مذکور ہیں اور ان میں ایک مجبورکن صورت زیرِ بحث باب میں ذکر کی گئی ہے۔

روایت گذرچکی ہے اس لئے حدیث کی تشریح وہاں دیکھ لی جائے۔

بَابُ عِظَةِ الْإِمَامِ النَّاسَ فِي إِتْمَامِ الصَّلٰوةِ وَذِكْرِ الْقِبْلَةِ حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ اَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ

ارشاد هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ خُشُوْعُکُمْ وَلَا رُکُوْعُکُمْ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ حدثنا یَحْیَی بْنُ صَالِحٍ قَالَ اَخْبَرَنَا فُلَیْحُ بْنُ سُلَیْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِیٍّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰی لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً ثُمَّ رَقِیَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ فِی الصَّلٰوةِ وَفِی الرُّکُوْعِ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِیْ کَمَا اَرَاکُمْ ۔

ترجمہ، باب ، ارکان نماز کو پوری طرح ادا کرنے کے سلسلے میں امام کے نمازیوں کو نصیحت کرنے کا اور قبلہ کے ذکر کرنے کا بیان **حضرت** ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ یہاں ہے (یعنی میں قبلہ کی جانب متوجہ ہوکر دوسری طرف متوجہ نہیں رہتا) قسم خدا کی، میرے اوپر تمہارا خشوع وخضوع اور رکوع پوشیدہ نہیں رہتا، بلا شک میں تم کو اپنے پیچھے کی جانب میں بھی دیکھتا ہوں **حضرت** انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور نماز کے بارے میں یا رکوع کے بارے میں فرمایا کہ اے لوگو! میں تمکو اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا رہتا ہوں جس طرح کہ سامنے سے دیکھتا ہوں ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ امام کو ارکان نماز کی پوری طرح ادائیگی کے سلسلے میں، مقتدیوں پر نظر رکھنی چاہیے اور کوئی کوتاہی سامنے آئے تو امام کے فرائض میں سے ہے کہ اس پر تنبیہ کرتا رہے، ایسا نہ ہو کہ تھوکنے کی مجبوری میں غلط روی اختیار کریں اور بلا ضرورت قبلہ سے منحرف ہوجائیں، جبکہ قبلہ کا معاملہ بہت زیادہ اہم ہے کیونکہ اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جاتی ہے ۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہو کہ امام کو مقتدیوں کے احوال پر نظر رکھنے کیلئے اگر دائیں بائیں التفات کرنا پڑے تو اس میں مضایقہ نہیں ہے، البتہ یہ التفات گوشۂ چشم سے ہونا چاہیے، منھ اور سینہ رو بہ قبلہ ہی رہنا چاہیئے کیونکہ روایت میں بھی یہی مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک اور سینہ تو قبلہ ہی کی جانب رہتا لیکن آپ مقتدیوں کے احوال کی نگرانی کیلئے پیچھے کی جانب بھی دیکھ لیتے تھے، آپؐ کا یہ دیکھنا گو معجزہ کے طور پر تھا لیکن یہ معلوم ہو ہی گیا کہ نظر اگر قبلہ کے علاوہ کسی اور جانب ہوجائے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں ۔ البتہ چہرے اور سینہ کا سمت قبلہ کے علاوہ کسی اور جانب مڑجانا دوسرا حکم رکھتا ہے کہ چہرے کا انحراف کراہت اور سینے کا انحراف فساد صلوٰۃ کا حکم رکھتا ہے ۔

تشریح حدیث پہلی روایت میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مجھے قبلہ کی جانب پوری طرح متوجہ دیکھ کر یہ سمجھتے ہو کہ مجھے دوسری جانب اور احوال پر پوری اطلاع نہیں ہے اور اسی وجہ سے تم لوگ آداب صلوٰۃ کی پوری رعایت نہیں رکھتے کیونکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ پیغمبر علیہ السلام کے قبلہ رو ہونے کی بنا پر ہم ان

کی نگاہوں سے اوجھل ہیں ۔ میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ میں تم کو اپنے پیچھے کھڑا رہنے کے باوجود اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں اور مجھ پر تمہارے احوال میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی ۔

یہاں روایت میں هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ مجھے قبلہ رخ دیکھ کر یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ اور ہر سمت سے ہٹی ہوئی ہے اور مجھے صرف سمتِ قبلہ کی خبر ہے ، بس اسی سے قبلہ کی اہمیت معلوم ہو گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ قبلہ کی طرف اس درجہ رہتی تھی کہ دیکھنے والے اس سمت میں آپ کا استغراق محسوس کرتے تھے ، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سمتِ قبلہ میں استغراق کے باوجود میں تمہارے رکوع وسجود اور خشوع وخضوع سے پوری طرح واقف رہتا ہوں کیونکہ میں پیچھے کی سمت میں بھی بالکل اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح مجھے سامنے کی سمت میں نظر آتا ہے ، روایت کے اس جز سے ترجمۃ الباب ثابت ہو رہا ہے کہ آپ نے مقتدیوں کو ارکانِ نماز کے سلسلے میں نصیحت فرمائی اور اسی کے ذیل میں قبلہ کی اہمیت معلوم ہو گئی ۔

پیچھے کی سمت میں دیکھنے کا مفہوم آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں پیچھے کی سمت میں بھی سامنے کی طرح دیکھتا ہوں ، اس دیکھنے کے سلسلے میں شارحینِ حدیث نے کئی باتیں کہی ہیں

ایک بات یہ ہے کہ وحی یا الہام کے ذریعہ آپ کو پیچھے کی سمت کا علم ہو جاتا تھا جس کو رویت سے تعبیر کر دیا گیا ، لیکن یہ وہ تاویل ہے جس کی روایت کے الفاظ سے تائید نہیں ہوتی ، روایت میں اِنِّی لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِي فرمایا جا رہا ہے کہ میں تم کو پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں ۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ دیکھنے کا مفہوم گوشۂ چشم سے دیکھنا ہے ، مگر ظاہر ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے ، گوشۂ چشم سے تو سب ہی دیکھ لیتے ہیں ۔ تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشتِ مبارک میں قوتِ باصرہ عطا فرمائی تھی ، پھر اس سلسلے میں یہ تشریح کی گئی ہے کہ یہ قوتِ باصرہ مہرِ نبوت میں تھی یا دونوں شانوں کے درمیان سوئی کے نکوے کی طرح آنکھیں عطا کی گئی تھیں ۔ چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ دیوارِ قبلہ میں آئینہ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نمازیوں کی صورتیں آجاتی تھیں جس سے آپ صورتِ حال پر مطلع ہو جاتے تھے ۔ لیکن سب سے اچھی اور مضبوط بات یہ ہے کہ معجزہ اور خرقِ عادت کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انہی نگاہوں سے ہر سمت میں دیکھنے کا امکان اور وقوع تسلیم کر لیا جائے ، اس صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ نظر آنے والی چیز دیکھنے والے کے سامنے کی سمت میں نہیں ہے ، لیکن جمہور اہل سنت والجماعۃ کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ازروئے عقل نہ آنکھ کی شرط ہے ، اور نہ مخصوص جہت یا مخصوص فاصلہ کی شرط ہے ، عضو ، جہت اور فاصلہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں یہ عادت مقرر فرما دی ہے ، مگر عقلاً ان چیزوں کے بغیر نظر نہ آنے پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں ہے

اور اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ آخرت میں مومنین کو جہت میں نہ ہونے کے باوجود باری تعالیٰ کی رویت نصیب ہوگی ۔ اہل سنت والجماعت کے اس نقطۂ نظر کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر رویت کے سلسلے میں عام انسانوں کی مقررہ عادت کے خلاف انھی آنکھوں سے ہر سمت میں دیکھنے کی طاقت عطا فرما دی تھی ، بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیچھے کی سمت میں دیکھنے کی یہ بات نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ آپ کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی ۔ امام بخاری علیہ الرحمہ کا پسندیدہ موقف بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے یہ روایت علامات النبوۃ میں بھی ذکر فرمائی ہے ۔ پھر یہ کہ عصر حاضر کی تحقیقات جدیدہ کے مطابق تو کوئی بھی اشکال باقی نہیں رہتا کیونکہ اب جسم انسانی کے ہر حصہ سے نظر آنے کا امکان ثابت کیا جا رہا ہے واللہ اعلم

اس باب کی دوسری روایت میں یہ آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر نماز کے بارے میں یا رکوع کے بارے میں تنبیہ فرمائی اور کہا کہ میں تم کو پیچھے کی سمت میں پوری طرح دیکھتا ہوں ۔ نماز یا رکوع کے بارے میں تنبیہ کرنے کی صراحت سے ترجمۃ الباب پوری طرح ثابت ہوگیا ۔

بَابٌ هَلْ يُقَالُ مَسْجِدُ بَنِيْ فُلَانٍ **حدثنا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ اُضْمِرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَاَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضْمَرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ اِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَاَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ فِيْمَنْ سَابَقَ بِهَا ۔

ترجمہ، باب ، کیا یہ کہنا جائز ہے کہ مسجد ، فلاں کی اولاد کی ہے **حضرت** عبداللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کیلئے بنائے گئے گھوڑوں کے درمیان مقام حفیاء سے مقام ثنیۃ الوداع تک دوڑ کرائی اور جو سواری کیلئے تیار نہیں کئے گئے تھے ان کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک دوڑ کرائی اور حضرت عبداللہ بن عمر رض ان لوگوں میں تھے جو اس دوڑ میں اپنے گھوڑے کو آگے لیگئے تھے ۔

سابق سے ربط اور مقصد ترجمہ امام جہاں نمازیوں کو ارکان صلوٰۃ کی پوری طرح ادائیگی اور سمت قبلہ کے اچھی طرح اہتمام کی طرف توجہ دلاتے ہیں وہ مسجد ہے ؟ اب سوال یہ ہے کہ وہ شرعی مسجد کونسی مسجد ہوتی ہے ، جو مسجدیں کسی قوم یا کسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں کہ یہ فلاں قبیلہ کی مسجد ہے یا اس کو بانی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے آیا اس نسبت کے باوجود ان مسجدوں کو شرعی مسجد قرار دیا جائے گا ؟ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اضافت عموماً تملیک کے لئے ہوتی ہے اور کسی شخص یا قوم کی طرف انتساب سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اس قوم کی ملکیت ہے اور جب قوم مالک ہوئی تو پھر اس کو

شرعی مسجد قرار دینا درست نہ ہوگا اور نہ اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب حاصل ہوگا۔ اس لئے امام بخاری ؒ نے ھل یقال مسجدُ بنی فلان کا عنوان قائم کرکے یہ واضح فرمادیا کہ مسجدوں کے بارے میں اس طرح کی نسبت جائز ہے کیونکہ اضافت کا تملیک کے لئے ہونا ضروری نہیں بلکہ اس قسم کی نسبتیں دوسرے تعلقات کی بنا پر بھی درست قرار دی جاسکتی ہیں جیسے تولیت، قرب اور بانی ہونا وغیرہ۔

اس ترجمہ کے انعقاد کی ضرورت یا اس مضمون کی وضاحت اس لئے اوراہم تھی کہ ابراہیم نخعی نے اس طرح کی نسبت کا مسجد کے بارے میں انکار فرمایا ہے اور ان کی دلیل ہے وان المسٰجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا کہ مسجدیں صرف اللہ کیلئے ہوتی ہیں اس لئے اللہ کے ساتھ کسی اور کومت پکارو۔ مگر امام بخاری ؒ باب منعقد کرکے جمہور کے مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ مسجدوں کیلئے اس طرح کی نسبت جائز نہ ہوگی، آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ مسجدیں اللہ کی عبادت کیلئے بنائی جاتی ہیں اور ان عبادت گاہوں میں خدا کے علاوہ کسی اور کومت پکارو۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں یہ ثابت کیا ہے کہ خصوصی تعلق کی بنیاد پر عرف کی رعایت سے مسجدوں کے انتساب میں توسع ہے۔

تشریح حدیث حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری کیلئے خاص طریقہ کے مطابق بنائے گئے گھوڑوں کے درمیان دوڑ کرائی اور یہ دوڑ مقامِ حفیار سے مقامِ ثنیۃ الوداع تک کے درمیان ہوئی، ان دونوں جگہوں کے درمیان پانچ یا چھ میل کا فاصلہ تھا اور جو گھوڑے بنائے نہیں گئے تھے ان کی دوڑ، ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زُریق کے درمیان ہوئی جسکا فاصلہ ایک میل تھا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک موقع پر جہاد کیلئے پالے گئے گھوڑوں کا امتحان لیا گیا ان میں کچھ گھوڑے تو وہ تھے جن کو سواری کیلئے بنایا جاتا ہے، عربی میں اس عمل کو اضمار اور تضمیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو گھوڑوں کو خوب عمدہ خوراک کھلاکر فربہ کرتے ہیں، جب وہ لدّھڑ ہو جاتے ہیں تو ان کی خوراک کم کردیتے ہیں اور ان کو تنگ کوٹھڑی میں بند کردیتے ہیں، بدن پر موٹی جھول ڈال دیتے ہیں، بار بار ان کی مَلائی کی جاتی ہے، اس طرح گھوڑوں کو پسینہ خوب آتا ہے، جس سے زائد فربہی ختم ہوکر بدن نہایت سڈول اور خوبصورت ہو جاتا ہے اور اس طرح بنائے ہوئے گھوڑوں کا دم بڑھ جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بنائے ہوئے گھوڑوں کی دَوڑ کرائی اور جو بنائے ہوئے نہیں تھے ان کی بھی دوڑ کرائی، بنائے ہوئے گھوڑوں کا دَم زیادہ ہوتا ہے اور وہ ایک ہی بار میں فرّاٹے بھرتے ہوئے کئی کئی میل تک نکل جاتے ہیں اس لئے ایسے گھوڑوں کے لئے چھ میل کا میدان رکھا گیا، اور دوسری طرح کے گھوڑوں کا میدان صرف ایک میل تھا، یہ ایک میل والا میدان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک تھا۔

مسجد بنی زریق سے امام بخاری کا ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا کہ مسجدوں کی نسبت قبیلوں یا دوسری چیزوں کی طرف جائز ہے، کیونکہ حدیث پاک میں مسجد کو بنو زریق کی طرف منسوب کیا گیا ہے، بنو زریق، انصار مدینہ کے مشہور قبیلے خزرج کی ایک شاخ کا نام ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْقِسْمَةِ وَتَعْلِيقِ الْقِنْوِ فِي الْمَسْجِدِ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقِنْوُ الْعِذْقُ وَالْإِثْنَانِ قِنْوَانِ وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ مِثْلُ صِنْوٍ وَصِنْوَانٍ، وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ يَعْنِي ابْنَ طَهْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَ انْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُتِيَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ جَاءَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ فَمَا كَانَ يَرٰى أَحَدًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَعْطِنِي فَإِنِّي فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! اُؤْمُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ قَالَ لَا. قَالَ فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِلُّهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مُرْ بَعْضَهُمْ يَرْفَعْهُ إِلَيَّ قَالَ لَا قَالَ فَارْفَعْهُ أَنْتَ عَلَيَّ قَالَ لَا فَنَثَرَ مِنْهُ ثُمَّ احْتَمَلَهُ فَأَلْقَاهُ عَلٰى كَاهِلِهِ ثُمَّ انْطَلَقَ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُتْبِعُهُ بَصَرَهُ حَتّٰى خَفِيَ عَلَيْنَا عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ فَمَا قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَمَّ مِنْهَا دِرْهَمٌ۔

ترجمہ، باب، مسجد میں مال تقسیم کرنے اور کھجور کے خوشے لٹکانے کا بیان، بخاری کہتے ہیں کہ قنو کے معنی ہیں کھجور کا خوشہ، یہ مفرد کا صیغہ ہے، اس کا تثنیہ قنوانِ آتا ہے اور جمع بھی قنوانٌ ہے جیسے صنوٌ کہ اس کا تثنیہ اور جمع ایک وزن پر آتا ہے۔ حضرت انس بن مالک سے (تعلیقاً) روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں ڈال دیا جائے اور یہ مال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے والے اموال میں سب سے زیادہ مال تھا، پھر آپ نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو آپ نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، جب نماز سے فارغ ہو گئے تو اس مال کے پاس آکر بیٹھ گئے، یعنی تقسیم فرمانے لگے، چنانچہ جو سامنے آتا رہا اس کو عطا فرماتے رہے کہ اچانک حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپہنچے اور یہ کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی عطا فرمائیے، کیونکہ میں نے (غزوۂ بدر میں) اپنی جان کا بھی فدیہ دیا تھا اور عقیل بن ابی طالب کا بھی زرِ فدیہ ادا کیا تھا، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لے لیں، چنانچہ حضرت عباسؓ نے اپنے کپڑے میں مال بھر لیا، پھر اس کو اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کسی کو حکم فرما دیں کہ وہ مجھے یہ بوجھ اٹھوا دے، آپ نے فرمایا، نہیں، حضرت عباسؓ نے کہا کہ

پھر آپ ہی اٹھوا دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں، پھر حضرت عباسؓ نے اس میں سے کچھ مال کم کیا، پھر اٹھانا چاہا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کسی کو حکم دیجئے کہ مجھے اٹھوا دے، آپ نے فرمایا نہیں، پھر انہوں نے کہا کہ آپ ہی اٹھوا دیجئے، آپ نے فرمایا نہیں، پھر انہوں نے اس میں سے کم کیا، پھر اٹھایا، تو اس کو اپنے کاندھے پر ڈال لیا اور چل دیئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی حرص پر تعجب کے طور پر، مسلسل ان کو آنکھ اٹھا کر دیکھتے رہے حتی کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور جب تک اس جگہ ایک بھی درہم رہا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کھڑے نہیں ہوئے۔

مقصدِ ترجمہ عہدِ رسالت میں نماز اور ذکر کے علاوہ، مصالحِ عامہ سے متعلق مختلف قسم کے کام مسجدِ نبوی میں انجام دیئے گئے ہیں، امام بخاری ان چند ابواب میں ان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، مقصد یہ ہے کہ مسجدوں میں نماز اور ذکر و تسبیح کے علاوہ حالات کے تقاضے اور ضرورت کے مطابق دوسرے امور انجام دیئے جا سکتے ہیں اور ایسا کرنا ان المساجد بنیت لما بنیت لہ (یعنی مسجدیں خاص کام کیلئے تعمیر کی جاتی ہیں) اور انما ھی لذکر اللہ والصلٰوۃ وقراءۃ القراٰن (کہ مسجدیں صرف ذکرِ خداوندی، نماز اور تلاوت کے لئے ہیں) وغیرہ کے منافی نہیں ہے۔ گویا مذکورہ بالا روایات کی بنا پر یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسجد میں نماز ذکر اور تلاوتِ قرآن کے علاوہ دیگر امور کی انجام دہی کی اجازت نہیں ہے، اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ضرورت کے مواقع پر اس میں توسع ثابت کر دیا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو افعال نماز، ذکر اور ان کے متعلقات یا جنسِ عبادت سے نہیں ہیں، امام بخاریؒ مسجدوں میں ان کی انجام دہی کا جواز بھی احیاناً اور بوقتِ ضرورت ثابت کرنا چاہتے ہیں بشرطیکہ ان امور کی انجام دہی سے مسجد کا احترام متاثر نہ ہو، رہا بے ضرورت یا مستقل طور پر مسجدوں کا ان چیزوں کیلئے استعمال تو ظاہر ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی ہے کہ مسجدوں کی بنا ان کاموں کے لئے نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مال مسجد میں تقسیم فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت بیت المال موجود نہیں تھا اور آپ کا حجرۂ شریفہ بھی بہت چھوٹا تھا نیز یہ کہ آپ اموال کو اپنے گھر میں رکھنا بھی پسند نہیں فرماتے تھے، پھر یہ کہ جہاں تقسیم کرنے والے پیغمبر علیہ السلام ہوں اور لینے والے حضرات صحابۂ کرام جیسے مہذب اور سنجیدہ بزرگ، وہاں نہ احترامِ مسجد کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہے اور نہ اصل مقاصد کی ادائیگی میں تنگی کا امکان، اسلئے ضرورت کے سبب، اتفاقی طور پر، احترام ملحوظ رکھتے ہوئے یہ عمل کیا گیا، انہی شرائط کے ساتھ مسجدوں میں اس طرح کے عمل کی اجازت دی جا سکتی ہے، اس تشریح کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ اور

جمہور فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ فقہاء نے مسجد میں ضرورت کے بغیر اس طرح کے امور کی مستقلاً انجام دہی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ضرورت کے تحت اتفاقاً انجام دہی میں کسی کے یہاں تنگی نہیں ہے۔

ترجمۃ الباب کے دو جز ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں، ایک مسجد میں اموال کی تقسیم اور دوسرے مسجد میں خوشۂ انگور وغیرہ لٹکانے کا بیان، لیکن جو روایت امام بخاری نے پیش کی ہے اس سے صرف ترجمہ کا پہلا جز یعنی اموال کی تقسیم کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اس میں خوشۂ انگور کا ذکر نہیں ہے، بعض شارحین نے تو اسے امام بخاری کی بھول یا غفلت قرار دیا ہے اور بعض شارحین نے امام بخاری کے ذوق کے مطابق مختلف توجیہات کی ہیں، کسی نے کہا کہ امام بخاری خوشۂ انگور لٹکانے کو اموال کی تقسیم پر قیاس کر رہے ہیں کیونکہ دونوں میں ضرورت مندوں کیلئے مسجد میں مال رکھنے کی بات مشترک طور پر پائی جاتی ہے، کسی نے کہا کہ امام بخاری ترجمۃ الباب میں اس جز کا اضافہ فرما کر اس روایت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو نسائی شریف میں حضرت عوف بن مالک اشجعی سے ان الفاظ میں مروی ہے

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبیدہ عصا وقد علق رجل قنا حشف فجعل یطعن فی ذلک القنو ویقول لو شاء رب ھذہ الصدقۃ تصدق باطیب من ھذا۔ (فتح الباری ص ۶۲ ج ۴)	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھا اور ایک شخص نے مسجد میں ردی کھجور کا خوشہ لٹکا دیا تھا۔ آپ نے اس خوشہ کو عصا سے مارتے ہوئے فرمایا کہ صدقہ دینے والا چاہتا تو اس سے بہتر کا صدقہ بھی کر سکتا تھا۔

معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے ذہن میں ترجمۃ الباب کے ثبوت کے لئے روایت موجود ہے لیکن چونکہ وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں تھی اس لئے انہوں نے روایت ذکر نہیں کی، البتہ عنوان میں اس کی طرف اشارہ فرما دیا اور یہ امام بخاری کی عادت ہے۔

کسی نے کہا کہ اگرچہ روایت میں خوشۂ انگور کا تذکرہ نہیں ہے لیکن ابو محمد بن قتیبہ نے غریب الحدیث میں اسی روایت کے ساتھ یہ جز بھی بایں الفاظ ذکر کیا ہے

انہ لما خرج رأی اقناء معلقۃ فی المسجد وکان امر بین کل حائط بقنو یعلق فی المسجد لیاکل منہ من لا شیٔ لہ (عمدۃ القاری ص ۱۶۰ ج ۴)	جب آپ تشریف لائے تو آپ نے مسجد میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے دیکھے اور آپ نے ہر دیوار پر خوشے لٹکانے کا حکم دے رکھا تھا تاکہ جن لوگوں کے پاس کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے وہ ان کو کھا سکیں۔

معلوم ہوا کہ اصل روایت میں خوشوں کو مسجد میں لٹکانے کا تذکرہ تھا جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ

نے اپنی عادت کے مطابق اشارہ کر دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شارحین نے ترجمۃ الباب کے دوسرے جز کے ثبوت کیلئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، اور ان میں آخری بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

تشریح مضامین اس باب میں امام بخاری نے عنوان کے بعد قنوٌ کے لغوی معنی بیان کئے ہیں، یعنی قِنْوٌ (قاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ) کے معنی ہیں عذق یعنی کھجور کا خوشہ اس کا تثنیہ قِنْوَانِ اور جمع بھی قِنْوَانٌ آتی ہے۔ تثنیہ اور جمع میں فرق یہ ہے کہ تثنیہ میں نون مکسور ہوگا اور جمع میں نہیں۔ جیسے صنوٌ ایک جڑ سے نکلے ہوئے دو درختوں میں سے ہر ایک کو صنو کہتے ہیں، اس کا تثنیہ بھی صنوان آتا ہے اور جمع بھی، فرق یہی ہے کہ تثنیہ میں نون مکسور ہوتا ہے اور جمع میں مکسور نہیں ہوتا

اس کے بعد امام بخاری نے روایت ذکر کی ہے کہ بحرین سے مال آیا، مال بہت زیادہ تھا، آپ نے فرمایا کہ مال مسجد میں ڈال دیا جائے، نماز کیلئے تشریف لائے تو ادھر نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، نماز سے فارغ ہوئے تو تقسیم فرمانا شروع کیا، جس پر نظر پڑتی اس کو مال عطا فرماتے کہ حضرت عباسؓ بھی پہنچ گئے اور عرض کیا کہ بدر کے موقع پر میرے ذمہ بہت تاوان پڑ گیا تھا کیونکہ میں نے اپنا اور عقیل کا زر فدیہ ادا کیا تھا اور دوگنا ادا کیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ اس مال میں سے آپ بھی لے لیں، چنانچہ حضرت عباسؓ نے مال بھر لیا، مگر اب اٹھانا چاہتے ہیں تو اٹھتا نہیں، حضرت عباس کہتے ہیں کہ آپ کسی سے اٹھوا دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں کیوں اٹھوا دوں؟ عرض کرتے ہیں کہ اچھا آپ ہی اٹھوا دیجئے، فرماتے ہیں کہ یہ بھی نہیں ہوگا، مطلب یہ ہے کہ جتنا خود اٹھا سکیں اتنا لے لیں۔ چنانچہ حضرت عباس نے کم کیا اور تین مرتبہ کم کرنے کے بعد اس قابل ہوا کہ بڑے تکلف کے ساتھ خود اٹھا سکیں، راوی کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعجب کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو نظر اٹھا کر اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئے، پھر آپ مال کے ختم ہونے تک وہیں تشریف فرما رہے۔

روایت سے مسجد میں اموال کی تقسیم کا مسئلہ ثابت ہو گیا، رہا خوشۂ انگور کے مسجد میں لٹکانے کا ثبوت تو وہ اگرچہ روایت میں نہیں لیکن قیاس، یا اصل روایت یا دوسری روایات سے یہ مضمون امام بخاری کے ذوق کے مطابق ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

باب مَنْ دُعِيَ لِطَعَامٍ فِي الْمَسْجِدِ وَمَنْ أَجَابَ مِنْهُ **حدثنا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ سَمِعَ أَنَسًا قَالَ وَجَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ نَاسٌ فَقُمْتُ فَقَالَ لِي أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ قُلْتُ نَعَمْ. فَقَالَ لِطَعَامٍ قُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لِمَنْ مَعَهُ قُومُوا فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ -

ترجمہ، باب ، اگر کسی شخص کو مسجد میں رہتے ہوئے کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ مسجد ہی میں دعوت کو قبول کرلے ، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا جبکہ آپ کے ساتھ کچھ اور حضرات بھی تھے ، میں جا کر کھڑا ہو گیا تو آپؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ، کیا تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے ؟ میں نے عرض کیا ، جی ہاں ! پھر آپ نے فرمایا ، کھانے کی دعوت کیلئے بلایا ہے ؟ میں نے عرض کیا جی ہاں ، چنانچہ آپ نے صحابۂ کرام سے فرمایا ، چلئے ۔ پھر آپ روانہ ہوئے اور میں آپ کے آگے روانہ ہو گیا ۔

مقصدِ ترجمہ مسجد میں گفتگو کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں یہاں تک آیا ہے کہ مسجد میں بات کرنے سے انسان کی نیکیاں اس طرح برباد ہو جاتی ہیں جس طرح آگ لکڑی کو کھا لیتی ہے ، اسی طرح مسجد میں گفتگو کرنا نیکیوں کو کھا لیتا ہے ۔

امام بخاری ان ابواب میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ممانعت مسجد میں ہر طرح کی گفتگو سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ کلام دو طرح کا ہوتا ہے ، ایک مباح اور دوسرے محظور و ممنوع ، کلام محظور کا حکم تو یہ ہے کہ وہ ہر جگہ ممنوع ہے ، ہاں یہ ہے کہ مسجد میں اس کی ممانعت اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے ، رہا کلام مباح تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ ضرورت کے بقدر مسجد میں اس کی اجازت ہے اور ضرورت سے زائد منع ہے ، مثلاً کلام مسجد ہی سے متعلق ہے تو اس کی اجازت ہے یا مسجد سے متعلق تو نہیں بیرونی ضرورت ہے لیکن بقدر ضرورت ہے جیسے مسجد میں بیٹھے ہوئے کسی شخص نے آکر دعوت پیش کی اور وہیں بیٹھے بیٹھے اس دعوت کو قبول کر لیا گیا تو اس کی اجازت ہے کیونکہ یہ کلام مباح ہے اور بقدر ضرورت ہے ۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ حضرت انسؓ ، حضرت ابوطلحہؓ کے فرستادہ بن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ، حضرت انس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہیں ، حاضر ہوئے اور خاموش کھڑے ہو گئے ، آپؐ نے فرمایا أرسلك ابوطلحة کیا ابوطلحہ نے بھیجا ہے ؟ استفہام بنغمۂ صوت ہے ، عرض کیا جی ہاں ! پھر آپ نے ارشاد فرمایا لطعام ؟ کیا کھانے کیلئے بھیجا ہے ؟ عرض کیا ، جی ! آپ نے تمام حاضرین سے فرمایا ، چلو ، ابوطلحہ کے یہاں دعوت ہے ، گویا آپ نے ابوطلحہ کی جانب سے مسجد ہی میں حاضرین کی دعوت بھی کر دی ، یہ سب گفتگو مسجد کے اندر ہوئی ، اور اس کے بعد آپ صحابۂ کرام کو ساتھ لیکر حضرت ابوطلحہ کے یہاں تشریف لے گئے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اطلاع کی غرض سے ان سے آگے روانہ ہو گیا ۔

معلوم ہوا کہ مسجد میں کلامِ مباح کی بقدرِ ضرورت اجازت ہے ، کیونکہ دعوت کے سلسلے میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد کے اندر گفتگو فرمائی۔

بَابُ الْقَضَاءِ وَاللِّعَانِ فِي الْمَسْجِدِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ حدثنا يَحْيىٰ نا عَبْدُ الرَّزَّاقِ انا ابْنُ جُرَيْجٍ انا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا اَيَقْتُلُهُ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا شَاهِدٌ۔

ترجمہ، باب، مسجد میں عورتوں اور مردوں کے درمیان فیصلہ کرنے اور لعان کرانے کا بیان حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کے پاس اجنبی مرد کو پایا ہو تو کیا وہ اس کو قتل کردے؟ پھر اسکے بعد ان دونوں (شوہر و بیوی) نے مسجد میں لعان کیا اور میں وہیں موجود تھا۔

مقصد ترجمہ مسجدیں چونکہ عبادت کیلئے تعمیر کی جاتی ہیں اس لئے جو کام عبادت کے نہیں ہیں ان کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کی انجام دہی مسجد میں جائز ہے یا نہیں، امام بخاری یہ عنوان قائم کر کے مسجد میں قضا اور لعان کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر ان امور کی انجام دہی کی اجازت ہے، حنفیہ کا مسلک تو اس سلسلے میں یہ ہے کہ قضا، باب عبادات سے ہے، لیکن مالکیہ اور حنابلہ کا بھی اتفاق ہے کہ مسجد میں قاضی کا بیٹھنا اور وہاں بیٹھ کر لوگوں کے معاملات کا تصفیہ کرنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے امام مالکؒ سے منقول ہے کہ جلوس القاضی فی المسجد للقضاء من الامر القدیم المعمول بہ یعنی قاضی کا مسجد میں قضا کیلئے بیٹھنا مسلمانوں کے قدیم معمولات میں سے ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر قاضی کو اتفاقاً اس کی نوبت آجائے تو مضایقہ نہیں لیکن اس کو معمول بنانا ان کے یہاں مناسب نہیں مکروہ ہے۔

جمہور کے نزدیک قضا کیلئے اگر دار القضاء علیحدہ تعمیر ہو گیا ہو تو وہاں بیٹھنا مناسب ہے ورنہ اس کیلئے موزوں ترین مقام ایسی مسجد ہے جو شہر کے وسط میں واقع ہو یا پھر جامع مسجد، تاکہ ضرورت مند کسی روک ٹوک کے بغیر وہاں حاضر ہو سکے۔

جن حضرات نے قضا کی انجام دہی کو مسجد میں خلاف اولیٰ یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا استدلال یہ ہے کہ فریقین میں عورت بھی ہو سکتی ہے اور مشرک بھی ہو سکتا ہے پھر یہ کہ عورت حائضہ بھی ہو سکتی ہے اسلئے قضا کیلئے مسجد میں بیٹھنا مسجد کے احترام کے منافی ہے، لیکن یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ عورت اگر ایسی حالت میں ہے تو خود ہی احتیاط کرے گی، رہا مشرک کا معاملہ تو امام بخاری آئندہ ابواب میں ایک عنوان باب دخول المشرکین فی المسجد منعقد کریں گے۔

ہاں یہ ملحوظ رہے کہ ایک فیصلہ ہے اور ایک اس کا نفاذ، جیسے حدود کا جاری کرنا وغیرہ، تو ظاہر

ہے کہ تصفیہ تو مسجد میں ہوگا اور اس کا اجراء مسجد سے باہر کیا جائے گا۔

تشریح حدیث امام بخاری نے یہاں مختصر روایت ذکر کی ہے، کتاب الطلاق، کتاب التفسیر اور دیگر مقامات پر یہ روایت متعدد طرق سے تفصیل کے ساتھ آئے گی اور امام بخاری اس سے مختلف مسائل پر استدلال کریں گے۔ یہاں صرف اتنا مذکور ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے تو وہ غیرت کے تقاضے میں اس کو قتل کر دے یا صبر کرے یا گواہوں کی تلاش میں سرگرداں رہے، بڑی پریشانی ہے! قتل کرتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، قتل نہیں کرتا تو صبر کس طرح کرے اور اگر گواہوں کو تلاش کرتا ہے تو بھی غیرت کب گوارا کرے گی کہ اپنے اہل خانہ میں ایسی ناقابل برداشت صورت حال سامنے آئے اور وہ نہ صرف یہ کہ برداشت کرے بلکہ گواہوں کو بھی تلاش کرے، پھر گواہوں کی تلاش کیلئے جانا مجرم کو فرار کا موقع دینے کے مرادف ہے، اس لئے شریعت نے اس نازک موقع پر لعان کا حکم دیا ہے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ اس کے بعد مسجد میں سامنے شوہر اور بیوی دونوں نے لعان کیا

لعان کا حکم لعان کا حکم قرآن کریم میں نازل ہوا، ارشاد ہے

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکذبین ویدرأ عنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ لمن الکذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصٰدقین۔	اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام عائد کریں اور ان کے پاس اپنے علاوہ کوئی شاہد نہ ہو تو ایسے شخص کی صورت یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ بیشک وہ سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر وہ جھوٹا ہو۔ اور عورت اپنے اوپر سے عذاب کو اس طرح دفع کرے گی کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر یہ گواہی دے کہ بیشک یہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر اگر یہ شخص سچا ہو۔
(سورۃ النور آیت ۹)	

اس آیت کے مطابق حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے، اگر وہ گواہ پیش کر دیتا ہے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی، اگر شوہر گواہ پیش نہ کر سکے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر یہ بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے گویا چار گواہوں کی جگہ اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوں گی اور آخر میں پانچویں بار یہ الفاظ کہنے ہوں گے

کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار ہو۔

اگر شوہر ان الفاظ کی ادائیگی سے انکار کرے گا تو اس کو قید کر دیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرے، اقرار کرے گا تو حدّ قذف جاری ہو گی، اور اگر لعان کے الفاظ کہہ لے گا تو عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس عورت پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو۔

اگر عورت ان الفاظ کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس کو بھی قید میں رکھا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ وہ صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق یا تکذیب کرے، تصدیق کرنے پر حدّ زنا جاری کر دی جائے گی اور اگر عورت نے مذکورہ بالا الفاظ میں مرد کی تکذیب کی تو لعان مکمل ہو گیا، اس طرح کے الفاظ فریقین سے کہلوانے کا نام شریعت میں لعان ہے، لعان مکمل ہونے کے بعد یہ عورت مرد کیلئے حرام ہو گئی، اب اگر مرد نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہو گی۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت حدیث پاک میں آیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں لعان کرایا، لعان چونکہ شوہر اور بیوی کے درمیان ہوتا ہے، اس لئے مسجد میں لعان اور عورت و مرد کے درمیان فیصلے دونوں کا حکم معلوم ہو گیا۔

باب إِذَا دَخَلَ بَيْتًا يُصَلِّي حَيْثُ شَاءَ أَوْ حَيْثُ أُمِرَ وَلَا يَتَجَسَّسُ **حدثنا** عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ نَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ فِي مَنْزِلِهِ فَقَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ لَكَ مِنْ بَيْتِكَ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى مَكَانٍ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ

ترجمہ، باب، جب کسی کے گھر میں جائے تو جس جگہ چاہے نماز پڑھے یا جس جگہ کی نشاندہی کی جائے وہاں نماز پڑھے اور تجسس نہ کرے، حضرت عتبان بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم کس جگہ کو پسند کرتے ہو کہ میں وہاں تمہارے گھر میں تمہارے لئے نماز پڑھوں؟ کہتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھی اور ہمیں اپنے پیچھے صف میں کھڑا کر لیا اور دو رکعت نماز پڑھائی۔

مقصد ترجمہ عنوان کے دو جز ہیں ایک یصلّی حیث شاء یعنی جانے والا اپنے اختیار سے جہاں

مناسب سمجھے نماز پڑھ لے، دوسرا یصلی حیث اُمر یعنی جس جگہ کیلئے کہا جائے اس جگہ نماز پڑھے۔ ترجمہ کے ان دونوں جز کے درمیان کلمۂ او لایا گیا ہے پھران دونوں کے بعد ایک قید ہے ولا یتجسس یعنی تجسس نہ کرے۔ کلمۂ اَوْ تخییر اور تعیین احدالامرین، دونوں معنی کیلئے استعمال ہو سکتا ہے۔

تخییر یعنی دونوں صورتوں کے درمیان اختیار، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جانے والے کو ان دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت کا اختیار ہے، چاہے تو وہ اپنی خواہش کے مطابق نماز پڑھ لے اور چاہے تو صاحب خانہ کی نشاندہی کے مطابق نماز ادا کرے، گویا جانے والے کو ان دونوں باتوں میں سے کسی بھی صورت پر عمل کرنے کی آزادی ہے۔

اور اگر کلمۂ اَوْ تعیین احدالامرین کیلئے ہو، یعنی دو باتوں میں سے ایک کی تعیین کیلئے ہو تو اس صورت میں مطلب ہوگا کہ جانے والے کو مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں سے کس صورت کو اختیار کرنا چاہیئے، روایت سے معلوم ہوا کہ بلانے والے کی بات کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔ پھر یہ کہ دونوں ہی صورتوں میں تجسس مذموم ہے، اپنے اختیار سے نماز پڑھ لے یا بلانے والے کی نشاندہی کے مطابق نماز ادا کرے دونوں ہی صورتوں میں تجسسِ مذموم سے اجتناب کرتے ہوئے عمل کرنا چاہیئے۔

تشریحِ حدیث اور ترجمہ کا ثبوت یہ روایت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں دس سے زیادہ مرتبہ کہیں مختصر اور کہیں مفصل ذکر فرمائی ہے، یہاں بہت مختصر روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبان بن مالک کے گھر تشریف لاکر ان سے معلوم فرمایا کہ تم مجھ سے اپنے گھر کے کس حصہ میں نماز پڑھوانا چاہتے ہو، حضرتِ عتبانؓ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کر دیا تو آپ نے اسی جگہ دو رکعت نماز پڑھادی۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اس روایت سے گھروں میں جماعت کرنے یا نوافل کو باجماعت ادا کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ حضرت عتبان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصالۃً نوافل کی جماعت کے انعقاد کیلئے مدعو نہیں کیا تھا، ان کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں نماز پڑھ لیں تو وہ اس متبرک مقام کو نماز کیلئے مقرر کرلیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر وہاں پہنچے تو راستہ میں اور بھی کچھ لوگ ساتھ ہوگئے اور وہاں نوافل باجماعت ادا کی گئیں، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ تداعی نہ ہو تو نوافل کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا درست ہے، پھر یہ کہ اصل مذہب میں تداعی کی کوئی تعریف معین نہیں ہے اسلئے مسئلہ میں گنجائش معلوم ہوتی ہے البتہ باقاعدہ تداعی ہو تو فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔

اس مختصر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں کلمۂ اَوْ دو باتوں میں سے ایک کی تعیین کیلئے لایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جانے والے کو بلانے والے کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہئے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانے کے بعد اپنی مرضی کے مطابق عمل نہیں کیا، نہ اپنی خواہش کا اظہار فرمایا بلکہ آپ نے جاتے ہی یہ سوال کیا کہ نماز پڑھنے کیلئے کونسی جگہ بنا رکھی ہے؟ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے معینہ جگہ کی نشاندہی کی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھادی۔

لیکن اگر کلمۂ او کا استعمال دو باتوں میں سے ایک کی تعیین کے لئے مانا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جانے والے کو اختیار ہے کہ وہ اپنی تجویز سے نماز پڑھ لے یا بلانے والے کی مرضی کے مطابق نماز پڑھے، اس صورت میں مذکورہ بالا مختصر روایت سے ترجمہ کا ثبوت مشکل ہے بلکہ یہ کہنا ہوگا کہ حضرت عتبانؓ کی اسی روایت میں بعض جگہ یہ تفصیل ہے کہ حضرت عتبانؓ نے جمعہ کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری تمنا یہ ہے کہ آپ میرے مکان میں تشریف لاکر کسی جگہ نماز پڑھ دیں تاکہ میں اس متبرک مقام کو مسجد بیت یعنی خانگی مسجد بنالوں، آپ نے ارشاد فرمایا اچھا! ہم آئیں گے، چنانچہ ہفتہ کے دن آپ حضرت صدیق اکبرؓ کو ساتھ لیکر تشریف لے گئے، مکان تک پہنچتے پہنچتے اور بھی صحابہ ساتھ ہوگئے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عتبان نے ابتداءً نماز کیلئے جگہ کا انتخاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا کہ جس جگہ مناسب سمجھیں نماز پڑھ دیں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے کونسی جگہ بنا رکھی ہے؟ چنانچہ حضرت عتبان نے مکان کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کیا، آپ نے وہیں نماز پڑھادی۔ اس تفصیلی روایت سے ترجمہ کا یہ جُز کہ جانے والے کو اپنی مرضی کے مطابق نماز پڑھنے کی اجازت ہے دو طرح ثابت ہے، ایک حضرت عتبان کی درخواست سے کہ انہوں نے یہ عرض کیا تھا کہ آپ میرے مکان میں آکر نماز پڑھ دیں تاکہ میں اس کو مسجد بنالوں، اس میں آکر نماز پڑھنے میں عموم ہے کہ جس جگہ چاہے پڑھ دیں اور دوسرے وہ بعض روایات ہیں جن میں جگہ کا انتخاب ابتداءً آپ کے سپرد کیا گیا ہے

خلاصہ یہ ہے کہ ترجمۃ الباب میں دو جز مذکور ہیں، اور امام بخاری کا منشا ان دونوں ہی میں سے ایک کی تعیین بھی ہوسکتا ہے اور یہی ظاہر ہے کہ زائر کو اہل خانہ کی مرضی کے مطابق نماز پڑھنی چاہیئے، لیکن اگر ترجمہ کا مقصد یہ قرار دیا جائے کہ عنوان میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت پر عمل کرنے کی آزادی ہے تو یہ بھی روایت باب سے ثابت کیا جاسکتا ہے مگر اس ثبوت کے لئے دوسری روایات میں ذکر کردہ تفصیلات کا سہارا لینا ضروری ہوگا۔

بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوتِ۔ وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِ دَارِهِ جَمَاعَةً حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ

عُفَيْرٍ قَالَ نَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ عِتْبَانُ فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حِينَ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ قَالَ فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُلْ ذَالِكَ أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يُرِيدُ بِذَالِكَ وَجْهَ اللَّهِ قَالَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَبْتَغِي بِذَالِكَ وَجْهَ اللَّهِ . قَالَ ابْنُ شِهَابٍ ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ فَصَدَّقَهُ بِذَالِكَ

ترجمہ ۔ باب ، گھروں میں مسجدیں بنانے کا بیان ، اور حضرت براء بن عازب نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ۔ حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ ــــ اور حضرت عتبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور یہ قبیلۂ انصار کے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ میں سے ہیں ــــ سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اپنی بینائی میں کمزوری محسوس ہوتی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں مگر جب بارشیں ہوتی ہیں تو میرے گھر کے اور مسجد کے درمیان جو پانی کی گذرگاہ ہے اس میں پانی بھر جاتا ہے اور میں مسجد میں حاضر ہو کر نماز پڑھانے پر قادر نہیں رہتا اور یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز ادا فرمادیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کیلئے مقرر کرلوں ، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں انشاء اللہ ایسا کروں گا ۔ حضرت عتبان فرماتے ہیں

چنانچہ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دن چڑھے تشریف لائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت چاہی، میں نے اجازت دی، پھر جب آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھر میں مجھ سے کس جگہ نماز پڑھوانا چاہتے ہو، تو میں نے گھر کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ کردیا چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع فرمادی اور ہم آپ کے پیچھے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اور صف بندی کرلی، آپ نے دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا، حضرت عتبان فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے آپ کو قیمہ اور آٹے سے بنے ہوئے کھانے کیلئے روک لیا جو ہم نے آپ کیلئے تیار کیا تھا، آپ کو دیکھ کر محلہ کے متعدد لوگ گھر میں جمع ہوگئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ مالک بن الدخیشن یا ابن الدخشن کہاں ہے؟ یعنی وہ کیوں نہیں آئے، انہی میں سے کسی نے جواب دیا کہ وہ تو منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا، یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی بات مت کہو، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ اس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیا ہے جس سے اس کا مقصد رضائے خداوندی کا حصول ہے، اس پر اس شخص نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں اور (اعتذار کے طور پر) اس شخص نے عرض کیا کہ ہم چونکہ ان کا رُخ منافقین کی طرف اور ان کی خیر خواہی منافقین کے ساتھ دیکھتے ہیں (اسلئے زبان سے یہ بات نکل گئی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے جہنم پر ہر اس شخص کو حرام فرمادیا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلے اور اس کا مقصد رضائے خداوندی کا حصول ہو ۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ پھر میں نے حصین بن محمد انصاری سے جو قبیلۂ بنو سالم کے ایک فرد اور ان کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، محمود بن الربیع کی روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی ۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ گھر میں مسجد بنالی جائے تو اس کا کیا حکم ہے یعنی اگر اپنے مکان میں نماز کیلئے کوئی جگہ مخصوص کرلی جائے اور اس کو مسجد کا نام بھی دیدیا جائے تو اسکی حیثیت اور مسجد شرعی کی حیثیت برابر ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

ظاہر ہے کہ مسجد شرعی کے احکام جداگانہ ہیں، وہ کسی کی ملک نہیں ہوتی، اس کی خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور جنابت کی حالت میں اس میں جانا جائز نہیں ہوتا وغیرہ، جبکہ گھر کی مسجد صاحب خانہ کی ملکیت ہوتی ہے، اس کی خرید و فروخت جائز ہے، اس کا میراث میں تقسیم کیا جانا بھی درست ہے اور جنابت کی حالت میں اس میں داخل ہونا بھی جائز ہے وغیرہ ۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر گھر کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو صرف جماعت کا ثواب حاصل

ہو جائے گا مسجد کی جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، منیۃ المصلی میں جزئیہ موجود ہے کہ گھر میں جماعت کرنے والے کو مسجد کی فضیلت کا تارک قرار دیا جائے گا اگرچہ تارکِ جماعت نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ تو ہوا مسئلہ، لیکن امام بخاری کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گھر کی مسجدوں کو محلّہ کی مسجدوں کا حکم دینا چاہتے ہیں، کیونکہ انہوں نے عنوان میں کوئی قید نہیں لگائی، مثلاً اگر وہ یہ کہتے کہ عذر کی صورت میں مسجد گھر میں بنانے کا بیان، تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ معذورین کیلئے اس کی گنجائش دینا چاہتے ہیں، لیکن انہوں نے بلا قید فرمایا کہ گھر میں مسجد بنانے کا بیان، اور اس کے بعد حضرت براء بن عازب کا عمل اپنے ثبوت میں پیش کیا کہ انہوں نے اپنے گھر میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک جلیل القدر صحابی کا عمل ہے، اگر مسجد شرعی کو چھوڑ کر گھر کی مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے میں کوئی نقصان ہوتا تو حضرت براء بن عازب جیسے صحابی اس کو کیوں اختیار کرتے۔

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت عتبان بن مالک کی تفصیلی روایت ذکر کی ہے، اس سے بخاری غالباً یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عتبان نے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے یہ خواہش بیان کی کہ آپ میرے مکان میں تشریف لاکر نماز پڑھ دیں تو میں برسات کے زمانہ میں مکان ہی کے اندر جماعت سے نماز پڑھ لیا کروں، چنانچہ ان کی درخواست قبول کرلی گئی، آپ تشریف لائے گھر میں نماز پڑھ کر جگہ متعین کردی، اس کے بعد حضرت عتبان برسات کے زمانہ میں وہیں نماز پڑھتے اور دوسرے حضرات بھی جو ان کو افضل سمجھتے تھے یا وہ بھی معذور رہوں گے وہ مسجد کے بجائے ان کے گھر میں ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے، گویا بخاری کے نزدیک گھر کی مسجد کو بھی وہی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے جو محلہ کی مسجد کو ہے۔

لیکن امام بخاری کے طرزِ عمل کی رعایت سے مقصدِ ترجمہ کی تعیین کے بعد یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ گھر کی مسجد کو، مسجدِ شرعی کا حکم دینے کیلئے دونوں استدلال کمزور ہیں، کیونکہ حضرت براء بن عازب کے عمل میں قوی احتمال یہ ہے کہ مسجد شرعی میں اتفاقاً جماعت فوت ہوجانے کی صورت میں انہوں نے ایسا کیا ہوگا کہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کیلئے اہلِ خانہ کو جمع کیا اور جماعت سے نماز ادا فرمائی، رہا روایتِ باب سے استدلال تو وہ اس سے زیادہ کمزور ہے کیونکہ یہ ایک ایسے معذور کا واقعہ ہے جس کا عذر دربارِ نبوت میں قابلِ قبول سمجھا گیا ہے۔ ہاں اگر مقصد یہ قرار دیا جائے اگرچہ بخاری کے الفاظ میں اس کی گنجائش کم ہے کہ مسجدِ شرعی تو مسجد ہے ہی لیکن معذور کے لئے فرائض کی ادائیگی گھر میں بھی درست ہے اور اگر وہ جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے گھر میں کوئی جگہ مقرر کرلے جہاں معذوری کی صورت میں جماعت کرلی جائے تو اس کو جماعت کا ثواب بھی حاصل ہوجائے گا اور مسجدِ شرعی سے غیر حاضر ہونے کا الزام عائد نہیں ہوگا، اگر

امام بخاری کا مقصد یہ قرار دیا جائے تو اس کی تائید کی جا سکتی ہے ۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث | یہ پچھلے باب میں حضرت عتبان کی جو مختصر روایت ذکر کی گئی تھی یہاں اس کی تفصیل ہے کہ حضرت عتبان محلہ کی مسجد کے امام تھے ، نظر کمزور ہو گئی تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی معذوری کے بارے میں عرض کیا کہ برسات کے زمانہ میں مسجد کے اور میرے گھر کے درمیان جو پانی کی گذرگاہ ہے اس کے سبب بڑی دشواری ہے ، نظر کمزور ، بدن بھاری اور راستہ گلناک ، بھاری بدن کے انسان کا پیر پھسل جائے تو سنبھلنا دشوار ہوتا ہے اور نظر کمزور ہو تو معذوری میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے ، اس لئے انہوں نے عرض کیا کہ محلہ کی مسجد میں حاضری سے تو معذور ہوں ، اگر آپ میرے گھر تشریف لاکر ، گھر میں کسی جگہ نماز کا افتتاح فرمادیں تو میں اس کو مسجد بنالوں ، چنانچہ ان کی درخواست منظور ہو گئی ، آپؐ صدیق اکبر کو ساتھ لیکر پہونچ گئے اور گھر کے ایک گوشہ میں دو رکعت نفل با جماعت ادا فرمادی ، حضرت عتبان نے اس کو گھر کی مسجد بنالیا اور بارش کے موسم میں وہیں نماز باجماعت ادا کرتے رہے ۔

اس تفصیلی روایت سے یا تو یہ سمجھ لیا جائے کہ گھروں میں نماز اور جماعت کیلئے جگہ مقرر کرلینا مستحب ہے یا یہ سمجھ لیا جائے کہ معذورین اگر محلہ کی مسجد میں نہ جا سکیں تو وہ اپنے گھروں میں مجبوری کے وقت جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکتے ہیں یا یہ سمجھ لیا جائے کہ امام بخاری اپنے ذوق کے مطابق گھر کی مسجد کو ، محلہ کی مسجد کے برابر حکم دینا چاہتے ہیں ، اگرچہ یہ بات کمزور ہے ، شارحین نے پہلی بات پر زور دیا ہے ۔

نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت عتبان نے خزیرہ تناول فرمانے کیلئے ٹھہرنے کی درخواست کی ، آپ ٹھہر گئے یہ ایک عربی کھانا ہے ، گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے دیگ میں چڑھا دیتے ہیں اور جب گل جاتا ہے تو اس پر آٹا چھڑک کر خوب گھوٹ دیتے ہیں پھر نمک اور چکنائی شامل کر دیتے ہیں ، معلوم ہوا کہ صالحین کو مدعو کیا جائے تو اپنی اور ان کی حیثیت کے مطابق تواضع کرنا بھی مستحب ہے ۔

آگے روایت میں مذکور ہے کہ محلہ والوں کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبان بن مالک کے گھر تشریف لائے ہیں تو سارے اہل محلہ جمع ہو گئے لیکن مالک بن الدخشم [1] کسی وجہ سے نہ آسکے تو کسی نے کہا کہ ان کا کیا پوچھتے ہو ، انہیں اللہ اور اس کے رسول سے کیا تعلق ؟ وہ تو منافق ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید فرمائی کہ ایسا مت کہو ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا ہے اور مخلصانہ طور پر کیا ہے ۔ تبصرہ کرنے والے نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں مگر ہم

---

[1] بخاری کی روایت میں اگرچہ مالک بن الدخیشن یا مالک بن الدخشن ہے ، یعنی راوی کو شبہ ہو گیا کہ ان کے والد کا نام دخشن ہے یا اسکی تصغیر دخیشن ہے لیکن صحیح نام مالک بن الدخشم بالمیم ہے جیسا کہ عینی میں طبرانی کے حوالہ سے موجود ہے ۔ ۱۲

نے تو یہ دیکھتے ہوئے عرض کیا تھا کہ ان کے تعلقات، نشست و برخاست، معاملات منافقین کے ساتھ ہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔

حضرت مالک بن الدخشم کے بارے میں ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک رہے ہیں، بلکہ بعض قابل قبول روایات میں اسی واقعہ میں یہ مذکور ہے کہ جب کہنے والے نے انہیں نفاق کا الزام دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا ألیس قد شهد بدرا، کیا وہ بدر میں شریک نہیں تھے؟ یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے، مغازی ابن اسحٰق میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو مسجد ضرار میں آگ لگانے کیلئے بھیجا تھا ان میں حضرت مالک بن الدخشم بھی تھے، غرض یہ بڑے صاحب فضیلت صحابۂ کرام میں ہیں، اس کے باوجود ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نفاق کا الزام عائد کر دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید بھی فرمادی، جس میں یہ بات آئی کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے والوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ یہ بحث کتاب الایمان میں گذر گئی ہے کہ جہنم کی آگ کے حرام ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یعنی یا تو یہ کہا جائے کہ جو مخلصانہ طور پر لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے گا وہ یقینی طور پر اس کی ذمہ داریاں بھی پوری کرے گا یعنی اعمال سے تہی دست نہ ہوگا، یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر وہ جہنم حرام ہے جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے اور ابدی ہے۔

پس پشت برائی سے یاد کرنے کا حکم

شریعت کا یہ حکم بالکل صحیح اور مشہور ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کو برائی سے یاد کرنا غیبت ہے، لیکن یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ اس روایت میں ایک بزرگ صحابی پر نفاق کا الزام عائد کیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب تو دیدیا لیکن آپ نے الزام عائد کرنے والوں کو غیبت سے بچنے کی ہدایت نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ پس پشت کی جانے والی ہر برائی کو غیبت نہیں کہتے، بلکہ اس سلسلے میں تفصیل کی گئی ہے اور بعض چیزوں کا استثناء کیا گیا ہے۔ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ نے فوائد حدیث پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے اس کی تصریح کی ہے، ابن حجر کی عبارت ہے

والتنبیه علی من یظن به الفساد فی الدین عند الامام علی جهة النصیحة ولا یعد ذلك غیبة (فتح الباری ج ۲)	روایت میں اس پر تنبیہ ہے کہ اگر کسی کے بارے میں دین کے فساد کا ظن ہو تو اس کو خیر خواہی کے طور پر امام (حاکم) کے سامنے بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

علماء کرام نے اس طرح کے مقامات کی تفصیل کی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ

میں چھ جگہوں کو شمار کیا ہے جن میں مختلف وجوہ کے سبب کسی کی عدم موجودگی میں اس کو برائی سے یاد کرنا غیبت میں شامل نہیں ہے، ان میں سے ایک منکر کی اصلاح یا کسی غلط کار کو راہِ راست پر لانے کیلئے کسی صاحبِ اقتدار یا با اثر شخصیت سے تعاون حاصل کرنا بھی ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ نفاق کا الزام دینے والے کے سامنے صرف ظاہری صورت تھی کہ حضرت مالک بن الدخشم کے منافقین سے تعلقات تھے چنانچہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صورتِ حال رکھدی، آپؐ نے تردید فرمادی کہ ان کے بارے میں یہ تصور غلط ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم یا با اقتدار لوگوں کو شکایت پر توجہ دینے سے پہلے پوری احتیاط کے ساتھ معاملہ پر غور کرنا چاہیئے اور شکایت غلط ہونے کی صورت میں فوراً صورتِ حال کی وضاحت کرکے غلط فہمی کو دور کرنا چاہیئے۔

رہا یہ کہ حضرت مالک بن الدخشم کے منافقین کے ساتھ تعلقات کیوں تھے؟ تو ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات سے ان کی رشتہ داری ہو اور حق قرابت کی ادائیگی کے لئے تعلقات منقطع نہ کئے ہوں، ممکن ہے کہ بعض منافقین کے بارے میں انہیں اصلاحِ احوال کی امید ہو اور اسی خیال سے ان سے ملتے ہوں کہ ان کے خیالات میں تبدیلی لاسکیں وغیرہ، ورنہ جو انسان اتنا بہادر ہو کہ منافقین کی مسجد کو گرا کر اس میں آگ لگادے اس پر بزدلی یا بزدلی کے سبب نفاق کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

صالحین کے تبرکات روایتِ باب سے صالحین کے تبرکات کی اصلیت بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ حضرت عتبان گھر میں نماز کیلئے جو جگہ مقرر کرنا چاہتے تھے پہلے انہوں نے یہ چاہا کہ اس جگہ کو آپ کے ذریعہ متبرک بنا دیا جائے، اور آپؐ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبول عطا فرماکر واضح کردیا کہ صالحین کے ذریعہ برکت حاصل کرنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔

بَابُ التَّيَمُّنِ فِي دُخُولِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنٰى فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرٰى **حدثنا** سُلَيْمٰنُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ فِيْ طُهُوْرِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ

ترجمہ، باب، مسجد میں داخل ہوتے وقت اور اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں داہنی طرف سے شروع کرنے کا بیان، حضرت ابن عمرؓ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے داہنا پیر اندر رکھتے اور جب مسجد سے نکلتے تو بایاں پیر نکالتے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہانتک ممکن ہوتا تمام کاموں میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے، پاکی حاصل کرنے میں، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں

مقصد ترجمہ آداب مسجد سے متعلق ایک حکم بیان کرتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہو تو پہلے داہنا پیر داخل کرنا چاہیئے کہ اس میں مسجد کا احترام بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ جن چیزوں میں شرافت یا خیریت پائے جانے کے سبب، ان کا داہنی طرف سے شروع کرنا مسنون قرار دیا گیا ہے اس کی بھی رعایت ہے، مثلاً اوپر چڑھ رہے ہیں تو پہلے داہنا پیر رکھنا چاہیئے کہ اس میں ایک طرح کا عروج پایا جاتا ہے، داہنی سمت سے آغاز کے سلسلے میں یہ ایک شرعی اصول ہے

امام بخاری نے ترجمہ ثابت کرنے کیلئے پہلے حضرت ابن عمرؓ کا اثر پیش کیا ہے کہ جب وہ مسجد میں جاتے تو پہلے داہنا پیر رکھتے اور مسجد سے نکلتے تو بایاں پیر آگے بڑھاتے، یہ تو حضرت ابن عمر کا عمل ہے اور ان کا عمل بالسنۃ مشہور ہے، مگر اس کو مرفوعاً نقل نہیں کیا گیا ہے البتہ اس کی تائید میں مستدرک حاکم سے حضرت انسؓ کی روایت پیش کی جا سکتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

من السنۃ اذا دخلت المسجد ان تبدأ برجلك اليمنى واذا خرجت ان تبدأ برجلك اليسرى	سنت یہ ہے کہ جب تم مسجد میں جاؤ تو پہلے داہنا پیر اندر رکھو اور جب مسجد سے باہر نکلو تو پہلے بایاں پیر باہر نکالو۔
بحوالہ عمدۃ القاری ص۱۷۱ ج۴	

اور محدثین کا اصول ہے کہ صحابہ کرام اگر من السنۃ کذا کے الفاظ استعمال کریں تو انہیں مرفوع سمجھا جاتا ہے

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام کاموں میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند تھا، پھر اس کے ساتھ حضرت عائشہ نے مثال کے طور پر تین چیزیں بیان کی ہیں پاکی حاصل کرنے میں، کنگھا کرنے میں، جوتا پہننے میں، اسلئے وہ تمام چیزیں جن میں کسی طرح کی شرافت، عزت یا زینت پائی جاتی ہو وہ اس میں شامل ہو جائیں گی۔

یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ بیان، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عادت کا بیان ہے، یعنی ان چیزوں میں داہنی جانب سے ابتداء کا اہتمام عبادت کے طور پر نہیں، عادت کے طور پر تھا اسلئے فقہاء کے اصول کے مطابق اس سے ان جیسے کاموں میں تیامن یعنی داہنی طرف سے شروع کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اہل حق کے نزدیک غیر اہم کاموں میں سنت کا اتباع ایسے بڑے بڑے کاموں پر فوقیت رکھتا ہے جو سنت نہ ہوں، شیخ عبد الغنی مجددی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ہے

قال علماءنا ان اتيان السنۃ اذا كان امراً يسيراً كادخال الرجل الايسر في الخلاء ابتداءً	علماء نے فرمایا کہ سنت پر عمل کرنا خواہ کتنا ہی غیر اہم معاملہ ہو جیسے بیت الخلاء جاتے وقت بائیں پیر کو

اولیٰ من البدعۃ الحسنۃ وان کان امرا فخیما | آگے رکھنا ، بدعتِ حسنہ سے اَولیٰ ہے خواہ وہ کتنے
کبناء المدارس (انجاح الحاجہ ص۲) | ہی اہم معاملے سے متعلق ہو جیسے مدارس کا قیام ۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت کی پیروی سے اللہ تعالیٰ نے وہ انوار و برکات اور رحمتیں متعلق فرمائی ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا جبکہ بدعت کتنی ہی حسنہ ہو لیکن چونکہ وہ عمل پیغمبر نہیں ہے اس لئے اسمیں اتباع سنت والے انوار و برکات کی شان کہاں پیدا ہو سکتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

بَابُ هَلْ يُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي الْجَاهِلِيَّةِ وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْقُبُورِ وَرَأَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ الْقَبْرَ الْقَبْرَ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ نَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ فَذَكَرَتَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُولٰئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ وَأُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ترجمہ ، باب ، ایام جاہلیت کے مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ کر ان کی جگہ مسجد بنانے کے جواز کا بیان ، اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ نے یہودیوں کو اپنی رحمت سے دور فرمادیا کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا تھا اور قبروں پر نماز کے مکروہ ہونے کا بیان ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے نزدیک نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ قبر سے بچئے ، قبر سے بچئے لیکن نماز کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت ام سلمہؓ نے اس گرجا گھر کا تذکرہ کیا جس کو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا کہ اس میں تصویریں یعنی مجسمے رکھے ہوئے ہیں ، ان دونوں نے جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک انسان کی وفات ہوتی تو یہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بنا دیتے تھے اور یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہیں ۔

مقصد ترجمہ مشرکین کا قبرستان ہو اور پھر کسی وقت وہاں مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہو جائے تو کیا صورت اختیار کریں ، قبروں کو باقی رکھیں اور مسجد تعمیر کرلیں ، یا مشرکین کی ہڈیاں وغیرہ وہاں سے نکال کر جگہ کو صاف کرلیں اور پھر مسجد تعمیر کریں ؟ امام بخاری یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مشرکین کی قبروں کو صاف کر کے مسجد کا تعمیر کرنا جائز ہے ۔

یہ ترجمہ امام بخاری نے ھل تنبش الخ بصیغۂ استفہام منعقد فرمایا ہے ، ھل کو سوالیہ بھی قرار دیا جا سکتا

ہے کہ آیا ایسا کرنا جائز ہے ؟ جواب یہ ہے کہ روایات سے اس کا جواز ثابت ہے ، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ هل استفہام تقریری کے طور پر یا قد کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ، ہر صورت میں مضمون یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز اور ثابت ہے ، لیکن امام بخاری نے اس مضمون کیلئے جو دلیل پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر اسلئے لعنت کی کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا تھا ۔ بظاہر دعوے اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے کیونکہ دعویٰ تو یہ ہے کہ مشرکین کے قبرستان پر قبروں کو صاف کر کے مسجد کا تعمیر کرنا درست ہے اور دلیل یہ ہے کہ انبیاء کی قبروں پر درست نہیں ، یا یوں کہیئے کہ ترجمہ اور عنوان یہ ہے کہ خاص تصرف کے بعد مسجد بنا سکتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ قبرستان کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ، اس اشکال کو شارحین اور علماء نے مختلف طریقوں سے حل کیا ہے ۔

علامہ کرمانی کی رائے اور اس پر علامہ کشمیری کا تبصرہ علامہ کرمانی جو بخاری کے مشہور شارح ہیں اور جن کی شرح سے حافظ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے کافی استفادہ کیا ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب لعنت صرف انبیاء کرام اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ اور مسجد بنانے کے ساتھ مخصوص ہے تو مشرکین کی قبروں کو صاف کرنے کے بعد ان کی جگہ مسجد بنانے کا جواز ثابت ہوگیا ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ نے انبیاء کرام کی قابلِ احترام قبروں کی اہانت کی اور اس اہانت کے سبب ان پر لعنت کی گئی ، یہ بات مشرکین کی قبروں پر مسجد بنانے میں نہیں پائی جاتی اسلئے ان پر مسجد بنانا جائز ہوگا ۔ مگر حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ استدلال درست نہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ نے انبیاء کی قبروں کو صاف کر کے اور اس طرح پیغمبران عالی مقام کی توہین کا ارتکاب کر کے مسجدیں تعمیر نہیں کی تھیں بلکہ وہ انبیاء کرام کی قبروں کو ان کی اصل حالت پر باقی رکھتے ہوئے ان پر مسجد تعمیر کرتے تھے اسلئے لعنت کا سبب توہینِ انبیاء نہیں شرک فی العبادۃ ہے ۔

حافظ ابن حجرؒ کی رائے اس کے بعد علامہ کشمیری قدس سرہ حافظ ابن حجرؒ کی رائے بیان فرماتے کہ اس میں قدرے اضافہ کر کے کرمانی کے استدلال کی کمزوری کی تلافی کردی گئی ہے ،

حافظ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے حق میں وعید اور لعنت جس طرح ان لوگوں کو شامل ہے جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو تعظیم میں غلو کرتے ہوئے سجدہ گاہ بنالیا جس کے نتیجہ میں وہ انبیاء کو معبود سمجھنے لگے ، اسی طرح یہ وعید ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو ان کی قبروں کی جگہ اس طرح مسجد تعمیر کریں کہ ان کے جسد اطہر کو قبر سے نکال دیں اور ہڈیاں پھینک دیں اور چونکہ یہ دونوں باتیں انبیاء اور ان کے متبعین ہی کے ساتھ خاص ہیں ، کفار میں نہیں پائی جاتیں اس لئے اگر کفار کی قبروں سے ہڈیاں نکال کر پھینک دی جائیں

اور ان کی جگہ مسجد تعمیر کر لی جائے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں ۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کا ارشاد

حافظ ابن حجر کی رائے سے استدلال تو تام ہوگیا لیکن امام بخاری کے دعوی اور دلیل کی مطابقت میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا ارشاد اس سے زیادہ واضح اور مضبوط ہے، فرماتے ہیں کہ یہود پر لعنت کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجود بنا کر بت پرستوں سے تشبہ اختیار کرلیا تھا، اس تشبہ سے بچنے کیلئے ضروری ہوگا کہ قبروں کو برابر کر کے تشبہ کی بنیاد کو ختم کر دیا جائے، البتہ قبروں کو مٹا کر برابر کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قبر کھود کر ہڈیاں نکال دی جائیں اور دوسرے یہ کہ قبر کو باقی رکھتے ہوئے اسے زمین کی طرح ہموار کر دیا جائے، یہ دونوں باتیں انبیائے کرام کے حق میں جائز نہیں کہ اس سے توہین لازم آتی ہے جبکہ مشرکین کی قبروں کے ہڈیاں نکال کر صاف کر دینے میں اس طرح کی خرابی لازم نہیں آتی ۔

شیخ الاسلام دہلوی کی رائے

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد شیخ الاسلام دہلوی کی رائے سے بہت قریب ہے، وہ کہتے ہیں کہ امام بخاری کے دعوی اور دلیل میں مطابقت یہ ہے کہ یہود پر لعنت کا سبب یہ ہوا کہ انبیاء کی قبروں پر مسجد تعمیر کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو قبروں کو اکھاڑ دیا جائے جس سے توہین لازم آتی ہے یا قبروں کو باقی اور تعظیم میں غلو اختیار کرتے ہوئے انہیں مسجود و معبود بنالیا جائے اور یہ دونوں باتیں لعنت کا سبب ہیں جبکہ مشرکین کی قبروں میں یہ دونوں باتیں نہیں، ان کی قبروں کو صاف کر کے مسجد بنانے میں ان کی تعظیم و توقیر کا عمل نہیں بلکہ یہ تو سیئہ کو حسنہ سے تبدیل کرنے والا عمل ہے ۔

علامہ سندھی کا ارشاد

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر مشرکین کے مقبرے کو مسجد میں تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو کیا یہ ضروری ہوگا کہ ان کی قبروں کو صاف کر کے اور ہڈیاں نکال کر مسجد بنائی جائے تاکہ وہاں قبر باقی نہ رہے اور قبروں کو مسجد بنانے والوں کے حق میں وارد شدہ وعید کا مصداق نہ ہو، یا ایسا کرنا ضروری نہیں ؟ بخاری نے یہود کے حق میں ذکر کردہ وعید نقل کر کے بتلا دیا کہ مشرکین کی قبروں کو ختم کر دینا ضروری ہوگا اسلئے کہ حدیث پاک کا تقاضا یہ ہے کہ قبروں کو مسجد نہیں بنایا جا سکتا ۔ جب قبروں کو مسجد نہیں بنایا جا سکتا تو مشرکین کی ہڈیوں کو نکال کر صاف کر دینا ضروری ہوگا تاکہ قبروں کو مسجد میں تبدیل کرنے کی وعید سے بچا جا سکے ۔

حضرۃ الاستاذ کی وضاحت

ان تمام ارشادات و اقوال کے مطابق امام بخاری کے دعوی اور دلیل میں مطابقت ہو جاتی ہے لیکن سب سے آسان اور عام فہم بات جو حضرۃ الاستاذ

نے ارشاد فرمائی، یہ ہے کہ بخاری کا دعویٰ یہ ہے کہ مشرکین کے قبرستان کو مسجد بنانا ہو تو قبروں کو صاف کردینا ضروری ہوگا کیونکہ قبروں کو باقی رکھتے ہوئے مسجد کی تعمیر لعنت کا سبب ہے، یہود و نصاریٰ پر لعنت کا سبب بھی یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو باقی رکھتے ہوئے ان کو مسجد بنالیا تھا، جب انبیاء کی قبروں کو باقی رکھتے ہوئے مسجد بنانا موجب لعنت ہے تو ظاہر ہے کہ قبور مشرکین کے ہوتے ہوئے مسجد بنانا بدرجۂ اولیٰ موجب لعنت ہوگا، اس طرح دعویٰ اور دلیل میں مطابقت بالکل واضح ہوگئی ہاں یہ ضرور ہے کہ انبیاء کی قبروں کو کھود کر صاف کرنا حرام اور سخت توہین کا باعث ہے، اس لئے ان کی قبروں کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنا کسی بھی حال میں جائز نہ ہوگا، برخلاف مشرکین کی قبروں کے کہ شرعًا ان کا کوئی احترام نہیں ہے اس لئے ان کی قبروں کی جگہ مسجد تعمیر کرنی ہو تو ضروری ہوگا کہ قبروں کو اکھاڑ کر ہڈیاں الگ کردی جائیں اور جب زمین صاف ہوجائے تو وہاں مسجد بنالی جائے۔

مسلمانوں کے قبرستان کو مسجد میں تبدیل کرنیکا حکم یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد میں تبدیل کرنا کسی حال میں جائز نہیں اور صالحین کی قبروں کا بھی یہی حکم ہے، اور مشرکین کی قبروں کو صاف کرکے مسجد بنانا جائز ہے۔

رہا عام مسلمانوں کے قبرستان کا معاملہ، تو اس سلسلے میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ پرانے قبرستان (قبور عادیہ) پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے اور ان کی حد راجح قول کے مطابق چالیس سال مقرر کی گئی ہے یعنی اگر قبرستان میں چالیس سال سے تدفین نہیں ہو رہی ہے اور وہاں مسجد بنانے کی ضرورت پیش آجائے تو چونکہ وہاں کچھ باقی نہیں رہتا اسلئے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت ہے اور اگر ایسی صورت ہو کہ جہاں مسجد تعمیر کی جارہی ہے وہاں قبر آگئی تو فقہاء نے اس کی صورت یہ لکھی ہے کہ قبر کو کھود کر صاف بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مومن ہونے کے سبب قابل احترام ہے اور میت کی ہڈیوں کو توڑنے کی ممانعت بھی ہے، حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے۔

كسر عظم الميت ككسره حيًّا — میت کی ہڈیوں کو توڑنا، زندہ کی ہڈیوں کو توڑنے کی طرح ممنوع ہے۔

(ابن ماجہ کتاب الجنائز)

اسلئے اگر تازہ قبر آجائے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ نشان تو نہ رکھا جائے گا کہ اس کی ممانعت ہے البتہ قبر کے اوپر ڈاٹ لگا کر قبر کو وہیں محفوظ کردیا جائے گا اور اوپر صحن وغیرہ پھیلا دیا جائے گا اس طرح کوئی خرابی لازم نہ آئے گی۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کا حکم یہ امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا دوسرا جزء ہے وما يكره من الصلوٰة

فی القبور الخ کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنا مکروہ ہے ، امام بخاری نے استدلال یہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ کو دیکھا کہ قبر کے قریب نماز پڑھ رہے ہیں ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہوگا کہ یہاں قبر ہے ، حضرت عمرؓ نے فرمایا اَلْقَبْرَ یعنی قبر سے بچ کر نماز پڑھو ، مگر اعادہ کا حکم نہیں دیا ، معلوم ہوا کہ نماز تو ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی ۔ لیکن اس مسئلے میں بھی فقہاء کرام کا اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اختلاف رائے ہے ، امام احمد بن حنبلؒ نے قبرستان میں نماز پڑھنے کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے وہ اس میں تفصیل نہیں فرماتے کہ قبروں کے درمیان ہو یا قبروں سے بچ کر کوئی جگہ چبوترے کی صورت میں اونچی کرکے یا مستقل بنالی گئی ہو ، زمین پر نجاست کا اثر ہو یا نہ ہو امام احمد کے نزدیک ہر صورت میں نماز حرام ہے ، امام ابو ثور بھی اسی کے قائل ہیں کہ حمام اور مقبرہ دونوں جگہ نماز نہیں پڑھی جائے گی ، اصحاب ظواہر بھی حرمت کے قائل ہیں ، ان حضرات کا عمل اس روایت کے ظاہری معنی پر ہے جس میں آیا ہے

الارض کلھا مسجد الا المقبرة والحمام (ابوداؤد ، ترمذی)	پوری سرزمین سجدہ گاہ یعنی نماز کی جگہ ہے علاوہ مقبرہ اور حمام کے ۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے تفصیل فرمائی ہے کہ اگر قبرستان میں قبروں کو اکھاڑا گیا ہے اور مردوں کے جسم کی ناپاکی مٹی سے ملی ہوئی ہے تو نماز نجاست کے سبب درست نہیں لیکن اگر ایسا نہیں ہے یا وہاں کوئی پاک جگہ بھی ہے تو ان کے نزدیک نماز کی اجازت ہے ۔

امام مالک رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ قبرستان میں نماز پڑھنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے اور دوسرا قول جمہور کے مطابق ہے کہ نماز پڑھنا مکروہ ہے ۔

امام ابوحنیفہ ، امام اوزاعی اور امام ثوری رحمہم اللہ سے قبرستان میں نماز پڑھنے کی کراہت منقول ہے مگر اس میں فقہاء احناف نے تفصیل کی ہے کہ قبر کے اوپر نماز پڑھنا ، یا قبر کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ، یا قبر کو داہنی یا بائیں طرف لے کر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ پہلی صورت میں قبر کی توہین ہے ، دوسری میں تشبہ بالاصنام ہے اور تیسری صورت میں بیجا تعظیم ہے جس کی اجازت نہیں لیکن اگر قبر کو پشت کی جانب لیکر نماز پڑھی جائے یا نمازی اور قبر کے درمیان کوئی چیز حائل ہو یا قبروں سے بچ کر نماز کیلئے کوئی چبوترہ وغیرہ بنایا گیا ہو تو وہاں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے ۔

صالحین کے مزار کے قریب مسجد کی تعمیر رہا یہ کہ صالحین کے مزار کے قریب مسجد تعمیر کرنے کا کیا حکم ہے تو علامہ عینی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی صالح انسان کی قبر کے قریب مسجد اس طرح تعمیر کرلی جائے کہ قبر مسجد سے بالکل باہر اور علیحدہ ہو ، قرب سے مقصود

صرف برکت کا حصول ہو، نماز میں صاحبِ قبر کی تعظیم یا ان کی جانب توجہ پیشِ نظر نہ ہو تو اس میں مضایقہ نہیں، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ کسی مردِ صالح کی قبر کے قریب مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ مسجد تعمیر کرنا وعید میں شامل نہیں ہے، ملا علی قاری نے بھی یہی لکھا ہے اور اسی طرح کے الفاظ قریب قریب تمام ہی علماء نے استعمال کئے ہیں، ملا علی قاری کے الفاظ یہ ہیں

امامن اتخذ مسجدا فی جوار صالح او صلی فی مقبرۃ وقصد الاستظہار بروحہ اووصول اثر ما من اثر عبادتہ الیہ لا للتعظیم لہ والتوجہ نحوہ فلا حرج علیہ (مرقاۃ ص ۲/۴۵۶ ۱۲۰)

رہا یہ کہ اگر کوئی صالحین میں سے کسی کے مزار کے قریب مسجد بنا لے یا مقبرہ میں نماز پڑھ لے اور ان کی روح سے تقویت یا ان کی عبادت کے اثرات سے مستفید ہونے کا ارادہ ہو، نماز میں ان کی تعظیم یا انکی طرف توجہ کی نیت نہ ہو تو اسمیں تنگی نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ صالحین کے مزارات کے قریب مساجد کی تعمیر میں مضایقہ نہیں۔

تشریح حدیث حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ہمراہ اور حضرت ام سلمہؓ نے اپنے شوہر حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، عبداللہ بن جحش کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا تو عدت کے بعد نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کا مہر ادا کر کے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ کو اطلاع دیدی، آپؐ نے قبول فرمالیا، حضرت ام سلمہؓ کے شوہر ابو سلمہؓ کا مدینہ طیبہ واپسی کے بعد انتقال ہوا، پھر آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا، غرض یہ کہ یہ دونوں ہی ازواجِ مطہرات حبشہ رہ آئی تھیں، انہوں نے مرض الوفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حبشہ کے ایک گرجا گھر کا تذکرہ کیا، دوسری روایات میں آتا ہے کہ اس گرجا گھر کا نام "ماریہ" تھا، انہوں نے بتلایا کہ اس گرجا میں تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی مردِ صالح وفات پاجاتا تو اس کی قبر پر یہ لوگ مجسمہ قائم کر دیا کرتے تھے شاید ابتدائی طور پر مقصد یہ رہا ہو کہ متوفی کے متعلقین اور عقیدتمندوں کو اسے دیکھ کر تسکین حاصل ہو، اور وہ اس کے طریقِ کار پر عمل پیرا رہیں، پھر یہ ہوا کہ مجسمے قائم کرنے والوں کا مقصدِ اصلی بعد میں آنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور شیطان کو رہزنی کا موقع مل گیا، اُس نے دھوکا دیا کہ یہ مجسمے تمہارے باپ دادا نے پوجا کے لئے بنائے تھے، چنانچہ ان کی پرستش شروع ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے دن، بدترین مخلوق ہوں گے کہ انہوں نے ایک رسمِ بد قائم کی، مرض الوفات میں آپ کی جانب سے اس ہدایت کا یہ مفہوم ہے کہ آپ کے بعد آپ کے مزار

کے ساتھ ایسا نہ کیا جائے، چنانچہ الحمد للہ آپ کی امت اس پر قائم ہے۔
روایت میں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے، تصویریں بنانے، مجسمے قائم کرنے کی نہایت تاکید کے ساتھ ممانعت آگئی اور چونکہ یہ حکم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا ہے اس لئے کسی بھی ذی روح کی تصویر کھینچنا یا مجسمے بنانا قطعاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَنَزَلَ أَعْلَى الْمَدِينَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَأَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِينَ السُّيُوفَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإٍ بَنِي النَّجَّارِ فَقَالَ يَا بَنِي النَّجَّارِ ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا قَالُوا لَا وَاللهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ أَنَسٌ فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَفِيهِ خَرِبٌ وَفِيهِ نَخْلٌ فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ وَهُوَ يَقُولُ

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ ❊ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

ترجمہ، حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ نے مدینہ کے بالائی علاقہ میں ایک قبیلے میں جنھیں بنو عمرو بن عوف کہا جاتا تھا تشریف ارزانی کی وہاں آپ نے چوبیس یوم تک قیام فرمایا، پھر آپ نے بنوالنجار کے پاس (بلوانے کیلئے) پیغام بھیجا تو وہ تلواریں حمائل کئے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (آپ ان کے ساتھ روانہ ہوئے) پس گویا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر دیکھ رہا ہوں جبکہ ابوبکر صدیق آپ کے پیچھے سوار ہیں اور قبیلہ بنو نجار چاروں طرف سے آپ کو گھیرے ہوئے ہے حتی کہ آپ نے اپنا سامان ابوایوب انصاری کے صحن میں اتار دیا اور آپ کا دستور یہ تھا کہ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا وہیں نماز پڑھ لیتے تھے اور آپ بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ بھی نماز پڑھ لیتے تھے اور یہ کہ آپ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیدیا اور بنو نجار کی جماعت کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ اے بنی نجار! تم مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت لے لو، ان لوگوں نے کہا کہ بخدا ہم اس کی قیمت اللہ کے علاوہ کسی سے طلب نہ کریں گے، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں بتلاتا ہوں کہ اس میں مشرکین کی قبریں تھیں کچھ کھنڈرات

تھے اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں اکھاڑ دیا جائے، ویران حصے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے ہموار کر دیا جائے اور درختوں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں کاٹ دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پھر ان کھجوروں کو مسجد کے قبلہ کی سمت میں (ستون کی جگہ) برابر برابر کھڑا کر دیا گیا، ان کے دائیں بائیں بازوؤں کی جگہ (یعنی دو ستونوں کے درمیانی خلا میں) پتھر لگا دیئے گئے اور لوگ رجز پڑھتے ہوئے پتھر اٹھا کر لاتے لگے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ رہے اور آپ اس وقت یہ رجز پڑھتے تھے، اے اللہ! کوئی خیر آخرت کی خیر کے علاوہ نہیں ہے، اس لئے انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔

تشریح حدیث ہجرت کا واقعہ مختصر طور پر بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو سیدھے شہر مدینہ میں تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ پہلے اعلائے مدینہ میں جہاں بنو عمرو بن عوف آباد تھے، قیام پذیر رہے، مراد ہے قبا، جہاں اسی قیام کے دوران آپؐ نے مسجد قبا تعمیر فرمائی اور جس میں ہر ہفتہ آپ کے تشریف لیجانے کا معمول تھا، اس جگہ آپ کا قیام ۲۴ روز رہا، بخاری کی بعض دوسری روایات میں ۱۴ دن قیام کا تذکرہ ہے جس دن آپ نے قبا میں نزولِ اجلال فرمایا، راجح قول کے مطابق پیر کا دن تھا اور ربیع الاول کی ۸ رتاریخ تھی، قبار میں قیام کے دوران ۱۴ دن کے اندر دو جمعہ اور ۲۴ روز قیام کی روایت کے مطابق تین جمعہ آئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ ادا نہیں فرمایا حالانکہ مکہ میں جمعہ کی فرضیت ہو چکی تھی، پہلا جمعہ آپ نے قبا سے روانہ ہونے کے بعد محلہ بنو سالم میں پڑھا۔

مدینہ طیبہ کیلئے روانگی ثم ارسل الی بنی النجار الخ پھر آپ نے بنو نجار کے پاس جو آپ کے ننھیالی رشتہ دار تھے اطلاع بھیجی کہ ہم مدینہ طیبہ آ رہے ہیں۔ بنو نجار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے اس شان سے حاضر ہوئے کہ تلواریں حمائل کئے ہوئے تھے، قبائل کے سرداروں اور بڑے لوگوں کی پذیرائی کی صورت یہی ہوتی تھی کہ تلواروں اور نیزوں کے ساتھ استقبال کیا جائے، آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو ان کی عزت افزائی کیلئے پیچھے بٹھا رکھا تھا حالانکہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس سواری الگ موجود تھی، آپ اس شان سے روانہ ہوئے کہ صدیق اکبر ہم رکاب ہیں اور قبیلہ بنو نجار کے سردار آپ کے اردگرد چل رہے ہیں، راستے میں جتنے قبائل آتے رہے ان میں سے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمارے یہاں تشریف فرما ہوں اور خدمت کا موقع دیں مگر آپ ان حضرات کو دعا دیتے اور فرماتے کہ ناقہ یعنی آپ کی سواری منجانب اللہ مامور ہے، جہاں کا اس کو حکم ہوگا وہیں یہ بیٹھے گی یہاں تک کہ ناقہ ابوایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی، ایک روایت میں ہے کہ ناقہ پھر کھڑی ہوئی

اور مسجد کی تعمیر کے پاس گئی مگر پھر لوٹی اور آکر وہیں بیٹھ گئی آپ نے وہاں سامان اتروایا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکان میں چھ مہینے قیام فرمایا۔

حضرت ابوایوبؓ کے گھر کی تاریخی اہمیت تاریخ وسیر کی کتابوں میں یہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کا یہ مکان جس میں آپ نے قیام فرمایا، یمن کے بادشاہ تبع اول نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام سے تعمیر کرایا تھا جس کو ایک ہزار سال گذر چکے تھے۔ تبع اول نے ایک ہزار سال پہلے ادھر کا سفر کیا تھا، مکہ معظمہ میں اس نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچا تو اس کے ساتھ چارسو علمار تھے، جب یہ علمار مدینہ پہنچے تو انہوں نے تبع سے درخواست کی کہ انہیں یہیں قیام کی اجازت دی جائے۔ اس نے وجہ دریافت کی تو ان علمار نے بتلایا کہ ہم انبیار علیہم السلام کے صحیفوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ نبی آخرالزماں جن کا نام محمد ہوگا یہ سرزمین ان کا دارالہجرت ہوگی، ہم یہاں قیام کرکے ان کا انتظار کرنا چاہتے ہیں، اگر ہماری زندگی میں ایسا ہوگیا تو زہے قسمت ورنہ ہم آپ کے بارے میں اپنی اولاد کو وصیت کردیں گے، کہا جاتا ہے کہ وہ علمار اوس وخزرج کے آبار واجداد تھے، تبع نے نہ صرف یہ کہ ان علمار کو یہاں قیام کی اجازت دی، بلکہ وہ خود بھی یہاں کچھ دنوں کیلئے قیام پذیر رہا اور اس نے ہر عالم کے لئے مستقل ایک مکان تعمیر کرایا، ان کے نکاح کا انتظام کیا اور ان کو بیش قیمت اموال عطا کئے، علمار کے مکانات کے علاوہ اس نے ایک مکان خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تیار کرایا کہ جب نبی آخرالزماں مدینہ میں منتقل ہوں تو وہ اس مکان میں قیام فرمائیں اور آپ کے نام اس نے ایک تحریر لکھی جس میں اپنے اسلام اور ملاقات کے اشتیاق کا اظہار تھا۔ یہ تحریر اس نے ان علمار میں سے ایک بڑے عالم کے سپرد کی کہ اگر آپ نبی آخرالزماں کا زمانہ پائیں تو میری یہ تحریر آپ کی خدمت میں پیش کردینا، ورنہ میری یہ تحریر اپنی اولاد کے سپرد کرکے انہیں یہی وصیت کرنا جو میں تم کو کررہا ہوں، کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوبؓ انصاری اسی بڑے عالم کی اولاد میں تھے اور انھوں نے تبع کی وہ تحریر آپ کی خدمت میں پیش کی تھی جو ان کے پاس نسلاً بعد نسل وصیت کے طور پر منتقل ہوتی ہوئی پہنچی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر بہرحال حضرت ابوایوب انصاری کے گھر پر ناقہ بیٹھ گئی روایت میں آیا کہ اس سفر میں جس جگہ بھی نماز کا وقت ہوجاتا تھا آپ وہیں نماز پڑھ لیتے تھے اور بکریوں کے باڑے میں بھی پڑھ لیتے تھے، مدینہ طیبہ پہنچنے کے چھ مہینے کے بعد آپ نے ۱ھ میں مسجد کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو نظرِ انتخاب اس جگہ پر پڑی جہاں آپ کی ناقہ آکر بیٹھ گئی تھی اور جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دو یتیموں کا مربد یعنی کھجور خشک کرنے کا میدان تھا، اس روایت میں آرہا ہے کہ وہ بنو النجار کا ایک باغ

تھا، آپؐ نے بنو نجار کے ذمہ داروں کو بلایا اور ان سے اس جگہ کو خریدنے کی بات کی ۔ یہ دونوں یتیم سہل اور سہیل چونکہ قبیلۂ بنو نجار کے تھے اور اسعد بن زرارہ یا معاذ بن عفراء کی زیر تربیت تھے جن سے بلا کر بات کی گئی، اس لئے ان دونوں باتوں میں تضاد نہیں ہے ۔ ان حضرات نے قیمت لینے سے انکار کیا کہ ہم اس کی قیمت صرف اللہ سے لیں گے لیکن وہ چونکہ یتیموں کی جائیداد تھی اسلئے قیمت ادا کی گئی، زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو قیمت ادا کرنے کا حکم دیا، بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت دس دینار ادا کی ۔

مسجدِ نبوی کی جگہ پہلے کیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ اس باغ میں کیا کیا تھا ، اس میں مشرکین کی قبریں تھیں ، جگہ جگہ کھنڈر یا گڑھے تھے کچھ کھجور کے درخت تھے ، پھر آپ کے حکم سے ان قبروں کو اکھاڑ دیا گیا ، بعض روایات میں آتا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکین کی قبروں کی کھدائی کرانے کے بعد ان کے اندر پانی چھڑکوایا تاکہ تطہیر کی ظاہری صورت کے ساتھ عذاب خداوندی کی گرمی کو ٹھنڈا کیا جائے ۔ کھنڈرات کے حصوں کو ہموار کیا گیا اور درختوں کو کاٹ دیا گیا ، پھر وہ درخت قبلہ کی سمت کے ستونوں میں کام آئے اور ان ستونوں کے درمیان کی جگہ کو پتھروں سے پُر کیا گیا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فصفوا النخل قبلۃ المسجد وجعلوا عضادتیہ الحجارۃ فرمایا ہے جس کا مطلب بعض شارحین نے یہ سمجھا ہے کہ دیوارِ قبلہ صرف کھجوروں کے تنوں کی صف بندی کرکے تیار کی گئی ، بعض نے سمجھا ہے کہ دیوار تو مٹی اور گارے ہی سے تیار کی گئی البتہ ستون کی جگہ کھجوروں کو استعمال کیا گیا ، کسی نے یہ سمجھا ہے کہ سمتِ قبلہ میں مسقف حصہ کے ستونوں کی جگہ کھجور کے تنے استعمال کئے گئے لیکن حضرت انسؓ کے ارشاد کا حاصل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دیوار قبلہ میں ستون کی جگہ کھجور کے تنے استعمال کئے گئے اور ان تنوں کے درمیانی خلا کو پتھروں سے پُر کیا گیا ۔ عضادتیہ کی ضمیر نخل کی طرف لوٹ رہی ہے اور عضادۃ کا ترجمہ جہاں بازو اور دروازے کی چوکھٹ وغیرہ آتا ہے وہاں اس کا ترجمہ مایشد اویسد جوانب الشئ یعنی جو کسی چیز کے جانبین کو پُر یا مضبوط کرے ، بھی آتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ نخل کے تنوں کی دونوں جانب کو یعنی درمیانی خلا کو پتھروں سے پُر کیا گیا ۔

رجز شعر ہے یا نہیں یہ پتھر چونکہ دور سے لائے جارہے تھے اس لئے بوجھ میں تخفیف پیدا کرنے کے لئے زبانوں پر رجز جاری تھا ، رجز کلام موزوں کی ایک قسم ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ شعر ہے یا نہیں ، عام علماء عروض اور اہل ادب کی رائے یہ ہے کہ یہ شعر نہیں ہے ، اختلاف

کی وجہ یہ ہوئی کہ رجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جبکہ شعر کہنے کی نص قرآنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی گئی ہے وما علمنٰه الشعر وما ينبغي له کہ نہ ہم نے آپ کو شعر کی تعلیم دی اور نہ یہ آپ ﷺ کی ذات کے شایانِ شان ہے، اس لئے آپ کی جانب سے رجز کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شعر کی اقسام میں سے نہیں ہے۔ اور جن حضرات نے رجز کو شعر کی قسم قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ شعر وہ کلام موزوں ہے جس میں قصد وارادہ کا دخل ہو اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے رجز کے طور پر جو ثابت ہے اس میں آپ کے قصد وارادہ کا دخل نہیں ہے۔ اس لیے وہ شعر کی تعریف میں نہیں آتا۔

بہر حال دور سے پتھر لانے کے سبب زبانوں پر رجزیہ بند جاری تھے اور یہ انسان کی طبیعت ہے کہ وہ بھاری چیز اٹھاتے ہوئے یا تسلسل کے ساتھ محنت کا کام کرتے ہوئے، سانس وغیرہ کو درست کرنے کے لئے، ہمت بڑھانے اور نشاط کی تجدید کرنے کیلئے ایسا کرتا ہے، چھپّر چڑھاتے وقت یا ریل کی لائن بچھاتے وقت ایسا ہوتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ عام انسانوں کے رجزیہ کلمات چند فقروں کی تُک بندی پر مشتمل ہوتے ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رجزیہ کلمات میں بھی ذکر خداوندی تذکرۂ آخرت اور دعائے مغفرت کے علاوہ کوئی مضمون نہیں ہے۔

قبرستان وقف نہ ہو تو تصرف کا جواز حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی جس جگہ تعمیر کی گئی ہے وہاں پہلے مشرکین کا قبرستان تھا مگر یہ قبرستان بنو نجار کی ملکیت تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خریدنے کی خواہش ظاہر کی، ابتداءً ان حضرات نے قیمت لینے سے انکار کیا یعنی کہ اس کو ہبہ کرنا چاہا، لیکن راجح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی قیمت اداکرادی، معلوم ہوا کہ قبرستان اگر وقف نہ ہو بلکہ کسی کی ملکیت ہو تو اس کو فروخت یا ہبہ کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر وقف ہو تو اس کی بیع یا ہبہ کی اجازت نہیں ہے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ۔

ترجمہ، باب، بکریوں کے باڑے میں نماز کا جواز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے، پھر میں نے اس کے بعد انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔

مقصد ترجمہ مَرَابِض، مربض کی جمع ہے، جس جگہ رات کے وقت بکریاں باندھی جاتی ہیں اس کو

مربض کہتے ہیں، اس کا ترجمہ ہے "باڑا"۔ اور جہاں بکریوں سے بڑے جانور یعنی گائے بیل اونٹ وغیرہ رات کے وقت باندھے یا رکھے جاتے ہیں اس کو اردو میں "سال" کہتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ بکریوں کے باڑے یا گائے، بیل، اونٹ کی سال میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس ترجمہ میں امام بخاری واضح فرمارہے ہیں کہ اس امت کی خصوصیات میں یہ ہے کہ ان کی نماز کیلئے کسی مکان کی قید نہیں، امم سابقہ کے مقابلہ پر انہیں یہ امتیاز عطا کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جعلت لی الارض مسجدا و طھورا (رواہ مسلم) — میرے لئے پوری زمین سجدہ گاہ اور ذریعۂ طہارت بنادی گئی۔

یعنی بکریوں کا باڑا ہو یا اونٹ کی سال ہو جعلت لی الارض مسجدا کے عموم میں یہ بھی شامل ہیں اور ان تمام جگہوں پر نماز پڑھنا درست ہے۔ بکریوں کے قریب کھڑے ہونے یا بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے کسی قسم کا نقصان واقع نہیں ہوتا۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر بکریوں کے باڑے اور اونٹوں کی سال کے علاوہ کوئی اور مناسب جگہ نماز کیلئے مہیا نہ ہو تو اونٹوں کی سال کے مقابلہ پر بکریوں کے باڑے کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ بکریوں کے باڑوں میں زمین کو عموماً نرم اور ہموار رکھا جاتا ہے، ان میں صفائی کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور بکریوں کے قریب نماز پڑھنے سے نمازی کو کوئی خطرہ یا تشویش لاحق نہیں ہوتی، ابوداؤد میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا

صلوا فیہا فانہا برکۃ (رواہ ابوداؤد) — بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو کہ بکری میں اللہ نے برکت دی ہے

جبکہ اونٹوں کی جگہ سنگلاخ اور ناہموار ہوتی ہے، وہاں صفائی کا اہتمام نہیں ہوتا اور اونٹ میں طبعی طور پر شرارت ہوتی ہے، ابن ماجہ میں روایت ہے

عن عبداللہ بن مغفل المزنی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا فی مرابض الغنم ولا تصلوا فی اعطان الابل فانہا خلقت من الشیاطین (رواہ ابن ماجہ ص۵۶)

عبداللہ بن مغفل مزنی رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لو اور اونٹ کی سال میں نماز نہ پڑھو کیونکہ اونٹ کی تخلیق شیاطین سے ہوئی ہے۔

اونٹ کی اس طبعی شیطنت کی بنیاد پر نمازی کو اس کے قریب اطمینان نصیب نہیں ہو سکے گا، بس یہی وجہ ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا اونٹ کی سال سے بہتر ہے ورنہ جہاں تک جواز کا تعلق ہے تو وہ دونوں جگہ پایا جاتا ہے کہ اس امت محمدیہ کیلئے پورا روئے زمین مصلیٰ اور نماز کی جگہ بنادیا گیا ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے پھر یہ وضاحت آئی کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کا یہ عمل مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے تھا مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ کا معمول مسجد میں نماز پڑھنے کا رہا، اس سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا مطلوب نہیں ہے بلکہ یہ جعلت لی الارض مسجدا کے عموم کی عملی وضاحت کے طور پر کیا گیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ امتیازات بیان کرتے ہوئے فرمایا

وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما	پوری زمین کو میرے لیے نماز کی جگہ اور طہارت کا ذریعہ
رجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل	بنا دیا گیا ہے، میری امت میں سے جس کو بھی جہاں نماز
(مشکوٰۃ ص۵۱۲)	کا وقت آجائے نماز پڑھ لینی چاہیئے۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ کسی بھی جگہ نماز پڑھنے کے امتیازی وصف کی تفصیل میں بکریوں کے باڑے میں پڑھی جانے والی نماز بھی شامل ہے، اس کا تعلق ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کی طہارت ونجاست سے براہ راست نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوۃِ فِی مَوَاضِعِ الْاِبِلِ حدثنا صَدَقَۃُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ حَیَّانَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ نَافِعٍ قَالَ رَأَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یُصَلِّیْ اِلٰی بَعِیْرِہٖ وَقَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُہٗ

ترجمہ، باب، اونٹ کی جگہوں میں نماز پڑھنے کا بیان حضرت نافع سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رض کو اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

مقصد ترجمہ اور الفاظ میں ادب کی رعایت روایات میں اونٹ کی سال میں نماز پڑھنے سے جو ممانعت فرمائی گئی ہے ان میں کہیں مَبَارِکُ کا لفظ ہے اور کہیں مَوَاطِن کا اور کہیں مَعَاطِن کا، اس لئے امام بخاری نے بیان جواز کیلئے جو ترجمہ منعقد فرمایا تو ان الفاظ میں سے کوئی لفظ اختیار نہیں کیا بلکہ مَوَاضِع کا لفظ استعمال کیا تاکہ حدیث پاک کے الفاظ سے تقابل نہ ہوجائے یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی احتیاط اور ان کا ادب ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اونٹوں کی سال ہو یا ان کے بیٹھنے کی جگہ ہو یا معطن یعنی پانی پینے کے بعد ان کے بیٹھنے کی جگہ ہو یعنی جہاں وہ پانی پینے کے بعد تازہ دم ہو کر ستانے پر اتر آتے ہیں اور قریب رہنے والوں کے لئے خطرہ بڑھ جاتا ہے، ان تمام مقامات پر اگر نجاست نہ ہو تو جمہور کے نزدیک نماز پڑھنے کی اجازت ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ سب ہی جواز کے قائل ہیں

ظاہر یہ اور امام احمد بن حنبل نے اونٹوں کے معطن میں نماز کو فاسد قرار دیا ہے ، ان حضرات کے پیش نظر ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایات ہیں ، ابوداؤد کی روایت میں انہا من الشیاطین فرمایا گیا ہے یعنی بلاشک اونٹ شیاطین میں سے ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں فانہا خلقت من الشیاطین ہے کہ اونٹ کی تخلیق شیاطین سے کی گئی ہے ، اس بنا پر امام احمد اور اصحاب ظاہر کا فیصلہ یہ ہے کہ معاطن ابل یعنی پانی پینے کے بعد اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز فاسد ہے ، حسن بصری ، ابو ثور اور بعض دیگر فقہاء نے اس جگہ نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے ۔

امام بخاری اس باب میں یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ان جگہوں پر نماز کی ممانعت کی علت اونٹ کا شیاطین سے ہونا مان لی جائے تو پھر اس میں معاطن ہی کی کیا خصوصیت ہے ؟ اونٹ جہاں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس کے قریب نماز درست نہ ہونی چاہیئے جبکہ روایات میں اونٹ کا گھٹنا باندھ کر اس کو نماز میں سُترہ بنانے کا تذکرہ موجود ہے ، نیز سُترہ بنانے کی تو اتنی اہمیت نہیں کہ اس میں فی الجملہ بعد ہوتا ہے اونٹ پر سواری کی حالت میں نماز پڑھنا ثابت ہے جس میں اونٹ کا قرب ہی نہیں اونٹ کا استعمال پایا جاتا ہے ۔ امام بخاری اس ترجمۃ الباب میں یہی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انہا خلقت من الشیاطین کو علت قرار دیکر معاطن ابل وغیرہ میں نماز کے ناجائز ہونے کا فیصلہ درست نہیں کیونکہ اس کا یہ مطلب ہی نہیں ہے ، اس روایت کا مطلب تو اونٹ کی فطری شرارت اور شیطنت کا بیان ہے ، یہ بات اونٹ میں اتنی زیادہ ہے کہ اونٹ پالنے والوں کی طبیعت میں بھی سختی اور درشتی پیدا ہوجاتی ہے ، کبر اور غرور جیسے امراض بھی ان لوگوں میں ۔ اِلّا ماشاء اللہ ۔ پیدا ہوجاتے ہیں ، پھر پانی پینے کی جگہ جہاں بہت زیادہ اونٹ ہوتے ہیں ، سب آزاد ہوتے ہیں ، پانی پی کر تازہ دم ہوجاتے ہیں اس لئے وہاں نماز پڑھنے میں اطمینان قلب کے میسر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ، اسی لئے نہی فرمادی گئی ۔

لیکن جعلت لی الارض مسجداً وطہوراً کے عموم کے مطابق ۔ یہ جگہ بھی اگر پاک ہو اور اونٹ کے خطرات کو نکیل ڈال کر یا اس کے گھٹنے باندھ کر کم کر دیا گیا ہو تو ان مقامات میں نماز پڑھنے میں مضایقہ نہیں ۔

روایتِ باب سے بھی یہی مضمون ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اونٹ کو سامنے بٹھلا کر نماز پڑھی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے ، معلوم ہوا کہ اونٹ کی شرارت سے تحفظ ہو تو اس کے قریب نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے ۔ واللہ اعلم

بابُ مَنْ صَلّٰی وَقُدَّامَهُ تَنُّورٌ اَوْ نَارٌ اَوْ شَیْءٌ مِمَّا یُعْبَدُ فَاَرَادَ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَالَ الزُّهْرِیُّ اَخْبَرَنِیْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ وَاَنَا اُصَلِّیْ حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ

بن مسلمۃ عن مالکٍ عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن عبد اللہ بن عباس قال انخسفت الشمس فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اُریتُ النار فلم ار منظراً کالیوم قط افظع ۔

ترجمہ، باب، جو شخص اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کے سامنے تنور یا آگ یا کوئی ایسی چیز ہو جس کی عبادت کی جاتی ہو لیکن اس کی نیت صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کی ہو، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز پڑھنے کی حالت میں میرے سامنے جہنم لائی گئی ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورج گہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر فرمایا کہ مجھے نماز کی حالت میں جہنم دکھائی گئی، چنانچہ میں نے آج کی طرح کا ہیبت ناک منظر کبھی نہیں دیکھا ۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ نماز پڑھنا چاہتا ہے جہاں سامنے تنور ہے جس میں آگ بھری ہوئی ہے یا سامنے کی سمت میں کوئی شمع روشن ہے یا کوئی بھی ایسی چیز ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے جیسے پیپل کا درخت وغیرہ، لیکن نماز پڑھنے والے نے نہ تو ان چیزوں کے استقبال کا ارادہ کیا اور نہ اس کے دل میں ان بیہودہ چیزوں کی تعظیم کا خیال آسکتا ہے بلکہ اس کی نماز صرف اللہ کے لئے ہے ۔ مثلاً کسی ایسی جگہ نماز کا ارادہ کیا جہاں پیپل کا درخت سُترہ کے طور پر استعمال ہوا، اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہے کہ یہ درخت کچھ لوگوں کے نزدیک متبرک اور قابلِ پرستش بھی ہے ۔ یا مثلاً تنور میں آگ دہک رہی تھی، موسم سرد تھا، نمازی اس خیال سے وہاں کھڑا ہو گیا کہ آگ کے قریب حرارت پہنچتی رہے گی ۔ تو اگر ایسی چیزیں اتفاقی طور پر سامنے ہو جائیں جبکہ نمازی کی نیت، نماز میں محض رضائے خداوندی کے حصول کی ہو، ان چیزوں کے لائق احترام یا قابلِ پرستش ہونے کا تصور تک نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہے نہ مکروہ ۔

امام بخاری نے ترجمہ میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے، تنور یا آگ یا کوئی ایسی چیز جس کی عبادت کی جاتی ہو اور بتلایا ہے کہ سب کا ایک ہی حکم ہے کہ یہ نمازی کی نیت پر موقوف ہے ۔ ان تینوں چیزوں میں بخاری نے تنور کو اسلئے مقدم کیا ہے کہ اس کی اہمیت ہے کیونکہ مجوسی اس کی پرستش کرتے ہیں اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے تنور کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے انہ کرہ الصلوٰۃ الی التنور وقال ھو بیت نار کہ ابن سیرین نے تنور کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ آگ کا گھر ہے، امام بخاری نے غالباً اسی وجہ سے تنور کو سب سے مقدم ذکر کیا اور مقصد یہی ہے کہ نماز میں نمازی کے سامنے

کوئی ایسی چیز آجائے جس کی پرستش کی جاتی ہو جبکہ نمازی کی نیت صحیح ہو تو اس سے نماز میں کراہت یا فساد واقع نہیں ہوتا بلکہ نماز بلاکراہت صحیح ہوتی ہے ۔

ترجمہ کا ثبوت اور تشریح احادیث اس ترجمہ کے تحت امام بخاریؒ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں جو امام بخاری نے حضرت انسؓ بن مالک سے تعلیقاً ذکر کی ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز کی حالت میں آگ پیش کر دی گئی اور آپ بدستور نماز میں مشغول رہے ، نہ نماز کو توڑا گیا ، نہ استیناف فرمایا ، نہ اس میں کراہت پیدا ہوئی معلوم ہوا کہ نماز میں آگ سامنے آجائے تو اس سے نماز میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا ، کیونکہ روایت میں یہ مضمون صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ نماز میں آگ میرے سامنے پیش کی گئی ، امام بخاری نے اس سے استدلال کرلیا کیونکہ عبارت کا ظاہر یہی ہے کہ آگ قریب لائی گئی ، یہ احتمال بعید ہے کہ آگ اپنی جگہ رہی اور درمیان سے حجابات رفع کر دیئے گئے ، اور بخاری کے مقصد اور مدعا کیلئے الفاظ کا ظاہر اور تبادر کافی ہے

دوسری روایت جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے اور یہاں اس کا نہایت مختصر حصہ نقل کیا گیا ہے ، اس کی تفصیل میں یہ مضمون ہے کہ نماز کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفعتہً پیچھے ہٹے ، کبھی آگے بڑھے ، نماز کے بعد دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نماز کے دوران جنت میرے سامنے لائی گئی اور میں نے خوشۂ انگور توڑنا چاہا پھر کچھ خیال کر کے ہاتھ کھینچ لیا اور جہنم بھی مجھکو دکھلائی گئی ، اس سے شارحین نے یہ سمجھا کہ سامنے کی دیوار میں جہنم کو ممثل کر دیا گیا تھا جیسے آئینہ میں صورت نظر آتی ہے ، امام بخاری نے اسی سے ترجمۃ الباب ثابت کر دیا کہ جہنم کے سامنے کی دیوار میں ممثل ہونے سے ثابت ہوگیا کہ اگر نمازی کے سامنے آگ ہو جبکہ نمازی کی نیت صرف اللہ کیلئے نماز پڑھنے کی ہو تو اس میں مضایقہ نہیں ۔

امام بخاری کو اس طرح کے مضامین ثابت کرنے کیلئے اشاروں سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے اُن کے پاس نص صریح نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کو سامنے کی سمت میں لے کر نماز پڑھی ہو ۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب میں حنفیہ پر تعریض کی ہو ، فقہاء احناف نے آگ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے ، لیکن اس صورت میں امام بخاری اپنے مدعا میں کامیاب نہیں ہیں ، کیونکہ احناف غیر اللہ کی عبادت سے تشبہ کے سبب ارادۃً اس آگ کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنے کی کراہت کے قائل ہیں جس کی عبادت کی جاتی ہو ، جبکہ امام بخاری کی ذکر کردہ روایات میں عالم غیب یا تکوینیات کی ایک چیز پیش کی گئی ہے ، اس میں آپ کے ارادہ اور اختیار کا بالکل دخل نہیں ہے اور

ظاہر ہے کہ اختیاری امور کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، پھر یہ کہ جو آگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تھی وہ بالکل دوسری چیز ہے مجوسی جس کی عبادت کرتے ہیں وہ دوسری چیز ہے وغیرہ، اور بھی مختلف امور ایسے ہیں جن کے پیش نظر فقہاء احناف پر تعریض کو درست نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ اعلم

باب کَرَاهِيَةِ الصَّلٰوةِ فِي الْمَقَابِرِ حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا۔

ترجمہ، باب، قبرستان میں نماز کی کراہت کا بیان حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں میں بھی اپنی نمازوں کا کچھ حصہ پڑھا کرو اور ان گھروں کو قبروں کی طرح مت رہنے دو۔

مقصد ترجمہ چند صفحات پہلے هل تنبش قبور مشركي الجاهلية اور اسکے ساتھ مايكره من الصلوٰة في القبور گذر چکا ہے اور وہاں تفصیل آچکی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کے مسئلہ میں فقہاء کرام کا کیا اختلاف ہے، یہاں امام بخاریؒ مستقلاً اس مسئلہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ زمین کے ہر حصہ پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے آپ کا ارشاد ہے جعلت لي الارض مسجدا وطهورا اور مقابر بھی زمین کا ایک حصہ ہیں، بخاری بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اصل کے اعتبار سے زمین کا ہر حصہ نماز کے قابل تھا لیکن عوارض کی وجہ سے خاص خاص حصوں میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا ہے، یہ عوارض کبھی زمین میں ہوتے ہیں اور کبھی ماحول میں، انھی عوارض کی کی بنیاد پر قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ قبرستان میں نماز کا عمل بت پرستوں یا قبر پرستوں سے تشبہ پیدا کرتا ہے اس لئے فقہاء اربعہ اس پر متفق ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ترجمہ کا ثبوت مسئلہ تو یہی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر اس سلسلے میں جو روایت نص کا درجہ رکھتی ہے وہ بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے، وہ روایت ابوداؤد اور ترمذی میں ان الفاظ میں منقول ہے

الارض كلها مسجد الا المقبرة والحمام — زمین سب کی سب سجدہ گاہ ہے علاوہ قبرستان اور حمام کے

چونکہ یہ روایت بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی اسلئے اس کا تو ذکر کر نہیں سکتے، دوسرے طریقوں سے نہایت لطیف طور پر مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز کا کچھ حصہ گھروں میں ادا کرو یعنی فریضہ مسجد میں تو نوافل گھروں میں ولا تتخذوها قبورا اور گھروں کو نماز سے خالی کر کے انہیں قبر کی طرح مت ہونے دو، اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قبرستان نماز کی جگہ نہیں ہے کیونکہ روایت میں یہ فرمایا

گیا ہے کہ گھر نماز سے خالی ہوا تو گھر نہ رہا قبرستان بن گیا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ گھر میں مُردوں کی تدفین نہ کی جائے، کیونکہ مُردوں کو گھروں میں دفن کرو گے تو نماز کی گنجائش نہ رہے گی اور حکم دیا جارہا ہے کہ گھروں میں نماز پڑھی جائے۔ بہرحال اشارہ سے یہ بات نکل آئی کہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جائیگی۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِیْ مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ وَيُذْكَرُ اَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ الصَّلٰوةَ بِخَسْفِ بَابِلَ

حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِيْنَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ لَا يُصِيْبُكُمْ مَا اَصَابَهُمْ

ترجمہ، باب، ایسی جگہ نماز پڑھنے کا حکم جہاں زمین دھنس جانے کا عذاب یا کوئی اور عذاب نازل ہو چکا ہو اور حضرت علی رض سے منقول ہے کہ انہوں نے بابل میں زمین دھنسنے کے عذاب والی جگہ میں نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھا، حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان معذبین کے یہاں مت جاؤ الّا یہ کہ تم پر گریۂ وبکار طاری ہو، اگر گریۂ وبکار طاری نہ ہو تو مت جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم پر وہی عذاب نازل ہو جائے جو ان پر ہو چکا ہے۔

مقصد ترجمہ باب سابق میں بیان کیا گیا کہ قبرستان میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں جبکہ قبرستان میں ہر طرح کے لوگ دفن کئے جاتے ہیں، یعنی وہ لوگ بھی دفن کئے جاتے ہیں جن پر رحمت کا نزول ہوتا ہے اور وہ لوگ بھی دفن ہوتے ہیں جو غضب خداوندی میں ماخوذ ہیں لیکن وہ مقامات جہاں عذاب خداوندی کا نزول ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ جب مقابر میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جہاں ہر طرح کے لوگ دفن ہیں تو عذاب کے مقامات پر نماز پڑھنا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہوگا۔

اسلئے امام بخاری اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عذاب خداوندی خسف یعنی زمین دھنسنے کی صورت میں ہو یا کسی اور طرح کا عذاب ہو ان مقامات میں نماز کی ادائیگی مکروہ ہوگی، حنفیہ کے یہاں بھی ان مقامات میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ محل عذاب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا یعنی رحمت کی طلب کرنا ایک طرح کی جسارت اور آثار غضب سے لاپرواہی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ مقاماتِ غضب میں اقامت اختیار کرنے پر قرآن کریم میں بھی ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے، ارشاد ہے

و سکنتم فی مساکن الذین ظلموا انفسهم وتبین لکم کیف فعلنا بهم	تم نے ان لوگوں کی قیام گاہوں میں سکونت اختیار کی جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور تم پر یہ حقیقت واضح تھی کہ ان کے ساتھ ہم نے کیا معاملہ کیا۔
(سورۂ ابراہیم آیت ۴۵)	

ترجمہ کا ثبوت اور تشریح امام بخاریؒ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دو چیزیں پیش کی ہیں، ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر اور دوسرے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد، اور دونوں سے ان کے مقصد کا ثبوت ظاہر ہے، حضرت علی رضؓ کے اثر کی تفصیل یہ ہے کہ جب وہ صفین کے موقع پر سفر کرتے ہوئے ان مقامات سے گذرے جہاں پہلے شہر بابل آباد تھا، یہ علاقہ اب عراق سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے تو آپ نے وہاں نماز نہیں پڑھی بلکہ تیزی سے راستہ طے کیا اور ان حدود سے باہر نکل کر نماز ادا کی، تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ وہی علاقہ ہے جہاں نمرود نے پانچ ہزار ذراع اونچا منارہ رصدگاہ کے طور پر تعمیر کیا تھا جو بدعملیوں اور سازشوں کے سبب اس پر اور اس کی قوم پر الٹ دیا گیا، قرآن کریم میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے

قد مکر الذین من قبلھم فاتی اللہ بنیانھم	ان سے پہلے لوگ بھی طرح طرح کی چالیں چل چکے
من القواعد فخر علیھم السقف من فوقھم	ہیں پھر اللہ نے ان کی عمارتوں کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکا
(سورۃ النحل آیت ۲۶)	اور اوپر سے چھت اُن پر آکر گری۔

بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ بابل کے مقاماتِ خسف سے گذرے تو انہوں نے وہاں نماز نہیں پڑھی اور ان علاقوں سے آگے بڑھنے کے بعد نماز ادا کی، معلوم ہوا کہ جہاں عذاب خداوندی کا نزول ہو چکا ہو ان مقامات پر نماز پڑھنا مستحسن نہیں ہے۔

امام بخاری کا دوسرا استدلال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب آپ غزوۂ تبوک کیلئے جاتے ہوئے قوم ثمود کی بستیوں سے گذرے حالانکہ قوم ثمود کو گذرے ہوئے سینکڑوں نہیں ہزاروں سال ہو چکے تھے، مگر آپ ادھر سے گذرے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بستیاں ان لوگوں کی ہیں جن پر عذاب خداوندی نازل ہو چکا ہے اس لئے ضرورۃً یہاں سے گذرنا یا ان آبادیوں میں داخل ہونا ہو تو خدا کے خوف سے روتے اور ذکر کرتے ہوئے گذرو یعنی گذرنے کی تو مجبوری ہے کہ یہ راہ گذر ہے لیکن لاپرواہی کے ساتھ گذرنا خطرہ سے خالی نہیں، بلکہ گذرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ یہ مقامات کسی زمانہ میں آباد تھے، یہاں پیغمبر بھیجے گئے تھے مگر ان کی نافرمانی کی گئی اور خدا نے قوم کو تباہ و برباد کر دیا، اس لئے جلال خداوندی کا اتنا اثر ضرور ہونا چاہئے کہ گذرنے والوں پر خوف و خشیت کا غلبہ ہو جائے۔ وہ بھی کیا انسان ہے کہ خطرناک مقامات سے گذرے اور اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہو، خوف و خشیت کے قلوب پر طاری کرنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اگر ایسا نہ کروگے اور غفلت اور لاپرواہی اختیار کروگے تو اندیشہ ہے کہ تم بھی انھی چیزوں میں مبتلا نہ کر دیئے جاؤ جن میں وہ قومیں گرفتار ہو چکی ہیں اور آپ نے صاف ارشاد فرمایا کہ اگر گریہ و بکا طاری نہ ہو تو ان مقامات میں داخل ہونے کی

ہمت بچانہ کرو۔

امام بخاری نے یہیں سے اپنا مدعا ثابت کر دیا کہ جب ان مقامات میں داخلہ کی شرط گریہ و بکا ہے اور اگر یہ طاری نہ ہو تو داخلہ سے منع کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ نماز کے اندر تو کچھ نہ کچھ ٹھہراؤ ہوتا ہے اس لئے جب گزرنے کے لئے گریہ کی شرط ہے تو نماز کے لئے بھی یہ شرط ہوگی اور معذبین کے احوال میں غور و فکر کے نتیجہ میں گریہ و بکا طاری ہو تو ظاہر ہے کہ نہ نماز پڑھ سکے گا، نہ قرات ہو سکے گی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مواضع عذاب خسف میں نماز کو پسند نہیں کیا گیا اور یہی امام بخاری کا مقصود تھا۔

یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ گریہ و بکا کا طاری ہونا تو کمال خشوع کی دلیل ہے اور نماز میں حضور و خشوع تام مطلوب ہے اس لئے نماز سے روکنا کیسے ثابت ہوگا کیونکہ نماز کے اندر جو خشوع و خضوع مطلوب ہے وہ بسلسلۂ نماز ہے اور اس صورت میں جو گریہ طاری ہوگا وہ معذبین کے احوال میں غور و فکر سے متعلق ہے جو نماز میں حضور قلب کے منافی ہے۔

بَابُ الصَّلوٰةِ فِي الْبِيْعَةِ وَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ اَجْلِ التَّمَاثِيْلِ الَّتِيْ فِيْهَا الصُّوَرُ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّيْ فِي الْبِيْعَةِ اِلَّا بِيْعَةً فِيْهَا تَمَاثِيْلُ حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنِيْسَةً رَأَتْهَا بِاَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ فَذَكَرَتْ لَهٗ مَا رَأَتْ فِيْهَا مِنَ الصُّوَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُولٰئِكَ قَوْمٌ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ اَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ

ترجمہ، باب، نصاریٰ کے گرجا گھر میں نماز پڑھنے کا بیان، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تمہارے عبادت خانوں میں تماثیل یعنی تصویروں کی وجہ سے داخل نہیں ہوتے اور حضرت عباس گرجا گھر میں نماز پڑھ لیتے تھے مگر اس گرجا گھر میں نماز نہیں پڑھتے تھے جس میں تصویریں ہوں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گرجا گھر کا ذکر کیا جس کو انھوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا جس کو ماریہ کہا جاتا تھا، حضرت ام سلمہ نے اس میں جو تصویریں دیکھی تھیں ان کو بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں سے نیک انسان کا انتقال ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے تھے اور اس مسجد میں یہ تصویریں بنا دیتے تھے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدترین لوگ ہیں۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ یہود و نصاری کے عبادت خانوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟ امام بخاری نے حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کے آثار پیش کر کے یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل کرنا ہوگی جس عبادت خانے میں مجسمے یا تصویریں ہوں تو اس میں داخلہ بھی ممنوع ہے ، پھر نماز کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے ، لیکن جس عبادت خانے میں یہ چیزیں نہ ہوں تو وہاں نماز ادا کرنا درست ہے ، اس لئے کہ مسلمانوں کی مسجد ہو یا یہودیوں اور نصرانیوں کے گرجا ہوں ، عبادت خانہ ہونے کی حیثیت میں مشترک ہیں لیکن چونکہ یہودیوں اور نصرانیوں کے عبادت خانے عام طور پر تصویروں اور مجسموں سے خالی نہیں ہوتے اور جہاں تصویریں ہوں وہاں خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اس لئے ان لعنت اور غضب کی چیزوں کے ہوتے ہوئے ، نماز پڑھنا، یعنی رحمت خداوندی کو طلب کرنا بڑی جسارت کی بات ہے ۔ بہرحال امام بخاری نے دونوں اثر نقل کر کے اپنے ذوق کے مطابق اس مسئلہ میں تفصیل کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔

اس سلسلہ میں امام بخاری نے سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا تو وہاں کے ایک بڑے پادری قسطنطین نے حضرت عمرؓ کی کھانے کی دعوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ان تصویروں کی وجہ سے جو تم نے عبادت خانوں میں بنا رکھی ہیں تمہارے عبادت خانوں میں داخل نہیں ہوتے ۔ معلوم ہوا کہ جب داخلہ تک درست نہیں تو ایسی جگہوں پر نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ درست نہ ہوگا ۔

پھر اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابن عباس کا اثر نقل کیا جس میں یہ آیا کہ وہ نصاریٰ کے ایسے عبادت خانوں میں نماز پڑھ لیتے تھے جن میں تصاویر نہ ہوں ، چنانچہ تصاویر اور دیگر منکرات سے پاک و صاف نصاریٰ کے عبادت خانوں میں نماز کا جواز حضرت حسن ، حضرت عمر بن عبد العزیز ، امام شعبی اور امام اوزاعی ، سے بھی منقول ہے ، بلکہ بعض حضرات نے تو تصاویر کے باوجود گنجائش دی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ میں تصاویر کی موجودگی میں نماز پڑھی ہے ، لیکن امام بخاری کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں تفصیل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے تصاویر اور منکرات سے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے اور تصاویر کی موجودگی میں نماز تو درکنار داخلہ بھی ممنوع ہے ۔ واللہ اعلم ۔

تشریح حدیث روایت چند ابواب پہلے تشریح کے ساتھ گذر چکی ہے یہاں امام بخاری کا مدعا اس طرح ثابت ہے کہ جب حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے سامنے حبشہ کے اس گرجا کا ذکر کیا جس میں تصویریں تھیں تو آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ یہ ان قوموں کی عبادت گاہیں ہیں جن کے یہاں صالحین کے انتقال کے بعد عبادت خانے تعمیر کرنے ، اور ان عبادت گاہوں میں تصویریں نصب کرنے کا عام رواج

تھا۔ اور یہ لوگ مسجدوں میں تصاویر نصب کرنے کے سبب بدترین خلائق شمار کئے گئے، بس اسی سے معلوم ہوا کہ عبادت خانوں میں تصویر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ حدثنا اَبُو الْيَمَانِ قَالَ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ عَائِشَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَا لَمَّا نَزَلَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيْصَةً لَهُ عَلٰى وَجْهِهِ فَاِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ وَهُوَ كَذٰلِكَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

ترجمہ، باب حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر مرض الوفات میں نزع کے آثار شروع ہوئے تو آپ نے اپنی اونی چادر کو بار بار اپنے چہرۂ مبارک پر ڈالنا شروع کیا اور جب اس سے گرمی محسوس فرماتے تو اس کو چہرے سے اتار دیتے اسی حالت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت یہود و نصاریٰ پر ہوئی کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اس طرح آپ اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عمل کی تباہ کاری سے ڈرا رہے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے یہودیوں کو ہلاک فرمادیا کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔

باب بلا ترجمہ کا مقصد امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ کبھی کبھی ترجمہ منعقد کئے بغیر باب لکھ دیتے ہیں۔ عام طور پر شارحین اس کو کالفصل من الباب السابق قرار دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ اس باب میں جو ذکر روایت کا کیا گیا وہ ایک طرح باب سابق ہی سے متعلق ہے، کیونکہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنے کا مضمون دونوں میں مشترک ہے۔

یہ تو شارحین کی رائے ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ امام بخاری نے باب سابق میں یہ بیان کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں میں نماز کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں مجسمے اور تصاویر نصب ہوتے ہیں ورنہ اصل کے اعتبار سے تو ہر جگہ نماز جائز ہے، جعلت لی الارض مسجداً اس لئے اصل کے اعتبار سے تو نماز درست ہونی چاہئے لیکن تصویروں کی بنیاد پر ان عبادت خانوں میں نماز سے منع کر دیا گیا اب امام بخاری اس باب میں ترقی کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ منکرات پائے جانے کے سبب نماز کی ممانعت صرف یہود و نصاریٰ کے معابد کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ اگر مسلمانوں کی مسجد میں بھی کوئی ایسی صورت

پیدا کر دی جائے مثلاً یہ کہ مسجدوں میں قبروں کو نمایاں طور پر برقرار رکھا جائے تو چونکہ مسجدوں میں قبروں کا برقرار رکھنا ایک قابل لعنت فعل ہے، اس لئے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو ان مساجد میں بھی نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہ ہوگا، گویا امام بخاری نے اس باب میں یہ بیان کیا کہ مسجدوں میں قبروں کو باقی رکھنا ایسا ہی ہے جیسے یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں میں تصاویر کا پایا جانا، کیونکہ مسجدوں کے بارے میں صاف ارشاد فرمایا گیا ہے :

وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا (سورۃ الجن آیت ۱۸) اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی یاد کے واسطے ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی کو مت پکارو۔

اس لئے مسجدوں میں کسی بھی عام و خاص کی قبر باقی رکھنے کا جواز نہیں ہے۔ البتہ اگر قبروں کا احاطہ کر کے ان کو مسجدوں سے الگ کر دیا جائے تو گنجائش ہے

بہر حال امام بخاری نے باب بلا ترجمہ منعقد کر کے یہ واضح کر دیا کہ اگر مسجدوں میں قبروں کو باقی رکھا رکھا جائے تو ان میں بھی نماز مکروہ ہے۔ اس طرح یہاں ترجمۂ جدیدہ اس طرح منعقد کیا جا سکتا باب کراھیۃ الصلوٰۃ فی المساجد التی فیہا قبور۔ واللہ اعلم

تشریح احادیث حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع کے آثار شروع ہوئے اور تکلیف کی شدت ہوئی تو آپ بار بار اپنی گرم چادر کو چہرۂ مبارک پر ڈالتے تھے پھر جب گرمی محسوس فرماتے تو چادر کو چہرہ ہٹا دیتے تھے، اسی بے قراری اور بیتابی کے عالم میں ارشاد فرمایا کہ اللہ نے یہود و نصاریٰ کو اپنی رحمت سے دور کر دیا کہ وہ انبیاء کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرتے تھے، گویا انکی قبروں پر سجدہ کرنا روا سمجھتے تھے، اس طرح آپ اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے عبرت ناک انجام سے باخبر کر کے انھیں اس بدترین فعل سے روکنا چاہتے تھے۔

دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے یہود کو ہلاک کر دیا کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

دونوں روایتوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ جو پیغمبر دنیا کو توحید کی دعوت دینے کے لئے اور شرک کو مٹانے کے لئے آئے تھے بدنصیب قوموں نے انہی کی قبروں پر شرک کا بدترین عمل شروع کر دیا اور وہ اسطرح لعنت کی مستحق ہو گئیں۔

پہلی روایت میں اس مشرکانہ عمل کے لئے یہود و نصاریٰ دونوں کو مورد الزام قرار دیا گیا ہے اور دوسری روایت میں صرف یہود کا تذکرہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کے اصل مجرم تو یہود ہی

ہیں۔ نصاریٰ کے بارے میں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی ہی نہیں ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا، اور انکی قبر بنانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس لئے پیغمبروں کی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کے جرم میں نصاریٰ کو یہود کے ساتھ شریک کرنا بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا، اسی لئے پچھلے باب میں جہاں صرف نصاریٰ کا تذکرہ تھا ارشاد فرمایا گیا تھا۔
اذا مات فیھم العبد الصالح او الرجل الصالح، لیکن زیر بحث باب کی پہلی روایت میں لعنۃ اللہ علی الیھود والنصاریٰ فرمایا گیا اس کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ اصالۃً یہ کام یہود ہی نے کیا اور وہی اس مشرکانہ عمل کے موجد تھے، لیکن نصاریٰ نے اس کو غلط نہیں سمجھا بلکہ یہودیوں کے اس فعل بد کا وہ برابر اتباع کرتے رہے، اس لئے لعنت میں دونوں شریک ہوگئے، دوسرے یہ کہ پیغمبر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کسی نبی کا نہ ہونا محل نظر ہے۔ کیونکہ

واضرب لھم مثلا اصحاب القریۃ اذ جاءھا المرسلون	اور انکے سامنے اہل قریہ کی ضرب المثل بیان کیجئے جب وہاں رسول
اذ ارسلنا الیھم اثنین فکذبوھما فعززنا بثالث	آگئے جب ہم نے انکی طرف دو کو بھیجا تو انکو جھٹلایا پھر ہم نے
(سورۂ یٰس آیت ۱۴)	تیسرے کو بھیجکر انکو تقویت پہنچائی۔

اہل انطاکیہ کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے حضرت عیسیٰ کی جانب سے بھیجے گئے فرستادے مراد لئے گئے ہیں جن کے نام حضرت کعب کی جانب روایت کا انتساب کرتے ہوئے بعض مفسرین نے صادق اور مصدوق اور شلوم یا شمعون لکھے ہیں۔ اس لئے نصاریٰ میں بھی اگر انبیاء کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا الزام براہِ راست ان پر بھی عائد ہوتا ہے۔ وغیرہ
ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں، باب سے متعلق تو صرف یہ ہے کہ اگر مسجدوں کو بھی قبروں سے الگ نہ رکھا جا سکے تو یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں میں نماز کی ادائیگی میں جو کراہت ہے وہی کراہت مسجدوں میں نماز ادا کرنے میں بھی ہو جائے گی، اس لئے قبروں کو مسجدوں میں برقرار رکھنا موجب لعنت فعل ہے۔ واللہ اعلم
البتہ اگر صالحین کے مزارات سے قریب مسجد تعمیر کی جائے اور مقصد ان سے تقرب حاصل کرنا نہ ہو، نہ نماز میں قبر یا صاحب قبر کی تعظیم پیش نظر ہو، بلکہ یہ خیال ہو کہ مقدس مقامات پر نماز پڑھنے سے نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت حاصل ہوگی اور پروردگار عالم کی طرف توجہ زائد ہو جائے گی وغیرہ تو یہ درست ہے۔ یہود و نصاریٰ برکت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ صاحبِ قبر سے تقرب حاصل کرنے یا صاحب قبر ہی کی عبادت میں تعظیم بجالانے کے لئے ایسا کرتے تھے جو شرک کی قسم ہے، اس لئے ان پر لعنت کی گئی۔ اور امتِ محمدیہ میں سے کوئی اگر اس طرح کی جسارت کرتا ہے تو ان کا فعل بھی لعنت ہی کا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ حَدَّثَنَا سَيَّارٌ هُوَ أَبُو الْحَكَمِ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الْفَقِيْرُ قَالَ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ ۔

ترجمہ ، باب ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میرے لئے ساری زمین کو سجدہ گاہ اور پاکی کا ذریعہ بنایا گیا ہے ۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئی تھیں ، ایک مہینہ کی مسافت تک کا رعب عطا کرکے میری مدد فرمائی گئی ، پوری سرزمین کو میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکی کا ذریعہ بنایا گیا چنانچہ میری امت کے کسی بھی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے اس جگہ نماز پڑھ لینی چاہئے ۔ اور مال غنیمت کو میرے لئے حلال قرار دیا گیا ، اور یہ کہ نبی کو پہلے اس کی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا ۔ اور مجھے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا اور مجھے قیامت میں شفاعت (کبریٰ) کا حق عطا کیا گیا ۔

مقصد ترجمہ پچھلے ابواب میں یہ بیان کیا جارہا تھا کہ کن کن مقامات پر نماز کی ادائیگی میں کراہت پائی جاتی ہے ، ان ابواب کے بعد اس باب کے انعقاد کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اصل کے اعتبار سے روئے زمین کا ہر حصہ سجدہ گاہ بننے کے لائق ہے ۔ عوارض کی بنیاد پر جو کراہت آتی ہے وہ تابع عوارض ہے ، اگر عوارض ختم کردئے جائیں تو حکم بدل جائے گا ، صفا اور مروہ کے معاملہ میں یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ جب تک وہاں مشرکین کے رکھے ہوئے بت سیاف و نائلہ رہے طواف نہیں ہوا ، یہ بت ہٹا دئے گئے تو آیت نازل ہوئی اور طواف کا حکم اصلی لوٹ آیا اسی طرح زمین کے کسی حصہ میں اگر ایسی کوئی صورت ہوجائے کہ وہاں نماز ادا کرنا ممنوع قرار دے دیا جائے تو یہ حکم محض عارضی ہوگا اور اس عارض کے ختم ہوتے ہی حکم اصلی لوٹ آئے گا ۔ علامہ سندھی نے بھی مقصد ترجمہ کا یہی تعین کیا ہے کہ کسی زمین میں کسی عارض کی بنیاد کراہت یا عدم صحت کا انحصار عارض کے بقا تک ہے واللہ اعلم

تشریح حدیث یہ حدیث کتاب التیمم کے شروع میں گذر چکی ہے ، اور وہاں تمام اجزاء کی تشریح کی جاچکی ہے ۔ روایت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پانچ چیزیں شمار کرائی ہیں ان میں سے دوسری خصوصیت امام بخاری کا مستدل ہے کہ امت محمدیہ کے لئے سرزمین کا ہر حصہ سجدہ گاہ قرار

دیا گیا ہے جبکہ دوسری امتوں کے لئے حکم یہ نہیں تھا بلکہ انھیں اپنی عبادت کے لئے عبادت گاہوں ہی میں جانا ضروری ہوتا تھا۔ اس روایت کا تقاضا یہی ہے کہ پوری سرزمین، نماز کیلئے سجدہ گاہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس سے کسی جگہ کا استثنا نہیں ہے۔ اس لئے جہاں جہاں ممانعت وارد ہوئی ہے وہ محض عارضی ہے۔

روایت میں ایک راوی ہیں یزید الفقیر، یہاں فقیر کا لفظ فقرۃ سے لیا گیا ہے، فقرۃ کے معنی ہیں ریڑھ کی ہڈی کا مہرہ جیسے منکا کہتے ہیں، چونکہ انکی کمر کے مہروں میں درد رہتا تھا اس لئے انکو فقیر کہتے ہیں۔

بَابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ حدثنا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَأَعْتَقُوهَا فَكَانَتْ مَعَهُمْ قَالَتْ فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ قَالَتْ فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطَفَتْهُ قَالَتْ فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ قَالَتْ فَاتَّهَمُونِي بِهِ قَالَتْ فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونَ حَتّٰى فَتَّشُوا قُبُلَهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ قَالَتْ فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ قَالَتْ فَقُلْتُ هٰذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ وَهُوَ ذَا هُوَ قَالَتْ فَجَاءَتْ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَتْ قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ قَالَتْ فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي قَالَتْ فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ وَيَوْمَ الْوِشَاحِ مِنْ تَعَاجِيبِ رَبِّنَا أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا مَا شَأْنُكِ لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هٰذَا قَالَتْ فَحَدَّثَتْنِي بِهٰذَا الْحَدِيثِ۔

ترجمہ، باب، عورت کے مسجد کے اندر سونے کا بیان، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلہ کی ایک سانولے رنگ کی باندی تھی جس کو انھوں نے آزاد کردیا تھا، لیکن وہ انھیں کے ساتھ رہا کرتی تھی، پھر یہ ہوا کہ اس قبیلہ کی ایک بچی اس حالت میں باہر نکلی کہ اس نے چمڑے کے تسمہ میں سرخ جڑاؤ والا ہار پہن رکھا تھا، یہ باندی کہتی ہے کہ اس بچی نے وہ ہار اتار دیا یا اس سے گر گیا، ہار گرا ہوا تھا کہ ایک چیل وہاں سے اڑتی ہوئی گذری اور اس نے ہار کو گوشت سمجھ کر اچک لیا، اہل قبیلہ نے ہار تلاش کیا اور ان کو ہار نہ ملا تو انھوں نے مجھ پر چوری کی تہمت لگادی میری تلاشی لینی شروع کی یہاں تک کہ شرمگاہ تک کی تلاشی لی۔ باندی نے بتلایا

کہ میں ابھی ان لوگوں کے ساتھ کھڑی ہی تھی کہ چیل پھر ادھر سے گذری اور اس نے ہار گرا دیا جوان لوگوں کے درمیان آکر گرا، وہ کہتی ہے کہ اب میں نے ان سے کہا کہ اسی کے سبب تم مجھ پر تہمت لگا رہے تھے حالانکہ میں اس سے بالکل بری ہوں، وہ ہار یہ ہے دیکھو، باندی کہتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کرلیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس عورت کا خیمہ یا جھونپڑی مسجد نبوی میں پڑی ہوئی تھی، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور باتیں کیا کرتی تھی وہ میرے پاس جب بھی بیٹھا کرتی تو یہ شعر ضرور سناتی: کہ ہار کا دن ہمارے رب کے عجیب دنوں میں سے ہے کہ اس نے مجھے کفر کے شہر سے نجات عطا فرمادی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے اس باندی سے کہا، کیا بات ہے کہ تمھیں جب بھی میرے پاس بیٹھنے کا موقع ملتا ہے تم یہ شعر ضرور پڑھتی ہو تو اس نے مجھ سے یہ تفصیل بیان کی۔

مقصد ترجمہ مسجدیں اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں اور عبادت کے خاص کاموں کی انجام دہی ان کا مقصد ہے، عبادت کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے ان کا استعمال ایک قابلِ اعتراض چیز ہے۔ امام بخاری اس باب میں یہی بیان کرنا چاہتے ہیں کہ دوسرے کاموں کی کہاں تک اجازت ہے، مثلاً اگر کوئی مسجد میں سونا چاہے تو اس کی اجازت دی جائے گی یا نہیں۔ امام بخاری نے بتلایا کہ جن لوگوں کو مسجد میں قیام کی اجازت ہے انھیں سونے کی بھی اجازت ہے، خواہ مرد ہو یا عورت۔ اگرچہ عورت کے سونے میں حیض آنے کا اندیشہ ہے اور مرد کے سونے میں احتلام ہونے کا خطرہ ہے لیکن اس کے باوجود اجازت ہے جیسے معتکف کے لئے اجازت ہے۔

لیکن یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ اسطرح کے مسائل کے بیان کرنے سے امام بخاری کا منشا یہ نہیں ہے کہ مسجد میں عورتوں کو قیام اور سونے کی ترغیب دی جائے، بلکہ ان کا منشا محض یہ ہے کہ یہ امور رخصت کے درجہ میں گنجائش رکھتے ہیں، اور ان کے لئے شرائط ہیں مثلاً یہ کہ سونے والے یا رہنے والے کے پاس کوئی قیام گاہ نہ ہو، فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو، اور مسجد کا جو اصل موضوع ہے یعنی نمازوں کا قیام اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو وغیرہ تو رخصت کے درجہ میں اس کی گنجائش ہے۔

تشریح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ کسی عربی قبیلے کی ایک سانولے رنگ کی باندی تھی، اہل قبیلہ نے اس کو آزاد کردیا، لیکن اس کو اپنے محسنوں کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ وہ آزادی کے بعد بھی انہی کے ساتھ مقیم رہی، شارحین کو قبیلہ اور باندی کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کہاں کا اور کس کا واقعہ ہے۔ ایک دن اس قبیلہ کی ایک لڑکی ہار پہنے ہوئے باہر آئی اور اس نے

وہ ہار کسی ضرورت سے اتارا یا گر گیا، یہ راوی کا شک ہے ورنہ بعض روایات میں یہ مذکور ہے کہ یہ بچی دلہن تھی، اس نے نہانے کیلئے ہار اتارا ہار چونکہ سرخ چمڑے کا تھا اور اس پر موتیوں کا سرخ جڑاؤ تھا یعنی موتی ٹکے ہوئے تھے، اس لئے چیل اتری اور اس نے گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر ہار اچک لیا، بچی گھر گئی تو اہل خانہ کو فکر ہوئی ہار کو ادھر اُدھر تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا تو انھیں اس باندی کی طرف بدگمانی ہوئی چنانچہ اس سے پوچھ گچھ ہوئی، تلاشی لی گئی اور حد یہ ہے کہ شرمگاہ تک کی تلاشی لی گئی، چوروں کو مشق ہوتی ہے کہ وہ جسم کے اندرونی حصوں میں چیزیں چھپا لیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدگمانی ہوئی اور انھوں نے اس غریب کو بہت زیادہ رسوا کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس نے پروردگار سے اپنی برأت کے لئے دعا کی، اتنے میں چیل دوبارہ آئی اور اس نے سب کے سامنے وہ ہار ڈال دیا، باندی نے کہا کہ لو دیکھو یہی وہ ہار ہے جس کی بنیاد پر تم ساری عمر کے اعتماد کے باوجود مجھ سے بدگمانی کررہے تھے۔ اس واقعہ کے بعد اس باندی کو ماحول سے نفرت ہوگئی کہ یہ بدگمانی مسلمانوں میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ وہاں سے ترک وطن کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام لے آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے مسجد سے متعلق ایک گوشہ میں کوٹھریا بنوادی تھی جس میں وہ رہا کرتی تھی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ وہ جب بھی میرے پاس آتی تھی تو یہ شعر ضرور پڑھتی تھی، کہ ہار کے واقعہ کا دن میرے پروردگار کے کرشمہ سازی کا دن تھا کہ اس نے مجھے دارالکفر سے نجات دے دی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم یہ شعر ضرور سناتی ہو اسکی کیا وجہ ہے تو اس نے یہ پورا قصہ بیان کیا۔

بخاری نے مسئلہ نکال لیا کہ عورت بھی مسجد میں سو سکتی ہے کیونکہ جو چھوٹا سا خانہ اس کے قیام کے لئے بنایا گیا تھا وہ مسجد یا متعلقات مسجد کے گوشہ میں تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ موسم گرما میں اس کو مسجد میں سونا پڑتا ہوگا۔

بَابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ وَقَالَ أَبُو قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا فِي الصُّفَّةِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ كَانَ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ قَالَتْ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْسَانٍ اُنْظُرْ أَيْنَ هُوَ فَجَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ

وَيَقُولُ قُمْ أَبَا تُرَابٍ قُمْ أَبَا تُرَابٍ حدثنا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ ۔

ترجمہ، باب ، مردوں کے مسجد میں سونے کا جواز ، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ عکل کے چند افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور صفہ میں رہے اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے فرمایا کہ صفہ میں رہنے والے صحابہ فقراء میں سے تھے ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں سویا کرتے تھے اور اس وقت وہ غیر شادی شدہ جوان تھے اور ان کی بیوی نہیں تھی ، حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے گھر میں تشریف لائے تو وہاں حضرت علیؓ نہیں تھے ، آپؐ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا کہ تمہارے چچا کے صاحبزادے (حضرت علی) کہاں ہیں ؟ حضرت فاطمہ نے جواب میں عرض کیا کہ میرے اور اُن کے درمیان کچھ ایسی بات پیش آ گئی تھی جس پر وہ ناراض ہو کر گھر سے باہر چلے گئے اور آج دوپہر میرے پاس قیلولہ نہیں کیا ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں ؛ چنانچہ وہ صاحب دیکھ کر آئے اور عرض کیا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں ، چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ، حضرت علی کروٹ سے لیٹے ہوئے تھے انکی چادر مونڈھے سے اتر گئی تھی اور مٹی لگ گئی تھی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مٹی کو صاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ابو تراب اٹھو ، ابو تراب اٹھو ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے ستر آدمیوں کو دیکھا کہ ان میں سے ایک کے پاس بھی چادر پوری نہ تھی یا چادر مع ازار کے نہ تھی ، یا صرف تہبند تھا اور یا صرف کملی تھی جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے ان میں سے بعض کی کملیاں ایسی تھیں جو آدھی پنڈلی تک آجاتی تھیں اور بعض کی ایسی کہ ٹخنوں تک آجاتی تھیں اور استعمال کرنے والا اس کو اپنے ہاتھ سے اس خطرہ سے سمیٹ لیتا تھا کہ شرمگاہ نہ کھل جائے ۔

مقصد ترجمہ باب کا مقصد وہی ہے جو پچھلے باب میں بیان کر دیا گیا ہے ، البتہ وہاں یہ تذکرہ تھا کہ عورت مسجد میں سو سکتی ہے یا نہیں اور چونکہ روایت میں ایک باندی کے قیام کا ثبوت تھا اس لئے امام بخاری نے ترجمہ میں بھی مفرد لفظ کا استعمال کیا تھا نوم المرأۃ فی المسجد ۔ اس باب کے تحت یہ بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ مردوں کے مقابلہ پر عورت کا مسجد میں سونا زیادہ قابل اشکال ہے اسلئے امام بخاری نے اسکو مستقلاً ذکر کر دیا ۔ اس باب میں مردوں کے مسجد میں سونے کا جواز بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ اور چونکہ کئی روایات میں مردوں کے مسجد میں رہنے اور سونے کا ثبوت ہے ۔ اس لئے ترجمہ میں جمع کا صیغہ نوم الرجال فی المسجد استعمال کیا گیا ہے ۔

اس مسئلہ کو واضح کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایات میں مسجد میں سونے سے ممانعت وارد ہوئی ہے ۔ حضرت

جابر سے روایت ہے قوموا لا ترقدوا فی المسجد کہ یہاں سے کھڑے ہو جاؤ کہ مسجد میں سونے کی اجازت نہیں ہے
حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ نماز کے ارادہ سے آنے والوں کے لئے انتظار کے دوران سونے کی اجازت دیتے ہیں جو نماز کا منتظر نہیں ہے اسکے لئے سونے کو مکروہ قرار دیتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہر حال میں مسجد میں سونے کی کراہت منقول ہے۔ امام مالک سے یہ تفصیل منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس جائے سکونت ہے تو مسجد میں سونا مکروہ ہے اور جائے قیام نہیں ہے تو سونے کی اجازت ہے۔

لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود جمہور علماء جواز ہی کے قائل ہیں۔ امام بخاری نے ترجمہ منعقد کرکے جمہور کے قول کی تائید کی ہے کہ مردوں کیلئے ضرورت کے وقت مسجد میں سونے کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم

ترجمہ کا ثبوت اور تشریح روایات مدعا کے ثبوت میں امام بخاری نے دو تعلیقات اور تین روایات ذکر کی ہیں، پہلی تعلیق قبیلۂ عکل کے لوگوں کے بارے میں ہے جن کے متعلق تفصیلی روایت کتاب الطہارۃ میں گذر چکی ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر پہلے تو اسلام قبول کیا، پھر مدینہ طیبہ کی آب وہوا موافق نہ آنے کی شکایت کی تو آپ نے انھیں صدقہ کے اونٹوں میں جانے کی اجازت دیدی، وہاں جاکر انھوں نے راعی کو قتل کردیا اور اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے، پھر انکو تلاش کرلیا گیا اور سخت سزا دی گئی۔
امام بخاری کا مقصد یہاں اس کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ ان لوگوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا معلوم ہوا کہ مسافر کیلئے مسجد میں رہنا اور سونا جائز ہے۔

دوسری تعلیق اصحاب صفہ کے بارے میں ہے۔ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صفہ میں رہنے والے صحابہ نقراء اور غریب تھے یعنی انکے رہنے کا کوئی مسکن نہ تھا اس لئے انکا رہنا سونا سب صفہ میں ہوتا تھا اور صفہ مسجد نبوی کا وہ حصہ تھا جس پر سائبان پڑا ہوا تھا اور جس میں مسجد نبوی کے غریب نادار طلبہ رہتے تھے۔ بخاری کا مدعا ثابت ہوگیا۔

ان تعلیقات کے بعد امام بخاری نے روایات ذکر کی ہیں۔ پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے بارے میں بیان کیا کہ جب وہ غیر شادی شدہ جوان تھے تو وہ مسجد نبوی میں سوجایا کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس رہائش کیلئے مکان نہ ہو خواہ وہ مسافر بھی ہو تب بھی وہ مسجد میں سوسکتا ہے، رہا احتلام کا اندیشہ تو اس کیوجہ سے بھی سونے کی ممانعت نہیں ہے۔

دوسری روایت میں حضرت علی رض کے بارے میں آیا کہ وہ حضرت فاطمہ رض سے ناراض ہوئے اور مسجد نبوی میں جاکر سوگئے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاش کرایا اور بلاکر لائے معلوم ہوا کہ مسافر اور بے گھر انسان ہی نہیں وہ حضرات جن کے پاس جائے سکونت ہو لیکن وہ بھی کسی مصلحت سے مسجد میں سونا چاہیں تو اس میں تنگی

نہیں ہے کیونکہ حضرت علی اپنے گھر سے خفا ہوئے تو خدا کے گھر میں آکر سو گئے اور پیغمبر علیہ السلام نے اس موقع پر مسجد میں سونے سے منع نہیں کیا بلکہ ایک مصلحت سے ان کی دلجوئی فرمائی۔

تیسری روایت میں اصحاب صفہ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ناداری کے سبب ان میں سے کسی کے پاس بھی مکمل لباس نہیں تھا، الفاظ ہیں ما منهم من احد عليه رداء ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کے پاس چادر ہو۔ ردا ر کہتے ہیں اس چادر کو جسے جسم کے بالائی حصہ کے ستر کے لئے استعمال کیا جائے، اس لئے ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ جسم کے بالائی حصہ کے ستر کے لئے کوئی مستقل کپڑا نہ ہوتا تھا، بلکہ ایک ہی کملی ہوتی تھی جسے وہ گردن میں گرہ باندھ کر پورے جسم کے ستر کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اور ایک ترجمہ کیا ہے شیخ الاسلام دہلوی نے

نبود از ایشاں مردے کہ بروے چادرے باشد بالائے ازار (شیخ الاسلام ص۲۱۴) ان میں ایک مرد بھی ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس ازار کے ساتھ اوپر کے لئے چادر ہو"۔ یہ ترجمہ زیادہ صاف ہے کہ کسی کے پاس بھی جسم کے دونوں حصوں کیلئے الگ الگ لباس نہیں تھا۔

ظاہر ہے کہ جب فقر کا یہ عالم ہے کہ پہننے کیلئے لباس نہیں ہے تو رہنے کے لئے مکان کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور ایسی صورت میں ان کا سونا بھی مسجد ہی میں تھا۔

ان تمام واقعات سے بخاری نے یہ ثابت کر دیا کہ مردوں کیلئے مسجد میں سونے کی اجازت ہے۔ مگر یہاں بھی یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ یہ مسجد میں سونے کی ترغیب نہیں ہے بلکہ یہ اجازت محض وقت ضرورت کیلئے ہے ورنہ ان المساجد بنيت لما بنيت له، مسجدوں کی تعمیر کا مقصد اصل عبادت ہے۔ یعنی نمازوں کا قیام واللہ اعلم۔

باب الصلوة اذا قدم من سفر وقال كعب بن مالك كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فصلى فيه **حدثنا** خلاد بن يحيى قال حدثنا مسعر قال حدثنا محارب بن دثار عن جابر بن عبد الله قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد قال مسعر اراه قال ضحى فقال صل ركعتين وكان لي عليه دين فقضاني وزادني

ترجمہ باب، سفر سے واپسی کے بعد نماز کا بیان حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لاتے اور وہاں نماز پڑھتے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مسجد میں بیٹھے تھے۔ مسعر کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چاشت کا وقت تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ لو۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ قرض تھا جو آپ نے ادا فرمایا اور قرض سے زیادہ عطا فرمایا۔

مقصد ترجمہ مقصد ظاہر ہے سفر سے واپسی کے بعد بخیر و سلامت وطن لوٹنے کی وجہ سے شکرانہ کے طور پر جو دو رکعت ادا کی جاتی ہیں ان کا استحباب بیان کرنا چاہتے ہیں، اس نماز کو تحیۃ القدوم من السفر کہتے ہیں۔ یہ مسجد کا بھی حق ہے اور سفر سے بخیر واپسی کا شکرانہ بھی

تشریح حدیث ترجمہ کے ثبوت میں پہلے تو امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک کی روایت تعلیقاً ذکر کی ہے یہ حضرت کعب بن مالک کی روایت کا ایک حصہ ہے جسمیں غزوۂ تبوک میں شرکت سے محرومی اور اپنی توبہ کی تفصیلات ذکر کی ہیں، اس میں حضرت کعب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ سفر سے واپس ہوتے تو مسجد میں تشریف لیجاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد مسجد میں کچھ دیر قیام بھی ہوتا تاکہ آنے جانے والے ملاقات کا شرف حاصل کریں۔

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت جابر کی روایت ذکر کی ہے تاکہ حضرت کعب کی عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان پر مشتمل روایت کے بعد اس سلسلہ میں آپ کی قولی روایت بھی آجائے اور معلوم ہو جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے، بلکہ آپ نے حضرت جابر کو بھی اس نماز کی ادائیگی کی ہدایت فرمائی۔

یہاں حضرت جابر کی اس روایت میں سفر کا تذکرہ نہیں ہے، مگر تفصیلی روایات میں خود بخاری ہی میں ہے کہ غزوہ سے واپسی کے موقع پر حضرت جابر جس اونٹ پر سوار تھے وہ تھک گیا تھا، آپ ادھر سے گذرے تو آپ نے ایک چھڑی لگادی اور دعا دی، پھر کیا تھا اونٹ تیز چلنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر سے فرمایا کہ یہ اونٹ ہمیں فروخت کردو، ابتداءً حضرت جابر نے انکار کیا لیکن آپکے اصرار کے بعد فروخت کردیا، پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جابر کو اسی اونٹ پر مدینہ تک سفر کی اجازت دی، مدینہ واپس ہوئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخر میں پہلے پہنچ گئے، حضرت جابر صبح کے وقت پہنچے، حضرت جابر نے آپ کی خدمت میں اونٹ پیش کردیا، آپ نے پہلے تو دو رکعت نماز پڑھنے کی ہدایت کی، پھر قیمت ادا فرمادی حضرت جابر چلنے لگے تو آپ نے واپس بلایا اور اونٹ حضرت جابر کے حوالہ کردیا۔

بہرحال روایت میں یہ آیا کہ حضرت جابر سفر سے واپسی کے بعد خدمت اقدس میں اونٹ کی قیمت لینے کے ارادے سے پہنچے تو آپ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ سفر سے واپسی کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا استحباب معلوم ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ

السَّلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ ۔

ترجمہ ۔ باب ، جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی انسان جب مسجد میں داخل ہو تو اسے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنی چاہیئے ۔

مقصد ترجمہ مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں ، یہ دو رکعتیں تحیۃ المسجد کے نام سے موسوم ہیں جمہور اسکو مستحب کہتے ہیں ، ابن بطالؒ نے اہل ظاہر سے اسکا وجوب نقل کیا ہے ، نیز یہ کہ حنیفہ کے نزدیک اس استحباب پر عمل کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ جن اوقات میں نوافل کی اجازت ہے ان اوقات میں مسجد میں داخل ہونے والے کو اس کی رعایت کرنی چاہیئے لیکن جن اوقات میں نفل کی ممانعت ہے اگر ان اوقات میں مسجد میں داخل ہونے کا اتفاق ہو تو آنے والا تحیۃ المسجد کا مکلف نہیں ہے ، کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف اور دوسری کتابوں میں روایت موجود ہے ۔

ثلث اوقات نہانا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ	تین اوقات کے بارے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وسلم ان نصلی فیہا و ان نقبر فیہا موتانا	منع فرمایا کہ ہم ان میں نماز پڑھیں یا اپنے مُردوں کی نماز
عند طلوع الشمس حتی ترتفع و عند	جنازہ پڑھیں ، ایک طلوعِ آفتاب کے وقت یہانتک کہ وہ بلند ہوجائے
زوالہا حتی تزول وحین تضیف للغروب	دوسرے زوال کے وقت یہانتک کہ زوال ختم ہوجائے ، اور
(اخرجہ مسلم والاربعۃ الا البخاری)	ایک غروب کے وقت ۔

احناف حضرت عقبہ بن عامر کی روایت میں آنے والی نہی کو عموم پر محمول کرتے ہیں کہ جب ان اوقات میں نماز سے ممانعت کردی گئی تو اس وقت تحیۃ المسجد کی بھی اجازت نہیں ہے لیکن شوافع نے اس نہی کو عموم پر محمول نہیں کیا ، وہ کہتے ہیں کہ جن نمازوں اور نوافل کے اسباب معلوم ہیں انکے بارے میں نہی نہیں ہے ، تحیۃ المسجد کا سبب مسجد میں داخل ہونا ہے اس لئے اس سبب کے ہوتے ہوئے کسی وقت کی قید نہیں ہے ۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث روایت باب معنی مرادی دلالت کرنے میں واضح ہے کہ آپؐ نے مسجد میں داخل ہونے والے ہر انسان کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے ، یہ حکم وجوب پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسجد نبوی میں جانا اور تحیۃ المسجد کی پابندی کرنا ثابت ہے ، نیز امام طحاوی نے واجب نہ ہونے پر یہ استدلال بھی قائم کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسجد میں لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے گذر رہا ہے تو آپؐ نے اس سے یہ تو فرمایا اجلس فقد اذیت " بیٹھ جاؤ تم نے تکلیف

پہنچائی، لیکن آپ نے اس کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم نہیں دیا معلوم ہوا کہ تحیۃ المسجد واجب نہیں ہے۔
روایت میں ایک لفظ قبل ان یجلس کہ تحیۃ المسجد بیٹھنے سے پہلے پڑھنا چاہئے، شوافع اس کے قائل ہیں کہ داخل ہونے کے بعد بیٹھنے سے پہلے تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنی چاہئے، بیٹھ گیا تو وقت فوت ہو جائے گا لیکن حنیفہ کہتے ہیں کہ یہ وقت مستحب کا بیان ہے، بیٹھنے سے تحیۃ المسجد کے فوت نہ ہونے کے لئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے۔

انہ دخل المسجد فقال لہ النبی علیہ	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو ان سے
الصلوۃ والسلام ارکعت رکعتین	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ لی؟
قال لا ثم قال قم فارکعھما	تو انھوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کھڑے
(ابن حبان بحوالہ عمدۃ القاری ص ج ۴)	ہو جاؤ اور دو رکعت پڑھ لو۔

معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے بعد بھی تحیۃ المسجد کا وقت باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْحَدَثِ فِي الْمَسْجِدِ حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَلَآئِكَةَ تُصَلِّي عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلّٰى فِيْهِ مَالَمْ يُحْدِثْ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔

ترجمہ، باب، مسجد میں وضو ٹوٹ جانے کا بیان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک فرشتے تم میں سے کسی بھی شخص کیلئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جبتک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں وضو ٹوٹنے سے پہلے بیٹھا رہے، فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما دے۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔

مقصد ترجمہ حدث سے مراد حدث اصغر یعنی وضو ٹوٹنا ہے حدث اکبر یعنی جنابت نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ امام بخاری اس باب میں ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے جنبی کی طرح بے وضو مسجد میں داخل ہونے یا بیٹھنے کو ممنوع قرار دیا ہے لیکن صاف بات یہ ہے کہ امام بخاری اس باب میں یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں وضو ٹوٹ جانے کا کیا حکم ہے، یعنی اگر مسجد کے اندر ریح خارج کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ مسجد میں حدث بے ادبی ہے، احترام مسجد کے خلاف ہے اور فرشتوں کیلئے باعث اذی وتکلیف ہے، اسلئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ لیکن فقہ کی اصطلاح میں اس کو حرام قرار دیا جائیگا یا مکروہ تو حنیفہ میں بعض حضرات نے اسے مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ کبیری نے غایت سے کراہت تحریمی کا قول نقل کیا ہے۔ شوافع میں نووی نے شرح مہذب میں یہ لکھا ہے کہ مسجد میں ریح خارج کرنا حرام نہیں ہے لیکن سروجی نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ امام بخاری کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے جائز اور خلاف

اولیٰ قرار دے رہے ہیں مگر ان تمام تفصیلات کے ساتھ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ معتکف اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ پابند ہے اور حوائج ضروریہ کے علاوہ مسجد سے باہر قدم نہیں نکال سکتا اور روزہ کی بنیاد پر اس کے منھ کی بو بھی اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے حدث بھی قابل معافی ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث عنوان ہے مسجد میں وضو ٹوٹ جانے کا بیان اور اس کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ کی روایت دی گئی ہے کہ فرشتے اس شخص کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں جو نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں با وضو رہے، دعا یہ ہے کہ اے اللہ! اسکی مغفرت فرمادے اس پر رحمت نازل فرما، مغفرت کا تعلق گناہوں کا ازالہ اور درگذر سے ہے اور رحمت کا تعلق نزول کرم سے ہے، فرشتوں کی دونوں قسم کی دعائیں ملتی رہتی ہیں اور وضو ٹوٹ جائے تو یہ دعائیں ختم ہو جاتی ہیں، بس اس سے بخاری کا مدعا ثابت ہے کہ فرشتوں کی دعاؤں سے محرومی نے واضح کر دیا کہ مسجد میں حدث کا لاحق ہونا مستحسن نہیں ہے، اگرچہ خلاف اولیٰ کے ساتھ جواز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ وَ اَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَالَ اَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَاِيَّاكَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ قَالَ اَنَسٌ يَتَبَاهُوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُوْنَهَا اِلَّا قَلِيْلًا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ قَالَ ثَنَا نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَخْبَرَهُ اَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَسَقْفُهُ الْجَرِيْدُ وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ فَلَمْ يَزِدْ فِيْهِ اَبُوْ بَكْرٍ شَيْئًا وَزَادَ فِيْهِ عُمَرُ وَبَنَاهُ عَلٰى بُنْيَانِهِ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيْدِ وَاَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا ثُمَّ غَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيْهِ زِيَادَةً كَثِيْرَةً وَبَنٰى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوْشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوْشَةٍ وَسَقَّفَهُ بِالسَّاجِ۔

باب، ترجمہ۔ مسجد کی تعمیر کا بیان۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ایسی شاخوں سے بنائی گئی تھی جن کے پتے صاف کر دیئے گئے تھے اور حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو بارش سے محفوظ کردو اور سرخ یا زرد رنگ کے استعمال سے پوری احتیاط کرنا، ایسا نہ ہو کہ رنگ کے استعمال سے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کردو۔ اور حضرت انس نے فرمایا کہ (آئندہ) لوگ مسجدوں کی تعمیر میں فخر کے لئے مقابلہ آرائی کریں گے مگر انکو عبادت سے آباد بہت کم لوگ کریں گے، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم (آئندہ) مسجدوں کو ضرور اسی طرح نقش و نگار سے آراستہ کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنے عبادت خانوں کو کیا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کچی اینٹوں سے کی گئی تھی اس کی چھت میں کھجور کی بے پتوں کی شاخیں استعمال کی گئی تھیں اور اسکے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے، حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسمیں کوئی اضافہ نہیں کیا اور حضرت عمر رضی نے اسمیں اضافہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے عہد مبارک کی نبیادوں ہی پر (توسیع) کے ساتھ کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے نئی تعمیر فرمادی اور لکڑی کے ستونوں کی بھی تجدید کردی، پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسکو بدلدیا اور اسمیں بہت زیادہ اضافے فرمائے، دیواروں کی تعمیر نقشین پتھروں اور گچ سے کی اور ستون بھی منقش پتھروں کے لگوائے اور چھت سال کی لکڑی کی ڈلوادی۔

مقصد ترجمہ اس باب کا عنوان ہے بنیان المسجد مسجد کی تعمیر کا بیان اور دو ابواب کے بعد ایک عنوان آرہا ہے باب من بنی مسجدا یعنی مسجد کے تعمیر کرنے والے کی فضیلت کا بیان، ان دونوں ابواب میں فرق ہے، اس باب میں امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کیسی ہونی چاہئے، اسکی شان کیا ہو، بانی کی نیت کیسی ہو اور مسجد کی تعمیر میں کن باتوں اور کن اصولوں کی رعایت کی جائے وغیرہ۔ بخاری نے اس سلسلہ میں اصولی طور پر چند باتیں رکھدی ہیں جن کی طرف ترجمۃ الباب کے تحت دیئے گئے آثار اور روایت باب میں شارات موجود ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر میں سادگی کا لحاظ رکھا جائے، مسجد دنیوی تکلفات سے پاک صاف ہو تاکہ نماز میں نمازی کی توجہ صرف عبادت کی طرف مبذول رہے اگر دنیوی نقش ونگار، زیب وزینت اور بے جا تکلفات کا اہتمام کیا جائیگا تو توجہ میں یکسوئی نہ رہے گی اور اصل مقصد یعنی عبادت کا خشوع وخضوع متاثر ہوگا۔ دوسری بات ہے کہ مسجدیں نماز باجماعت کیلئے بنائی جاتی ہیں، اس لئے ان ضروریات کے مہیا کرنے کی طرف توجہ رکھنی چاہئے جنکا تعلق نمازیوں کی راحت رسانی سے ہو مثلاً یہ کہ مسجد مسقف اور چھت والی ہو تاکہ نماز پڑھنے والے سردی گرمی اور برسات کے موسم میں محفوظ رہیں ورنہ ظاہر ہے کہ بارش کے موقع پر یا سخت گرمی اور سردی کے زمانہ میں نماز پڑھنے میں بہت دشواری ہوگی۔ تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسجد کی تعمیر میں بانی کی نیت نام ونمود اور شہرت وغیرہ کی نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ مسجد تعمیر کیجائے۔

ترجمۃ الباب میں آثار صحابہ کے ذریعہ مذکورہ بالا تین باتوں کی طرف اشارہ کرکے روایت باب سے چوتھی بات کی طرف اشارہ کردیا کہ حالات تبدیل ہو جائیں تو بقدر ضرورت اضافہ اور استحکام کی رعایت بھی مناسب ہے بلکہ ضروریات زمانہ کے مطابق اس کو سادگی کے باوجود شاندار بنانے کی بھی اجازت ہے، چھت بھی بلند کی جاسکتی ہے اور مسجد کی عظمت قائم کرنے کیلئے دوسری چیزوں کی رعایت بھی کی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریحات ترجمۃ الباب اور روایت باب سے جو اشارات سمجھے گئے انکو اصولی طور پر پیش کردیا گیا انکی تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں حضرت ابوسعید خدری رضی حضرت عمر رضی حضرت انس رضی، اور حضرت ابن عباس رضی کے چار آثار اور حضرت ابن عمر رضی کی روایت پیش کی ہے۔

پہلا اثر حضرت ابو سعید خدریؓ سے ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی، مطلب یہ ہے کہ کڑیوں کی جگہ کھجور کی شاخیں تھیں گویا ایک طرح کا چھپر تھا جس میں گرمی سے حفاظت ہو جاتی تھی، باقی کوئی انتظام نہ تھا، بارش کے زمانہ میں یہ سطرح ٹپکتا تھا کہ خود بخاری میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بادل اٹھا اور برسنے لگا، چھت کھجور کی شاخوں کی تھی، نماز قائم کی گئی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کی جگہ میں بھی مٹی اور پانی تھا اور آپ کی پیشانی پر مٹی لگ گئی تھی، اس اثر کو نقل کر کے امام بخاری نے مسجد کی تعمیر میں سادگی کا اصول اپنانے کی طرف اشارہ کیا کہ مسجد کو دنیوی تکلفات سے پاک رکھا جائے۔

دوسرا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب انھوں نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کی تجدید کرائی تو معماروں کو ہدایت دی کہ میرا مقصد نمازیوں کیلئے بارش سے حفاظت کا سامان کرنا ہے تاکہ لوگ بارش کے زمانہ میں سکون کیساتھ نماز پڑھ سکیں، یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ رنگ روغن اور گلکاری کر کے اور مختلف رنگ استعمال کر کے لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے دوسرا اصول یعنی نمازیوں کی راحت رسانی کے انتظام اور پہلے اصول یعنی سادگی کی رعایت کی اہمیت معلوم ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد میں اکن الناس من المطر فرمایا گیا ہے، اکن کو ثلاثی بھی پڑھا گیا ہے اور باب افعال سے بھی، ثلاثی ہو تو یہ باب نصر سے مضارع کا صیغہ ہے ترجمہ ہوگا کہ میں لوگوں کو بارش سے محفوظ کرنا چاہتا ہوں، اور باب افعال سے ہو تو اس کو مضارع کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے اور امر کا بھی، مضارع کا صیغہ ہو تو ثلاثی کے ہم معنی ہوگا ثلاثی یا باب افعال سے مضارع پڑھنے کی صورت میں پہلا جملہ اکن الناس من المطر حضرت عمر کا اپنے بارے میں اظہار خیال ہوگا اور دوسرا جملہ ایاك ان تحمر الخ معمار سے خطاب ہوگا، اسلئے پہلے جملہ کے بعد دوسرے جملہ میں التفات ماننا پڑے گا۔ اور امر کا صیغہ ہو تو دونوں جملے معماروں کی ہدایت سے متعلق ہوں گے کہ ایک بات تو یہ ہے کہ تم لوگوں کو بارش سے محفوظ کردو اور دوسری بات یہ ہے کہ رنگ اور زیب و زینت سے اجتناب ضروری ہے، اس صورت میں التفات ماننے کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اثر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ لوگ مسجدوں کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے مقابل فخر کریں گے اور وہ جو مسجد کا مقصد اصلی ہے کہ اس کو آباد کیا جائے اسکی طرف کم توجہ کی جائیگی۔ یہ اثر صحیح ابن خزیمہ میں حضرت انس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً منقول ہے، ابو قلابہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس کے ساتھ ایک مسجد کے پاس سے گذرے تو فرمایا:

قال انس ان رسول اللہ صلی اللہ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں
علیہ وسلم قال یاتی علی الناس	پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب وہ مسجد کے معاملہ میں

زمان یتباھون بالمسجد ثم لا یعمرونہا الا قلیلا (عینی ص ۲۰۴ ج ۴) — ایک دوسرے پر فخر کریں گے، پھر یہ کہ اس کو آباد کرنے والے بہت کم ہوں گے۔

ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں بھی مرفوعاً ان الفاظ میں نقل ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعة ان یتباھی الناس فی المساجد رواہ ابوداؤد والنسائی (مشکوۃ ص ۶۹ ج ۱) — حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ لوگ مسجد کے معاملہ میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

بہرحال حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر مرفوعاً بھی منقول ہے امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ذکر کرکے تیسرے اصول کی وضاحت کی کہ مسجد کی تعمیر میں نام ونمود فخر ومباہات سے نیت کو پاک رکھا جائے اور صرف اخلاص کے ساتھ بنا کی جائے تاکہ اخلاص کی کشش لوگوں کو مسجد کی طرف لائے اور مسجد جماعت، نماز، ذکر اور تلاوت وغیرہ کے ذریعہ خوب آباد ہو، ایک دوسرے کے مقابلہ پر نمائش، برتری حاصل کرنے کے خیال سے تعمیر کیجائیگی تو اللہ کے یہاں اسے قبولیت نصیب نہ ہوگی۔

چوتھا اثر حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ تم ضرور مسجدوں کو اسی طرح آراستہ وپیراستہ کروگے جس طرح یہود ونصاری اپنے عبادتخانوں کی تزئین کیا کرتے ہیں، ابوداؤد شریف کی روایت میں حضرت ابن عباس کے اس ارشاد سے پہلے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسجدوں کے آراستہ، بلند اور نقش ونگار کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اور ابن عباس نے اسکے بعد فرمایا کہ تم ضرور یہ کام کروگے، روایت کے الفاظ یہ ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما امرت بتشیید المساجد قال ابن عباس لتزخرفنہا کما زخرفت الیہود والنصاری (ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ ص ۶۹ ج ۱) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے مسجدوں کے بلند، آراستہ اور منقش کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ابن عباس نے فرمایا کہ تم ضرور مسجدوں کو مزین کروگے جیسے یہود ونصاری مزین کرتے ہیں۔

اس اثر کے ذریعہ بھی امام بخاری پہلے اصول یعنی سادگی کیطرف متوجہ کررہے ہیں کہ حضرت ابن عباس کے ارشاد میں تنبیہ کیجارہی ہے کہ عبادت گاہوں میں زیب وزینت کے اہتمام کا یہ طریقہ یہود ونصاری کا ہے مسلمانوں کیلئے مناسب نہیں ہے، مسجد تو خانۂ خدا ہے اس میں دنیوی تکلفات اور ظاہری زیبائش کی کیا ضرورت ہے۔

بہرحال ان آثار صحابہ کے ذریعہ امام بخاری نے مساجد کی تعمیر کے سلسلہ میں سادگی، نمازیوں کی راحت رسانی اور اخلاص کے استحضار وغیرہ کی اصولی چیزوں کی نشاندہی فرمادی کہ مسجدوں کی تعمیر میں ان چیزوں کی رعایت ضروری ہے۔

تشریح حدیث — حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں مسجد نبوی کی کچی اینٹوں اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ستون بھی کھجور کی لکڑی کے تھے عہد رسالت میں مسجد نبوی کی تعمیر دوبار ہوئی ہے پہلی بار اسکی وسعت ۶۰×۶۰ ذراع تھی، خیبر کی فتح کے بعد توسیع فرمائی گئی اور اسکا رقبہ ۱۰۰×۱۰۰ ذراع کردیا گیا، لیکن تعمیر کے لئے

جو چیزیں استعمال کی گئیں وہ دونوں مرتبہ میں وہی تھیں جن کا ابن عمر نے تذکرہ فرمایا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوئی اضافہ عمل میں نہیں آیا صرف بوسیدہ ستون تبدیل کئے گئے۔ البتہ جب حضرت عمر کا عہد خلافت آیا تو حضرت ابن عمر فرماتے ہیں: زاد فیہ عمر وبناہ علی بنیانہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت عمر نے اضافہ بھی کیا اور عہد رسالت کی بنیادوں کو بھی باقی رکھا۔ ان دونوں جملوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ پہلے جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر نے جگہ میں اضافہ کیا، طول وعرض میں توسیع دی یا جانب قبلہ میں دو صفوں کا اضافہ کیا۔ اور دوسرے جملہ کا مطلب ہے کہ اسکے باوجود عہد رسالت کی بنیادوں کو بھی باقی رکھا اور تعمیر کیلئے سامان اور انداز بھی وہی برقرار رہا یعنی وہی کچی اینٹ، وہی کھجور کی لکڑی کے ستون اور وہی کھجور کی شاخوں کی چھت، لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انھوں نے کمیت وکیفیت میں بہت اضافے فرمائے، طول وعرض دونوں ہی میں اضافہ کیا، ازواج مطہرات کے حجرات کو خرید کر مسجد نبوی میں شامل فرمایا اور سامان تعمیر میں بھی تبدیلیاں ہوئیں، کچی اینٹ کی جگہ پتھر استعمال کئے گئے اور پتھر بھی وہ جو منقش تھے۔ الفاظ ہیں حجارۃ منقوشۃ اسکا ایک ترجمہ تو یہ ہے کہ پتھر وغیرہ اسطرح سے گھڑا گیا کہ وہ ایک دوسرے سے پیوست ہو جاتے تھے یعنی انکی درزوں کو ملانے کیلئے انھیں توڑ کر اور تراش کر کے برابر کیا گیا۔ اور دوسرا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان پتھروں میں نقش ونگار بھی تھے یعنی پتھروں میں صناعی کا عمل کر کے نقشین بنایا گیا تھا یہ بھی مذکور ہے کہ یہ نقش ونگار حضرت عثمانؓ نے نہیں بنوائے تھے بلکہ اتفاقاً اس زمانے میں ایسے منقش پتھر دستیاب ہو گئے، تو انھیں حضرت عثمان نے مسجد نبوی میں استعمال فرمالیا۔

سامان تعمیر میں دیگر تبدیلیاں یہ ہوئیں کہ پتھروں کی تعمیر مٹی سے نہیں بلکہ گچ اور چونے سے کی گئی، ستون بھی نقشین پتھروں کے بنائے گئے اور چھت میں کھجور کی شاخوں کے بجائے ساگون کی کڑیاں استعمال کی گئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس مخلصانہ عمل پر اس زمانہ میں اعتراضات بھی کئے گئے جن کا جواب حضرت عثمان نے منبر پر آکر دیا، وہ روایت دو ابواب کے بعد باب من بنی مسجدا کے تحت آرہی ہے۔

بہرحال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عمل سے اصل یہ نکل آئی کہ مسجد کے اندر بقدر ضرورت اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے اور استحکام کی خاطر اپنے دور کا مضبوط ساز وسامان بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، نیز سادگی کی رعایت کے ساتھ مسجد کو پرشوکت اور شاندار بھی بنایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

الی ھنا تم الجزء الرابع عشر من ایضاح البخاری بعون اللہ و
کرمہ وسیتلوہ الجزء الخامس عشر ان شاء اللہ واولہ باب
التعاون فی بناء المسجد
(والحمد للہ اولاً وآخراً)

کتاب الصلوٰۃ

باب التَّعَاوُنِ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَقَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُوْنَ. اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللهَ فَعَسٰى اُولٰئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ **حدثنا** مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُخْتَارٍ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ اِنْطَلِقَا اِلٰى اَبِي سَعِيْدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيْثِهِ فَانْطَلَقْنَا فَاِذَا هُوَ فِيْ حَائِطٍ يُصْلِحُهُ فَاَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبٰى ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا حَتّٰى اَتٰى عَلٰى ذِكْرِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرَاٰهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ وَيَقُوْلُ وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُوْنَهُ اِلَى النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ عَمَّارٌ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ.

ترجمہ، باب، مسجد کی تعمیر میں تعاون باہمی کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مشرکین اس لائق ہی نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے خلاف قول وعمل سے خود کفر کی گواہی دیتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنکے سب اعمال اکارت ہوگئے اور جہنم میں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور انھوں نے نمازوں کو قائم رکھا اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرے، پس امید ہے کہ یہ لوگ ہدایت یاب ہوجائیں حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے اور اپنے صاحبزادے علیؒ سے فرمایا کہ تم دونوں حضرت ابوسعید خدریؓ کی خدمت میں جاؤ اور اُن سے احادیث سنو، چنانچہ ہم دونوں گئے تو یہ دیکھا کہ وہ ایک باغ میں ہیں اور اسکو درست فرما رہے ہیں (انھوں نے ہمیں دیکھا) تو اپنی چادر لی اور احتباء کرکے (یعنی سرین زمین پر رکھ کر گھٹنے کھڑے کرکے اور چادر کو کمر سے گھٹنوں تک لپیٹ کر) بیٹھ گئے اور احادیث سنانے لگے حتی کہ مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر آیا تو فرمایا کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ لاتے تھے اور عمار دو دو اینٹیں لاتے تھے

جب انکو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ان کے جسم سے مٹی صاف کی اور فرمایا کہ عمار کی حالت قابل رحم ہے، انکو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، عمار انھیں جنت کی دعوت دیں گے اور وہ عمار کو جہنم کی طرف بلائیں گے، حضرت ابو سعید نے فرمایا کہ عمار نے (یہ سنا تو) کہا کہ میں فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں

مقصد ترجمہ امام بخاری کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد کون لوگ بنائیں اور کیسے مال سے بنائیں، امام بخاری نے آیت پیش کر کے بتلا دیا کہ یہ خالص مسلمانوں کا کام ہے اور یہ صرف مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی تعاون سے اس خدمت کو انجام دیں اور جب تک مسلمان معمار اور مزدور مل سکیں غیر مسلم سے کام بھی نہ لیا جائے کیونکہ یہ کام مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ کے طور پر واجب ہوتا ہے، اور جب یہ بات ہے کہ تعمیر مسلمانوں کے ذمہ ہے تو اس سے یہ بھی نکلا کہ تعمیر میں جو مال صرف کیا جائے وہ بالکل پاک اور صاف ہو، مشرکین وکافرین کے اموال یا مسلمانوں کے ناجائز اموال خبث شامل ہونے کے سبب اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے مسجد تعمیر کیجائے، اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں غیر مسلم کا روپیہ نہ لگایا جائے، ابو البرکات نسفی نے المستصفیٰ میں اسکی تصریح کی ہے۔

امام بخاری نے اپنے مقصد کے ثبوت میں آیتِ پاک کو پیش کیا ہے، بعض مفسرین نے اسی آیت کے ذیل میں امام اعظم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ کافر کا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، جصاص رازی حنفی نے احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

عمارة المسجد تكون بمعنيين احدهما زيارته والسكون فيه والآخر بنائه وتجديد ما استرم منه .... فاقتضت الآية منع الكفار من دخول المساجد ومن بنائها وتولى مصالحها والقيام بها لانتظام اللفظ للامرين۔	(آیت میں مذکور) مسجد کی آبادکاری کے دو معنی ہیں، ایک مسجد کی زیارت اور اس میں رہنا اور دوسرا اسکی تعمیر اور مرمت طلب حصہ کی مرمت، آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کا مسجدوں میں داخل ہونا بھی ممنوع ہے اور مسجدوں کی تعمیر کرنا اسکی مصلحتوں کا متولی ہونا یا انتظام کرنا بھی ممنوع ہے، کیونکہ لفظ "عمارۃ" بھی دونوں معنی پر مشتمل ہے۔

(احکام القرآن جلد سوم ص۸۶)

☆ ☆ ☆

البتہ کوئی کافر یا مشرک مسجد تعمیر ہی کرنا چاہے یا مسلم رعایا کے مطالبہ پر کافر حکومت یا کوئی جاگیردار کافر مسجد تعمیر کرے تو اس کے لئے فقہاء نے یہ حیلہ شرعی بیان کیا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو رقم ہبہ کر دے اور پھر یہ مسلمان اس رقم کو مسجد میں صرف کرے۔ نیز کافر کے چندہ کے بارے میں یہ تصریح فقہاء نے کی ہے کہ اس کو اصل مسجد میں نہ لگایا جائے بلکہ خارج مسجد میں جو مسجد کے متعلقات غسلخانہ، بیت الخلاء وغیرہ ہوتے ہیں وہاں صرف

کیا جائے ، اگرچہ وہاں بھی صرف نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

اور اگر یہ صورت ہوئی کہ غیر مسلم کی رقم کو مسجد میں صرف کرنے کیلئے حیلۂ شرعی نہیں کیا گیا بلکہ اس نے پوری مسجد بنا کر مسلمانوں کے حوالے کردی تو مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کی رائے یہ ہے کہ وہ مسجد نہیں ہے بلکہ عام گھروں کی طرح ایک گھر ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہ ہوگا لیکن قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی رائے میں غیر مسلم اگر بہ نیت ثواب اور لوجہ اللہ مسجد بنا کر مسلمانوں کے حوالہ کردے تو وہ مسجد ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب حاصل ہوگا حضرت گنگوہی کی دلیل یہ ہے کہ حرم مکہ مشرکین کا تعمیر کیا ہوا تھا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بعینہٖ باقی رکھا اور وہ مسلمانوں کی سب سے زیادہ قابل احترام مسجد ہے۔ پھر جب غیر مسلم کی جانب سے کی گئی مسجد کی مکمل تعمیر کا یہ حکم ہے تو انکی جانب سے دیا گیا جزوی چندہ بھی مسجد میں لگانا جائز ہے حضرت گنگوہی کے فتاویٰ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ان معاملات میں حضرت گنگوہی کی رائے زیادہ قوی اور راجح ہے۔ اگرچہ امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا رجحان یہ نہیں ہے۔ بہرحال بخاری کا منشا، اور مدعا یہ ہے کہ پاک صاف مال سے مسلمان تعاون باہمی سے مسجد کی تعمیر کریں اور مشرکین کو اس کا موقع نہ دیں مسلمان کارکنان خواہ معاوضہ لے کر کام کریں اور ان کو اجرت مال حلال سے ادا کیجائے، یا بلا معاوضہ کام کرنے پر راضی ہوں، بہرحال یہ صرف مسلمانوں کا حق اور انکی ذمہ داری ہے۔

تشریح حدیث حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھے اور اپنے صاحبزادے علی کو ہدایت کی کہ حضرت ابوسعیدؓ خدری کی خدمت میں جاؤ اور ان سے احادیث سنو یہ علی بن عبداللہ بن عباس بڑے عابد و زاہد، زبردست عالم اور صورت و سیرت میں نہایت خوبیوں کے مالک تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت والے دن پیدا ہوئے تو ان کا نام علی رکھدیا گیا ان کے تذکرے میں مذکور ہے کہ ان کے پاس زیتون کے پانچ سو درخت تھے انکا معمول یہ تھا کہ روزانہ ہر درخت کے نیچے دو رکعت نفل ادا کرتے تھے گویا ایک ہزار رکعت نفل روزانہ کا معمول تھا۔ بہرحال عکرمہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی ہدایت کے مطابق ہم دونوں حضرت ابوسعیدؓ خدری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ اپنے باغ میں کام کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ ہر انسان کو اپنے سے متعلق کاموں کی نگرانی خود کرنی چاہئے بلکہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ کام عملاً خود انجام دے اس میں تواضع بھی ہے اور بہت سے جسمانی اور روحانی فوائد ہیں۔

فاخذ رداءہ فاحتبیٰ الخ یعنی جب ہم نے عرض کیا کہ ہمیں حضرت ابن عباس نے آپ کی خدمت میں احادیث سننے کے لئے بھیجا ہے تو انھوں نے باغ کا کام چھوڑ دیا اور پھر اپنی چادر لی اور سنبھل کر بیٹھ گئے اور احادیث سنانے لگے، معلوم ہوا کہ درس حدیث کے وقت محدث کو خاص اہتمام کرنا چاہئے، وہ لباس جو عام حالات میں پہنا جاتا ہے جس میں بو وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے درس حدیث کے وقت مناسب یہ ہے کہ اس کو بدل دیا جائے، پھر یہ بھی نہیں کہ طلبہ کے جانے کے بعد حضرت ابوسعید خدری نے کچھ تاخیر فرمائی ہو کہ بیٹھو جائیے میں فارغ ہوکر آتا ہوں، بلکہ انکے

جاتے ہی کام چھوڑ دیا اور اہتمام فرما کر حدیث سنانے کیلئے بیٹھ گئے۔

حتی اتی علی ذکر بناء المسجد الخ احادیث سناتے سناتے مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر آیا تو حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا کہ اینٹیں دور سے لائی پڑتی تھیں اور ہم سب لوگ ایک ایک اینٹ لا رہے تھے اور حضرت عمار دو دو، حضرت عمار کے دو دو اینٹ لانے کی وجہ یہ تھی کہ ابتدا میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ اینٹ لا رہے تھے، حضرت عمار نے گذارش کی کہ آپ اپنے حصہ کی اینٹ لانے کی مجھے اجازت دیں، میں یہ خدمت انجام دونگا آپ نے حضرت عمار کی پیشکش کو قبول فرمالیا۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ اگر اکابر تواضع اور تعاون کے طور پر چھوٹوں کے ساتھ مشقت کا کام کرنا چاہیں تو اصاغر کو ان کے حصہ کا کام کرنے کی پیشکش کرنی چاہئے اور بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں کی اس پیشکش کو قبول فرمائیں یہ حضرت عمار کی انتہائی جفاکشی کی بات ہے کیونکہ صحابۂ کرام کا ایک ایک اینٹ لانا بتلا رہا ہے کہ یہ اینٹیں چھوٹی نہ ہونگی اتنی بڑی ہونگی کہ ایک ہی اینٹ لائی جاسکتی ہوگی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ سابقین اولین اور ان صحابۂ کرام میں سے ہیں جن پر کفار نے ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے ہیں۔ ان کے فضائل کئی احادیث میں آئے ہیں، اسلام لانے کے بعد بڑی مشقتیں برداشت کیں اور ان پر صبر فرماتے رہے، ثواب آخرت کی طلب میں مشقت طلبی کا یہ عالم ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اینٹ بھی اٹھا کر لا رہے ہیں، رضی اللہ عنہ وعن کل الصحابۃ اجمعین۔

فرآہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دو دو اینٹ لانے کے سبب حضرت عمار کے سر اور بدن پر غبار لگ گیا ہے تو آپ نے اپنے دست مبارک سے غبار صاف کیا اور فرمایا "ویح عمار" عمار کی حالت قابل رحم ہے، ان کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، عمار انھیں جنت کیطرف بلائیں گے اور وہ عمار کو جہنم کی طرف بلائیں گے، یہ سنکر حضرت عمار نے دعا کی کہ میں فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

اس سے مختلف آداب معلوم ہوئے ایک تو یہ کہ اصاغر اگر دینی کام میں مشقت برداشت کریں تو اکابر کو انکی ہمت افزائی کرنی چاہئے اور دعا دینی چاہئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ریت اور سر سے غبار صاف فرماتے جاتے ہیں اور دعا دیتے ہیں کہ ان کی حالت قابل رحم ہے، قابل رحم ہونے کی وضاحت میں آپ کی زبان سے نکلا کہ انھیں شہید کیا جائے گا، تو حضرت عمار نے اللہ کی پناہ طلب کی معلوم ہوا کہ ہمہ وقت فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہئے۔

حضرت عمارؓ کی شہادت

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں جو پیش گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی اور حضرت عمارؓ معرکۂ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کے ہاتھوں ۳۷ھ میں شہید ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان کی رو سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطا ر اجتہادی پر ہونا متعین ہوگیا آپ کے الفاظ یہ ہیں کہ عمار کو ایک

باغی جماعت شہید کریگی ، جبکہ عمار ان کو جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ جماعت عمار کو جہنم کی طرف بلا رہی ہوگی

ان الفاظ میں یہ بات واضح اور صاف ہے کہ حضرت عمار جس جانب ہوں گے وہی جماعت حق پر ہوگی ، حضرت عمار کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں یہ موجود ہے عمار ما عرض علیہ امران الا اختار الارشد منھما (ابن ماجہ ص۱۴) عمار پر کبھی دو باتیں پیش نہیں کی گئیں مگر انھوں نے ان میں سے رشد والی بات کو اختیار کیا ۔

اس لئے جس جانب حضرت عمارؓ ہوں اس جانب حق کا ہونا ثابت ہے ، صفین کے معاملہ میں حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی طرف تھے اس لئے یہ ثابت اور طے ہے کہ اس معاملہ میں حضرت علیؓ کا موقف درست اور حق تھا ، چنانچہ تاریخ کی روایتوں میں ہے کہ حضرت عمار کی شہادت کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے جو حضرت معاویہؓ کے دستِ راست تھے قتال سے ہاتھ روک لیا اور ایک بڑی جماعت حق واضح ہونے کی بنیاد پر ان کے ساتھ ہوگئی تو حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے اس کا سبب دریافت کیا ، انھوں نے جواب دیا کہ عمار کی شہادت سے ہمارے موقف کی غلطی واضح ہوگئی کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے تقتلہ الفئة الباغیة ۔ ان کو وہ جماعت قتل کرے گی جو امام عادل کی اطاعت سے خروج کر کے بغاوت اختیار کرے گی ، یہ سنکر حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ انھیں ہم نے کہاں قتل کیا ہے ، اصل قاتل تو وہ ہیں جو انھیں میدانِ قتال میں لیکر آئے تھے ، پھر بعض تاریخی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ کا یہ جواب معلوم ہوا تو انھوں نے یہ تبصرہ فرمایا کہ اگر اس دلیل کی رو سے حضرت عمار کے قاتل ہم لوگ ہیں تو حضرت حمزہ کے قاتل تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے کہ وہی انھیں کفار کے مقابلہ میں میدان قتال میں لے کر آئے تھے ، پھر بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت معاویہ کو حضرت علی کا یہ جواب پہنچا تو وہ خاموش ہوگئے ۔

حضرت معاویہؓ کے موقف کی وضاحت

لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت میں اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ وہ بلاشک صاحبِ مناقب صحابی ہیں اور دلائل کی روشنی میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں حسنِ ظن اور کفِّ لسان کا امت کو مکلف کیا گیا ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ فرماتے وہ تو اپنے بارے میں یہی سمجھ رہے تھے کہ حق ان کی جانب ہے ، پھر یہ کہ حضرت معاویہ بھی تنہا نہیں ہیں ، ان کے ساتھ بھی صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک جماعت ہے اور وہ سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم حق پر ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص لینا ضروری ہے ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دانستہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کی طرف التفات نہیں کر رہے ہیں ، جبکہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص لینا اہم واجبات میں سے ہے اور اگر قاتلوں اور مفسدوں کو اس طرح چھوڑ دیا جائے گا تو نظام کیسے چلے گا ۔ ان کا مقصد خلیفہ برحق کی اطاعت سے خروج ہرگز نہیں تھا ۔ جبکہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے مختلف مجبوریاں تھیں، اول تو قاتلین کا تعین نہیں تھا دوسرے یہ کہ حضرت معاویہ شام پر قابض تھے اور حضرت علی کی خلافت کمزور تھی۔ اس لئے شرعی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ ابھی اس مسئلہ کو نہ چھیڑا جائے غرض یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے چند در چند اعذار ہیں مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی عذر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے وہ فرماتے تھے کہ قاتلین سے قصاص لینے کا مسئلہ سب سے اہم ہے۔

مگر اشکال یہ ہے کہ روایت باب میں دو لفظ آ رہے ہیں ایک تو یہ کہ حضرت عمار کے قاتلین کیلئے باغی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ انھیں وہ جماعت قتل کرے گی جو باغی ہوگی یعنی امام برحق کی اطاعت سے خروج کر کے بغاوت اختیار کرنے والی ہوگی، دوسرا لفظ یہ ہے کہ حضرت عمار ان کو جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ جماعت انھیں جہنم کی طرف بلا رہی ہوگی اس لئے روایت سے ظاہر یہ ہے کہ عمار کے قاتلین کی جماعت باغی اور جہنمی ہو، جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ مسلک نہیں ہے۔ اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

شارحین حدیث نے عام طور پر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ باغی اور داعی الی النار کا اگرچہ ان حضرات پر اطلاق کیا گیا ہے اور واقعتاً ان سے یہ بات صادر بھی ہوئی، لیکن ان لوگوں کا عذر یہ ہے کہ وہ مجتہدین تھے اور ان کا ظن یہ تھا کہ نہ وہ بغاوت کر رہے ہیں اور نہ جہنم کی دعوت دے رہے ہیں، ان کا ظن یہ تھا کہ وہ قصاص واجب کا مطالبہ کر رہے ہیں اور جنت کی دعوت دے رہے ہیں اور مجتہد پر اپنے ظن کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، اس لئے یہ حضرات اپنے اس عمل میں معذور قرار دیئے جائیں گے، بلکہ مجتہد ہونے کی بنا پر انھیں خطاء اجتہادی والا ثواب ملے گا

حضرت گنگوہی کا ارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کسی فعل کا فی نفسہٖ موجب عقاب ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ گناہ کسی عارض کی بنا پر ختم کر دیا گیا ہو، یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی فعل بذات خود عقاب کا موجب ہو لیکن کسی عارض کی وجہ سے عذاب کا حکم اس پر مرتب نہ کیا جائے یہاں ایسا ہی ہے کہ حضرت معاویہ اور ان کے رفقاء سے فعل تو وہی سرزد ہوا جس پر عقوبت کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن گناہ ساقط کر دیا گیا کہ یہ فعل ان سے خطاء اجتہادی کے طور پر صادر ہوا تھا حضرت گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی اس آیت سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ	اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے
اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○	اختیار کیا اس کے بارے میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی۔

آیت کی تفسیریں تو متعدد کی گئی ہیں مگر ان میں ایک قابل قبول تفسیر یہ بھی ہے جس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ کتاب سے مراد قانون ہے اور وہ قانون یہ ہے ان لا یعذب احد اعلی العمل بالاجتہاد وکان ھذا اجتہاد امنھم (مدارک) یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جسے اجتہاد کا حق ہو اجتہاد پر عمل کرنے کی وجہ سے

عذاب نہیں دیتا۔

معلوم ہوا کہ جب حضرت معاویہ اور ان کے شریک کار صحابۂ کرام خطأ اجتہادی کے طور پر ایک موقف اختیار کئے ہوئے تھے تو ان کا فعل بظاہر بغاوت اور عقاب کا سبب سہی لیکن حقیقت میں وہ عقاب کا سبب نہیں ہوگا۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی تعبیر حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت معاویہ کی جماعت پر تقتلہ الفئۃ الباغیۃ تو صادق ہے اور اس کی توجیہ یہی ہے کہ یہ فعل ان حضرات سے خطأ اجتہادی کے طور پر صادر ہوا تھا، لیکن آگے جو ارشاد فرمایا جارہا ہے یدعوھم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار، اس کا تعلق حضرت معاویہ اور ان کی جماعت سے نہیں ہے، بلکہ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ایک دوسری بات مشرکین کے بارے میں حضرت عمار کے تذکرے میں فرمائی گئی ہے، یعنی پہلے جملہ میں تو حضرت عمار کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ ان کی حالت قابل رحم ہے کہ ان کو ایک باغی جماعت شہید کرے گی اور دوسرے جملہ میں فرمایا گیا کہ ان کا معاملہ مشرکین کے ساتھ بھی بڑا قابل رحم رہا، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، والدہ تک شہید کردی گئیں جبکہ حضرت عمار ان مشرکین کو جنت کی طرف دعوت دیتے تھے اور مشرکین انھیں جہنم کی دعوت دیتے تھے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس دوسرے جملہ یدعونہ الی النار کو حضرت معاویہ اور انکی جماعت پر اس لئے منطبق نہیں کرتے کہ بعینہٖ یہی بات قرآن کریم میں کفار کے بارے میں کہی گئی ہے، کفار کے ساتھ ازدواجی تعلقات کی ممانعت کے بعد ارشاد فرمایا گیا۔

اولئك يدعون الى النار والله يدعو الى الجنة والمغفرة	یہ لوگ کافر جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلارہا ہے۔

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱)

نیز فرعون کے ساتھ ایک مردمومن کے مکالمہ کے دوران نقل فرمایا گیا ہے۔

يٰقوم مالى ادعوكم الى النجاة وتدعونني الى النار	اے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی طرف بلارہے ہو۔

(سورۃ غافر آیت ۴۰)

تو جو بات کفار کے لئے کہی گئی ہو اس کو بعینہٖ صحابۂ کرام پر منطبق کرنا درست نہیں ہے اور اچھی توجیہ یہی ہے کہ یدعونہ الی النار مشرکین کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی یدعوھم الی الجنۃ ویدعونہ الی النار والے جملہ کو حضرت معاویہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں تسلیم کرنے سے تأمل کا اظہار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ جملے حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین میں نہیں ہیں اور حمیدی نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے

ان جملوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر نے از روئے نقل ان جملوں کے بخاری میں ہونے سے انکار کی کوشش کی ہے، مگر علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ قوی نہیں ہے اس لئے کہ یہ جملے دوسرے مضبوط طرق سے ثابت ہیں بہتر توجیہ یہی ہے کہ یہ جملے تو ثابت ہیں مگر ان کا تعلق حضرت معاویہؓ اور انکی جماعت سے نہیں بلکہ یہ مشرکین کے بارے میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

نیز یہ کہ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان جملوں کی جمہور کے ذوق کے مطابق توضیح فرماتے ہوئے کہا کہ باغی اور جہنم کے داعی ہونے کا اطلاق کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ ان حضرات سے جن افعال کا صدور ہوا ان افعال کا حکم تو یہی ہے، لیکن افعال کا ارتکاب کرنے والوں کا کیا حکم ہے کہ وہ گناہگار قرار دیئے جائیں گے یا معذور سمجھے جائیں گے یا ان افعال پر انھیں ثواب عطا کیا جائیگا تو یہ دوسرے دلائل پر موقوف ہے گویا کسی فعل کا سبب جہنم ہونا اور بات ہے، اور اسکے فاعل کا جہنمی ہونا دوسری بات ہے، سبب کے اوپر مسبب کا ترتب اس بات پر موقوف ہے کہ تمام شرائط پائے جائیں اور موانع نہ ہوں، کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ سبب وجود میں آجاتا ہے مگر مسبب وجود میں نہیں آتا، یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ سے مقابلہ آرائی بغاوت ہے اور خلیفۂ راشد کی حمایت دعوت الی الجنۃ اور ان کے علی الرغم کوشش دعوت الی النار ہے، لیکن جو جماعت یہ کام کر رہی ہے اس میں مجتہدین صحابہؓ و تابعینؒ ہیں اس لئے خطأ اجتہادی کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ وہ معذور ہیں بلکہ انھیں ایک ثواب سے بھی نوازا جائے گا۔ واللہ اعلم

ان تمام تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اگرچہ روایت میں حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر باغی اور داعی الی النار کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن یہ بغاوت اور دعوت الی النار کا مضمون ان حضرات پر صرف صورۃً صادق آتا ہے، حقیقۃً نہیں، اس لئے عام امت کے لئے ان حضرات پر ان الفاظ کا اطلاق جائز نہیں اور نہ علماء اہل سنت والجماعت میں سے کسی نے ان الفاظ کا ان لوگوں کے لئے استعمال کیا ہے۔

بَابُ الْاِسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِيْ اَعْوَادِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى امْرَاَةٍ مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ يَعْمَلْ لِيْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ حدثنا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ اَيْمَنَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَاِنَّ لِيْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ.

باب، ترجمہ، منبر کی لکڑیوں کو بنوانے اور مسجد کی تعمیر میں بڑھئی اور دوسرے کاریگروں سے مدد لینے کا بیان، حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو کہلا بھیجا کہ تم اپنے اس غلام سے جو بڑھئی کا کام جانتا ہے میرے لئے لکڑی (کا منبر) بنوا دو جس پر بیٹھ کر میں خطبہ دیا کروں حضرت جابرؓ بن عبداللہ

سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں آپ کے لئے ایک ایسی چیز نہ بنوادوں جس پر آپ بیٹھ جایا کریں اس لئے کہ میرا ایک غلام بڑھئی کا کام کرتا ہے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہتی ہو (تو مضائقہ نہیں) چنانچہ اس نے منبر بنوادیا۔

مقصد ترجمہ مسجد کی تعمیر اور اس کے متعلقات کی تیاری میں مختلف کاریگروں سے مدد لینے کی ضرورت ہوتی ہے معمار، مزدور، بڑھئی اور لوہار وغیرہ، امام بخاریؒ نے ترجمہ منعقد کرکے بتا دیا کہ مسجد کی تعمیر میں ہر طرح کے کاریگروں سے مدد لینا جائز ہے، اگر یہ کاریگر حضرات خود توجہ کریں تو بہت اچھا ہے، خود متوجہ نہ ہوں تو توجہ دلائی جائے بلا معاوضہ یا معاوضہ دے کر کام لیا جائے مسلمان کاریگر مہیا نہ ہوں تو غیر مسلموں سے کام لیا جائے، وغیرہ گویا یہ سب جائز ہے۔

تشریح حدیث پہلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے یہ کہلوایا کہ تم اپنے بڑھئی کا کام جاننے والے غلام سے ایک منبر بنوادو جس پر بیٹھ کر میں خطبہ دیا کروں، دوسری روایت میں یہ آیا کہ عورت نے خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا ایک غلام بڑھئی کا کام جانتا ہے، آپ فرمائیں تو میں اس سے آپ کے لئے منبر تیار کرادوں جس پر آپ بیٹھ سکیں، آپ نے ان کی پیش کش کو قبول فرمایا اور کہا کہ اگر تم چاہتی ہو تو بنوادو۔

پہلی اور دوسری روایت میں تعارض ہے کہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائش کی اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے خود پیش کش کی تھی، دونوں میں تطبیق کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ جب عورت نے پیش کش کی تھی اس وقت ضرورت نہیں تھی پھر بھی آپ نے منبر کی تیاری کو ان کی مرضی پر موقوف فرما دیا تھا، ابھی تیار نہیں ہوسکا تھا کہ ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے منبر کی تیاری کے لئے کہلا بھیجا۔ یہ توجیہ اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ پہلے اس عورت نے خود درخواست کی تو آپ نے فرمادیا ان شئت کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو ٹھیک ہے، چنانچہ تیاری میں تاخیر ہوئی تو یاد دہانی کے طور پر آپ نے کہلوایا۔

بہر حال روایت سے یہ ثابت ہوگیا کہ مسجد اور اس کے متعلقات کی تیاری میں کاریگروں سے مدد لی جا سکتی ہے، روایت میں ذکر صرف بڑھئی کا ہے، لیکن بڑھئی اور دوسرے کاریگروں میں کوئی فرق نہیں اس لئے ہر طرح کے کاریگروں سے کام لینے کا جواز معلوم ہوگیا، مسند احمد کی روایت میں گارا بنانے کے سلسلہ میں حضرت طلق بن علی یمامی کا تذکرہ ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ قربوا الیمامی من الطین گارا بنانے کا کام طلق یمامی سے لیا جائے، بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت طلق نے عرض کیا کہ کیا دوسرے حضرات کی طرح مجھے بھی اینٹیں منتقل کرنے کا حکم ہے تو فرمایا کہ نہیں، تم گارا بناؤ، یہ کام تم اچھا جانتے ہو۔

روایت میں ایک لفظ اجلس علیہن آیا ہے کہ میں اس منبر پر بیٹھوں گا اس تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے لئے قیام شرط نہیں اور یہ بات ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جن کے یہاں خطبہ میں قیام شرط نہیں حنفیہ کا مذہب یہی ہے، جن لوگوں کے یہاں خطبہ میں قیام شرط ہے وہ یہ تاویل کریں گے کہ خطبہ سے پہلے یا دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر ہے، مگر یہ تاویل ظاہر کے خلاف ہے ــــ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ الْخَوْلَانِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ ابْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيهِ حِينَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ أَكْثَرْتُمْ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا قَالَ بُكَيْرٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ ـ

باب ترجمہ، اس شخص کی فضیلت کا بیان جس نے کوئی مسجد تعمیر کی۔ حضرت عبیداللہ خولانی سے روایت ہے، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی اور لوگوں نے ان کے بارے میں مختلف باتیں کہیں تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بے شک تم لوگ (میرے بارے میں) بہت کچھ کہہ رہے ہو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کوئی مسجد تعمیر کی۔ بکیر کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ رضائے خداوندی حاصل کرنے کے لئے مسجد تعمیر کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مسجد کے مثل گھر بنائے گا۔

مقصد ترجمہ چند ابواب پہلے ایک عنوان آیا تھا باب بنیان المسجد وہاں بیان کیا گیا ہے کہ امام بخاری مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں چند اصولی باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ دوسرا عنوان ہے باب من بنی مسجدا یہ عنوان الفاظ کے اعتبار سے اس کے بہت قریب ہے مگر یہاں امام بخاری کا مقصد ہے مسجد تعمیر کرنے والے کی فضیلت کا بیان، اور یہ کہ مسجد کی تعمیر کی جہاں یہ صورت ہے کہ اس کو ابتداءً تعمیر کیا جائے، وہیں یہ بھی ہے کہ اس کی تجدید یا توسیع وغیرہ کی جائے، دونوں ہی صورتوں میں بانی کو مسجد کی تعمیر کی فضیلت حاصل ہوگی۔ اور روایت باب میں فضیلت کے سلسلہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اسی کے مثل تعمیر فرمائے گا۔ بانی ہر صورت میں اس کا مستحق ہوگا۔

تشریح حدیث جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر کردیئے گئے تو لوگوں نے مسجد نبوی میں تنگی کی شکایت کی، چنانچہ مشہور روایت کے مطابق ۲۹ھ میں یعنی اپنی خلافت کے سال میں مسجد نبوی میں توسیع فرمائی اور ہر اعتبار سے اس کو شاندار بنوادیا، تو ان تغیرات کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

پر مختلف اعتراضات کئے جانے لگے، تارک دنیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی مسجد نبوی کی شاندار تعمیر سے اتفاق نہ تھا مسلم شریف میں محمود بن الربیع انصاری سے روایت ہے :

لما اراد عثمان رضی اللہ عنہ بناء المسجد	جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی
کرہ الناس ذلک و احبوا ان یدعہ	تعمیر (جدید) کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو پسند نہیں
علی ھیئتہ (مسلم ص۲۰۱ ج۱)	کیا اور یہ چاہا کہ وہ اسکو سابق ہیئت کے مطابق باقی رکھیں

محض ناپسندیدگی ہی کی بات نہیں تھی بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جواب میں ایک شکایت کا جملہ ہے " انکم اکثرتم " کہ آپ حضرات مسجد نبوی کی تعمیر کے سلسلے میں میرے عمل پر بہت زیادہ نکیر کر رہے ہیں، یہ بہت زیادہ نکیر کیا تھی ؟ تاریخ میں موجود ہے کہ کسی نے کہا کہ عثمان غنی کی اختیار کردہ صورت بہتر ہوتی تو خود پیغمبر علیہ السلام اور انکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے زیادہ حقدار تھے، ابتداء ہی میں خیال کیا جاتا کہ مسجد کو اس شکل پر بنایا جائے، پیغمبر علیہ السلام نے تو سادگی کا لحاظ فرمایا تھا، اور عریش کعریش موسیٰ حضرت موسیٰ کے چھپر کی طرح ایک چھپر فرمایا تھا۔ کسی نے یہ تبصرہ کیا کہ بیت المال کی رقم ہے، یعنی یہ بیت المال کی رقم میں بیجا تصرف ہے جسمیں عام مسلمانوں کی اجازت کے بغیر اس طرح کا تصرف درست نہیں کسی نے اس سے بھی بڑا الزام دیا کہ یہ کام نام و نمود اور شہرت پسندی کے لئے ہو رہا ہے، پہلے خلفاء کے پیش نظر نام و نمود کی بات نہیں تھی وغیرہ۔

جب اسطرح کے تبصرے سنتے سنتے کان پک گئے تو ایک دن حضرت عثمان منبر پر تشریف لائے اور حقیقت کو واضح فرمایا اور تمام اعتراضات کے جواب میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک روایت سنادی جس میں کئے جانے والے تمام اعتراضات کا جواب موجود ہے۔

روایت باب سے تمام اعتراضات کا جواب پہلی بات یہ تھی کہ اگر مسجد نبوی میں کئے جانے والے تغیرات مستحسن ہیں تو یہ کام ان پچھلے لوگوں نے کیوں نہیں کیا جو ان سے بہتر تھے روایت باب سے اس تبصرہ کا جواب اس طرح بنتا ہے کہ میں نے یہ سب کام پیغمبر علیہ السلام کی اجازت سے کئے کیونکہ روایت میں یہ فرمادیا گیا کہ اگر کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے مسجد تعمیر کرے گا تو اللہ اسے جنت میں اس کا مماثل عطا فرمائیگا تو اس سے صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوئی کہ جنت میں مماثل جزا حاصل کرنے کے لئے مسجد بنانے کی اجازت ہے۔

سب جانتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں بالکلیہ مماثلت نہیں ہے کیونکہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعمیر، جنت کے ادنیٰ سے ادنیٰ مکان کے برابر نہیں ہو سکتی اس لئے مثلہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کم اور کیف کے اعتبار سے مماثل جزا عطا کرے گا، کیف کے اندر مماثلت کے معنی ہوئے نیت اور اخلاص کے بقدر، یا مسجد کی حیثیت کے بقدر یعنی دنیا کی معمولی مسجد ہے تو جنت کا معمولی گھر، یہ الگ بات ہے کہ وہاں کا معمولی گھر بھی دنیا و مافیہا سے افضل ہوگا۔

اسی طرح مسجد شاندار ہے تو آخرت میں بھی شاندار گھر عطا کیا جائے گا ۔ اور کم میں مماثلت کے معنی یہ ہوئے کہ مسجد چھوٹی بنائی ہے تو جنت کا چھوٹا مکان اور مسجد بڑی بنائی ہے تو جنت کا بڑا مکان عطا کیا جائے گا ۔

مثلہ کے یہ معنی اس لئے مراد لئے گئے ہیں کہ بعینہ مماثلت اول تو دنیا اور آخرت میں ہو ہی نہیں سکتی دوسرے یہ کہ روایات سے یہ فرق ثابت ہے کیونکہ طبرانی اور ابونعیم میں اس طرح کے الفاظ موجود ہیں ۔

لا یبنی احد مسجد اللہ الا بنی اللہ	اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مسجد تعمیر نہیں کرے گا مگر
لہ بیتا فی الجنۃ اوسع منہ	یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اس سے زیادہ
(بحوالہ عمدۃ القاری ص ۲۱۳ ج ۴)	کشادہ مکان عطا فرمائے گا ۔

بعض روایات میں بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ افضل منہ کے الفاظ ہیں بعض روایات میں ... بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ من الدر والیاقوت کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو موتیوں اور یاقوت کا گھر عطا فرمائے گا ، یہ افضل ، اوسع اور موتیوں کے مکان کی تعبیر یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ مسجد کے عوض جو مکان جنت میں عطا کیا جائے گا وہ بعینہ مسجد جیسا نہیں ہوگا ، بلکہ مثلہ کے معنی یہ ہوئے کہ کیف وکم کے لحاظ سے حسن شان کی مسجد اخلاص کے ساتھ دنیا میں بنائی جائے گی ، پروردگار عالم آخرت میں کیف وکم کے اسی معیار کا جنت کا مکان عطا کرے گا ۔ اور جب روایت کا یہ مضمون ہے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جانب سے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسجد کے کیف وکم کے مطابق جنت کے مکان کا معیار مقرر کیا جائے گا تو دنیا میں عمدہ کیفیت اور بڑی مساحت رکھنے والی مسجد کی تعمیر کی اجازت معلوم ہوگئی ۔

دوسرا تبصرہ یہ تھا کہ بیت المال کی رقم خرچ ہو رہی ہے اس کا جواب اس روایت سے اس طرح دیا کہ جنت میں مکان کی بشارت اس شخص کو دی گئی ہے جو خود مسجد بنائے ۔ میں یہ کام جنت کے لئے کر رہا ہوں تو بیت المال کی رقم سے مسجد کی تعمیر کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے ۔ اور یہ کام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس سے پہلے بھی کر چکے تھے ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی توسیع کے لئے ترغیب دی تھی ، حضرت عثمان نے خلافت کے آخری ایام میں شورش پسندوں کے محاصرے کے دوران جو خطاب فرمایا تھا ، اس میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے ۔

انشدکم باللہ والاسلام ھل تعلمون	میں تم سے اللہ اور اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں
ان المسجد ضاق باھلہ فقال رسول اللہ	کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی نمازیوں کے لئے تنگ
صلی اللہ علیہ وسلم من یشتری بقعۃ	ہوگئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان
آل فلان فیزیدھا فی المسجد بخیر	فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی فلاں خاندان کی زمین خرید کر

لہ منہا فی الجنۃ فاشترتیہا من	مسجد میں اضافہ کردے، جنت میں اس کو اس سے
صلب مالی وانتم الیوم تمنعونی ان	بہتر ملے گا، تو میں نے اس زمین کو اپنی ذاتی رقم سے خرید کر
اصلی فیہا رکعتین قالوا اللّٰھم نعم	مسجد میں شامل کیا تھا اور تم آج مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز
(ترمذی شریف ص ۲۱۱ ج ۲)	پڑھنے سے روک رہے ہو، اس پر سامعین نے کہا کہ ہاں آپکا ارشاد صحیح ہے

تو جو شخص عہد رسالت سے اپنی ذاتی رقم سے مسجد نبوی کی خدمت کر رہا ہو وہ آج بھی اپنی ہی رقم سے مسجد نبوی کی توسیع و تجدید کر رہا ہے ۔

تیسرے اعتراض یعنی نام و نمود کے لئے کام کرنے کا جواب اس روایت سے اسطرح ہوا کہ روایت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس نے رضائے خداوندی کے حصول کے لئے مسجد تعمیر کی تو اس کو جنت میں اس کا مثل عطا کیا جائے گا ۔ میں اسی مقصد سے یہ کام کر رہا ہوں، تمھیں نیت پر حملہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔

حضرت عثمانؓ کے جواب کا خلاصہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ میں نے یہ تمام کام حدیث پاک کے مطابق کئے ہیں، جہاں تک مسجد نبوی میں تغیرات کا معاملہ ہے تو وہ عہد رسالت سے ہوتے رہے ہیں، پہلے رقبہ کم تھا، پھر زیادہ کیا گیا اور پیغمبر علیہ السلام نے یہ ہدایت بھی نہیں فرمائی کہ اس سے زیادہ نہ کیا جائے بلکہ پیغمبر علیہ السلام سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر میری مسجد صنعاء (یمن) تک وسیع کردی جائے تو میری ہی مسجد کہلائے گی، پھر بار بار ستونوں کی تبدیلی جو عہد ابوبکر میں کی گئی اور عہد فاروق میں تو کئی بار کی گئی، اس کا مقصد ہی احکام و استحکام تھا۔ اب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو رہی ہے تو ضرورت کی تکمیل کے لئے توسیع بھی کی جائے گی اور استحکام کی نیت سے اگر ایسا ساز و سامان استعمال کرلیا گیا کہ بار بار کی تبدیلی کا خطرہ ٹل گیا تو اس میں کیا مضائقہ ہے ۔ غرض یہ کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہی روایت سُنا کر تمام تبصروں کا شافی اور مدلل جواب دے دیا ۔ واللہ اعلم

مسجد کے استحکام اور تزئین کا حکم چند ابواب پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گذرا ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں رنگ استعمال کرنے سے منع فرمایا اور اس باب میں بھی صحابۂ کرامؓ کی جانب سے مسجد نبوی میں کئے گئے تغیرات پر اشکال، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیجانب سے جواب اور پھر صحابہ کرام کی خاموشی وغیرہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ اختلاف حلال و حرام یا جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ امر مباح کے اندر توسع اختیار کرنے اور نہ کرنے کا اختلاف ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جہاں تک مسجد کے اندر استحکام اور مضبوطی، نمازیوں کے لئے آرام و سکون اور زینت کے بغیر اس کے شاندار اور پرشکوہ ہونے کا تعلق ہے تو وہ سب کے نزدیک مستحسن ہے ۔ قرآن کریم میں ارشاد

فرمایا گیا ہے :

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من	اور جو اللہ کے نام سے منسوب چیزوں کی تعظیم کرے تو
تقوی القلوب (سورۃ الحج آیت ۳۲)	وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے ۔

آیت پاک میں شعائر اللہ سے خاص طور پر قربانیاں مراد ہیں، لیکن فقہاء نے لفظ کے عموم سے ان تمام چیزوں کی عظمت پر استدلال کیا ہے جنھیں اللہ کے نام سے نسبت حاصل ہے مسجدیں یقیناً اللہ کے نام سے منسوب ہونے کی بنا پر تعظیم اور تکریم کی مستحق ہیں اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا گیا :

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع	گھروں (مسجدوں) کے بارے میں اللہ نے اجازت
(سورۃ النور آیت ۳۶)	دی ہے کہ انھیں بلند کیا جائے ۔

بلندی جس طرح معنوی ہوتی ہے اور دراصل وہی یہاں مراد بھی ہے اسی طرح بلندی مادی اور حسی بھی ہوتی ہے، اور آیت پاک ہی سے بہرحال اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے ۔

اسی طرح مساجد کی تزئین کا مسئلہ ہے اس میں فقہاء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اگر تزئین ایسی ہو کہ اس سے نمازیوں کی توجہ نماز کی بجائے نقش ونگار میں الجھ کر رہ جائے تو اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اس انداز کی نہ ہو تو اس کی اباحت ہے، بلکہ زین الدین بن المنیر نے تو آگے بڑھ کر یہ فرمایا ہے کہ اس دور میں جبکہ لوگ اپنے گھروں میں استحکام اور تزئین وغیرہ کا اہتمام کرنے لگے ہیں تو مسجدوں کے احترام کو باقی رکھنے کے لئے مسجدوں میں اس کا اہتمام کرنا مناسب ہے ۔

جہاں تک حضرت عمر کی رنگوں کے استعمال سے ممانعت اور صحابہ کرام کی حضرت عثمان رضؓ کے تغیرات پر اشکال کی حقیقت ہے تو اس کا تعلق عدم جواز سے نہیں تھا، بلکہ اس کی روح یہ تھی کہ یہ حضرات دنیوی تکلفات اور زیب و زینت کی چیزوں سے طبعاً بہت دور تھے، ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ پیغمبر علیہ السلام نے مومنین کے لئے فرمایا ہے :

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر	دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم کوئی اجنبی (مسافر)
سبیل (بخاری ص ۹۴۹ ج ۲)	ہو یا راستہ عبور کرنے والے ہو ۔

ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ پیغمبر علیہ السلام نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے :

مالی وللدنیا وما انا والدنیا الا کراکب	میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میرا اور دنیا کا تعلق صرف
استظل تحت شجرۃ ثم راح وترکہا	اس طرح کا ہے جیسے کسی مسافر نے کسی درخت کے
(مشکوۃ ص ۴۴۲ ج ۲)	نیچے آرام کیا پھر اسے چھوڑ کر روانہ ہوگیا ۔

ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیرات کے سلسلہ میں بلندی اور پختگی کو علامات قیامت

میں سے قرار دیا ہے، اس لئے یہ تارک دنیا حضرات اپنے مزاج کے اعتبار سے ان چیزوں سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی اور حدیث پاک کی رو سے اپنے موقف کی صحت ان پر واضح فرمادی تو سب نے سکوت اختیار فرمایا جس کا مفہوم یہ ہوا کہ ان بزرگوں نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمل کی توثیق فرمادی ۔ واللہ اعلم

بَابٌ يَأْخُذُ بِنُصُوْلِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرٍو أَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُوْلُ مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا ۔

ترجمہ، باب، جب کوئی مسجد میں جائے تو تیر کے پیکان کو ہاتھ میں لے لے حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ میں نے عمرو بن دینار سے کہا کہ کیا تم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اس کے پاس تیر تھے تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تیر کے پھل کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد سے ضرورۃً گذر رہا ہو اور اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود ہو جس کے کھلا رہنے میں دوسروں کی تکلیف کا خطرہ ہو تو ضرورۃً گو گذرنا جائز ہے مگر یہ احتیاط ضروری ہے کہ تیر نیزہ یا کسی نقصان رساں چیز کو کھلا ہوا لے کر نہ جائیں بلکہ تیر کے پھل وغیرہ کو ہاتھ میں پکڑ لینا چاہئے ۔

تشریح حدیث حدیث کا مضمون وہی ہے جو ترجمۃ الباب میں دیا گیا ہے، سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے پوچھا کہ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک شخص تیر لئے ہوئے مسجد سے گذرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس کے پیکان یعنی پھل کو ہاتھ میں لے لو، یعنی ایسا نہ ہو کہ کھلا ہونے کے سبب کسی کو زخم آجائے، اس کے بعد یہ مضمون نہیں ہے کہ عمرو بن دینار نے اس کی تصدیق کی یا نہیں ؟ اس روایت میں ان کی جانب سے سکوت ہے دوسرے طرق میں نَعَمْ کی تصریح ہے، خود بخاری ہی میں کتاب الفتن میں علی بن عبداللہ کی روایت سفیان بن عیینہ سے ہے اور اس میں صراحت ہے فَقَالَ نَعَمْ کہ عمرو بن دینار نے فرمایا کہ ہاں! مگر بخاری نے اس کو یہاں نقل نہیں کیا کیونکہ ایسے موقع پر جبکہ کوئی شاگرد کسی استاد سے کوئی بات دریافت کر رہا ہو اور شیخ سنکر سکوت اختیار کرے تو امام بخاری کی تحقیق اور اکثر محققین کا راجح مسلک یہی ہے کہ اگر شیخ متیقظ ہے غافل نہیں ہے اور جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اس کو توجہ سے سن رہا ہے لیکن اس کے باوجود سکوت اختیار کرے

ہوئے ہے تو شیخ کا یہ سکوت بیان کے حکم میں ہے یعنی وہ تصدیق کر رہا ہے، گویا روایت باب میں اگر نعم کی تصریح نہ بھی ہوتی تب بھی معنی یہی ہیں کہ ہاں حضرت جابر کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْمُرُوْرِ فِي الْمَسْجِدِ حدثنا مُوْسَى بْنُ إِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَرَّ فِيْ شَيْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ فَلْيَأْخُذْ عَلٰى نِصَالِهَا لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا۔

ترجمہ، باب، مسجد میں سے گذرنے کا بیان حضرت ابو بردہ اپنے والد ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تیر لے کر ہماری مسجدوں یا بازاروں میں سے گذرے تو اسے ان کے پھل کو ہاتھ میں پکڑ لینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو زخم پہنچ جائے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ضرورت کے وقت مسجد سے گذرنا جائز ہے، مگر اس کو گذرگاہ اور باقاعدہ راستہ بنالینا مسجد کی شان کے منافی ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، پھر یہ کہ مسجد ہو یا عام اجتماع کی جگہ یا بازار وغیرہ وہاں سے گذرتے وقت اس کا خیال رکھا جائے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے، یعنی اگر گذرنے والے کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے کھلا رکھنے سے دوسروں کے نقصان کا اندیشہ ہے تو اسے بند کر لینا چاہئے، تیر وغیرہ ہو تو اس کے پھل کو ہاتھ میں لے لینا چاہئے وغیرہ۔

گویا مقصد یہ ہوا کہ مسجد سے اتفاقاً گذرنے کی نوبت آجائے تو اس کی اجازت ہے اور اس میں ان آداب کی رعایت ضروری ہے کہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو، رہا یہ کہ امام بخاری ہر حال میں مسجد سے گذرنے کا جواز ثابت کرنا چاہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے جنبی تک کو مسجد سے گذرنے کی اجازت دی ہے تو ظاہر ہے کہ روایت باب سے اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روایت میں ہر حالت میں گذرنے کی اجازت کا بیان نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح حدیث روایت باب سابق میں گذر چکی ہے، اس سے جہاں ترجمۃ الباب کا ثبوت ہو رہا ہے کہ مسجد سے گذرنا جائز ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مومنین کی جان اور ان کی حرمت کا تحفظ بہت ضروری ہے، مسجدوں میں چونکہ جماعت کے اوقات میں اجتماع ہوتا ہے اس لئے اہمیت کے ساتھ یہ بیان فرمایا گیا کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے دوسرے کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو اسے دوسروں کی تکلیف کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔

بَابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ حدثنا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ

قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِیَّ یَسْتَشْهِدُ اَبَاهُرَیْرَةَ اُنْشِدُكَ اللّٰهَ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَاحَسَّانُ اَجِبْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ نَعَمْ ۔

ترجمہ ، باب ، مسجد میں شعر پڑھنے کا بیان حضرت عبد الرحمن رض بن عوف سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت حسان رض بن ثابت انصاری سے سُنا جبکہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں گواہ بنا رہے تھے کہ میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ اے حسان ! رسول اللہ کی جانب سے کافروں کو جواب دو ، اے اللہ حسان کی روح القدس (حضرت جبرئیل) کے ذریعہ مدد فرما ، اس پر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ہاں (میں نے ایسا سُنا ہے ، یا میں شہادت دیتا ہوں) ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد میں اشعار پڑھنے کا کیا حکم ہے ، بعض حضرات سے مطلقاً جواز بھی منقول ہے ، لیکن فقہاء کی ایک جماعت نے مطلقاً ممانعت کی ہے اور ان کا مستدل وہ روایات ہیں جن میں مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع کیا گیا ہے ، صحیح ابن خزیمہ ، ترمذی ، ابوداؤد وغیرہ میں یہ روایات موجود ہیں ۔ حضرت حکیم بن حزام سے ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یستقاد فی المسجد وان تنشد فیہ الاشعار وان تقام فیہ الحدود (عمدۃ القاری ص۱۱۱ ج۴)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مسجد میں قصاص لیا جائے اور یہ کہ مسجد میں اشعار پڑھے جائیں اور یہ کہ مسجد میں شرعی حدود (سزائیں) قائم کی جائیں ۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلہ میں مطلقاً جواز یا عدم جواز کا حکم لگانا درست نہیں ہے ، بلکہ اس سلسلہ میں تفصیل کرنا ہوگی ، امام بخاری بھی غالباً ان ہی لوگوں کے ساتھ ہیں جو مسجد میں اشعار پڑھنے کے سلسلہ میں تفصیل کے قائل ہیں ، اور اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ شعر بھی کلام کا ایک حصہ اور کلام کی ایک نوع ہے اور جس طرح کلام کی تقسیم حسن اور قبیح یعنی اچھے اور برے کی طرف ہوتی ہے اسی طرح اشعار میں بھی اچھے اور برے دونوں ہی طرح کے اشعار ہوں گے ، پھر ظاہر ہے کہ قبیح اشعار کا پڑھنا اور سُننا جب مسجد کے باہر بھی قبیح ہوگا تو مسجد کے اندر اس کی قباحت اور بڑھ جائے گی اور اشعار حسنہ کا پڑھنا سننا مسجد سے باہر مستحسن ہوگا تو مسجد میں اس کے جواز میں شبہ نہ ہوگا ۔

رہا یہ کہ حسن و قبیح کا مدار کیا ہے ؟ اہل ادب اور شعراء کے یہاں تو وہ اشعار اچھے کہلاتے ہیں

جن میں فصاحت و بلاغت ہو، بندش عمدہ ہو، الفاظ پرشکوہ ہوں، خیالات نرالے ہوں لیکن اہل علم کے یہاں معیار اور ہے مضامین صحیح اور علمی ہوں، اشعار حمد وثنا یا پیغمبر علیہ السلام کی نعت پرمشتمل ہوں حدیث اور فقہ کے مضامین کو ادبی اسلوب میں پیش کیا گیا ہو، اسلام کی خوبیاں بیان کی گئی ہوں، یا مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دیا گیا ہو تو اہل علم کے نزدیک ان اشعار کو مستحسن قرار دیا جائے گا، اور اگر مضامین لغویوں کفر یا شرک پرمشتمل ہوں، اسلام پر حملے کئے گئے ہوں یا دشمنان اسلام کی مدح کی گئی ہو یا کسی بھی شخص کی مدح میں مبالغہ اور غلو سے اتنا کام لیا گیا ہو کہ وہ اشعار ناجائز حدود میں داخل ہو گئے ہوں یا ان میں فحاشی اور عریانی ہو یا کسی باعزت انسان کی عزت پامال کرنے کی کوشش کی گئی ہو تو اس طرح کے تمام اشعار کو ناجائز قرار دیا جائے گا۔

البتہ اگر زبان وادب کی خاطر عہد جاہلیت کے اشعار مسجد میں یاد کئے جائیں اور زبان وادب کا مقصد بھی یہ ہو کہ اس سے قرآن وحدیث میں مدد لی جائے گی تو مقصد کے درست ہونے کے سبب اس کی اجازت دی جائے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشادات میں ہے کہ جاہلیت کے دیوان یاد کرو کہ ان میں قرآن کریم کی تفسیر ملے گی، قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں اگر کوئی حضرت ابن عباس سے پوچھتا کہ هل تعرفه العرب ؟ کیا عرب کے یہاں یہ لفظ معروف ہے تو وہ فوراً کوئی شعر استشہاد میں پیش فرماتے اس بنیاد پر مسجد میں بیٹھکر سبعہ معلقہ، دیوان الحماسہ اور عرب کے عہد جاہلیت یا اس کے بعد کے دواوین یاد کرنا درست ہے۔

تشریح حدیث روایت میں آیا کہ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ نے حضرت ابوہریرہ کو قسم دے کر ان سے یہ شہادت لینا چاہی کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حسان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جواب دو، اور اے اللہ! روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرما، تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ہاں یہ بات صحیح ہے روایت باب میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ حضرت حسان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسجد میں اشعار پڑھے تھے لیکن بخاری ہی میں حضرت سعید بن المسیب کی روایت بدء الخلق میں موجود ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ سے اجب عنی (میری طرف سے جواب دو) مسجد میں فرمایا تھا، اور یہ کہ حضرت حسانؓ نے مسجد ہی میں مشرکین کو اشعار میں جواب دیا تھا، اور یہ بات امام بخاری کے ذوق کے مطابق ہے کہ وہ ترجمۃ الباب کے الفاظ میں روایت کے دوسرے طرق کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ترجمۃ الباب کو محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے ثابت کیا جائے کہ جب آپ نے

اچھے اشعار پر حضرت حسان کو دعائیں دیں اور فرمایا اللھم ایدہ بروح القدس تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جو کلام پیغمبر علیہ السلام کی دعاؤں کا مستحق ہے اس کا مسجد میں پڑھنا درست ہے۔ واللہ اعلم

حضرت حسان کو حضرت ابوہریرہ کی شہادت لینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک دن حضرت حسان مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گذر ہوا تو انھوں نے گھور کر دیکھا یا کسی اور طرح ناگواری کا اظہار کیا تو حضرت حسان نے پہلے تو یہ فرمایا کنت انشد فیہ وفیہ من ھو خیر منك (بخاری باب بدء الخلق) میں مسجد نبوی میں اشعار سنایا کرتا تھا جبکہ مسجد میں وہ ذات اقدس تھی جو تم سے زیادہ خیر تھی۔ پھر حضرت ابوہریرہ کی طرف التفات کرکے فرمایا کہ کیا آپ گواہی دیں گے کہ پیغمبر علیہ السلام نے اسی مسجد میں منبر پر بیٹھا کر مشرکین کے جواب کا امر فرمایا تھا اور دعا بھی دی تھی اللھم ایدہ بروح القدس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ترمذی شریف میں مسجد میں اشعار سنانے کے بارے میں روایت مذکور ہے

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ
ینصب لحسان منبرا فی المسجد	علیہ وسلم حضرت حسان کے لئے مسجد نبوی میں
فیقوم علیہ یھجو الکفار	منبر نصب کراتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ
(بحوالہ فتح الباری ص۹۵ ج۲)	مشرکین کی ہجو (جواباً) کریں۔

غرض یہ ہے کہ حضرت حسان نے جب حضرت ابوہریرہ کی گواہی پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے، ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہی ہو کہ مسجد میں اشعار پڑھنا آداب مسجد کے منافی ہے۔ اور اسی لئے انھوں نے حضرت حسان کے عمل کو ناپسندیدہ سمجھا ہو۔ ان کے پیش نظر یہ رہا ہوگا کہ اوّل تو قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

والشعراء یتبعھم الغاوٗن	اور شعراء، تو ان کا اتباع وہی لوگ کرتے
(سورۃ الشعراء آیت ۲۲۵)	ہیں جو بدراہ ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صحاح کی روایت میں حضرت عمر اور حضرت سعد بن ابی وقاص سے شعر یاد کرنے کی مذمت منقول ہے۔ مسلم شریف کے الفاظ ہیں:

لأن یمتلئ جوف احدکم قیحا یریہ	یہ بات کہ تم میں سے کسی کے پیٹ میں پیپ بھری
خیر من ان یمتلی شعرا۔	ہو اس سے بہتر ہے کہ اس میں اشعار
(بحوالہ عمدۃ القاری ص۲۱۹ ج۲)	بھرے ہو۔

ان دلائل کی بنیاد پر ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تو یہی ہو کہ مسجد میں شعر پڑھنا

آداب مسجد کے منافی ہے پھر جہاں تک عہد رسالت میں حضرت حسان کے برسر منبر اشعار پڑھنے کی روایت کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے، لیکن حضرت عمر کے ذہن میں اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ عہد رسالت میں اس کی ضرورت تھی، کفار کا مشغلہ ہی یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی عزت پر حملہ کریں، عورتوں کا مذاق اڑائیں، اہل اسلام پر اشعار میں پھبتیاں کسیں اس لئے ان کی جواب دہی ضروری تھی۔ اور حضرت حسان بن ثابت کو اس سلسلہ میں خاص ملکہ تھا، وہ ایسا تیز و تند اور برمحل جواب دیتے کہ کفار کے دانت کھٹے کر دیتے، لیکن حضرت عمر کے دور میں یہ ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی، اس لئے حضرت عمر یہ سمجھتے ہوں گے کہ اب مسجد میں اشعار پڑھنا صحیح نہیں ہے لیکن جب حضرت حسانؓ نے عہد رسالت کا تذکرہ کیا اور حضرت ابوہریرہؓ کی شہادت سے اپنے عمل کی اباحت ثابت فرمادی تو ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کی بات کو قبول فرمالیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ حدیث پاک کے سامنے آنے کے بعد ادب و احترام کے طور پر، یا صورۃً معارضہ سے بچنے کے لئے سکوت اختیار فرمالیا ہو۔ واللہ اعلم

بہرحال حدیث باب سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسجد میں اچھے اور ناقابل اعتراض اشعار پڑھنے کی اجازت ہے، اگرچہ ایسا کرنا بھی مسجد کی شان کے منافی ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ اَصْحَابِ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ اَنْظُرُ اِلٰى لَعِبِهِمْ زَادَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِحِرَابِهِمْ۔

ترجمہ، باب، مسجد میں نیزے والوں کے آنے (اور مظاہرۂ فن) کا بیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا جبکہ حبشہ کے کچھ لوگ مسجد میں کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر سے میرا پردہ کئے ہوئے تھے جبکہ میں ان کے کھیل کو دیکھ رہی تھی۔ ابراہیم بن المنذر نے اپنی سند کے ساتھ یہ اضافہ کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جبکہ حبشہ کے لوگ اپنے نیزوں سے کھیل رہے تھے۔

مقصد ترجمہ حِرَابٌ، حَرْبَةٌ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں چھوٹا نیزہ، اس کو خاص انداز میں چکر دے کر پھینکنا، فنون حربیہ میں ایک کامیاب طریقہ ہے، اہل حبش کو اس میں خاص مہارت حاصل تھی، یہاں امام بخاری کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد کے اندر نیزے کا کھیل کیسا ہے؟ بیان

کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اس لئے جو چیزیں عبادت سے متعلق ہوں انھیں مسجد میں جائز ہونا چاہئے اور جو چیزیں اس سے متعلق نہ ہوں انھیں جائز نہ ہونا چاہئے، چنانچہ جن علماء نے مسجد میں عبادت کے علاوہ دوسرے کاموں کی اجازت نہیں دی۔ انھوں نے روایتِ باب کے بارے میں بھی یہ تاثر ظاہر کیا ہے کہ اس کھیل کا مظاہرہ مسجد میں نہیں بلکہ مسجد کے متعلقات میں کیا جارہا تھا جسے مجازاً مسجد کے اندر بیان کر دیا گیا لیکن امام بخاری اسکو داخل مسجد سمجھ رہے ہیں اور اس معاملہ میں توسع کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ اسلحہ کی نمائش اور فنون حرب کا مظاہرہ بہ نیت جہاد داخل عبادت ہے اور جب یہ چیز عبادت میں داخل ہے تو غیر اوقاتِ صلوٰۃ میں مسجد کے اندر یہ عمل جائز ہونا چاہئے تاکہ دیکھنے والوں کو ترغیب ہو۔

البتہ یہ فرق ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اگر مقصد جہاد نہ ہو، بلکہ محض بدن میں توانائی پیدا کرنے کے لئے کسرت وغیرہ کا عمل ہو، یا سیاسی اغراض کے لئے فنون حرب اور آلات حرب کی نمائش ہو تو اس کو عبادت قرار نہیں دیا جاسکتا اور اس کی مسجد کے اندر اجازت نہ ہوگی، لیکن مقصد جہاد کی تیاری ہو اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے یہ کام کیا جارہا ہو تو اس میں امام بخاری کے ترجمۃ الباب سے توسع معلوم ہوتا ہے۔

تشریح حدیث یہی روایت بخاری شریف کی کتاب العیدین اور مسلم شریف کی کتاب العیدین میں بھی موجود ہے کہ عید کا دن تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، نماز کے بعد حبشہ کے لوگوں نے مسجد کے اندر نیزہ کا کھیل دکھانا شروع کیا یعنی جھلت، پھرت، اتار چڑھاؤ، کود پھاند، داؤ پیچ اور طرح طرح کے پینترے دکھانے شروع کئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کی ہمت افزائی اور ان کے کام کی تحسین کے طور پر کھڑے ہوگئے، حضرت ابوہریرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کہیں سے حضرت عمر بھی آنکلے اور انھوں نے زمین سے سنگریزہ اٹھا کر منع کرنے کے لئے مارنے کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمادیا کہ

" دعھم یا عمرؓ کہ اے عمر رہنے دو

اس موقع پر حضرت عائشہ رضؓ نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اس مجاہدانہ کھیل کا مشاہدہ کیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور آپ نے اجازت دی، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی خواہش کے بغیر اپنے طور پر حضرت عائشہ کو بلایا اور فرمایا کہ دیکھنا چاہو تو دیکھ لو، چنانچہ حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے پردے میں آپ کے کاندھے پر اپنا منہ رکھ کر دیکھتی رہیں جب دیکھتے دیکھتے اکتا گئیں اور پیغمبر علیہ السلام نے محسوس فرمالیا کہ اب تھک گئی ہیں تو فرمایا حسبک، کہ بس، مقصد یہ رہا ہوگا کہ بچوں کی تربیت چونکہ عورتوں کی گود میں ہوتی ہے، اور بچے عورتوں سے مانوس بھی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اس طرح کی

مجاہدانہ سرگرمیاں ان کے علم میں ہوں گی تو وہ بچوں کو جہاد کے لئے زیادہ آسانی کے ساتھ تیار کرسکیں گی۔ کسی فن سے خود واقفیت ہوتی ہے تو دوسروں کو اس سے واقف کرنا اور تعلیم دینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

عورت کے اجنبی مرد پر نظر ڈالنے کا حکم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد کھلاڑیوں کو دیکھنا نہیں، کھیل کو دیکھنا تھا، عمر بھی بہت کم تھی خود اسی روایت میں ارشاد فرماتی ہیں:

فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن الحريصة على اللهو (مسلم ص۲۹۲ ج۱) کہ آپ خود اندازہ کریں کہ ایک نوعمر اور لہو کی حریص لڑکی کتنی دیر تک دیکھ سکتی ہے۔ عمر بدلتی ہے تو مذاق بھی بدل جاتا ہے لیکن بہرحال اتنا معلوم ہو گیا کہ پردے کے ساتھ عورت مرد پر نظر ڈال سکتی ہے حنفیہ کے یہاں اصل مسئلہ یہی ہے کہ مرد کا عورت کی طرف دیکھنا شہوت کے ساتھ یا بغیر شہوت کے دونوں صورتوں میں ناجائز ہے، لیکن عورت کا مرد کو شہوت کے ساتھ دیکھنا ناجائز اور بغیر شہوت کے دیکھنا مباح ہے اگرچہ بعض فقہاء نے سداً للباب اس کی بھی اجازت نہیں دی۔ جن فقہاء کے مذہب میں اس کی بھی گنجائش نہیں وہ تاویل کریں حنفیہ کو ضرورت نہیں ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر کے دروازے پر اگر مباح کھیلوں میں سے کوئی کھیل ہو رہا ہو اور پردے کے ساتھ اس کو دیکھا جا سکتا ہو تو اس میں تنگی نہیں ہے، لیکن غیر مباح اور ناجائز قسم کے کھیلوں کو دیکھنے کے لئے مستورات کا ارادۃً نکلنا کسی بھی حال میں مباح نہیں ہے۔

ابراہیم ابن المنذر کا اضافہ بخاری کی اصل روایت میں تو یہ وضاحت تھی کہ حضرت عائشہ نے جس کھیل کو دیکھا وہ مسجد میں ہو رہا تھا، لیکن اس کی وضاحت نہیں تھی کہ یہ کھیل نیزہ کی فنی مشق سے متعلق تھا، جبکہ ترجمۃ الباب اصحاب الحراب في المسجد (مسجد میں نیزہ کھیلنے والوں کے داخلے اور مشق کا بیان) منعقد کیا گیا ہے۔ اس کے لئے امام بخاری نے ابراہیم ابن المنذر کی روایت ذکر کی جس میں یلعبون بحرابهم کی تصریح موجود ہے۔

بَابُ ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيٰنُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَتَتْهَا بَرِيْرَةُ تَسْأَلُهَا فِي كِتَابَتِهَا فَقَالَتْ اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتُ اَهْلَكِ وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لِيْ وَقَالَ اَهْلُهَا اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ وَقَالَ سُفْيٰنُ مَرَّةً اِنْ شِئْتِ اَعْتَقْتِهَا وَيَكُوْنُ الْوَلَاءُ لَنَا فَلَمَّا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَّرْتُهُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِبْتَاعِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً فَصَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَيْسَ لَهٗ وَاِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيٰى

عَنْ عَمْرَةَ اَنَّ بَرِيْرَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ صَعِدَ الْمِنْبَرَ قَالَ عَلِيٌّ قَالَ يَحْيٰى وَعَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ يَحْيٰى عَنْ عَمْرَةَ نَحْوَهٗ وَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنْ يَحْيٰى سَمِعْتُ عَمْرَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ ۔

ترجمہ ، باب ، مسجد میں منبر پر بیع وشراء کے ذکر کا بیان ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس حضرت بریرہؓ اپنے بدل کتابت کی ادائیگی کے سلسلہ میں سوال کرنے (مدد مانگنے) آئیں ، اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم اگر چاہو تو میں تمھارے آقا کو بدلِ کتابت ادا کردوں اور ولاء (آزاد کردہ غلام کی وراثت) کا حق میرے لئے ہوگا اور ان کے مالکوں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ تم اگر چاہو تو بقیہ بدل کتابت ادا کردو اور سفیان نے ایک مرتبہ روایت اس طرح بیان کی کہ مالکوں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو آزاد کردیں اور ولاء کا حق ہمارا ہوگا ، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے انھیں یہ بات یاد دلائی ، اس پر آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم ان کو خریدلو اور آزاد کردو اسلئے کہ ولاء کا حق اسی شخص کو ہوتا ہے جو آزاد کرے ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے (اور مسئلہ کی وضاحت فرمائی) اور (ایک مرتبہ سفیان نے روایت اس طرح بیان کی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ معاملات میں ایسی شرطیں رکھتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں جو کسی معاملہ میں ایسی شرط لگائے گا جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اس شرط کا اسکو کوئی فائدہ نہ ہوگا خواہ وہ ایسی سو شرطیں لگائے ۔ امام مالک نے اس روایت کو یحیٰی سے اور یحیٰی نے عمرہ سے (مرسلاً) نقل کیا ہے کہ حضرت بریرہ الخ اور اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں ہے اس روایت کو علی بن عبد اللہ نے یحیٰی بن سعید القطان اور عبدالوہاب بن عبدالمجید سے اور ان دونوں نے یحیٰی بن سعید انصاری سے اور انھوں نے عمرہ سے اسی طرح (یعنی مرسلاً اور بدون ذکر منبر) روایت کیا ہے اور اسی روایت کو جعفر بن عون نے یحیٰی سے نقل کیا ہے کہ میں نے عمرہ سے سُنا انھوں نے کہا کہ انھوں نے حضرت عائشہ سے سُنا ۔

مقصد ترجمہ امام بخاری کیا کہنا چاہتے ہیں ؟ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر دونوں کا رجحان یہ ہے کہ امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں منبر پر بیع وشراء کا ذکر درست ہے یعنی منبر پر بیع وشراء کے مسائل بیان کرنے میں مضائقہ نہیں کیونکہ مسجد دینی کاموں کے لئے ہوتی ہی ہے اس لئے مسائل و احکام شرعیہ کی وضاحت موضوع مسجد کے منافی نہیں ، علامہ سندھیؒ نے بھی تقریباً یہی ارشاد فرمایا کہ امام بخاری متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں جس بیع وشراء سے منع کیا گیا ہے اس کا تعلق عقد بیع سے ہے رہا مسائل کا بیان اور علمی افادہ تو اس کی ممانعت نہیں ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ امام بخاری نفس عقد کا

جواز بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی مسجد میں اگر مبیع موجود نہ ہو، مبیع مثلاً گھر یا کسی اور جگہ ہو اور ایجاب وقبول مسجد میں کر لیا جائے بیع گھر سے دلوادی جائے تو امام بخاری فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے بھی امام بخاری کا مقصد یہی قرار دیا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:۔

"ترجمہ کا مقصد یہ ہے کہ مبیع کو مسجد میں لائے بغیر ایجاب وقبول کے الفاظ کا زبان سے ادا کرنا جائز ہے کیونکہ بیع کے لئے ایجاب وقبول کے کلمات کی ادائیگی بھی متکلم کی مباح قسم میں داخل ہے لیکن ترجمہ کے ذیل میں جو روایت دی گئی ہے وہ اس مضمون کو ثابت کرنے میں ایک گونہ خفا رکھتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حکم شرعی بیان کرنے کے لئے بیع وشرار کا ذکر کیا تھا اور یہ ایک علمی افادہ تھا وہ عقد بیع و شرار نہیں تھا۔ مگر امام بخاری نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر بیع وشرار کا ذکر فرمایا اور مبیع کو مسجد میں لائے بغیر ایجاب وقبول کرنے میں محض بیع وشرار کا ذکر ہی ہوتا ہے اس لئے اس کو جائز ہونا چاہئے، اگرچہ دونوں میں نوعیت کا فرق ضرور ہے مگر امام بخاری کے یہاں اس طرح کے استدلال بکثرت پائے جاتے ہیں۔"

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے نوعیت کا جو فرق بیان کیا ہے وہ بہت اہم ہے کیونکہ بخاری میں سب سے پہلی روایت انما الاعمال بالنیات آئی تھی اور اس کے ذیل میں یہ بحثیں گذر چکی ہیں کہ اس کے ذیل میں دیانات، عبادات، اعمال اور معاملات سب ہی چیزیں آجاتی ہیں، اب غور کیجئے کہ منبر پر مسائل کی تعلیم اور مسجد میں ایجاب و قبول کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے کیونکہ ایک مسائل کی تعلیم دے رہا ہے، جائز اور ناجائز صورتوں کی تفصیل کر رہا ہے، کار نبوت یعنی علم کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، اس کا مقصد تعلیم اور تعلیم کا مقصد رضاء خداوندی کا حصول ہے اور دوسرا مسجد میں ایجاب وقبول کر رہا ہے جس کا مقصد کاروبار، انتقال ملکیت جائز نفع وغیرہ ہے تو دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ لیکن امام بخاری نے دونوں میں ظاہری اور صورۃً یکسانیت کی بنیاد پر ترجمۃ الباب کو ثابت کر دیا کیونکہ دونوں ایجاب وقبول کے کلمات زبان سے ادا کرنے میں بظاہر برابر ہیں

تشریح حدیث حضرت بریرہ حضرت عائشہ کی خدمت میں آیا کرتی تھیں۔ یہ ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں۔ ایک دن انھوں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ میں نے اپنے موالی سے ۳۶۰ درہم پر عقد کتابت کر لیا ہے جس کو ۹ سال میں ۴۰ درہم سالانہ کے حساب سے ادا کرنا ہوگا، آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ہاں میں تیار ہوں کہ تمھارے موالی کو یکمشت رقم ادا کر کے تمھیں اپنی طرف سے آزاد کر دوں اور قاعدہ میں ولاء کا حق (یعنی آزاد کردہ غلام یا باندی کی وراثت) مجھے ملے گا۔ حضرت بریرہ نے اپنے موالی سے اس کا ذکر کیا تو ان کی طرف سے یہ کہا گیا کہ وہ آزاد تو کر سکتی ہیں

لیکن ولار کا حق ان کا نہیں بلکہ ہمارا ہوگا ان کی اس شرط پر حضرت عائشہ نے آزاد کرنے کا خیال چھوڑ دیا ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان سے ذکر ہوا ، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوگیا تھا کہ حضرت عائشہ ، بریرہ کو خرید کر آزاد کرنا چاہتی ہیں ، پھر آپ نے حضرت عائشہ کی خاموشی دیکھی تو معلوم فرمایا کہ معاملہ کیا رہا ؛ تو حضرت عائشہ نے بتلایا کہ ان کے موالی یہ کہتے ہیں ۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خرید لو اور آزاد کر دو ، ولار تو آزاد کرنے والے ہی کا حق ہے ، اس کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور اعلان فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ معاملات کے اندر ایسی ایسی شرطیں رکھتے ہیں جو اللہ کی کتاب یعنی اللہ کے لکھے ہوئے اور فرض قرار دیئے ہوئے احکام میں نہیں ہیں اگر کوئی ایسی شرط لگا کر معاملہ کرے گا تو شرط لغو اور خدا کا فیصلہ ناطق ہوگا ۔

اس روایت سے مختلف اشکالات پیدا ہوتے ہیں ، پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک ایسی باندی کو خریدا جس کا اپنے مولیٰ سے عقد کتابت ہوچکا تھا جبکہ مکاتب کی بیع حنفیہ کے یہاں جائز نہیں ، دوسرے یہ کہ حضرت بریرہ کے موالی نے یہ شرط رکھی تھی کہ ولار ان کو ملے گی ، نیز یہ کہ حضرت عائشہ نے اس شرط کے ساتھ خریدا کہ وہ بریرہ کو آزاد کر دیں گی ، پہلی شرط بائع کے نفع کی ہے اور دوسری شرط میں مبیع یا معقود علیہ کا فائدہ ہے اور ایسی شرطیں حنفیہ کے یہاں عقد کو فاسد کر دیتی ہیں ، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو خریداری کی اجازت دے کر نعوذ باللہ عقد فاسد کی اجازت دی ، تیسرا اشکال یہ ہے کہ بائع کی جانب سے ولار کی شرط کے باوجود حضرت بریرہ کو خرید لیا تو گویا معاملہ کے وقت ایک چیز کو قبول کر لیا یعنی بائع کو مطمئن کر دیا ، پھر اس کے بعد اس کو وہ چیز نہ دی جائے تو یہ غدر ہوگیا معاذ اللہ من ذالک ۔

لیکن یہ سب اشکالات غلط فہمی پر مبنی ہیں ، روایت میں جو باتیں مذکور ہیں ان کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے تو کوئی اشکال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ مکاتب ، اگر بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو اس کا فروخت کرنا درست ہے ، اسی طرح حضرت عائشہ نے بریرہ کو اس شرط کے ساتھ نہیں خریدا تھا کہ وہ انھیں آزاد کر دیں گی بلکہ صورت یہ تھی کہ حضرت بریرہ نے ظاہر کیا کہ وہ آزادی کی خواہشمند ہیں ، حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ اگر تمہارے آقا اس کے لئے تیار ہوں کہ میں خرید کر آزاد کر دوں تو ایسا کر سکتی ہوں ، ہمارے نزدیک آزاد کرنے کی شرط متعاقدین کے درمیان نہ ہونے کے سبب صلب عقد میں داخل نہیں ہے ، بلکہ عقد بیع متعاقدین کے درمیان الگ ہے ، اور آزاد کرنے کا وعدہ معقود علیہ الگ ہے ، خریدنے والا اس وعدہ پر قائم بھی رہ سکتا ہے اور چھوڑ بھی سکتا ہے کہ وعدہ کا ایفار اس کے ذمہ

قضاءً واجب نہیں ہے۔ جہاں تک موالی کی جانب سے ولاء کی شرط کا تعلق ہے تو یہ شرط قبول ہی نہیں کی گئی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر وضاحت فرمادی کہ یہ شرط احکام خداوندی کے خلاف ہونے کی بنیاد پر قابل قبول نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ پہلے بائعین کو مطمئن کر دیا گیا ہو کہ ولاء ان کو ملے گی، پھر اس کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔

ترجمہ کا ثبوت ترجمہ کے الفاظ ہیں مسجد میں منبر پر بیع وشراء کا ذکر اس کا منشاء مسائل بیع کی تعلیم کا جواز ثابت کرنا ہو یا مسجد میں عقد بیع کے جواز بیان کرنا ہو لیکن حدیث باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر جو ارشاد فرمایا ہے اس میں بیع وشراء کا تذکرہ نہیں ہے، اس لئے ترجمہ کو حدیث باب سے ثابت کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے، اس کے لئے شارحین نے جو توجیہات کی ہیں اُن میں عمدۃ القاری میں سب سے زیادہ واضح بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ " حدیث باب کی ترجمہ سے مطابقت مابال اقوام یشترطون الخ سے معلوم ہو سکتی ہے اس لئے کہ یہ بات آپ نے بیع وشراء اور عتق و ولاء کے قضیہ کے بعد ارشاد فرمائی ہے کیونکہ منبر پر جانے سے پہلے آپ حضرت عائشہ سے ارشاد فرما چکے تھے ابتاعیہا فاعتقیہا فان الولاء لمن اعتق کہ تم ان کو خرید لو اور آزاد کردو، ولاء تو آزاد کرنے والے ہی کا حق ہے، پھر جب آپ منبر پر ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ معاملات میں ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو احکام خداوندی کے خلاف ہیں، تو آپ گویا اسی گذرے ہوئے قضیہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور منبر پر اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنا، منبر پر اس کو بیان کرنے کے مرادف ہے واللہ اعلم

حدیث باب کی متعدد سندیں حدیث باب کو امام بخاری نے متعدد طرق سے ذکر کیا ہے، منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت امام بخاری کے شیخ علی بن عبداللہ المدینی اپنے چار شیوخ سے نقل کرتے ہیں اور یہ چاروں شیوخ اپنے ایک شیخ یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں، اور ان میں سے امام مالک کی سند یہاں مرسلاً ذکر کی گئی ہے اور اس میں صعد المنبر کی تصریح نہیں ہے، نیز یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالوہاب ثقفی والی سند بھی مرسلاً دی گئی ہے۔ اور جعفر بن عون والی سند میں یحییٰ بن سعید انصاری کے عمرہ سے سماع کی تصریح ہے۔ اصل متن میں سفیان بن عیینہ کی روایت دی گئی اور تبلایا گیا ہے کہ انھوں نے ایک بار ایک طرح سے اور دوسری بار دوسری طرح سے ذکر کیا اور چونکہ ان کی روایت سے منبر کا تذکرہ ہونے کے سبب ترجمۃ الباب ثابت ہوتا ہے اس لئے اس روایت کو اصل قرار دے کر متن میں لے لیا، اور بقیہ اساتذہ کی روایت کا حوالہ دے دیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ التَّقَاضِیْ وَالْمُلَازَمَةِ فِی الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا

عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ اَخْبَرَنِیْ یُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ کَعْبٍ اَنَّہٗ تَقَاضٰی ابْنَ اَبِیْ حَدْرَدٍ دَیْنًا کَانَ لَہٗ عَلَیْہِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُہُمَا حَتّٰی سَمِعَہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِیْ بَیْتِہٖ فَخَرَجَ اِلَیْہِمَا حَتّٰی کَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِہٖ فَنَادٰی یَا کَعْبُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَیْنِکَ ھٰذَا وَ اَوْمَأَ اِلَیْہِ اَیِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قُمْ فَاقْضِہٖ ۔

ترجمہ ۔ باب، مسجد میں کسی قرضدار سے اپنا قرض مانگنے اور قرضدار کے پیچھا کرنے کا بیان حضرت کعب رضؓ بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے مسجد میں عبداللہ بن ابی حدرد پر اپنے قرض کا تقاضا کیا اور اُن دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں یہاں تک کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرے میں سُنا اور آپ باہر تشریف لائے حتیٰ کہ اپنے حجرے کا پردہ ہٹادیا پھر آپ نے آواز دی اے کعب! انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں آپؐ نے فرمایا کہ اپنے قرض میں سے اتنا چھوڑ دو اور اشارہ سے تبلایا کہ نصف چھوڑ دو، حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بے شک میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آدھا چھوڑ دیا، پھر آپ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ جاؤ ان کا قرض ادا کردو ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ مسجد میں کسی قرضدار پر قرض کا تقاضہ کرنا اور اس کا پیچھا کھیرنا جائز ہے، یہ ثابت کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسجد عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے اور قرضداروں پر تقاضا وغیرہ کرنا موضوع مسجد کے منافی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس میں جھگڑا ہوتا ہے، آوازیں بلند ہوتی ہیں وغیرہ۔ اس لئے بخاری نے ثابت کردیا کہ اگر قرضخواہ معمولی طور پر مدیون سے مسجد میں مطالبہ کرے یا پکڑ کر بیٹھ جائے تو اس کی گنجائش ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ مدیون مسجد سے باہر نظر ہی نہ آتا ہو۔

تشریح حدیث روایت میں مذکور ہے کہ حضرت کعبؓ بن مالک کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد پر کچھ قرض تھا، حضرت کعبؓ نے مسجد ہی میں ان پر تقاضا شروع کردیا۔ اِن کے تقاضے اور حضرت ابن ابی حدرد کے جواب میں آوازیں اس قدر بلند ہوئیں کہ آپ کے حجرۂ مبارک میں جھگڑنے کی آوازیں پہنچیں، آپ نے حجرے کا پردہ اٹھادیا اور باہر تشریف لائے اور مقدمہ اپنے ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا کہ کعب! ان کا آدھا قرضہ معاف کردو، انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور عرض کیا کہ حضرت! منظور ہے، پھر آپ نے حضرت ابن ابی حدرد سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جاؤ اب پس و پیش کی گنجائش نہیں ہے، نصف معاف ہوگیا ہے بقیہ مطالبہ فوراً ادا کردو۔

ترجمہ کا ثبوت ترجمۃ الباب میں دو جز ہیں، ایک تقاضی یعنی تقاضا کرنا اور دوسرے ملازمت یعنی پیچھا کرنا

روایت باب میں تقاضے کرنے کا تو ذکر ہے لیکن ملازمت یعنی پیچھا گھیرنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ شارحین نے اس دوسرے جزء کو ثابت کرنے کے لئے عام طور پر اس روایت کے دوسرے طرق کا سہارا لیا ہے کہ بخاری ہی میں باب الصلح میں یہ روایت آئی ہے جس کے الفاظ ہیں:

عن عبد اللہ بن کعب عن ابیہ انہ کان لہ علی عبد اللہ بن ابی حدرد الاسلمی مال فلقیہ فلزمہ فتکلما حتی ارتفعت اصواتھما (فتح الباری ص۹۵ ج۲)	حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ ان کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کے ذمہ کچھ مالی مطالبہ تھا، تو وہ ان سے ملے اور ان کو گھیر لیا پھر ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔

اس روایت میں فلزمہ کی صراحت ہے اور اس طرح ترجمہ کے دونوں جزء تقاضا اور ملازمت ثابت ہو جاتے ہیں۔

اور اس سے زیادہ آسان اور واضح بات یہ ہے کہ ترجمہ کے دونوں جزء اس روایت سے ثابت ہیں، کیونکہ اول تو تقاضا، ملازمت یعنی پیچھا گھیرنے ہی سے ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ روایت میں مضمون یہی ہے کہ حضرت کعب نے مسجد میں حضرت عبداللہ بن ابی حدرد سے جو گفتگو کی اس میں بات اتنی تیز ہوگئی کہ پیغمبر علیہ السلام کو حجرے سے باہر آکر معاملہ کا فیصلہ کرنا پڑا، اس سے صرف تقاضا ہی نہیں دوسرا جزء بھی پوری طرح ثابت ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذٰى وَالْعِيْدَانِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَآءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ فَقَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ بِهٖ دُلُّوْنِيْ عَلٰى قَبْرِهٖ أَوْ قَالَ قَبْرِهَا فَأَتٰى قَبْرَهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهَا۔

ترجمہ، باب، مسجد میں جھاڑو دینے کا اور پھٹے پرانے کپڑے، تنکے اور لکڑی کا چورا چننے اور اٹھانے کا بیان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سیاہ فام مرد یا سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دینے کی خدمت کرتی تھی، ان کا انتقال ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں معلوم کیا تو لوگوں نے بتلایا کہ ان کا انتقال ہوگیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے اس کی اطلاع مجھے کیوں نہیں دی، مجھے ان کی قبر بتلاؤ، چنانچہ آپ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

مقصد ترجمہ ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ صحابۂ کرام باہم یہ کہا کرتے تھے کہ مسجد سے سنگریزوں کو نکالا جائے تو وہ نکالنے والے کو اللہ کا واسطہ دے کر یہ کہتے کہ انھیں مسجد سے نہ نکالا جائے

روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

کان یقال ان الرجل اذا اخرج الحصی من المسجد یناشدہ (ابوداؤد ص۶۶ ج۱)	یہ بات مشہور تھی کہ انسان جب سنگریزے کو مسجد سے باہر نکالتا ہے تو سنگریزہ اسے خدا کا واسطہ دے کر اس سے سوال کرتا ہے (کہ اسے مسجد نہ نکالے)

یہ بات چونکہ صحابہؓ کرام کے درمیان مشہور تھی اور عقل سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے اس لئے محدثین کے اصول کے مطابق یہ حکماً مرفوع ہے کہ سنگریزے کو مسجد سے باہر نکالا جائیگا تو وہ نکالنے والے سے خدا کا واسطہ دے کر نہ نکالنے کے لئے کہے گا، لیکن امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم ہے۔ ہر وہ چیز جو کوڑا سمجھی جاتی ہو اس کو مسجد سے دور کرنا اہل مسجد کی ذمہ داری ہے، سنگریزے ہوں تنکے ہوں یا لکڑی کا چورا ہو یا کپڑے کی دھجیاں ہو، ان تمام چیزوں کو جھاڑو دے کر مسجد سے ہٹا دیا جائے یا ان کو چن چن کر مسجد سے پھینک دیا جائے، اس باب میں امام بخاری یہی مضمون بیان کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ امام بخاری اس باب میں مسجد میں جھاڑو دینے اور اس کی صفائی کا اہتمام کرنے کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس خدمت کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے انجام دینے والے کو اتنی اہمیت دی کہ اس کی قبر پر پہنچ کر نماز جنازہ ادا کی شارحین بخاری میں ابن بطال نے تقریباً یہی بات کہی ہے۔

تشریح حدیث ایک عورت مسجد نبوی کی خدمت کیا کرتی تھی، یہاں راوی نے شک کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ وہ عورت تھی یا یہ خادم مرد تھا، لیکن بعض روایات میں عورت کا تعین ہے اور بعض روایات میں ان کا نام ام محجن بتلایا گیا ہے۔ کام تھا جھاڑو لگانا، وہ مسجد ہی میں رہتی تھی، بیمار ہوئی اور انتقال ہوگیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع نہیں کیا گیا بلکہ رات ہی میں دفن کر دیا گیا، آپ صبح کو تشریف لائے تو پوچھا کہاں ہے؟ جواب میں عرض کیا گیا کہ دفن بھی کر دیا گیا، آپ نے باز پرس فرمائی کہ مجھے کیوں خبر نہیں کی؟ پھر آپ قبر پر تشریف لے گئے اور نماز پڑھی، بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ کے باز پرس فرمانے پر یہ معذرت کی گئی کہ آرام کا وقت تھا، ہم لوگوں نے خیال کیا کہ آپ کو بیدار کرنے میں آپ کو زحمت ہوگی اس لئے اطلاع نہیں دی گئی بعض روایات میں آتا ہے کہ رات تاریک تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حادثہ کو اہمیت نہیں دی گئی مسلم شریف میں ہے قال کانہم صغروا امرھا (مسلم ص۳۱ ج۱) گویا ان حضرات نے اس کے معاملہ کو معمولی سمجھا کہ ایک بے سروسامان مسجد کی خادمہ کا انتقال ہوگیا۔

اس کا کوئی خویش و قریب بھی نہیں ہے اس لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کیا اطلاع کی جائے، لیکن آپ نے قبر پر جاکر نماز پڑھی، گویا یہ واضح فرمایا کہ مسجد میں جھاڑو دینے کی خدمت کو معمولی کام نہیں سمجھنا چاہئے۔

ترجمہ کا ثبوت امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں چند چیزیں ذکر کی ہیں، مسجد میں جھاڑو دینا اور پھٹے ہوئے کپڑے، تنکے اور لکڑی کا چورا چننا۔ بخاری کی روایت میں ان چیزوں کی گو تفصیل نہیں ہے، لیکن کان یقم المسجد کی تعبیر ان تمام چیزوں کو شامل ہے جو مسجد کی شان کے منافی ہوں، کیونکہ یقم کے معنی ہیں کہ وہ مسجد میں جاروب کشی کی خدمت کرتی تھیں۔ مِقَمَّہ جھاڑو کو کہتے ہیں اور قمامۃ ہر قسم کے کوڑا کرکٹ کو، اس لئے مطلب یہ ہوا کہ وہ مسجد نبوی کا تمام کوڑا کرکٹ یعنی کہ پرانے کپڑے، لکڑی کا بورا، تنکے اور گرد و غبار سب ہی چیزوں کو جھاڑو سے صاف کیا کرتی تھیں، نیز علامہ عینی نے کنس اور التقاط میں میں بھی فرق کیا ہے کہ کنس جھاڑو دینے کا عمل ہے جس کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ہر قسم کا کوڑا صاف کیا جائے اور التقاط کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز نظر پڑ گئی تو اس کو اٹھالیا، یہ باقاعدہ کام نہیں ہے بلکہ اتفاقی چیز ہے اس لئے امام بخاری کا ترجمۃ الباب صرف کان یقم المسجد سے ثابت ہے کیونکہ اس کا مفہوم ہی یہ ہے کہ ان کا مستقل کام مسجد نبوی سے ایسی تمام چیزوں کو جھاڑو کے ذریعہ صاف کرنا تھا جو مسجد میں نہ ہونی چاہئیں۔

نیز یہ کہ بعض شارحین نے امام بخاری کی عادت کے مطابق اس روایت کے دیگر طرق میں آنے والے الفاظ سے بھی ترجمۃ الباب کے تفصیلی اجزاء کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں کانت مولعة بلقط القذی من المسجد کے الفاظ ہیں کہ وہ مسجد سے خس و خاشاک چننے میں خصوصی شغف رکھتی تھی۔

ابن خزیمہ کی روایت میں اور زیادہ صراحت ہے۔

کانت تلتقط الخرق والعیدان من المسجد (عمدۃ القاری ص۲۳ ج۴)	وہ مسجد سے بوسیدہ کپڑے اور لکڑی کا جورا چنتی رہتی تھی۔

چونکہ روایت کے دوسرے طرق میں ان تمام چیزوں کی صراحت ہے جو امام بخاری کے ترجمۃ الباب میں مذکور ہیں۔ اس لئے امام بخاری نے اپنے ذوق کے مطابق ترجمہ کو اس انداز سے ثابت کردیا۔

قبر پر نماز جنازہ کا مسئلہ روایت میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر متعدد روایات میں آیا ہے۔ بعض محدثین نے ایسی روایات کی تعداد نو تک بیان کی ہے، مگر فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، داؤد ظاہری اور کچھ فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جو لوگ نماز جنازہ

ہیں شرکت نہیں کرسکے ہیں وہ قبر پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں، البتہ اجازت دینے والے ان فقہاء کے درمیان بھی اس کی مدت میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے تدفین سے دوسرے دن، بعض نے تین دن تک اور بعض فقہاء نے زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک اجازت دی ہے، ان کے برخلاف ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ نے قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے سے انکار کیا ہے، بدایۃ المجتہد میں ہے کہ امام مالک سے سوال کیا گیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی تو انھوں نے فرمایا کہ روایت میں آیا ہے لیکن اس پر صحابۂ کرام کا عمل نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر نماز جنازہ کے بغیر تدفین کردی گئی ہے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی، نیز یہ کہ اگر نماز جنازہ تو ہوئی لیکن ولی میت نے شرکت نہیں کی تو دفن کے بعد قبر پر ولی میت نماز پڑھ سکتا ہے اور اس میں یہ بھی قید ہے کہ یہ اسی وقت تک پڑھی جاسکتی ہے جب تک نعش کے محفوظ ہونے کی امید ہو اس کے لئے فقہاء نے تین دن کے اندر اندر کی تعیین کی ہے

حدیث باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قبر پر نماز پڑھنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے اس سلسلہ میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشک تمام مومنین کے ولی ہیں، اور آپ کی شرکت کے بغیر اس کی نماز جنازہ ہوئی تھی اس لئے بحیثیت ولی میت آپ نے قبر پر نماز ادا کی۔ اس طرح حنفیہ کا مسلک اس روایت کے خلاف نہیں ہے گویا آپ نے جو قبر پر نماز جنازہ پڑھی تو وہ قبر پر نماز جنازہ کے جواز کا مسئلہ نہیں بلکہ حق ولی کی رعایت کا مسئلہ ہے۔ نیز یہ کہ جلال الدین سیوطی نے خصائص میں بعض حنفیہ کی جانب سے یہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانے میں کسی کا انتقال ہوتا اور جنازہ میں آپ کی شرکت ممکن ہوتی تو آپ کی شرکت کے بغیر نماز جنازہ کا کسی کو حق نہیں تھا، گویا یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت تھی، پھر یہ کہ آپ کو چونکہ اس عورت کے جنازہ کی اطلاع ہی نہیں دی گئی اور آپ نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکے اس لئے آپ نے قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی، آپ کی اس خصوصیت کے لئے متعدد فقہاء نے مسلم شریف کی اس روایت کو بھی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

ثم قال ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا و ان اللہ ینورھا لھم بصلاتی علیھم۔	(قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد) آپ نے فرمایا کہ ان قبروں میں اہل قبر پر تاریکی چھائی رہتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ ان پر میرے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد انکو اہل قبر کیلئے منور فرمادیتا ہے۔
(مسلم شریف ج ۱ ص ۳۱۰)	

آپ کا یہ ارشاد فرمانا آپ کی خصوصیت کی واضح دلیل ہے کیونکہ آپ کے بعد کون یہ دعویٰ

کرسکتا ہے کہ اس کے نماز جنازہ پڑھنے سے قبریں منور ہو جاتی ہیں نیز یہ کہ آپ نے قبروں کی اس تنویر کا سبب مطلق نماز جنازہ کو نہیں بلکہ اس نماز جنازہ کو قرار دیا ہے جو آپ نے پڑھائی ہو روایت کے الفاظ میں بالصلاۃ علیھم نہیں بلکہ بصلاتی علیھم ہے۔ اور امام مالک نے جو یہ فرمایا کہ اس پر صحابۂ کرام کا عمل نہیں ہے اس کا بھی مفہوم یہی ہے کہ امام مالک قبر پر نماز جنازہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سمجھ رہے ہیں یعنی یہ کہ اگرچہ روایت میں قبر پر نماز جنازہ کا ثبوت ہے، لیکن صحابۂ کرام کا اس پر عمل نہ کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت تھی امت کے دوسرے افراد کو ہر صورت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ تَحْرِيمِ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبٰوا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ

ترجمہ، باب، مسجد میں شراب کی تجارت کی حرمت بیان کرنے کا ذکر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ربوٰ (سود) کے سلسلہ میں سورۂ بقرہ کی آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور آپ نے وہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، پھر آپ نے شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان کیا۔

مقصد ترجمہ امام بخاری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسجدیں چونکہ عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں، اس لئے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ شراب، سود، اور خنزیر جیسی گندی چیزوں کا ذکر مسجد کی شان تقدیس کے منافی ہے، لیکن ان چیزوں کا ذکر احکام شرعیہ کے بیان کے سلسلہ میں آئے تو امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات ربوا کی تلاوت کے بعد مسجد ہی میں شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان کیا۔

عام طور پر شارحین بخاری نے مقصد ترجمہ کی وضاحت میں یہی بات کہی ہے، اور امام بخاری کے ذوق کے مطابق یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے مگر علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بخاری کا یہ مقصد نہیں کیونکہ مسجد میں ان چیزوں کے تذکرے کا جواز ثابت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان مسجد میں کیا گیا ہے، اور یہی بات حدیث باب میں صراحت سے موجود ہے، بظاہر علامہ عینی کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تجارتِ شراب کی شناعت بیان کرنے پر زور دے رہے ہیں یعنی یہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعلان کے لئے کسی اور

جگہ کے بجائے مسجد نبوی کے منبر کا انتخاب کیا، اور سود کی حرمت کے ساتھ کیا، ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجارت نہایت قبیح اور اس کی حرمت نہایت غلیظ ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث حضرت عائشہ ارشاد فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی وہ چار آیتیں نازل ہوئیں جن میں سود کی حرمت بیان کی گئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور آپ نے آیاتِ کریمہ کو پڑھ کر سُنایا، یہ آیتیں اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا سے لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ تک ہیں۔ یعنی جو لوگ سود لیتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے اس طرح مخبوط الحواس ہو کر اٹھیں گے جیسے دنیا میں وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں شیطان نے اپنے اثرات سے مجنوں اور خبطی بنا دیا ہو، یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان بدنصیب لوگوں نے یہ کہا کہ سود بھی تو بیع ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام، الی آخر الآیات

پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں سود سے متعلق یہ آیات پڑھ کر سُنائیں، پھر آپ نے فرمایا شراب کی تجارت ربوا ہی کی طرح حرام ہے، وجہ ظاہر ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شراب انسان کے ہوش وحواس کو ختم کر کے اسے بالکل دیوانہ بنا دیتی ہے، سود کی لعنت اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ دنیا میں سود کا کاروبار کرنے والوں کی دیوانگی اور دولت کی حرص میں ان کا جنون اس درجہ کا ہوتا ہے جیسے انھیں کوئی بھوت یا جن چمٹ گیا ہے، ہر وقت دنیا کی طمع انھیں بے قرار رکھتی ہے اور انسانیت کے اوصافِ حمیدہ سے ان کا دور کا بھی واسطہ باقی نہیں رہتا۔ رہا آخرت کا معاملہ تو وہ ان کا مخبوط الحواس ہو کر اٹھنا تو قرآن کی نص قطعی سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سود کو اسی لئے تو اللہ نے حرام کیا ہے کہ اس میں برائیاں ہیں، اور یہ عقد ربوا چند در چند مفاسد کی بنیاد پر حرام قرار دیا گیا ہے، شراب کی تجارت میں بھی طرح طرح کی خرابیاں اور برائیاں ہیں۔ اس لئے آیاتِ ربوا سُنانے کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنے تراجم میں اسی دوسری وجہ کو ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاری کا ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا۔ یعنی عام شارحین کے رجحان کے مطابق تو بات ثابت ہو گئی کہ سود اور شراب جیسی ناپاک چیزوں کا تذکرہ مسجد میں ہوا، لیکن احکام شرعیہ کے بیان کے سلسلہ میں ہوا، اس لئے یہ مسجد کے تقدس کے منافی نہیں۔ اور علامہ عینی کے رجحان کے مطابق یہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی تجارت کی حرمت کے لئے کسی مجمع یا کسی دوسری جگہ کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ

آپ نے اس کی حرمت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے مسجد نبوی کے منبر سے اس کا اعلان فرمایا۔

بعض حضرات نے یہاں یہ بحث بھی کی ہے کہ آیات ربوا کا نزول، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بالکل آخری زمانہ میں ہوا ہے، جبکہ شراب کی حرمت کا حکم اس سے کئی سال پہلے آچکا تھا، پھر مسجد نبوی میں آیات ربوا پڑھ کر سنانے کے بعد تجارتِ شراب کی حرمت کے اعلان کی کیا وجہ ہے! چنانچہ کسی نے یہ کہا کہ شراب کی حرمت تو پہلے ہی آگئی تھی مگر آپ نے دوبارہ ربوا کے ساتھ اس کو بیان فرمایا، کسی نے کہا کہ شراب کی حرمت کا حکم تو آگیا تھا لیکن اس موقع پر آپ نے اس کی تجارت کی بھی ممانعت فرمادی، مگر ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب کسی چیز کی حرمت کا حکم آتا ہے تو اس سے انتفاع کی بھی ممانعت کردی جاتی ہے، اس لئے یہ توجیہ محل نظر ہے، البتہ یہ توجیہ بالکل صاف اور بے غبار ہے کہ جب آپ نے آیات ربوا پڑھ کر سنائیں، تو ربوا اور شراب میں متعدد چیزوں میں مماثلت کی بنیاد پر آپ نے ربوا کے ساتھ شراب کی تجارت کی حرمت کا اعلان بھی کردیا۔ واللہ اعلم

بَابُ الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا مُحَرَّرًا لِلْمَسْجِدِ يَخْدِمُهُ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَبِي رَافِعٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ امْرَأَةً اَوْ رَجُلًا كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ وَلَا اُرَاهُ اِلَّا امْرَأَةً فَذَكَرَ حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ صَلّٰى عَلٰى قَبْرِهَا۔

ترجمہ، باب، مسجد کی خدمت کے لئے خادموں کے مقرر کرنے کا بیان حضرت ابن عباس نے آیت نذرت لک ما فی بطنی محررا (اے پروردگار! میں نے اس بچہ کے بارے میں جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لئے یہ نذر مانی ہے کہ وہ آزاد رہے گا) کے بارے میں فرمایا کہ وہ مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لئے آزاد رہے گا۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک عورت یا مرد سے مسجد میں جھاڑو دینے کی خدمت متعلق تھی۔ راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عورت ہی تھی، اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی کہ آپ نے اس کی قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی۔

مقصد ترجمہ مقصد اس بات کی وضاحت ہے کہ مسجد کی خدمت کے لئے کسی خادم کا باقاعدہ تقرر جائز ہے یا نہیں؟ شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ ہر مسجد، مسلمانوں کا مشترک عبادت خانہ ہوتی ہے اور سب ہی اس کے خادم ہوتے ہیں، اس صورت میں اگر کسی شخص کو خدمت کے لئے مقرر کردیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دوسرے مسلمانوں کو اس خدمت سے محروم کردیا گیا اس لئے یہ سوال پیدا ہوگیا کہ مسجد میں خادم کے تقرر کا کیا حکم ہے؟ بخاری نے اس

باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مسجد کے لئے خادم کا تقرر درست اور جائز ہے بلکہ اس کا رواج امم سابقہ سے چلا آتا ہے جس کو اسلام میں بھی باقی رکھا گیا۔

ترجمہ کا ثبوت اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے ایک تعلیق اور ایک روایت پیش کی ہے، روایت وہی ہے جو ایک باب سے پہلے گذر چکی ہے کہ مسجد نبوی میں جاروب کشی کی خدمت کے لئے ایک عورت مقرر تھی اس کا انتقال ہوگیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی قبر پر جاکر نماز جنازہ پڑھی، معلوم ہوا کہ مسجد کی کسی بھی خدمت کے لئے کسی کا نامزد کرنا درست ہے۔

تعلیق میں امام بخاری نے سورہ آل عمران کی ایک آیت کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر نقل کی ہے۔ حضرت مریم کی والدہ ماجدہ حنّہؓ نے نذر مانی تھی کہ ان کے بطن سے جو لڑکا پیدا ہوگا وہ اس کو دنیا کے تمام کاموں سے آزاد کرکے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی، ارشاد فرمایا گیا ہے:

اذ قالت امرأة عمران رب انی نذرت لك ما فی بطنی محررا (آل عمران آیت ۳۵)	(وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا۔ اے پروردگار! میں نے اس بچہ کے بارے میں جو میرے پیٹ میں ہے یہ نذر مانی ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا۔

اس آیت میں لفظ آیا ہے محرّرًا، آزاد کیا ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اسکی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں محررا للمسجد یخدمہا یعنی وہ دنیا کے تمام کاموں سے آزاد ہوکر مسجد کی خدمت کیلئے وقف رہے گا۔ گویا امم سابقہ میں یہ رواج تھا کہ وہ لڑکوں کے بارے میں عبادت خانوں کے لئے خادم ہونے کی نذر مانا کرتے تھے، اور اس نذر کو پروردگار قبول کرتا تھا۔ امرأة عمران، یعنی حضرت مریم کی والدہ کی نذر میں یہ ہوا کہ انھوں نے نذر مانی تو لڑکے کے بجائے لڑکی یعنی حضرت مریم پیدا ہوئیں تو انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں معذرت کے ساتھ عرض کیا: - رب انی وضعتها انثیٰ اے میرے پروردگار! میرے یہاں تو لڑکی تولد ہوئی ہے، یعنی نذر کیسے پوری ہوگی، لیکن رب العلمین نے اس کو قبول فرمالیا۔

ارشاد ہوتا ہے:

فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسنا۔	پروردگار نے اس کو بطریق احسن قبول فرمایا اور اس کو اچھے نشوونما سے نوازا

بہرحال امام بخاری کا مدعا ثابت ہوگیا کہ مسجدوں کی خدمت کے لئے کسی خادم کا تقرر دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی کے سبب ناجائز یا غیر مستحسن نہیں ہے، گویا جس شخص کی ذمہ داری ہے وہ تو خدمت

کرے ہی گا، لیکن دوسرے حضرات اگر خدمت کرنا چاہیں تو ان کے لئے ممانعت نہیں ہے، جو یہ سعادت حاصل کرنا چاہے اپنے طور پر کرتا رہے، دوسرے یہ کہ جس شخص کا اس خدمت کے لئے تقرر ہوگا تو وہ تمام مسلمانوں کی جانب سے نائب کے طور پر کام کرے گا، کیونکہ اہل محلہ ل کر اس کی خدمت کریں گے، اس لئے اس کی جانب سے کی جانے والی خدمت اہل محلہ کی جانب سے شمار ہوگی اور سب ثواب میں حصہ دار ہوں گے

بَابُ الْاَسِيْرِ اَوِ الْغَرِيْمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا رَوْحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلٰوةَ فَاَمْكَنَنِي اللّٰهُ مِنْهُ وَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبُطَهُ اِلٰى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا وَتَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ اَخِيْ سُلَيْمٰنَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهٗ خَاسِئًا۔

ترجمہ باب، قیدی اور قرضدار کو مسجد میں باندھنے کا بیان حضرت ابو ہریرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جنات میں کا ایک سرکش جن کل رات اچانک میرے سامنے آیا یا آپ نے اس طرح کی بات فرمائی تاکہ وہ میری نماز درمیان میں خراب کردے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھے قابو عطا فرمادیا اور میں نے یہ چاہا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم صبح کو مسجد میں آؤ اور سب اس کو دیکھ سکو پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا یاد آئی جس میں انھوں نے پروردگار سے عرض کیا کہ اے پروردگار! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ دی جائے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا یاد آنے کے بعد اس جن کو رسوا کرکے واپس کردیا۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ کسی مقروض کو عبرت کے لئے یا کسی کافر کو دینی مصلحت کے سبب مسجد کے ستون سے باندھ دینا جائز ہے اور اس میں مسجد کی حرمت کی خلاف ورزی نہیں ہے، عہد رسالت میں اس طرح کے کام مسجد نبوی میں انجام دیئے جاتے تھے، کیونکہ عہد نبوی میں جیل خانہ الگ نہیں تھا، حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں بھی یہ کام اسی طرح چلتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دار الحبس یعنی جیل خانہ تعمیر کیا گیا۔ عہد رسالت میں مسجد نبوی میں نماز تو ہوتی ہی تھی اور اس کے ساتھ وہ تعلیم گاہ بھی تھی، دار المشورہ، دار القضاء اور دار الافتاء کا کام بھی وہیں انجام دیا جاتا تھا۔

مقروض کو مسجد میں قید کرنے میں مثلاً مصلحت یہ ہے کہ جب تمام مسلمان پانچوں وقت نماز میں حاضر ہوں گے تو دیکھیں گے کہ ایک صاحب پابہ زنجیر ہیں، معلوم کریں گے تو بتایا جائے گا کہ قرض کے سلسلہ

میں ایسا کیا جارہا ہے، اس صورت حال میں جلد از جلد قرض ادا کرنے کی کوشش کرے گا، یہ اس صورت میں ہے جب گنجائش کے باوجود نہ دے رہا ہو اور اگر یہ معلوم ہو کہ غریب نادار ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو شریعت نے اس موقع پر دوسری ہدایت دی ہے، ارشاد ربانی ہے:

وان کان ذوعسرة فنظرة الی	اگر (مقروض) تنگدست ہے تو اس کو
میسرة وان تصدقوا خیر لکم	آسودہ حالی تک کے لئے مہلت دی جائے
(سورة البقرہ آیت ۲۸۰)	اور اگر معاف کردو تو تمھارے لئے اور بہتر ہے

نیز غیر مسلم کو مسجد میں قید کرنے میں متعدد مصلحتیں ہیں، وہ مسلمانوں کے معاملات کو دیکھے گا، انکی عبادت کے طور طریق اور اس کی خوبیوں سے واقف ہوگا اور اس طرح اسے اسلام کی صداقت قبول کرنے اور ایمان لانے میں مدد ملے گی۔

بہر حال بخاری کا مدعا یہ ہے کہ اگر شرعی مصلحت کا تقاضا ہو تو مسجد میں مقروض اور غیر مسلم کو قید کیا جا سکتا ہے، جمہور کے نزدیک اس مسئلہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے، مگر امام بخاری ان تمام چیزوں میں توسع کی طرف مائل ہیں، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کہیں تو انھوں نے متعلقات مسجد کو مسجد قرار دے کر ابواب و تراجم منعقد فرما دیئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تشریح حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل رات ایک سرکش جن اچانک میرے سامنے آیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ سامنے کی جانب سے نماز میں خلل اندازی کرے یعنی وہ تعلق جو نمازی اور خدا کے درمیان نماز میں قائم ہوتا ہے اس کو توڑ دے، بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جن بلی کی صورت میں سامنے آیا تھا، مسلم شریف میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ اس نے آگ کا شعلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ڈالنے کی کوشش کی، جب یہ صورت پیش آئی تو اللہ نے آپ کو اس پر قابو دیدیا اور آپ نے اس کو پکڑ لیا، اور نہ صرف یہ کہ پکڑ لیا بلکہ نسائی شریف میں حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے اس کو پکڑ لیا، پھر پٹک دیا اور اتنی زور سے اس کا گلا دبا دیا کہ اس کا لعاب دہن آپ کے ہاتھوں پر گرا اور آپ نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ صبح کو دیکھ سکو کہ جن کو باندھ دیا گیا ہے، پھر خیال آیا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ممکن ہے کہ لوگ اس کو دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء کے بارے میں تردّد میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعاء فرمائی تھی:

رب اغفرلی وھب لی ملکا لا	اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرمائیے

ینبغی لاحد من بعدی ۔ اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لئے مناسب نہ ہو۔ (سورہ ص آیت ۳۵)

آپ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعار کے احترام میں مناسب نہ سمجھا کہ جن کو باندھ کر تماشا بنایا جائے ہوسکتا ہے کہ کسی کوتاہ فہم کو یہ خیال گذرے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعار بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوئی ۔

حضرت سلیمانؑ کی دعار اور ایک جن کی گرفتاری

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عفریت کو گرفتار فرمالیا تھا ، اگر آپ اس کو ستون سے باندھ بھی دیتے اور مدینہ طیبہ کے بچے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیتے تو اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعار سے تعارض نہیں تھا ، لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال احتیاط اور انبیار کرام کے حقوق کی مکمل رعایت اور تعظیم کی وجہ سے اس کو بھی مناسب نہیں سمجھا ۔ حضرت سلیمان کی دعار اور آپ کے اس ایک جن کو مقید کرنے کے عمل میں تعارض نہ ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعار کے الفاظ قرآن کریم میں یہ نقل فرمائے گئے ہیں : وھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی اس آیت میں اگر "من بعدی" کو تاخرِ زمانی کے معنی میں لیں تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو میسر نہ ہو ، لیکن آیت کے تاخر زمانی والے یہی معنی متعین نہیں ہیں بلکہ "بعد" علاوہ اور سوا کے معنی میں بھی آتا ہے ، قرآن مجید میں دوسری جگہ "من بعد" علاوہ اور سوا کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے "فمن یھدیہ من بعد اللہ" (سورۃ الجاثیہ آیت ۲۳) ۔ پھر ایسے شخص کو اللہ کے علاوہ اور کون ہدایت دے سکتا ہے ، حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعار میں بھی "من بعدی" کے یہ معنی مفسرین نے مراد لئے ہیں کہ اے اللہ مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ جو میرے علاوہ (یعنی میرے زمانے میں) کسی اور کو میسر نہ ہو اس کے علاوہ دعار کا یہ مطلب بھی لیا گیا ہے کہ مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ کسی کو مجھ سے چھین لینے کا حوصلہ نہ ہو ، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ میں ایسی سلطنت چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں وہ مجھ سے الگ نہ ہو ، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کم درجہ کے انسان کو ایسی حکومت نہ ملے ، وغیرہ ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو کلماتِ دعار میں متعدد معانی کے احتمالات ہیں جن کی رُو سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد والے زمانوں میں دوسروں کے لئے اسطرح کی حکومت کی گنجائش نکل سکتی ہے ، لیکن ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ تاریخ عالم میں کسی کو بھی حضرت سلیمان جیسی حکومت عطا کی گئی ہو ، کیونکہ حضرت سلیمان کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں تھی ، جنات اور ہواؤں تک پر انکی حکومت عام تھی ، قرآن کریم میں

ارشاد ہے:

فسخرنا له الريح تجري بامره حيث اصاب والشيطين كل بناء وغواص وآخرين مقرنين في الاصفاد (سورہ ص آیت ۳۸)	پھر ہم نے ہوا کو انکے زیر نگیں کردیا کہ وہ ان کے حکم سے جس جگہ وہ چاہتے نرمی سے چلتی اور شیاطین یعنی سرکش جنوں کو ان کے تابع کردیا یعنی تعمیر کرنے والے اور غوطہ خوری کرنے والے جنات کو اور دوسروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

ان جنات سے حضرت سلیمان علیہ السلام جس طرح کی خدمت چاہتے لے لیتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ حکومت وسلطنت ان تمام مخلوقات پر عام تھی، اس لئے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جن کو قید کرکے مسجد کے ستون سے باندھ دیتے تو اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے کوئی تعارض نہ تھا، لیکن چونکہ پیغمبرانِ عالی مقام ایک دوسرے کا احترام کرتے آئے ہیں، اس لئے آپ نے قاصر الفہم انسانوں کے اس وسوسہ کی بھی رعایت فرمائی تاکہ کسی کو حضرت سلیمان کی دعا کی قبولیت میں شک نہ ہو۔

جنات کے بعض احکام روایت میں ایک جن کی گرفتاری کا تذکرہ آیا ہے، جنات اللہ کی پیدا کی ہوئی وہ ناری مخلوق ہیں جو انسان کی پیدائش سے پہلے اس دنیا میں آباد تھے اور ناری ہونے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ اب بھی آگ کا ایک شعلہ ہیں یا ان کا وجود آگ اور اس کے خواص کا حامل ہے بلکہ جسطرح انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا لیکن مٹی دیگر عناصر کے ساتھ مل کر ایک بالکل نئی صورت اور جداگانہ خواص میں تبدیل ہوگئی۔ اس طرح جنات کے وجود کا عنصر اصلی تو آگ ہی ہے لیکن روایتِ باب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنصر اپنے خواص کے ساتھ باقی نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جن آگ کا شعلہ لے کر آیا اور اسے میرے منھ پر ڈالنا چاہا۔ اگر یہ خود آگ ہوتا تو اسے آگ کا شعلہ لانے کی کیا ضرورت تھی بلکہ خود اس کا جسم یا اس کا کوئی بھی عضو جلانے کے لئے کافی تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ دیگر عناصر مل کر نئی چیز بن گئی، بلکہ اسی روایت کے بعض طرق میں وجدت برد لسانه علی یدی آیا ہے کہ مجھے اپنے ہاتھ پر اس کے لعاب کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ نے اپنے خواص ترک کردیئے ہیں اور وہ ٹھنڈک میں تبدیل ہوگئی ہے۔

نیز اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات کو اللہ نے یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ اپنی اصلی صورت کے علاوہ انسان، حیوان، سانپ، بچھو اور دوسری تمام شکلوں میں متشکل ہو سکتے ہیں، اسی روایت کے بعض طرق میں یہ ہے کہ یہ جن بلی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تھا، اور

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ گھروں میں اگر سانپ وغیرہ نظر آئیں تو انھیں فوراً نہ مارا جائے بلکہ انھیں تین مرتبہ متنبہ کیا جائے، اس کے بعد بھی وہ نظر آئیں تو مار دینے میں مضائقہ نہیں ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے :

ان لبیوتکم عمارا فحرجوا علیھن ثلاثاً فان بدا لکم بعد ذلک منھن شئ فاقتلوہ (ترمذی ص۱۹۱، ج۱)

بے شک تمھارے گھروں میں کچھ (جنات بھی) رہتے ہیں (وہ کسی سانپ وغیرہ کی شکل میں نظر آئیں) تو انھیں تین بار متنبہ کرو کہ تم کو تنگی ہو سکتی ہے، اس کے بعد بھی ظاہر ہوں تو انھیں قتل کردو۔

معلوم ہوا کہ جنات اپنی شکل تبدیل کرکے انسان کے سامنے آسکتے ہیں۔ نیز یہ کہ جب وہ کسی دوسرے قالب میں ظاہر ہوتے ہیں تو پھر وہ اسی قالب کے احکام قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، انھیں گرفتار بھی کیا جاسکتا ہے وغیرہ۔

خطابی اور دوسرے شارحین نے اس روایت سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جنات کو انکی اصلی صورت میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جن کو دیکھا اور گرفتار کیا، رہی قرآن کریم کی وہ آیت جس میں جنات کو اصل صورت میں دیکھنے کی نفی کی گئی ہے یعنی :

اِنَّہٗ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم (سورۃ الاعراف آیت ۲۷)

بے شک شیطان اور اسکی جماعت (جنات) تم کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم انھیں نہیں دیکھتے

تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ عمومی حالات میں وہ نظر نہ آنے والی مخلوق ہے لیکن اس میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ انسان جنات کو اصلی صورت میں دیکھنے پر قادر نہیں ہے۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت روایت میں جن کی گرفتاری کا تذکرہ آیا تو چند باتیں ذکر میں آگئیں ورنہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ امام بخاری نے مسجد میں مقروض یا غیر مسلم کو قید کرنے کا جواز بیان کیا ہے کہ اس میں مسجد کے احترام کی خلاف ورزی نہیں ہے، اور اس عنوان کے تحت جو روایت ذکر فرمائی ہے اس میں جن کی گرفتاری اور اس کو باندھنے کے ارادے کا ذکر ہے، پیغمبر علیہ السلام کا ارادہ بھی چونکہ اسی فعل سے متعلق ہو سکتا ہے جو فی نفسہ جائز اور مباح ہو۔ اس لئے روایت سے اسیر کو مسجد میں قید کرنے کے جواز پر تو استدلال کیا جاسکتا ہے، لیکن مقروض کا اس میں ذکر ہی نہیں ہے۔ اس کیلئے شارحین نے قیاس کا سہارا لیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مقروض کا روایت میں ذکر تو نہیں ہے،

لیکن مقروض بھی قرض خواہ کے حق میں اسیر ہی کی طرح ہوتا ہے ۔ اس لئے اس کو بھی روایت سے ثابت ہی سمجھنا چاہیئے ۔ واللہ اعلم ۔

بَابُ الْاِغْتِسَالِ اِذَا اَسْلَمَ وَرَبْطِ الْاَسِیْرِ اَیْضًا فِی الْمَسْجِدِ وَکَانَ شُرَیْحٌ یَاْمُرُ الْغَرِیْمَ اَنْ یُّحْبَسَ اِلٰی سَارِیَةِ الْمَسْجِدِ حدثنا عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ یُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ قَالَ حَدَّثَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ سَمِعَ اَبَاهُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَةَ یُقَالُ لَہٗ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوْہُ بِسَارِیَةٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ اِلٰی نَخْلٍ قَرِیْبٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

ترجمہ: باب، جب کافر اسلام قبول کرے تو اس کے غسل کرنے کا بیان، نیز قیدی کو مسجد میں مقید کرنے کا بیان، اور قاضی شریح قرضدار کے بارے میں حکم دیتے تھے کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھوڑا سوار دستہ نجد کی طرف روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جنھیں ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا اور انھیں مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو، پھر وہ مسجد کے قریب کھجور کے ایک باغ میں گئے، اور وہاں غسل کیا پھر مسجد میں آئے اور یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔

مقصد ترجمہ اس ترجمہ کے دو جز ہیں، ایک اسلام لانے کے وقت غسل کرنا اور دوسرے مسجد میں اسیر کو قید کرنا، اور ترجمہ لایا گیا ہے ابواب مسجد کے درمیان، اس لئے اشکال یہ ہو رہا ہے کہ ترجمہ کا پہلا جز یعنی غسل کا ابواب مساجد سے کوئی ربط نہیں ہے اور ترجمہ کا دوسرا جز یعنی اس کو مسجد میں قید کرنا یہ جز مکرر ہے جو امام بخاری کی عادت کے خلاف ہے، پہلے جز کے بے ربط اور دوسرے جز کے مکرر ہونے کے سبب بعض شارحین نے تو یہ راہ اختیار کی کہ اصل میں امام بخاری نے یہاں ترجمہ رکھا ہی نہیں تھا باب کے بعد بیاض چھوڑ دیا تھا اور اسی لئے بخاری کے متعدد نسخوں میں ترجمہ کے الفاظ منقول نہیں ہیں ۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ مصنف کے چھوڑے ہوئے بیاض کو بعد کے لوگوں نے اپنی رائے سے پُر کر دیا ہے ۔ لیکن ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ امام بخاری نے باب سابق میں ربط الاسیر کا ترجمہ رکھا تھا اور اس کے ذیل میں جو روایت دی گئی تھی اس میں ربط اسیر کا عمل مذکور نہیں تھا بلکہ پیغمبر علیہ السلام نے اس کا

صرف ارادہ فرمایا تھا، آپ کے ارادہ سے گو مضمون ثابت تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کسی جائز امر ہی کا ارادہ فرما سکتے ہیں، لیکن امام بخاری کے پاس اس سلسلہ میں پیغمبر علیہ السلام کے صریح عمل پر مشتمل بھی ایک روایت تھی جو ربط اسیر کے مضمون کو ثابت کرنے کے لئے نص صریح کا درجہ رکھتی ہے، امام بخاری نے جب اس روایت کو ذکر کرنا چاہا تو انھیں خیال گذرا کہ اس سے ایک اور نیا مسئلہ بھی نکل رہا ہے کہ غیر مسلم اگر اسلام قبول کرے تو اس کو غسل بھی کرنا چاہئے۔ چنانچہ انھوں نے ترجمۂ سابق کے لئے نص کا درجہ رکھنے والی روایت ذکر کی تو اس پر جدید ترجمہ الاغتسال اذا اسلم منعقد فرمادیا، اس کے ساتھ ترجمہ سابق و ربط الاسیر ایضاً کا اضافہ کرکے ابواب مساجد سے ربط بھی قائم فرمادیا، گویا مسئلہ تو مسجد میں اسیر کو قید کرنے ہی کا چل رہا ہے لیکن اس روایت سے اس نئے مضمون کا ثبوت بھی ملحوظ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ امام بخاری کے اس انداز کے ابواب کو باب فی الباب کے قبیل سے قرار دیتے ہیں یعنی یہ باب، اوپر والے باب ہی کا شاخسانہ ہے، اور اسی باب سے ایک اور شاخ پھوٹ نکلی ہے، اور حضرۃ الاستاذ علامہ کشمیری رحمہ اللہ اس طرز کے ابواب کو انجاز کی تعبیر سے یاد فرماتے تھے، انجاز کے معنی ہیں نقد ادا کرنا ناجز کہتے ہیں نقد کو، گویا مسئلہ تو وہی چل رہا ہے لیکن مزید ایک فائدہ سامنے آیا تو ارادہ ہوا کہ اس کو کیوں مؤخر کیا جائے، اس کو بھی نقد یہیں ادا کر دیا جائے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے ابواب بمنزلہ تنبیہ کے ہوتے ہیں کہ آنے والی روایت سے دراصل مسئلہ تو وہی ثابت ہوتا ہے جو باب سابق میں مذکور تھا لیکن تنبیہ پیش نظر ہوتی ہے کہ مذکورہ روایت ترجمۂ سابق کے مضمون کے علاوہ، دوسرے فوائد پر بھی مشتمل ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ باب الاغتسال اذا اسلم میں یہ بات متعین نہیں ہے کہ اس کا ابواب مساجد سے کوئی ربط ہی نہیں ہے بلکہ امام بخاری کی عمیق نظر کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ وہ غالباً یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مشرک اگرچہ نجس اور ناپاک ہے اور اسلام لاتے وقت غسل کی تاکید اسی نجاست کے سبب کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا مسجد میں داخل ہونا، بلکہ کسی مصلحت سے اس کو مسجد میں قیدی بناکر تادیر روکے رکھنا جائز اور درست ہے۔ اس طرح مشرک کے غسل کا ابواب مساجد سے تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قاضی شریح کا عمل ترجمہ کے ایک جز یعنی مدیوں کو مسجد میں قید کرنے کے ثبوت میں امام بخاری نے قاضی شریح کا عمل پیش کیا ہے، کہتے ہیں کہ قاضی شریح کا یہ عمل تھا کہ وہ مدیوں کو مسجد کے ستون سے بندھوا دیتے تھے کبھی یہ سزا عدالت کی برخاستگی تک کے لئے ہوتی

اور کبھی قرض کی ادائیگی تک کے لئے، کہ تا برخاستگی عدالت مسجد کے ستون سے بندھوا دیا، اگر رقم ادا کردی تو چھوڑ دیا، رقم ادا نہ کی تو جیل خانہ میں بند کرادیا، مقصد یہی ہوتا تھا کہ مسجد میں آنے جانے والوں کی کثرت رہتی ہے، اس لئے مدیون کو بڑی شرمندگی اٹھانا پڑتی، اور وہ جلد از جلد ادائیگی کی صورت نکالتا۔

قاضی شریح کے عمل سے ثابت ہوا کہ مسجد میں مدیون کو محبوس کردینا جائز ہے، قاضی شریح فارسی النسل ہیں اور جلیل القدر تابعین میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، لیکن صحابیت کا شرف حاصل نہ ہوسکا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوفہ کے قاضی بنائے گئے اور تقریباً ساٹھ سال تک اس اہم منصب پر فائز رہے ۷۸ھ میں انتقال فرمایا۔

تشریح حدیث ترجمہ کے دونوں اجزا یعنی اسیر کے مسجد میں محبوس کرنے اور مشرک کے قبول اسلام کے وقت غسل کے ثبوت کے لئے امام بخاری نے حضرت ثمامہ بن اثال والی روایت پیش کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ محرم ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس صحابۂ کرام پر مشتمل ایک دستہ نجد کی جانب حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کی زیر سرکردگی روانہ کیا، اس کو ارباب سیر کی اصطلاح میں سریہ قرطار کہتے ہیں، قرطار بنو ابوبکر بن کلاب کی ایک جماعت کا نام ہے، محمد بن مسلمہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مدینہ طیبہ کی طرف جارہے ہیں، انھوں نے راستہ روک کر ان کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرلیا پھر ثمامہ مدینہ لائے گئے اور انھیں مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ثمامہ سے پوچھا "ماعندك یاثمامة"، ثمامہ کیا کہتے ہو؟۔ انھوں نے جواب دیا:

ان تقتل تقتل ذادم وان تنعم	اگر آپ قتل کرتے ہیں تو واقعۃً قتل کا حق ہے
تنعم علی شاکر وان ترد المال	اگر احسان فرماتے ہیں تو شکرگزار پر احسان ہوگا
نعطك منه ماشئت	اور اگر مال چاہیں تو جو آپ کہیں پیش کردیا جائے۔

(ابن خزیمہ بحوالہ عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۳۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جواب سنکر واپس ہوگئے، دوسرے دن پھر یہی سوال و جواب ہوا، تیسرے دن بھی یہی سوال و جواب ہوا۔ لیکن آپ نے محسوس فرمایا کہ اب اسلام نے ان کے دل میں اپنی جگہ بنالی ہے تو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دیا جائے، چنانچہ رہا کردئے گئے اور فوراً مسجد کے قریب ایک باغ میں گئے غسل کیا اور آکر اسلام قبول فرمالیا۔

امام بخاری کے ترجمہ کے دونوں اجزاء ثابت ہوگئے کہ کسی غیر مسلم کو مسجد میں قید کرنا درست ہے اور

یہ احترام مسجد کے منافی نہیں ہے اور یہ کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے غسل کرلینا چاہئے ، رہا یہ کہ قبول اسلام کے وقت غسل کرنا واجب ہے یا سنت ، تو امام بخاری نے اس کی وضاحت نہیں کی اور نہ انکی یہ عادت ہے،

قبول اسلام کے وقت غسل کرنے کا مسئلہ امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کافر پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے غسل کرنا واجب ہے ، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کفر کے زمانہ میں موجبات غسل میں سے کوئی چیز پائے جائے تو غسل کرنا واجب ہے ، ورنہ مستحب ہے ۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر موجبات غسل میں سے کوئی چیز پیش آئی اور اس نے غسل بھی کرلیا تو اسلام لانے کے بعد غسل کرنا ضروری نہیں اور زمانہ کفر کا غسل معتبر ہے کیونکہ حنفیہ کے یہاں وضو اور غسل میں نیت ضروری نہیں ۔ البتہ موجبات غسل میں سے کوئی چیز پائی جائے اور اس غسل نہ کیا ہو تو اسلام لانے کے بعد غسل کرنا واجب ہوگا ۔

امام بخاری نے اس سلسلہ میں اپنا رجحان تو ظاہر نہیں کیا لیکن روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ثمامہ نے پہلے غسل کیا اور اس کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوئے ، اس سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ زمانۂ کفر میں کیا ہوا غسل معتبر ہے ۔ واللہ اعلم ۔

بَابُ الْخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ حدثنا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيَى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ فَلَمْ يَرُعْهُمْ وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ مَا هٰذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ مِنْهَا ۔

ترجمہ ، باب ، مسجد میں بیماروں اور دوسرے لوگوں کے لئے خیمہ لگانے کا بیان ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق کے دن ، حضرت سعد بن معاذ کی ہاتھ کی رگ (رگ ہفت اندام) میں تیر لگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک خیمہ لگوادیا تاکہ وہ نزدیک سے انکی عیادت کرتے رہیں اور مسجد میں قبیلہ بنو غفار کے لوگوں کا بھی ایک خیمہ لگا ہوا تھا ، پھر وہ لوگ اس وقت گھبرا گئے جب خون بہہ کر ان کے خیمہ میں آنے لگا ، اور انھوں نے کہا کہ اہل خیمہ ! یہ کیا چیز ہے جو تمھاری جانب سے ہمارے خیمہ میں بہہ کر آرہی ہے ۔ دیکھا تو حضرت سعد کے زخم سے خون تیزی کے ساتھ بہہ رہا ہے ۔ پھر حضرت سعد کا اسی کے سبب انتقال ہوگیا ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ مسجد کے خالی حصہ میں بیماروں کے لئے یا کسی دوسری مصلحت

سے مسافروں وغیرہ کے لئے خیمہ لگانا جائز ہے گویا ترجمۃ الباب کے دو جز ہیں ، ایک بیماروں کے لئے خیمہ ، دوسرے دیگر ضروریات کے لئے خیمہ ، روایت میں آیا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رگ ہفت اندام میں زخم آگیا تھا ، یہ ایک رگ ہے جو جسم کے ہر حصہ میں موجود ہے ۔ عربی زبان میں ہر حصۂ جسم کی رگ کا الگ نام ہے ، ہاتھ کی رگ کا نام : اکحل ہے پیر کے حصہ میں پائی جانے والی اس رگ کا نام نسا ہے ، اردو میں اس کو رگ ہفت اندام کہتے ہیں ، غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سعد کی اس رگ میں زخم آگیا تھا ، آپ نے انکی دیکھ بھال اور عیادت کی آسانی کے لئے ان کا خیمہ مسجد میں لگوا دیا ، اس وقت مسجد میں ایک دوسرا خیمہ بھی لگا ہوا تھا جسمیں بنو غفار کی رفیدہ نام کی ایک صحابیہ اپنے متعلقین کے ساتھ مقیم تھیں ، اس سے امام بخاری کے ترجمہ کے دونوں جز ثابت ہوگئے کہ بیماروں کے لئے خیمہ لگانے کا جواز حضرت سعدؓ کے خیمہ سے معلوم ہوا اور دیگر ضروریات کیلئے خیمہ کی گنجائش رفیدہؓ کے خیمہ سے نکل آئی ۔

خیمہ کس مسجد میں لگایا گیا تھا؟ امام بخاری نے روایت کے الفاظ سے توسّع کے طور پر اپنا ترجمۃ الباب ثابت کر دیا ، روایت کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خیمے مسجد نبوی میں لگائے گئے تھے ۔ امام بخاری اور شارحین بخاری نے بھی یہاں یہ بات واضح نہیں کی کہ یہ کونسی مسجد کا واقعہ ہے ، لیکن ارباب سیر کی نشاندہی یہ ہے کہ یہ مسجد نبوی کا واقعہ نہیں ہے ، اس کے علاوہ کوئی اور مسجد ہے ، حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ کا رجحان یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ غزوات کے دوران کسی جگہ قیام فرماتے تو میدان کو صاف ستھرا کرکے نماز کے لئے جگہ مقرر فرما دیتے تھے ، اہلِ سیر اس کو بھی مسجد ہی کے لفظ سے یاد کرتے ہیں ، اس لئے کیا بعید ہے کہ یہاں مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جو بنو قریظہ کے محاصرے کے دوران آپ نے نماز کے لئے متعین فرمائی تھی ، پھر بعد میں ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں اسی جگہ ایک مسجد ، مسجد بنو قریظہ کے نام سے تعمیر کی گئی ، لیکن جس وقت حضرت سعد اور رفیدہ اسلمیہ کے خیمے وہاں لگائے گئے ہیں اس وقت وہ میدان میں نماز کیلئے مقرر کردہ جگہ ہے جسکو اصطلاحی مسجد قرار دینا محلِ نظر ہے ۔ مسجد نبوی نہ ہونے کا واضح قرینہ خود اسی روایت میں موجود ہے کہ مسجد میں حضرت سعد کا خیمہ لگانے کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ آپ نے انکو قریب رکھنے کی وجہ سے ان کا خیمہ مسجد میں لگوایا ، اور ظاہر ہے کہ محاصرہ کے دوران جو تقریباً پچیس دن تک جاری رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ، بنو قریظہ کے محلہ میں ہے جو مسجد نبوی سے کم از کم پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے اس لئے حضرت سعد کے لئے لگایا گیا خیمہ مسجد نبوی میں مانا جائے تو وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی میل دور ہو جاتے ہیں اور عیادت نیز دیکھ بھال کی جس سہولت کے لئے آپ نے انھیں قریب رکھنا چاہا تھا وہ سہولت حاصل نہیں ہوئی ۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ

یہ خیمے مسجد نبوی میں نہیں لگائے گئے تھے ۔ لیکن امام بخاری اس کو مسجد نبوی کا واقعہ خیال کر رہے ہیں اور انکے پیش نظر غالباً یہ بات ہے کہ محاصرے سے پہلے آپ غزوۂ خندق کی مہم میں مشغول تھے جس دن صبح کے وقت غزوۂ خندق سے فراغت ہوئی اسی دن ظہر کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پروردگار کی طرف سے بنو قریظہ کی طرف روانگی کا حکم دیا ۔ غزوۂ خندق کے دوران چونکہ قیام مدینۂ طیبہ میں رہا اور حضرت سعد کے زخم اسی غزوۂ خندق میں آیا تھا اس لئے ہوسکتا ہے کہ حضرت سعد کے لیے خیمہ مسجد نبوی میں لگایا گیا ہو ۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جب یہود بنو قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم بنانا منظور کر لیا تو آپ نے حضرت سعد کو بلانے کے لئے بھیجا، پھر حضرت سعد حمار پر سوار ہو کر تشریف لائے ۔ جب انکی سواری مسجد کے قریب آئی تو آپ نے انصار سے کہا قوموا الی سیدکم اس روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زخمی ہونے کے بعد حضرت سعد کا قیام بنو قریظہ کے محلہ میں نہیں تھا، ان کو دور سے سواری پر آنا پڑا ، اور جب وہ بنو قریظہ کے محلہ کی یعنی میدان محاصرہ کی مسجد کے قریب آئے تو آپ نے صحابۂ کرام سے ان کے استقبال کے لئے کہا ۔ یہ سب قرائن اس کے ہیں کہ حضرت سعد کا خیمہ مسجد نبوی میں تھا ۔ واللہ اعلم ۔

تشریح حدیث غزوۂ خندق جسے احزاب بھی کہتے ہیں شوال ۵ھ میں ہوا اس میں مسلمانوں کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی تفصیل کتاب المغازی میں آئے گی ، اس غزوہ میں حضرت سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ کی رگ میں زخم آگیا جس سے خون بند نہ ہوتا تھا ، اس وقت حضرت سعدؓ بن معاذ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی :۔

اَللّٰھُمَّ انك تعلم انه ليس احد احب لی ان اجاهدهم فيك من قوم كذبوا رسولك واخرجوه اللهم فانی اظن انك قد وضعت الحرب بيننا و بينهم فان كان قد بقی من حرب قريش شیٔ فابقنی لهم حتی اجاهدهم فيك وان كنت وضعت الحرب فافجرها واجعل موتی فيها (بخاری شریف جلد ثانی ص ۵۹۱)	اے اللہ ! تو جانتا ہے کہ میرے لئے اس قوم سے جہاد کرنا سب سے زیادہ محبوب ہے جس نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور انھیں وطن سے نکالدیا، اے اللہ ! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اب تو نے ہمارے اور ان مشرکین کے درمیان جنگ کو ختم کر دیا ہے پس اگر قریش کی جنگ میں سے کوئی حصہ باقی ہو تو مجھے زندہ رکھ تاکہ میں ان سے تیرے لئے جہاد کروں اور اگر جنگ ختم ہوگئی تو میرے زخم کا منھ کھولدے اور اسی کے سبب سے میری موت (شہادت کے ثواب والی) مقدر فرمادے ۔

⁂ ⁂ ⁂

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی کہ وہ غزوۂ بنو قریظہ میں فیصلہ کے وقت تک حیات رہے، غزوۂ بنو قریظہ غزوۂ خندق کا تتمہ تھا، کیونکہ غزوۂ خندق میں کفار مکہ اور ان کے ساتھ دیگر قبائل کی دس ہزار کی جمعیت نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا، اور مسلمانوں نے خندق کھود کر اپنی حفاظت کا انتظام کیا تھا، مسلمانوں کی پریشانی کا قرآن کریم میں ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل	جب دشمن شہر کے اوپر اور نیچے کی جانب سے آگئے
منکم واذ زاغت الابصار وبلغت	اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منھ کو آنے لگے
القلوب الحناجر وتظنون باللہ	اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے
الظنونا، ھنالک ابتلی المومنون	لگے۔ اس موقع پر مسلمانوں کی سخت آزمائش
وزلزلوا زلزالا شدیدا	کی گئی اور ان کو بہت طاقت کے ساتھ جھنجھوڑا
(سورۃ الاحزاب آیت ۱۱)	گیا۔

بالآخر ایک ماہ کے شدید محاصرہ کے بعد نصرت خداوندی نے دشمنوں کو ناکام واپس کر دیا، یہود بنو قریظہ نے چونکہ غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمانوں سے عہد شکنی کی تھی، اس لئے خندق سے فراغت کے فوراً بعد ان کا محاصرہ کیا گیا، یہود نے تنگ آکر حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم بنایا، حضرت سعدؓ نے تورات کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا کہ لڑنے والے یعنی مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جائے اور اموال غانمین کے درمیان تقسیم کر دئے جائیں۔

حضرت سعد بن معاذ کے اس فیصلے کے بعد، ان کی دعا کی قبولیت کا وقت آگیا، کیونکہ خندق اور قریظہ کے بعد کفار مکہ کے دم خم ختم ہو گئے تھے اور وہ مسلمانوں سے معرکہ آرائی کے قابل نہیں رہ گئے تھے چنانچہ حضرت سعد بن معاذ کی اکحل کا وہ زخم کھل گیا جو وقتی طور پر بند ہو گیا تھا، اور اسی زخم کے سبب حضرت سعد بن معاذ کو شہادت کی وفات کا شرف میسر آیا۔

روایات میں ہے کہ ان کی وفات پر عرش الٰہی ہل گیا، یا جھوم اٹھا، آسمانوں کے تمام دروازے ان کے لئے کھول دیئے گئے، ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازہ میں شرکت کی وغیرہ۔ اس سلسلہ کی تفصیلات اپنے مواقع پر آئیں گی۔

امام بخاری کا مقصد اس روایت سے یہاں صرف یہ ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے لئے مسجد میں خیمہ لگایا گیا تھا، اس لئے ثابت ہوا کہ مریض کی ضرورت کے لئے مسجد کے خالی حصہ میں خیمہ لگانا جائز ہے۔

بَابُ إِدْخَالِ الْبَعِيْرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعِيْرِهِ حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ أَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أَشْتَكِي قَالَ طُوْفِي مِنْ وَرَآءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔

ترجمہ۔ باب، بیماری (مجبوری) کے سبب اونٹ کو مسجد میں داخل کرنے کا بیان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں، آپ نے فرمایا کہ سوار ہو کر اور لوگوں کے پیچھے رہ کر طواف کر لو، چنانچہ میں نے اسی طرح طواف کیا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کے پہلو میں نماز ادا کر رہے تھے اور والطور و کتاب مسطور پڑھ رہے تھے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ضرورت پڑ جائے اور مجبوری لاحق ہو تو اونٹ کو مسجد میں لیجانے کی گنجائش ہے، ترجمہ میں لفظ استعمال کیا ہے "للعلۃ" یہاں علت کا لفظ عام ہے کہ بیماری کی صورت ہو یا کوئی اور مجبوری ہو، مثلاً سوار ہو کر پہنچا ہے اور اترنے کا موقع نہیں ہے یا کمزوری کے سبب پیدل چلنا ممکن نہیں ہے اور مسجد میں داخل ہونا ضروری ہے جیسے طواف کی ضرورت کے لئے مطاف میں جانا ضروری ہوتا ہے، تو ان صورتوں میں بخاری کہتے ہیں کہ سوار مع سواری کے مسجد میں جا سکتا ہے۔

تشریحات اس مقصد کے ثبوت میں بخاری نے پہلے ابن عباسؓ کا ایک ارشاد پیش کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا، اس ارشاد کو امام بخاری نے کتاب الحج میں بسند متصل ذکر کیا ہے۔

عن ابن عباس قال طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع علی بعیرہ (بخاری ص۲۱۸ ج۱)	ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔

معلوم ہوا کہ حجۃ الوداع میں فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا ہے، ابوداؤد کی روایت میں یہ مزید وضاحت ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم مکۃ وھو یشتکی کہ جب آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے تو طبیعت ناساز تھی، اس سے معلوم ہوا کہ سوار ہو کر طواف

کرنے کی وجہ بیماری تھی، جبکہ بعض شارحین نے سوار ہونے کی دوسری توجیہات کی ہیں کہ سوار ہونے میں مصلحت تحفظ تھا کہ مشرکین میں سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، یا یہ مقصد تھا کہ آپ دوسرے تمام حضرات کو نظر آتے رہیں تاکہ ضرورت مند فوراً مسئلہ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے رجوع کر سکے وغیرہ۔

مقصد ترجمہ ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے دوسری روایت حضرت ام سلمہؓ کی پیش کی ہے کہ انھوں نے حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں اور پیدل چل کر طواف نہیں کر سکتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ سوار ہو کر طواف کر لو، مگر سب سے پیچھے چلنا کیونکہ آگے رہوگی تو دوسرے حضرات کے لئے پریشانی ہوگی، درمیان میں رہوگی تو دوسروں کو بھی پریشانی کا سامنا ہوگا اور خود تمھیں بھی دشواری ہوگی چنانچہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق سوار ہو کر طواف کیا۔

امام بخاری سمجھ رہے ہیں کہ ان دونوں روایتوں سے ان کا مدعا ثابت ہو گیا، کیونکہ دونوں روایتوں میں بیت اللہ کا طواف سوار ہو کر کیا گیا اور خانۂ کعبہ مسجد حرام کے صحن میں ہے اس لئے طواف کرنے والا مسجد کے صحن میں داخل ہو کر خانۂ کعبہ کے چاروں طرف طواف کرتا ہے، لیکن یہ استدلال بایں معنی محل نظر ہے کہ عہد رسالت میں مسجد حرام کی یہ صورت نہیں تھی، بخاری میں ہے:

لم یکن علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حول البیت حائط کانوا یصلون حول البیت حتی کان عمر فبنی حولہ حائطا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خانۂ کعبہ کے چاروں طرف کوئی دیوار نہیں تھی، مسلمان (کھلی زمین میں) بیت اللہ کے چاروں طرف نمازیں پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب حضرت عمر کا دور آیا تو انھوں نے بیت اللہ کے چاروں طرف دیوار تعمیر کی۔
(بخاری ص ۵۴۰ ج ۱)	

⁂ ⁂ ⁂

جب کہ بعض حضرات کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں خود مسجد حرام کا تو احاطہ نہیں تھا لیکن ہر طرف مکانات اور آبادی کی بنا پر خانہ کعبہ کے چاروں طرف مسجد حرام کی حدود متعین تھی، پھر حضرت عمر نے تنگی محسوس کی تو توسیع فرما کر چاروں طرف دیواریں تعمیر کر دیں، پھر حضرت عثمان نے مزید توسیع کی، پھر ابن زبیر نے مزید توسیع کی، موجودہ عمارت کا نقش اول خلیفہ مہدی عباسی کا قائم کردہ اور موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی (المتوفی ۱۵۷۵ء) کے زمانہ سے استوار ہے، اس کے بعد متعدد سلاطین نے جو اضافے کئے ہیں وہ عمارت میں بالکل ممتاز رکھے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں اگر مسجد حرام صرف خانۂ کعبہ کا نام تھا، تو امام بخاری کا استدلال

محل نظر ہے، اور اگر اس کی کچھ حدود مقرر ہو گئی تھیں تو امام بخاری کا مدعا ثابت ہے کہ مجبوری کی صورت میں سواری کو مسجد میں لیجایا جاسکتا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ایک تو مجبوری شدید ہو کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو دوسرے یہ کہ مسجد کے آلودہ اور ناپاک ہونے کی جانب سے اطمینان کرلیا جائے، جانور پر سوار ہے تو وہ جانور ایسا سدھایا ہوا ہو کہ اس کی طرف سے مسجد کے ملوث ہونیکا اندیشہ نہ ہو، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام سلمہ کی اونٹنی مُدَرَّبَة یعنی باقاعدہ سدھائی ہوئی تھی۔

بعض شارحین نے اس موقع پر ماکول اللحم کے پیشاب، لید، اور گوبر کی طہارت و نجاست کا مسئلہ بھی چھیڑ دیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کا یہاں کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم۔

بَابٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَنَسٌ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا عَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ وَاَحْسِبُ الثَّانِيَ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيْئَانِ بَيْنَ اَيْدِيْهِمَا فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتّٰى اَتٰى اَهْلَهٗ۔

ترجمہ، باب، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دو صحابی، ایک اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے، ایک حضرت عباد بن بشر اور دوسرے کے بارے میں گمان یہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر تھے وہ نکلے تو جیسے دو چراغ انکے ساتھ ہو گئے جو انکے آگے آگے روشنی دے رہے تھے، پھر جب وہ دونوں الگ الگ ہوئے تو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک چراغ رہا یہاں تک کہ وہ اپنے گھر پہنچ گئے۔

مقصد ترجمہ باب مذکور ہے، لیکن ترجمہ اور عنوان مذکور نہیں ہے، شارحین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق مقصد کا تعین کیا ہے، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ جب امام بخاری باب بلا ترجمہ ذکر کریں تو اس کو کالفصل من الباب السابق یعنی باب سابق کا تتمہ سمجھنا چاہئے، یہ ایک اچھی توجیہ ہے، لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب باب سابق اور باب بلا ترجمہ کے درمیان کوئی مناسبت ہو، یہاں بظاہر باب سابق سے کوئی مناسبت نہیں ہے، البتہ ابواب مساجد سے اس کتاب کو اس طرح مربوط کیا جاسکتا ہے کہ دونوں صحابۂ کرام کو اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز کے انتظار میں مسجد نبوی میں دیر ہوئی تھی اس لئے ابواب مساجد کے مطابق

ترجمہ جدید یہ ہوسکتا ہے باب المشی الی المسجد فی اللیلۃ المظلمۃ یعنی اندھیری رات میں مسجد جانے کا بیان

علامہ عینیؒ کی رائے

علامہ عینی کہتے ہیں کہ یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ حدیث باب اس مضمون پر بالکل دلالت نہیں کرتی، حدیث باب میں یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئے ہیں، اس میں مسجد جانے کا سرے سے تذکرہ نہیں ہے۔ پھر عینی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ چونکہ یہ دونوں حضرات مسجد نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے اور عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے تھے، اور جو کرامت انھیں حاصل ہوئی اس میں مسجد کا بھی دخل ہے اس لئے ابواب مساجد سے ربط قائم ہو گیا۔ اور اس حیثیت سے روایتِ باب کا یہاں ذکر کر دینا مناسب ٹھہرا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ابواب مساجد سے ایک اور ربط قائم کیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ دونوں صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیر تک مسجد میں رہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں گفتگو کرتے رہے، اس لئے حدیث باب سے یہ نیا مضمون مستنبط ہوتا ہے کہ مسجد میں بات چیت اور گفتگو کرنے کی اجازت ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد گرامی

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ باب کالفصل من الباب السابق نہیں ہے، بلکہ امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق ترجمہ حذف کیا ہے اور باب کا لفظ لکھ کر حدیث پیش کر دی ہے تاکہ پڑھنے اور سمجھنے والے اپنے ذہن کو کام میں لائیں اور کوئی مناسب ترجمہ نکالیں یہاں کہا جاسکتا ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں روایت ہے:

عن بریدۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامۃ (ابوداؤد ص۸۳ ج۱)	حضرت بریدۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تاریکیوں میں مسجد کی طرف جانے کا اہتمام کرنے والوں کو قیامت کے دن نور تام کی بشارت سنا دو۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی کے باوجود مسجد میں حاضر ہونا بڑی فضیلت کی چیز ہے، ایسے لوگوں کو قیامت میں پل صراط وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکمل روشنی عطا کی

جائے گی تاکہ وہ اطمینان سے اپنی راہ طے کرسکیں ۔ اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت خاص ان لوگوں کیلئے ہے جو تاریکی میں جانے کے عادی ہوں ، روشنی ، یا شمع لے کر جانے سے یہ فضیلت ختم ہوجائے گی اور جس اجر وثواب کا تاریکی میں جانے پر وعدہ کیا گیا تھا اس سے محرومی ہوجائے گی ۔ امام بخاری اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس روایت کے یہ معنی نہیں ہیں جو بظاہر سمجھ میں آتے ہیں ، اگر اجر وثواب کا ترتب محض تاریکی میں جانے آنے پر ہوتا تو پیغمبر علیہ السلام ان دونوں صحابہ کے لئے لوٹتے وقت روشنی کا معجزہ ظاہر نہ فرماتے کیونکہ اس سے ان کے اجر وثواب میں کمی ہوجاتی ، بلکہ امام بخاری کی وضاحت کے مطابق اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ ظلمتِ لیل کو ترک جماعت کا عذر نہ بنائیں اور تاریکی میں دی گئی رخصت سے استفادہ نہ کریں ، بلکہ ہر حال میں مسجد میں حاضری کو اہمیت دیں ، خواہ تاریکی میں راستہ کے خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چل کھڑے ہوں یا روشنی کا انتظام کرلیں ، ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نمازِ باجماعت کا ایسا اہتمام کرنے والوں کو قیامت کے دن نور تام سے نوازے گا ۔ اس لئے امام بخاری کے ذوق کے مطابق اس روایت پر جدید ترجمہ یہ لگایا جاسکتا ہے باب الذھاب الی المساجد بالمصابیح فی اللیالی المظلمۃ

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ، شارحین کی طویل بحثیں دیکھو تو اس کی قدر معلوم ہو ، بس زیادہ سے زیادہ اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ آپ تو مسجد میں جاتے وقت روشنی ساتھ رکھنے کا حکم مستنبط کررہے ہیں ، اور روایت میں مسجد سے واپسی میں روشنی کا انتظام ہوا ہے ، لیکن یہ سرسری اشکال ہے کیونکہ مسجد میں جانا اور لوٹنا دونوں کا ایک ہی حکم ہے جیسا کہ مجاہد فی سبیل اللہ کا جہاد کیلئے جانا اور واپس آنا دونوں ہی میں اجر ہے ، بلکہ طلب علم جسے جہاد فی سبیل اللہ کی طرح قرار دیا گیا ہے ، اس کا بھی یہی حکم ہے ، ترمذی شریف میں ہے :

من خرج فی طلب العلم فھو فی	جو علم طلب کرنے کے لئے سفر کرے تو وہ مجاہد
سبیل اللہ حتی یرجع	فی سبیل اللہ کی طرح ہے یہاں تک کہ واپس
(بحوالہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۴)	آجائے ۔

مسلم اور ابوداؤد شریف وغیرہ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک صحابی کو جو بہت پابند جماعت تھے اور ان کا گھر بھی بڑی دوری پر واقع تھا یہ مشورہ دیا کہ آپ مسجد آنے جانے کے لئے سواری خرید لیں ، انھوں نے جواب دیا "ما احب ان منزلی بجنب المسجد" میں مسجد کے برابر میں اپنا گھر بنانا پسند نہیں کرتا ، ان الفاظ میں چونکہ ابہام تھا اور ان کا ایک مفہوم ان کے شایانِ شان

نہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سے معلوم فرمایا کہ مسجد کے قریب رہنے کو ناپسند کرنے کا کیا مطلب ہے، تو انھوں نے عرض کیا:

اردت یارسول اللہ ان یکتب لی اقبالی الی المسجد ورجوعی الی اھلی اذا رجعت فقال اعطاک اللہ ذلک کلہ۔ (ابوداؤد شریف صلـــ ج ١)

میری نیت یا رسول اللہ یہ تھی کہ میرا مسجد میں آنا بھی میرے نامۂ اعمال میں کار ثواب بن کر لکھا جائے اور میرا اپنے اہل وعیال میں لوٹنا بھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سب چیزیں عطا کیں۔

معلوم ہوا کہ جس طرح مسجد میں نماز کیلئے جانا کار ثواب ہے اسی طرح نماز پڑھ کر لوٹنا بھی کار ثواب ہے اور جن روایات میں ہر ہر قدم پر گناہوں کی معافی اور درجات کی ترقی کا وعدہ کیا گیا ہے اس میں جانے کے قدم بھی شمار کئے جاتے ہیں اور واپسی کے قدم بھی۔

تشریح حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عباد بن بشر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تاریک رات میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو اللہ نے روشنی کا یہ انتظام فرمایا کہ ان میں سے ایک کا عصا روشنی دینے لگا، دونوں اطمینان کے ساتھ راستہ طے کرتے رہے، چلتے چلتے جب ایسے موڑ پر پہنچے جہاں سے دونوں کا راستہ الگ الگ ہو رہا تھا تو دوسرے کا بھی عصا چراغ کی طرح منور ہوگیا، اور دونوں اپنے اپنے گھر پہنچنے تک اس روشنی سے مستفید ہوتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے متعین کردہ مقصد ترجمہ کے مطابق تشریح اس طرح کی جائے گی کہ جماعت میں شرکت ایک امر محبوب ہے، جو لوگ تاریکیوں سے بے پروا ہو کر جماعت کا اہتمام کریں گے تو قیامت میں یہ تاریکی نور تمام سے بدل جائے گی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روشنی موجود ہو تب بھی اس کو ساتھ نہ لیں اور اندھیرے ہی میں خطرات کو انگیز کرتے ہوئے راستہ طے کریں، بلکہ روشنی ساتھ رکھنا دنیا کی تاریکی کو آخرت میں نور تمام سے بدلنے میں مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم

روایت باب سے اولیاء کرام کی کرامت کے ثبوت پر بھی استدلال کیا گیا ہے شرح عقائد میں بھی لکھا ہوا ہے کرامات الاولیاء حق کہ اولیاء کی کرامت کا ثبوت ہے، تاریک راستوں ہی کو منور کرنے کے سلسلہ میں اولیاء امت کی کتنی ہی کرامتیں منقول ہیں۔

بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ نَا فُلَيْحٌ قَالَ نَا

أبو النضر عن عبيد بن حنين وعن بسر بن سعيد عن أبي سعيد الخدري قال خطب النبي صلى الله عليه وسلم فقال إن الله سبحانه خير عبداً بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عند الله فبكى أبو بكر فقلت في نفسي ما يبكي هذا الشيخ إن يكن الله خير عبداً بين الدنيا وبين ما عنده فاختار ما عند الله عز وجل فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو العبد وكان أبو بكر أعلمنا فقال يا أبا بكر لا تبك إن أمن الناس علي في صحبته وماله أبو بكر ولو كنت متخذاً من أمتي خليلاً لاتخذت أبا بكر ولكن أخوة الإسلام ومودته لا يبقين في المسجد باب إلا سد إلا باب أبي بكر حدثنا عبد الله بن محمد الجعفي قال نا وهب بن جرير قال نا أبي قال سمعت يعلى بن حكيم عن عكرمة عن ابن عباس قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي مات فيه عاصباً رأسه بخرقة فقعد على المنبر فحمد الله وأثنى عليه ثم قال إنه ليس من الناس أحد أمن علي في نفسه وماله من أبي بكر بن أبي قحافة ولو كنت متخذاً من الناس خليلاً لاتخذت أبا بكر خليلاً ولكن خلة الإسلام أفضل سدوا عني كل خوخة في هذا المسجد غير خوخة أبي بكر۔

ترجمہ، باب، مسجد میں کھڑکی اور گذرگاہ رکھنے کا بیان۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ بے شک اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے خواہ وہ دنیا میں رہنے کو اختیار کرلے خواہ ان نعمتوں کو اختیار کرلے جو اللہ کے یہاں ہیں۔ چنانچہ اس بندے نے ان چیزوں کو پسند کرلیا ہے جو اللہ کے یہاں ہیں یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے، حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا کہ ان بزرگوار پر گریہ کیوں طاری ہے اگر اللہ نے اپنے ایک بندے کو دنیا وآخرت کے درمیان اختیار دیا اور اس بندے نے آخرت کو اختیار کرلیا (پھر بعد میں معلوم ہوا کہ) اس بندے سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی اور حضرت ابو بکر ہم میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو بکر! روؤنہیں! بے شک حق رفاقت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر ہیں اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن اسلامی اخوت اور محبت کے اعتبار سے ابو بکر سب سے افضل ہیں، مسجد میں کوئی دروازہ ہرگز باقی نہ رہے مگر یہ کہ بند کردیا جائے

علاوہ حضرت ابو بکر کے دروازے کے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے سر پر پٹی باندھے ہوئے (مسجد میں) تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ بے شک جان ومال کے ذریعہ میرے اوپر ابو بکر سے زیادہ احسان کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اگر میں انسانوں میں سے کسی کو اپنا دلی دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلام کی دوستی سب سے افضل ہے (جو ابو بکر کو حاصل ہے) اس مسجد میں جتنی کھڑکیاں ہیں ان سب کو بند کردو علاوہ ابو بکر کی کھڑکی کے (کہ وہ کھلی رہے گی)۔

مقصد ترجمہ خوخہ کے معنی ہیں بڑے پھاٹک میں یا دیوار میں لگائی ہوئی چھوٹی کھڑکی، اور ممر مصدر میمی بھی ہو سکتا ہے گذرنے کے معنی میں اور اسم ظرف بھی ہو سکتا ہے بمعنی گذرگاہ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں لیکن دوسرے معنی راجح ہیں۔ امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے قریب میں جو مکانات ہوتے ہیں اگر ان مکانات سے مسجد میں آنے جانے کیلئے کھڑکی لگائی جائے جس سے گذر کر آسانی کے ساتھ مسجد میں حاضری ممکن ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ روایت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کھڑکی سے گذر کر آنا مسجد میں حاضری کی غرض سے ہو تو اہل علم وفضل کے لئے خصوصی طور پر اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ابتداءً مسجد نبوی میں متعدد صحابۂ کرام کے مکانات کے دروازے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مکان بھی مسجد نبوی سے متصل تھا اور اس کا اصل دروازہ مغرب کی جانب تھا لیکن اُن کے مکان کی پشت کی دیوار میں مسجد نبوی میں آنے کے لئے ایک کھڑکی تھی جس سے وہ بوقت ضرورت مسجد نبوی میں آمد ورفت رکھتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں بحکم خداوندی ان تمام دروازوں کو بند کردینے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ ابو بکر کی کھڑکی کے علاوہ تمام دروازے بند کردیئے جائیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ مکان مسجد نبوی کے قریب تھا اور بابُ السّلام و باب الرحمۃ کے درمیان واقع تھا، تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ مکان حضرت ابو بکر نے چار ہزار درہم میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو فروخت فرما دیا تھا، اور اس کی قیمت کو مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت پر صرف کیا تھا، لیکن اس کے بعد بھی وہ مکان حضرت ابو بکر ہی کے نام سے مشہور رہا، اور اب وہاں مسجد نبوی کا ایک مستقل دروازہ باب ابو بکرؓ کے نام سے تعمیر کردیا گیا ہے اور اس کھڑکی کی جگہ "هٰذه خوخة ابی بکر" لکھ دیا گیا ہے۔

تشریح احادیث اس باب کے تحت امام بخاری نے دو روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت

حضرت ابوسعید خدری سے ہے اور دوسری حضرت ابن عباسؓ سے، دونوں روایتوں کا مضمون قریب قریب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ معلوم ہوا کہ یہ واقعہ آپ کے مرض الوفات میں پیش آیا تھا اور آپ سر پر پٹی باندھ کر تشریف لائے تھے۔ یہ واقعہ آپ کی وفات سے پانچ رات اور چار دن پہلے کا ہے، مسلم شریف میں حضرت جندبؓ سے منقول ہے سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول قبل ان یموت بخمس لیال، گویا آپ کی وفات سے چار دن پہلے جو جمعرات تھی اس کی صبح کو واقعہ قرطاس پیش آیا تھا کہ آپ کچھ تحریر لکھوانا چاہتے تھے، لیکن لوگوں کے باہمی اختلاف اور شور وشغب کی وجہ سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگ میرے پاس سے اٹھ جائیں، پیغمبر کے سامنے اختلاف اور شور درست نہیں ہے، چنانچہ تمام حضرات رخصت ہوگئے، اس کے بعد آپ نے آرام فرمایا اور ظہر کے وقت جب مرض کی شدت میں کمی محسوس فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ پانی کی سات مشکیں میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو اور میں لوگوں کو کچھ وصیت کرسکوں، حکم کی تعمیل کی گئی تو قدرے سکون ہوا، پھر آپ حضرت عباس اور حضرت علی کا سہارا لے کر مسجد نبوی میں آئے، ظہر کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ دیا۔ یہ گویا آپ کی زندگی کا آخری خطبہ ہے اور واقعۂ قرطاس صبح کو پیش آیا تھا اور اسی دن ظہر کے بعد آپ خطبہ دے رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اس خطبہ میں وہی مضمون ہوگا جو آپ تحریر فرمانا چاہتے تھے۔

آخری خطبہ کے چند مضامین سیر اور حدیث پاک کی کتابوں میں اس خطبہ کے مضامین موجود ہیں کہ آپ نے حسب عادت حمد وثنا سے خطبہ شروع کیا، پھر سب سے پہلے اصحاب احد کا ذکر فرمایا اور ان کے لئے دعاء مغفرت کی، پھر مہاجرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تمہاری تعداد زیادہ ہوگی اور انصار کی کم، یاد رکھو کہ انصار نے مجھے ٹھکانہ دیا ہے، ان میں جو محسن اور نکوکار ہیں انکے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا اور جو غلطی کرگذرے اس سے درگذر کرنا۔

اس کے بعد وہ بات بیان کی جو روایت باب میں ہے کہ اے لوگو! اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہ سکتا ہے اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں جو آخرت کی نعمتیں ہیں ان کو پسند کرسکتا ہے اور اس بندے نے اللہ کے یہاں کی نعمتوں کو پسند کرلیا ہے، گویا یہ پیغمبر علیہ السلام کو اللہ کا دیا ہوا اختیار تھا کہ وہ اگر چاہیں تو ایک عرصہ تک دنیا میں مزید قیام کرسکتے ہیں تاکہ اللہ کے وعدہ کو پورا ہوتا ہوا دیکھ لیں اور اس کے بعد آجائیں اور اگر اسی وقت آنا چاہیں تو اس کا بھی اختیار ہے۔

روایت میں آپ نے جس بندے کو اختیار دینے کا ذکر فرمایا اس کی تعیین نہیں کی بلکہ اس بات کو

مبہم رکھا لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ بات سنی تو سمجھ گئے کہ آپ اپنے بارے میں فرمارہے ہیں، اور اپنی وفات کی اطلاع دے رہے ہیں، دل پر چوٹ لگی اور بے اختیار رونے لگے، حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اللہ نے اگر کسی بندے کو اختیار دیا تھا اور اس نے آخرت کو اختیار کرلیا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے، یہ بزرگوار کیوں رو رہے ہیں؟ لیکن جب وفات ہوگئی تو حضرت ابوسعید خدری کی سمجھ میں آیا کہ "عَبدِ مخیّر" سے مراد آپ کی ذات اقدس تھی، اور صدیق اکبر ہم میں سب سے زیادہ علم والے ثابت ہوئے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کا یہ حال دیکھا تو آپ نے فرمایا "یا ابابکر لا تبك" ابوبکر! رونا بند کرو اور یہ کہ جان و مال اور مشکل اوقات میں صحبت و رفاقت کے لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ کی روایت میں یہ مضمون زیادہ واضح ہے کہ میرے اوپر جتنے لوگوں کے احسانات تھے میں ان کا بدلہ دے چکا ہوں علاوہ حضرت ابوبکر صدیق کے، اس لئے کہ ان کا احسان باقی ہے اور اس کا بدلہ قیامت کے دن پروردگار ہی عطا فرمائے گا، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل یعنی دل کی گہرائیوں سے اپنا دوست بناتا تو ابوبکر اس کے مستحق تھے، لیکن خلّت خاص پیغمبر علیہ السلام کے دل میں صرف اللہ کے لئے ہے اور جب خلّت کا معاملہ خداوند کریم سے ہے تو کسی دوسرے کی گنجائش نہیں لیکن دوسرا درجہ اخوت اسلامی اور مودّتِ اسلامی کا ہے اور اس میں صدیق اکبر سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ ان کے برابر نہ کسی کی مودّت ہے نہ اخوّت، ان الفاظ میں حضرت ابوبکر صدیق کی جو منقبت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ پوری امت میں ان کے درجہ کا کوئی نہیں ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے احسان کی قدرافزائی کے بعد آپ نے مسجد میں آنے کے لئے صحابہ کے گھروں سے جتنی کھڑکیاں یا دروازے کھلے ہوئے تھے ان سب کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ سب دروازے بند کردیئے جائیں اور صرف ایک حضرت ابوبکر کی کھڑکی کو کھلا رہنے دیا جائے، کیونکہ انھیں پیغمبر علیہ السلام کی جانشینی کے سبب مسجد میں آنے جانے کی ضرورت ہوگی اور اس خصوصیت میں دوسروں کی شرکت سے حقیقت حال واضح نہ ہوسکے گی، اس لئے ابوبکر کی کھڑکی کے علاوہ تمام دروازے بند کردیئے جائیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کا ثبوت | وفات سے چار یوم پہلے واقعہ قرطاس والے دن ظہر

کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے منفرد اوصاف وکمالات، اور خصوصی فضائل ومناقب کا بیان جن میں امت کا کوئی فرد شریک نہیں ہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر کی کھڑکی کے علاوہ مسجد نبوی کے تمام دروازوں کے بند کردینے کا حکم، حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے واضح اشارہ ہے پھر یہ کہ آپ نے انہی دنوں میں نماز کی امامت بھی حضرت ابوبکر ہی کے سپرد فرمائی، چنانچہ بعض علمار نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ لا یبقین فی المسجد باب الا سدّ میں باب خلافت سے کنایہ ہے اور سد کے معنی یہ ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر کے علاوہ تمام مسلمانوں کو خلافت کی طلب سے روکنا چاہتے ہیں، ابن حبان نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد یہ تشریح کی ہے۔

فی هذا الحدیث دلیل علی انه الخلیفة بعد النبی صلی الله علیه وسلم لانه حسم بقوله "سدوا عنی کل خوخة فی المسجد" اطماع الناس کلهم علی ان یکونوا خلفاء بعده (فتح الباری ج۷ ص۱۴)	یہ حدیث، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہکر" کہ مسجد میں سے ابوبکر کے علاوہ سب کھڑکیاں بند کردی جائیں" تمام لوگوں کی خلافت کی دلچسپی کو یکسر ختم فرمادیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ طبع سلیم رکھنے والوں کے لئے، اس روایت میں حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے استدلال بالکل واضح ہے۔

مسجد نبوی میں حضرت علی کے دروازے کا ذکر

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ مسجد میں دروازہ باقی رہنے کی یہ فضیلت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ آپ نے حضرت علی کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا ارشاد ہے:

سدوا ابواب المسجد غیر باب علی (مسند احمد ج۱ ص۳۳۱)	مسجد کے تمام دروازے، علی کے دروازے کے علاوہ بند کردیئے جائیں۔

بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد کے احکام میں سے ایک خصوصیت بھی منقول ہے کہ انھیں جنابت کی حالت میں مسجد سے گذرنے کی اجازت تھی، ارشاد ہے:

یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی هذا المسجد غیری وغیرک	اے علی! اس مسجد نبوی میں جنابت کی حالت میں میرے اور تمھارے علاوہ کسی کا

گذرنا جائز نہیں۔ (ترمذی شریف ص۲۱۴ ج۲)

حضرت علی کے لئے بحالت جنابت مسجد نبوی سے گذر کر جانے کی اباحت اسی مجبوری کی بنیاد پر تھی کہ اُن کے گھر کا دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا۔ ترمذی شریف میں بھی حضرت علی کے دروازے کے علاوہ تمام دروازوں کو بند کردینے کی روایت ہے: امر بسد الا بواب الا باب علی، (ترمذی ص۲۱۴، ج ۲) لیکن ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ روافض نے حضرت ابوبکر کی فضیلت میں آنے والی روایت سے معارضہ کے لئے اس کو وضع کیا ہے، لیکن اس معاملہ میں ابن جوزی کا تشدد اہل علم کے درمیان مشہور ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر نے اس روایت پر کلام کرتے ہوئے بتلایا ہے کہ حضرت علی کی منقبت میں وارد روایت متعدد طرق سے ثابت ہے، اور ان سندوں میں کچھ سندیں درجہ حسن کی بھی ہیں اس لئے اس کو موضوع قرار دینا درست نہیں، رہا روایت کا تعارض تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک وقت کی بات نہیں ہے۔ دو بار الگ الگ اوقات میں دروازے بند کرنے کے واقعات پیش آئے ہیں، حضرت علی کے دروازے کا کھلا رہنا بہت پہلے کی بات ہے اور اس کا سبب یہی تھا کہ ان کے گھر کا دروازہ ہی ایک تھا، اور وہ مسجد میں کھلتا تھا، اور اسی مجبوری کے سبب جب پہلی بار دروازے بند کرائے گئے تو حضرت علی کا دروازہ کھلا رہا، اور بقیہ دروازے بند کر دیئے گئے لیکن مسجد نبوی میں آنے وقت فاصلہ کم کرنے کے لئے کھڑکیاں باقی رکھی گئیں، لیکن جب وفات سے چند یوم پہلے آپ تشریف لائے تو ان تمام کھڑکیوں کو بھی بند کر دیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر کی کھڑکی کھول دی گئی تاکہ نماز پڑھانے کی جو خدمت انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انجام دینی ہے اس میں سہولت رہے اور حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے واضح ہدایت ہو جائے۔ علامہ ابن حجرؒ نے دونوں روایات کے درمیان تطبیق کے اس مضمون کو ابوبکر کلاباذی اور امام طحاوی کی طرف منسوب کرکے بیان فرمایا ہے: (فتح الباری مختصر ص۱۶، ج ۸)

بَابُ الْاَبْوَابِ وَالْغَلَقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللهِ وَقَالَ لِيْ عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قَالَ لِيْ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ لَوْرَاَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَبْوَابَهَا حدثنا اَبُوالنُّعْمَانِ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا نَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ وَاُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ ثُمَّ اَغْلَقَ الْبَابَ فَلَبِثَ فِيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجُوْا قَالَ ابْنُ

عُمَرَ فَبَدَرْتُ فَسَأَلْتُ بِلَالًا فَقَالَ صَلّٰى فِيْهِ فَقُلْتُ فِيْ اَيٍّ فَقَالَ بَيْنَ الْاُسْطُوَانَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَذَهَبَ عَلَيَّ اَنْ اَسْأَلَهٗ كَمْ صَلّٰى ۔

ترجمہ، باب، خانۂ کعبہ اور مسجدوں میں دروازے بنانا اور انکو بند کرنے کا بیان، ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اے عبدالملک (یہ ابن جریج کا نام ہے) اگر تم ابن عباس کی تعمیر کردہ مسجدوں اور ان کے دروازوں کو دیکھتے (تو تعجب کرتے) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے عثمان بن ابی طلحہ کو بلایا اور انھوں نے بیت اللہ کا دروازہ کھولا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن ابی طلحہ خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوگئے، پھر آپ نے دروازہ بند کرلیا، اور وہاں اندر کچھ دیر رہے، پھر سب باہر آگئے، حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ (میں یہ خبر سنکر) تیزی کے ساتھ حاضر ہوا اور حضرت بلال سے پوچھا (کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر کیا کیا) تو حضرت بلال نے بتلایا کہ آپ نے اندر نماز پڑھی، پھر میں نے پوچھا کس طرف؟ تو انھوں نے بتلایا کہ دو ستونوں کے درمیان۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں یہ بات پوچھنا بھول گیا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ خانۂ کعبہ، مسجد حرام اور دوسری مسجدوں میں دروازے لگانا اور بوقت ضرورت انتظامی مصلحت سے ان کا بند کرنا جائز ہے، اس مسئلہ کو مدلل کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسجد خانۂ خدا ہے اور عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے، اس لئے اس میں دروازہ لگانے اور اس کو بند کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ان اوقات میں نمازیوں کو نماز سے روک دیا گیا، جبکہ قرآن پاک اور حدیث شریف میں مسجدوں کو آباد رکھنے، اور ان میں کسی کے داخلے کو روکنے کی ممانعت آئی ہے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللّٰہ	اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں
ان یذکر فیھا اسمہ	میں اس بات سے منع کرے کہ وہاں اللہ
(البقرہ آیت ۱۱۴)	کا نام لیا جائے۔

یہی مضمون قرآن کریم کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی (سورۃ العلق آیت ۹) کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو اللہ کے ایک بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، ان آیات کا ظاہر یہ ہے کہ ذکر خداوندی اور نماز کے لئے مسجدوں کو ہر وقت کھلا رکھا جائے۔

حدیث پاک میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ آپ نے بنی عبد مناف کو خطاب کرکے فرمایا کہ بیت اللہ

کے طواف اور وہاں نماز وغیرہ کے لئے کسی وقت ممانعت نہ کی جائے ، خاندانِ عبد مناف کے مکانات بیت اللہ کے چاروں طرف تھے ۔ اور ان کے درمیان سے گذر کر ہی بیت اللہ میں پہنچنا ممکن تھا وہ اگر اپنا راستہ بند کر دیتے تو بیت اللہ کا راستہ بھی بند ہو جاتا تھا ، آپ نے ان سے خطاب کرکے فرمایا ، حضرت جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں :

یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا	اے بنی عبد مناف ! تم کسی ایسے شخص کو منع نہ کرو
طاف بھذا البیت صلے ایۃ ساعۃ	جو اس بیت اللہ کا طواف کرنا چاہے ، وہ دن
شاء من لیل او نہار	اور رات کی کسی بھی ساعت میں نماز پڑھے ۔

(ترمذی ص۱۰۶ ج۱ ابوداؤد ص۲۶ ج۱)

ان آیات اور روایات کا تقاضہ یہ ہے کہ مسجدوں کو ہمہ وقت کھلا رہنا چاہئے ، اور انتظام کی مصلحت یہ تقاضا کرتی ہے کہ نمازوں کے علاوہ دیگر اوقات میں انھیں بند کیا جائے ورنہ نہ مسجد کا سامان محفوظ رہے گا اور نہ اس کا احترام باقی رہے گا کہ کھلے دروازے میں انسان اور غیر انسان سب داخل ہو سکیں گے ۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب سے ثابت فرمایا کہ مسجدوں میں دروازہ لگانا اور ان کا نمازوں کے علاوہ دیگر اوقات میں بند کرنا دونوں جائز ہیں ۔

تشریح حدیث ترجمہ کے ثبوت میں امام بخاری نے دو چیزیں پیش کی ہیں ، پہلی بات تو حضرت ابن عباس کا عمل ہے ابن ابی ملیکہ نے ابن جریج سے کہا کہ اگر تم ابن عباس کی بنوائی ہوئی مسجدیں اور ان کے دروازوں کو دیکھتے ، (جزا محذوف ہے) تو تمھیں ان کی خوبصورتی ، اور پختگی وغیرہ پر حیرت ہوتی ۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں یہ بات کہی جارہی ہے اس وقت انکی حالت میں خستگی اور شکستگی پیدا ہو گئی تھی ۔ بہرحال یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ ابن عباس نے جو مسجدیں بنوائی تھیں ، ان میں دروازے تھے اور جب دروازے تھے تو ضرورت کے وقت انکو بند بھی کیا جاتا ہوگا ۔

دوسرا ثبوت امام بخاری نے ایک روایت کے ذریعہ پیش کیا ، کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپ نے کلید بردار خانہ کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا ، ان سے چابی طلب فرمائی اور خانۂ کعبہ کو کھول کر اندر داخل ہوئے ، اور وہاں نماز پڑھی ۔

روایت کا ایک حصہ باب قول اللہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی کے تحت ایضاح البخاری جزء ۱۴ میں گذر چکا ہے ، یہاں امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ بیت اللہ

کے اندر تشریف لے گئے تو ہجوم کے خیال سے دروازہ بند کرلیا ۔ بخاری کے ترجمہ کے دونوں جز ثابت ہو گئے کہ خانہ کعبہ میں دروازہ بھی تھا اور اس کو ضرورت کے سبب بند بھی کیا گیا ۔

خانۂ کعبہ کی کلید برداری کا ذکر ایام جاہلیت میں قریش کے دس خاندانوں میں عزت و شرافت کے کام تقسیم تھے ، جن میں بنو ہاشم سے سقایۃ الحاج یعنی بیت اللہ آنے والوں کو پانی پلانے کی خدمت متعلق تھی اور بنو عبدالدار کے پاس خانۂ کعبہ کی کلید برداری اور دربانی کا کام تھا ۔ حضرت عثمان بن طلحہ ، انہی عبدالدار کی اولاد میں سے تھے پورا نام ہے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ بن عثمان بن عبدالدار الحجبی ، جب فتح مکہ کے موقع پر آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا ۔ حضرت عثمان صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کرچکے تھے ، آپ نے حضرت عثمان سے خانۂ کعبہ کی چابی طلب کی انھوں نے پیش کردی ۔ آپ نے بیت اللہ کو کھولا ، دیکھا تو اس میں تصویریں تھیں ، آپ نے ان سب کو مٹا دینے کا حکم دیا ، اور آب زمزم سے دھونے کی ہدایت کی ، جب یہ کام مکمل ہوگیا تو آپ اندر داخل ہوئے ، پھر باب کعبہ پر آکر خطبہ دیا ، خطبہ دیتے وقت کلید آپ کے ہاتھ میں تھی ، خطبہ سے فارغ ہوکر آپ مسجد میں بیٹھ گئے ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ چابی ہمیں مرحمت فرمائی جائے تاکہ سقایہ زمزم کے ساتھ کلید برداری کا شرف بھی حاصل ہو جائے ۔ لیکن آیت پاک نازل ہوئی :

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا (سورۃ النساء آیت ۵۸)	اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تمام امانتیں انکے اہل کو ادا کی جائیں ۔

چنانچہ آپ نے حضرت علی کو چابی عنایت نہیں کی ، بلکہ حضرت عثمان بن طلحہ کو بلایا اور فرمایا :

یا آل ابی طلحۃ خالدۃ تالدۃ لا ینزعھا منکم الا ظالم ۔ (عمدۃ القاری ص۲۴۳ ج۴)	اے آل ابی طلحہ ! ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ چابی لے لو ۔ تم سے ظالم اور غاصب کے علاوہ کوئی نہیں چھین سکے گا ۔

چنانچہ یہ چابی آج تک اسی خاندان میں چلی آتی ہے ۔

بَابُ دُخُولِ الْمُشْرِكِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ ۔

ترجمہ، باب، مسجد میں مشرک کے داخل ہونے کا بیان حضرت سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سواروں کا ایک ایک دستہ نجد کی جانب روانہ کیا، وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جن کا نام ثمامہ بن اثال تھا گرفتار کر کے لائے اور انھیں مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔

مقصد ترجمہ امام بخاری کا یہ ترجمۃ الباب احناف کے مسلک کے عین مطابق ہے، وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں مشرکین کا داخل ہونا جائز اور درست ہے، مسجدوں میں مشرکین کے داخل ہونے کا مسئلہ ائمہ کے درمیان اختلافی ہے، امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین کا کسی مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ شوافع کہتے ہیں کہ مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد میں داخل ہونا جائز ہے، امام احمد بھی مسجد حرام میں داخلہ کو ناجائز کہتے ہیں، بقیہ مسجدوں کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں ایک روایت عدم جواز کی ہے، اور دوسری روایت میں امام اور امیر کی اجازت کے بعد داخل ہونے کی اجازت ہے، حنفیہ نے تمام مسجدوں میں مشرکین کے داخل ہونے کو جائز قرار دیا ہے البتہ امام محمد کی رائے سیر کبیر میں اس کے مطابق نہیں ہے۔ شامی نے بھی امام محمد کا اختلاف نقل کیا ہے اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔

امام شافعی کا مستدل ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (سورہ توبہ آیت ۲۸) کہ مشرکین بالکل ناپاک ہیں اس لئے سال رواں (۹ھ) کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں، اس لئے مسجد حرام میں داخلہ تو نص قرآن سے ممنوع ہوا، بقیہ مسجدوں میں اجازت ہے، امام مالک نے اسی آیت کے پہلے حصے یعنی اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ سے تمام مسجدوں میں داخلہ کو ممنوع فرمادیا کہ جب مشرکین قطعاً ناپاک ہیں تو ان آلودۂ نجاست انسانوں کو داخلہ کی اجازت دے کر مسجد کے تقدس اور اس کی حرمت کو پامال کرنا جائز نہیں۔

لیکن حنفیہ نے مطلقاً ہر مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ میں نجاست سے مراد ظاہری نجاست نہیں بلکہ اعتقاد کی خرابیاں اور خبثِ باطن مراد ہے اور آیت میں آگے جو سال رواں کے بعد مسجد کے قریب آنے کی ممانعت مذکور ہے اس میں سال رواں سے مراد تو ۹ھ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا اور یہ اعلان کرایا تھا کہ اگلے سال یعنی ۱۰ھ سے مشرکین کے مسجد حرام میں داخلہ پر

پابندی لگادی گئی ہے، گویا ۹ھ کے ایام حج سے ۱۰ھ کے ایام حج کے درمیان ان کے داخلہ کی اجازت ہے، یہیں سے فقہاء احناف نے یہ سمجھا ہے کہ مطلقاً حدود حرم میں داخلہ پر پابندی مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ اب مشرکین بیت اللہ کا طواف یا حج وغیرہ کے ارادے سے نہیں آسکیں گے، اسی لئے حضرت ابوبکر نے جو اعلان فرمایا وہ بھی یہی تھا کہ ان لا یحج بعد العام مشرک یعنی سال رواں کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع فرمایا تو کوئی مشرک شریک نہیں تھا، گویا آیت کی مراد حج اور طواف سے روکنا ہے مسجد میں داخلہ کی ممانعت نہیں۔ حنفیہ کے مسلک پر استدلال کرتے ہوئے ابوبکر جصاص المتوفی ۳۷۰ھ نے احکام القرآن ج۳ ص۸۸ میں حضرت عثمان بن ابی العاص کی ایک روایت بھی پیش کی ہے کہ بنو ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کے لئے مسجد میں قبہ لگوادیا، صحابہ نے عرض کیا کہ (قوم انجاس) یہ ناپاک لوگ ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

انه لیس علی الارض من انجاس	بے شک انسانوں کی باطنی نجاست کا زمین
الناس شئ انما انجاس الناس	پر (خارج) میں کوئی اثر نہیں ہوتا، انکی
علی انفسهم (احکام القرآن ج۳ ص۸۸)	نجاست سے تو ان کے نفوس متاثر ہوتے ہیں

مراد یہی تھی کہ انسانوں کے نجس قرار دینے کے معنی یہی ہیں کہ ان کی نجاست معنوی ہے حسی نہیں۔ اور یہی بات حضرات احناف نے سمجھی ہے۔

تشریح حدیث روایت چند صفحات پہلے گذر چکی ہے، مشرک کے مسجد میں داخل ہونے کا جواز اس سے ثابت ہے کہ حضرت ثمامہ بن اثال کو بحالت شرک مسجد میں ستون سے باندھ دیا گیا، یہ مسجد میں مشرک کو داخل کرنا ہوا جس سے داخل ہونے کا جواز خود بخود معلوم ہوگیا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب تین دن تک مشرک مسجد میں محبوس رہا تو اس کا وہاں قیام ثابت ہوا جس سے دخول کا جواز درجہ اولیٰ میں سمجھا گیا۔ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت ثمامہ اسی موقع پر مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ نَجِيحٍ الْمَدِينِيُّ قَالَ نَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ قَالَ نَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتُمَا

أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ نَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادٰى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ يَا كَعْبُ فَقَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ فَاقْضِهِ

ترجمہ، باب ، مسجد میں آواز بلند کرنے کا بیان حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا کہ کسی نے میرے ایک کنکری ماری ، میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ حضرت عمرؓ بن الخطاب تھے ، پھر انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور ان دونوں آدمیوں کو بلا کر لاؤ ، چنانچہ میں ان دونوں کو بلا کر لایا ، حضرت عمر نے ان سے پوچھا کہ تم کس قبیلہ کے ہو ، یا کس جگہ کے رہنے والے ہو ، ان دونوں نے بتلایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں ، حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم شہر مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیتا ، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازوں کو اتنا بلند کر رہے ہو (کہ شور وغل ہو گیا) حضرت کعبؓ بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں ، ابن ابی حدرد پر اپنے قرض کی ادائگی کا تقاضا کیا جو عہد رسالت میں ان کے ذمہ تھا اور اس سلسلہ میں ان دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آوازوں کو اپنے حجرے میں سنا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمرہ کا پردہ اٹھا دیا اور باہر تشریف لائے اور کعب بن مالک کو آواز دی اے کعب ! حضرت کعب نے جواب میں عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں ، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنے قرض میں سے آدھا چھوڑ دو ، حضرت کعبؓ نے کہا یا رسول اللہ ! میں نے حکم کی تعمیل کی ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ جاؤ اور ان کا قرض ادا کر دو۔

مقصدِ ترجمہ مقصد ترجمہ کی وضاحت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ مسجد میں آواز بلند کرنے کی کراہت بیان کرنا چاہتے کہ یہ عمل اہل تقوی کے شایانِ شان نہیں ہے ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں آواز بلند کرنے کی ہر حال میں ممانعت فرمائی ہے

مذاکرۂ علمی کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور دوسرے حضرات نے مذاکرۂ علم اور دوسری دینی ودنیوی ضروریات جیسے عقد نکاح وغیرہ کے لئے شور وغوغا نہ ہونے کی حد تک اجازت دی ہے۔

امام بخاری کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں بھی تفصیل وتجزیہ کی طرف مائل ہیں کیونکہ انھوں نے باب کے تحت دو روایتیں دی ہیں اور دونوں سے دو متضاد باتیں سمجھ میں آتی ہیں، پہلی روایت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر نے آواز بلند کرنے پر سخت تنبیہ کی۔ اور دوسری روایت سے اباحت معلوم ہوتی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز بلند کرنے والوں کو اس بات پر تنبیہ نہیں کی، بلکہ جلد از جلد معاملہ کا تصفیہ کرکے بات کو ختم کردیا، اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ تفصیل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی دینی یا دنیوی ضرورت سے آواز بلند ہوگئی ہو لیکن شور وغل تک نوبت نہ پہنچی ہو تو اس کی اجازت ہے جیسا کہ دوسری روایت سے معلوم ہوا، اور اگر شور وغوغا اور چیخ پکار کی صورت ہوجائے تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جیسا کہ پہلی روایت سے معلوم ہوا۔

علامہ سندھی کا ارشاد علامہ سندی کا بھی یہی ارشاد ہے، فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے امام بخاری نے دونوں روایتیں ذکر کرکے تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہو کہ اگر آواز کا بلند کرنا بلا ضرورت ہے تو جائز نہیں اور ضرورت کے تحت ہے تو جائز ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ضرورت ہو یا نہ ہو ہر حال میں ممانعت کی طرف اشارہ ہو کیونکہ جس روایت میں آواز بلند کرنے پر رسول اللہ کی جانب سے انکار نہ کرنے کی بات معلوم ہورہی ہے اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے فوراً مسئلہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور وہ جھگڑا ختم فرمادیا جس کے سبب مسجد میں آوازیں بلند ہورہی تھیں اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنے عمل کے ذریعہ یعنی مسئلہ کو ختم کرنے کے لئے فوری مداخلت فرماکر مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت واضح فرمادی۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علامہ سندی کا بیان کردہ پہلا احتمال زیادہ راجح ہے کہ امام بخاری تفصیل کرنا چاہتے ہیں، اور اس میں امام بخاری رحمہ اللہ کے ذوق کی رعایت بھی ہے کہ وہ دونوں روایات جمع کرکے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد میں آواز بلند کرنے کی ضرورت ہو اور اعتدال قائم رہے تو اس کی اجازت ہے، اور ضرورت نہ ہو یا آواز حدّ اعتدال سے اونچی ہوجائے اور شور وغوغا کی صورت پیدا ہوجائے تو اس کی اجازت نہیں۔

پہلی حدیث کی تشریح پہلی روایت میں مذکور ہے کہ سائب بن یزید مسجد میں کھڑے تھے

کہ کسی نے ان پر ایک کنکر پھینکی، مڑکر دیکھا تو حضرت عمر تھے، حضرت عمر نے کنکر پھینک کر اس لئے متوجہ کیا کہ حضرت سائب فاصلہ پر تھے اگر آواز دیتے تو بلند آواز سے پکارنا ضروری ہوتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی وجہ سے درست نہیں تھا اس لئے کنکر پھینک کر متوجہ کیا پھر فرمایا کہ ان دونوں کو بلا کر لاؤ، دونوں لائے گئے، تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں کے رہنے والے ہو؟ انھوں نے بتلایا کہ ہم باہر یعنی طائف کے رہنے والے ہیں، یہ سن کر حضرت عمر نے کہا جاؤ تم کو اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ باہر کے ہو اور مسئلہ سے واقف نہیں ہو، اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو سزا دیتا۔ بعض روایات میں ہے لاوجعتکما جلدا یعنی کوڑے لگانے کی سزا دیتا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بے باکی کے ساتھ اور بے ضرورت شور و غل کر رہے ہو۔

مزار اقدس کے احترام میں صحابہ کا عمل حضرت عمر کا ارشاد ترفعان اصواتکما الخ احترام مسجد کے ساتھ قرآن کریم کی آیت لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض (الحجرات) سے بھی ماخوذ ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر علیہ السلام کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ انکے سامنے اس طرح زور سے بولو جیسے آپس میں بولتے ہو، پیغمبر علیہ السلام کی زندگی میں بھی یہی حکم تھا اور وفات کے بعد بھی یہی حکم ہے کیونکہ آپ قبر شریف میں بھی حیات سے متصف ہیں، حضرت عمر کی رائے تو روایاتِ باب سے معلوم ہوگئی کہ وہ وفات کے بعد بھی قبر شریف کے قریب بلند آواز سے بولنے پر تنبیہ فرما رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ وہ مسجد نبوی میں بلند آواز سے بولنے پر نکیر فرماتے اور کہتے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں اذیت پہنچائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے دروازے کے لئے کواڑ بنوائے تو حکم دیا کہ انھیں اتنی دور بیٹھ کر بنایا جائے کہ ان کی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں تکلیف نہ ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ اگر حجرۂ اطہر کے قریب کسی دیوار میں کیل ٹھوکنے کی آواز آتی تو فوراً کسی قاصد کو بھیج کر منع کرادیتی تھیں لا تؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف مت پہنچاؤ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ تمام اقوال و افعال تقی الدین سبکی کی شفاء السقام میں موجود ہیں۔ حیات انبیاء کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کسی اور موقع پر کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

دوسری روایت کی تشریح پہلی روایت سے مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی، اور دوسری روایت سے گنجائش معلوم ہوئی، روایت چند صفحات

پہلے گذرچکی ہے۔

زیر بحث مسئلہ سے اتنی بات متعلق ہے کہ قرض کے تقاضے میں جھگڑے کی نوبت آئی اور فریقین کی آواز اتنی بلند ہوگئی کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو باہر تشریف لاکر فیصلہ کرنا پڑا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ آواز اتنی بلند کیوں ہوئی ؟ بلکہ خوش اسلوبی سے جھگڑا نمٹانے کی صورت تجویز فرمادی جس کی بنیاد صلح اور رواداری پرتھی ، اگر شور قابل اعتراض اور قابل ممانعت تھا تو یہ تنبیہ کا موقع تھا ، تنبیہ نہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ایک حد تک اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الْحِلَقِ وَالْجُلُوْسِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ نَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ مَا تَرٰى فِي صَلٰوةِ اللَّيْلِ قَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى وَاحِدَةً فَاَوْتَرَتْ لَهٗ مَا صَلّٰى وَاِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِهٖ حدثنا اَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ كَيْفَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ فَقَالَ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيْتَ الصُّبْحَ فَاَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ تُوْتِرُهٗ لَكَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ وَقَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُمْ اَنَّ رَجُلًا نَادَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَنَا مَالِكٌ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَخْبَرَهٗ عَنْ اَبِيْ وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاَقْبَلَ نَفَرٌ ثَلٰثَةٌ فَاَقْبَلَ اِثْنَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَرَاٰى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلٰثَةِ اَمَّا اَحَدُهُمْ فَاَوٰى اِلَى اللّٰهِ فَاٰوَاهُ اللّٰهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاسْتَحْيٰى فَاسْتَحْيَى اللّٰهُ مِنْهُ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَاَعْرَضَ فَاَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

ترجمہ، باب ، مسجد میں حلقے بنانے اور بیٹھنے کا بیان حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور آپ اس وقت منبر پر بیٹھے تھے کہ آپ رات کی نماز یعنی تہجد کی نماز کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا دو دو رکعت پڑھو، پھر جب

تم میں سے کوئی آدمی صبح کے طلوع ہونے کا خطرہ محسوس کرے تو ایک رکعت پڑھ لے وہ اس کی پوری نماز کو طاق عدد میں تبدیل کردے گی اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ رات کے وقت اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے اس شخص نے عرض کیا کہ رات کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا دو دو رکعت، پھر جب تمھیں طلوع صبح کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت ملا کر وتر (طاق) پڑھ لو، وہ تمھاری پڑھی ہوئی پوری نماز کو طاق عدد میں تبدیل کردے گی۔ ولید بن کثیر اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے یہ بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پکارا جب مسجد میں آپ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اس وقت تین آدمی آئے، ان میں سے دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد میں آگئے اور ایک چلا گیا، ان دو آنے والوں میں سے ایک نے حلقہ میں کچھ خالی جگہ دیکھی اور اس جگہ بیٹھ گیا اور دوسرا تمام لوگوں کے پیچھے جا بیٹھا اور رہا تیسرا تو وہ پہلے ہی مڑکر چلا گیا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فارغ ہوگئے تو فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو ان تینوں آدمیوں کے بارے میں نہ بتلاؤں، رہا ان میں سے ایک، تو اس نے اللہ کے قریب جگہ تلاش کی تو اللہ نے اس کو جگہ مرحمت فرمادی اور رہا دوسرا انسان تو وہ اللہ سے شرما گیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے شرم کی، رہا تیسرا تو اس نے منھ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے منھ پھیر لیا۔

مقصدِ ترجمہ ترجمہ میں دو لفظ ہیں ایک حلق اور ایک جلوس، یعنی حلقہ بنانا اور بیٹھنا یہ دونوں باتیں الگ الگ بھی ہوسکتی ہیں کہ امام بخاری اس ترجمہ میں ان دونوں باتوں کا الگ الگ جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں، اور اس صورت میں کہا جائے گا کہ پہلی دو روایتوں سے مسجد میں بیٹھنے کا جواز ثابت ہے جس میں آپ کے خطبہ دینے کا ذکر ہے اور صحابۂ کرام کا بیٹھ کر سننا ثابت ہے اور تیسری روایت میں دوسرے جز یعنی حلقہ کا ذکر ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ نہ ہوں بلکہ یہ ایک ہی مضمون ہو اور بخاری حلقہ بنا کر بیٹھنے کا جواز بیان کرنا چاہتے ہوں کیونکہ بعض روایات میں حلقہ بنا کر بیٹھنے سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ مسلم شریف کی کتاب الصلوۃ اور ابوداؤد کی کتاب الادب میں حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے:

قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد وھو حلق فقال	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ اس وقت حلقوں میں بیٹھے

مالی اراکم عزین۔ | تھے، تو آپ نے فرمایا، کیا بات ہے میں تمہیں الگ الگ ٹکڑوں میں دیکھ رہا ہوں۔ (مسلم، و ابو داؤد ص۳، ج۲)

اس روایت میں تو محض ناگواری کا اظہار ہے کہ مختلف حصوں میں حلقہ بنا کر بیٹھنا آپ کو پسند نہیں، آیا لیکن باقاعدہ ممانعت فرمانا بھی بعض روایات میں آیا ہے:

نہی عن التحلق قبل الصلوۃ یوم الجمعۃ (ابوداؤد ص۱۵۴، ج۱) | آپ نے جمعہ کے دن، نماز سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے ممانعت فرمائی۔

حلقہ بنا کر بیٹھنے کی ممانعت پر مشتمل روایات کی وجہ سے امام بخاری کو ترجمۃ الباب میں یہ وضاحت کرنا پڑی اور یہ ثابت کیا کہ روایات ہی سے حلقہ بنا کر بیٹھنے کا جواز ثابت ہے، اور جن روایات میں ممانعت آئی ہے وہ یا تو جمعہ کے دن کے ساتھ خاص ہیں، کیونکہ جمعہ کے دن بڑا اجتماع ہوتا ہے، اگر لوگ حلقے بنا بنا کر الگ الگ بیٹھیں گے تو آنے والوں کو بھی پریشانی ہوگی اور صف بندی میں بھی دشواری ہوگی اس لئے جمعہ کے دن احتیاط کی جائے، بقیہ دنوں اور اوقات میں یہ دشواریاں نہیں ہیں اس لئے اجازت ہے، یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جن روایات میں ممانعت آئی ہے وہ بے ضرورت اور بلا فائدہ حلقہ کی صورت میں بیٹھنے کے بارے میں ہے، لیکن حلقہ بنا کر بیٹھنے میں اگر کوئی مصلحت ہو جیسے تعلیم کے لئے دائرہ کی صورت میں بیٹھنا، یا خطیب کا خطبہ دینا اور سامعین کا صف بندی کے بجائے اس کے سامنے دائرہ کی صورت میں بیٹھنا تو اس کی اجازت ہے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حلقہ سے مراد کوئی اصطلاحی حلقہ نہیں، بلکہ دائرہ کی صورت میں بیٹھنا ہے۔

امام بخاری کا یہ مدعا اس طرح ثابت ہوگا کہ تیسری روایت میں تو حلقہ کا ذکر موجود ہی ہے، لیکن پہلی اور دوسری روایت سے بھی یہ مضمون اس طرح ثابت ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اور صحابۂ کرام آپ کے ارشادات کو سننے کے لئے آپ کے چاروں طرف یا سامنے کی سمت میں دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

تشریح حدیث اول ودوم اس باب کے تحت امام بخاری نے تین روایات ذکر کی ہیں، پہلی اور دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے دونوں روایتوں کا مضمون بھی تقریباً ایک ہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں خطبہ دے رہے تھے اور صحابۂ کرام خطبہ کی طرف متوجہ تھے، کہ ایک شخص آیا اور اس نے کچھ پوچھا۔

امام بخاری کا ترجمۃ الباب اسی سے ثابت ہوگیا کہ صحابۂ کرام مجلس میں بیٹھے تھے، نیز یہ کہ جب

آپ خطبہ دے رہے تھے تو ظاہر ہے کہ صحابہ کرام ہر طرف سے آپ کی جانب رُخ کئے ہوئے ہونگے یعنی یہ ایک قسم کا حلقہ اور دائرہ ہوگیا، گویا بیٹھنے کا ثبوت تو صراحت کے ساتھ ہے اور حلقہ بنا کر بیٹھنے کا مضمون دلالۃً نکلتا ہے واللہ اعلم۔

رات کی نماز میں دو دو رکعت کا مسئلہ | ترجمۃ الباب سے تو صرف وہی مضمون متعلق تھا جو بیان کر دیا گیا، لیکن آنے والے نے جو باتیں معلوم کیں ان میں دو مسئلے ہیں، ایک نوافل کے دو دو رکعت پڑھنے کا مسئلہ ہے اور دوسرے وتر کی ایک رکعت ہونے کا؛ ان مسائل پر خود امام بخاری ابواب منعقد کریں گے۔ نوافل کا مسئلہ کتاب التہجد میں آئے گا اور وتر کا بیان ابواب الوتر میں کیا جائے گا، لیکن اتنی وضاحت یہاں بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ آنے والے نے رات کی نماز کے یعنی تہجد کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے فرمایا مثنی مثنی یعنی دو دو جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ آپ نے پوچھنے والے کو دو دو رکعت پڑھنے کی ہدایت کی۔

دن اور رات کی نفلوں میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے، یا چار چار، تو اس سلسلہ میں امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ دو، دو رکعت پڑھنا افضل ہے، امام اعظم کے نزدیک ایک نیت اور سلام سے چار رکعت پڑھنا افضل ہے، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک دن کی نوافل میں ایک تسلیمہ کے ساتھ چار رکعت اور رات میں دو رکعت پڑھنا افضل ہے، رہا دو رکعت کی نیت باندھنا تو وہ بھی صحیح ہے اور روایات سے ثابت ہے جیسا کہ زیر بحث باب میں مذکور روایت مثنی مثنی ہے متعدد علماء احناف نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ مثنی مثنی میں جہاں یہ احتمال ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیا جائے، وہیں یہ بھی احتمال ہے کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھ کر دوسرے شفعہ کے لئے کھڑا ہو جائے لیکن یہ تو احتمال ہوا، امام صاحب کا اصل مستدل حضرت عائشہ رض کی وہ روایت ہے جس میں رات کی نوافل میں چار چار رکعت کی صراحت ہے، بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلثا (بخاری ص ۱۵۴، ج ۱)	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے تھے، اور تم ان کے طول اور حسن کے بارے میں نہ پوچھو کہ وہ کیسا تھا، پھر چار رکعت پڑھتے تھے اور تم ان کے حسن اور طول کے بارے میں نہ پوچھو، پھر تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

اس روایت کے بارے میں بعض حضرات یہ کہتے کہ حضرت عائشہ ہی سے رات کی نوافل میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے کی وضاحت موجود ہے مگر ہمیں یہ کلف معلوم ہوتا ہے ایک سلام سے دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے اور دوسری جگہ جب حضرت عائشہ خود بیان فرما رہی ہیں کہ چار رکعت پڑھتے تھے، اور ان کا طول اور حسن ناقابل بیان ہے، تو ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ آپ نے ایک سلام سے چار رکعت بھی پڑھی ہیں اور امام اعظم فرماتے ہیں کہ چار ہی پڑھنا افضل ہے کہ روایت سے ثابت ہونے کے ساتھ، اس میں مشقت بھی زائد ہے اور اجرکم علی قدر نصبکم یعنی ثواب بقدر مشقت ایک قاعدۂ کلیہ ہے۔

وتر کی ایک رکعت کا مسئلہ روایات زیر بحث میں یہ بھی آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل کے دو دو رکعت پڑھنے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جب فجر کے طلوع کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کر رات کی پوری نماز کو طاق عدد میں تبدیل کر دینا، جہاں تک وتر کی رکعتوں کی تعداد میں ائمہ کے مسلک کا تعلق ہے تو امام اعظم کے یہاں ان کی تعداد تین رکعت متعین ہے ایک رکعت کا وتر مستقل سلام کے ساتھ جائز نہیں، امام مالک کے یہاں ایک رکعت پڑھنا جائز ہے مگر تین رکعت پڑھنا موکد ہے۔ موطا امام مالک میں ایک رکعت کے وتر کی روایت کے بعد امام مالک نے فرمایا ہے:

ولیس علی ھذا العمل عندنا ولکن	اس (یعنی وتر کی ایک رکعت) پر ہمارے یہاں
ادنی الوتر ثلاث (موطا امام مالک)	عمل نہیں ہے، وتر کی کم سے کم رکعتیں تین ہیں۔

امام احمد بن حنبل سے دو روایتیں ہیں ایک روایت شوافع کے مطابق اور ایک احناف کے، البتہ امام شافعی ؒ کے یہاں وتر کی صرف ایک رکعت کے جواز پر زور دیا گیا ہے اور تین رکعت یا اس سے زیادہ رکعتیں طاق عدد کے مطابق پڑھنا بھی جائز ہے۔

روایت باب سے بظاہر ایک رکعت کا جواز معلوم ہوتا ہے لیکن چند سطر پہلے جو بخاری کے حوالے سے حضرت عائشہ رض کی روایت ذکر کی گئی ہے ثم یصلی ثلاثا نیز دسیوں صحابہ کرام سے یہ بات منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعت پڑھتے تھے جس میں سلام آخر میں ہوتا تھا، اور بعض حضرات نے تو اجماع کا دعوی کر دیا ہے کہ ایک سلام سے وتر کی تین رکعتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے، امام بخاری بھی ابواب وتر میں تین رکعت کی روایت ذکر کریں گے، اس لئے روایت باب فاذا خشیت الصبح فاوتر بواحدۃ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ جب طلوع فجر کا اندیشہ ہو تو آخر شفعہ میں تشہد پر بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ جاؤ اور تیسری رکعت اس شفعہ میں ملا کر تین رکعت کا وتر پڑھ لو گویا امام شافعیؒ کے یہاں "فاوتر بواحدۃ" میں باء الصاق کے لئے ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ ایک رکعت کا وتر پڑھ لو، اور

ہمارے یہاں یہ بار استعانت ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ ایک رکعت کے ذریعہ پڑھے ہوئے شفعہ کو وتر میں تبدیل کردو ، واللہ اعلم ۔

تشریح حدیث سوم اس باب کے ذیل میں تیسری روایت حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ دی گئی ہے، یہ روایت ایضاح البخاری جزء پنجم میں باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس کے تحت گذر گئی ہے ۔ یہاں امام بخاری یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں تشریف فرما ہونے کے درمیان جو تین شخص آئے تھے ان میں سے ایک واپس چلا گیا ، اور بقیہ دو آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے جن میں ایک نے دیکھا کہ آپ کے پاس حلقہ میں گنجائش ہے تو وہ حلقہ میں آکر بیٹھ گئے دوسرے کو حیا دامن گیر ہوئی اور وہ مجلس کے پیچھے بیٹھ گئے ، امام بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ آپ کے پاس آپ کے صحابہ دائرے اور حلقہ کی شکل میں بیٹھے تھے ، معلوم ہوا کہ تعلیم وغیرہ کے لئے مسجد میں دائرے کی صورت میں بیٹھنا جائز ہے ۔

بَابُ الِاسْتِلْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ كَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلَانِ ذٰلِكَ ۔

باب ، ترجمہ ، مسجد میں چت لیٹنے کا بیان حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا (عبداللہ بن زید رضی) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ نے اپنا ایک پیر، دوسرے پیر پر رکھ رکھا تھا ، ابن شہاب زہری حضرت سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی ایسا کیا کرتے تھے ۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مسجد میں چت لیٹنے کا کیا حکم ہے ؟ اسی کے ساتھ بعض نسخوں میں دوسرا جزء بھی مذکور ہے ومد الرجل یعنی چت لیٹنا اور پیر پھیلا کر یا پیر پر پیر رکھ کر لیٹنا درست ہے یا نہیں ، ظاہر ہے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے سونے اور لیٹنے کی جگہ نہیں ہے ، دوسرے یہ کہ چت لیٹنے اور پیر پر پیر رکھنے کے بارے میں روایات میں ممانعت بھی آئی ہے مسلم کتاب اللباس اور ابوداؤد کتاب الادب وغیرہ میں روایت موجود ہے :

لا یستلقین احدکم ثم یضع احدیٰ رجلیہ علی الاخری (مسلم کتاب اللباس ص ۱۹۸ ج ۲)	تم میں سے کوئی آدمی چت نہ لیٹے پھر یہ (بھی نہ کرے) کہ وہ اپنا ایک پیر دوسرے پیر پر رکھے ۔

چنانچہ متعدد حضرات نے اس کی ممانعت کی ہے، حضرت ابن عباس، کعب بن عجرہ، محمد بن سیرین طاؤس وغیرہم سے منقول ہے کہ پیر پر پیر رکھ کر لیٹنا مکروہ ہے، لیکن بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح بعض خاص حالات میں مسجد میں سونے کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح نمازی کو دور سے آنے میں تعب ہو جائے یا مثلاً بیماری وضعف وغیرہ کے سبب ضرورت ہو تو اگر نمازیوں کے لیے تنگی پیدا نہ ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے کہ پیر پر پیر رکھ کر لیٹ جائے یا چت لیٹ جائے حسن بصری، شعبی، ابن مسیب اور صحابۂ کرام میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود رضی اللہ عنہم کراہت کے قائل نہیں ہیں۔

گویا بخاری یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ جن روایات میں اس کیفیت سے لیٹنے کی ممانعت ہے ان کا محمل اور محل اور ہے اور جن روایات سے اجازت معلوم ہوتی ہے ان کا محمل دوسرا ہے، ممانعت اس صورت میں ہے کہ مثلاً کپڑا چھوٹا ہو اور اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ ہو اور اگر کپڑا گنجائش کا ہے اور کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو تو اس طرح لیٹنا بلا کراہت جائز ہے۔

تشریح حدیث حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا اور اس وقت آپؐ نے اپنا ایک پائے مبارک دوسرے پیر پر رکھ رکھا تھا، معلوم ہوا کہ اس طرح لیٹنے میں مضائقہ نہیں، نہ یہ مسجد کے احترام کے منافی ہے اور نہ یہ ہیئت قابل اعتراض ہے، رہا یہ احتمال کہ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت نہ ہو تو اس کے لیے بخاری نے خلفاء راشدین میں سے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا عمل بھی پیش کر دیا، حمیدی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام بھی اس میں شامل کیا ہے، معلوم ہوا کہ اس طرح مسجد میں لیٹنا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی درست ہے۔

بَابُ الْمَسْجِدِ يَكُونُ فِي الطَّرِيقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ فِيهِ وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ وَأَيُّوبُ وَمَالِكٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ نَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً ثُمَّ بَدَا لِأَبِي بَكْرٍ فَابْتَنَى مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهِ فَكَانَ يُصَلِّي فِيهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِينَ وَأَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً وَلَا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَفْزَعَ

ذٰلِكَ اَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

باب، ترجمہ، اگر اس میں لوگوں کا کوئی نقصان نہ ہو تو راستہ میں مسجد بنانے کا بیان، اور حسن بصری، ایوب سختیانی اور امام مالک بھی یہی کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اسی وقت سے میں نے یہ دیکھا کہ میرے والدین دین اسلام قبول کر چکے تھے اور ہم پر کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں دن کے دونوں حصوں میں صبح وشام نہ آتے ہوں پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک بات آئی اور انھوں نے اپنے گھر کے سامنے کی کھلی جگہ میں ایک مسجد بنالی اور وہ اسی میں نماز پڑھتے تھے، قرآن پڑھتے تھے، پھر مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے ان کے پاس کھڑے ہو جاتے، حضرت ابوبکر کی حالت پر تعجب کرتے اور ان کو غور سے دیکھتے اور حضرت ابوبکر بڑے گریہ وزاری کرنے والے انسان تھے اور جب قرآن پڑھتے تو اپنی آنکھوں پر انھیں قابو نہیں رہتا تھا مشرکین قریش کے اشراف کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کے اس طرز عمل) نے بڑی گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

مقصدِ ترجمہ راستہ میں مسجد بنانے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، راستہ سے ایسا راستہ مراد ہے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور اس میں عام انسانوں کا حق مشترک ہو، کیونکہ جس زمین پر مسجد بنائی جارہی ہے اس میں کئی صورتیں ممکن ہیں، اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں مسجد بنانا چاہتا ہے تو یہ نہایت مبارک کام ہے شوق سے بنائے اور کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں اگر دوسرے کی مملوکہ زمین میں بنانا چاہتا ہے تو اس کی اجازت نہیں، اور اگر ایسی جگہ مسجد بنا رہا ہے جس میں سب کا حق مشترک ہے اور وہ کسی کی ملکیت نہیں تو بعض حنفیہ نے اس میں قاضی اور امیر کی اجازت کی شرط لگائی ہے جیسے بنجر زمین قابل کاشت بنانے میں امیر کی اجازت شرط ہے، ربیعۃ الرائے سے ایسی زمین پر مسجد بنانے کی ممانعت منقول ہے، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے بسند ضعیف ایسی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کی ممانعت منقول ہے، امام بخاریؒ اس باب میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایسی جگہ پر اس طرح مسجد بنائی جائے کہ لوگوں کا حق طریق متاثر نہ ہو، یعنی وہاں لوگوں کے لئے پیدل آمد ورفت ہی کا نہیں، بلکہ گاڑی کے گذرنے کا راستہ بھی کھلا رہے تو کوئی اعتراض کی بات نہیں، مسجد بنانا جائز ہے یہی بات حسنؒ بصری، ایوبؒ سختیانی اور امام مالکؒ سے منقول ہے بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جمہور کی رائے یہی ہے، لیکن ان تین حضرات کی رائے صراحت اور صحیح نقل کے ساتھ امام بخاری تک پہنچی تھی اس لئے انھوں نے تین نام ذکر کر دیئے، مسجد بنانے کی اجازت اس لئے ہے کہ راستہ بھی عوام کا حق تھا، اور ان کی ضرورت

سے متعلق تھا، اور مسجد بھی تمام مسلمانوں کی عام ضرورت سے متعلق ہے اور جو اس جگہ کا فائدہ تھا یعنی گذرگاہ کے طور پر استعمال وہ بھی متاثر نہیں ہوا

حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح راستہ اور اس پر گذرنے کی اجازت عام انسانوں کا مشترک حق ہے، اسی طرح مسجد بھی انہی لوگوں کا مشترک حق ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس کے بعض حصے کو کسی دوسرے کام میں صرف کرنا چاہے مثلاً مسجد بنانا چاہے تو دو شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت ہے، ایک شرط تو یہ ہے کہ راستہ متاثر نہ ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ کسی کو اعتراض نہ ہو، کیونکہ عوامی حقوق میں یہی بات ہوتی ہے کہ جس طرح ہر شخص کو اس میں تصرف کا حق ہوتا ہے اسی طرح ہر شخص کو روکنے کا بھی حق ہوتا ہے۔

تشریح حدیث امام بخاری نے اپنے مقصد کے ثبوت میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے اس کی تفصیلات بخاری ہی میں دوسرے مقامات پر آئیں گی، یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مختصر بیان فرما رہی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے والدین یعنی حضرت ابو بکرؓ صدیق اور حضرت ام رومانؓ کو دین اسلام پر پایا اور پیغمبر علیہ السلام کو حضرت ابو بکرؓ سے ایسا تعلق تھا کہ آپ روزانہ صبح و شام ہمارے یہاں تشریف لاتے تھے، پھر ایک ایسا وقت آیا کہ کفار مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر حضرت ابو بکر نے حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کرلیا، مکہ مکرمہ سے نکل کر کچھ دور تک گئے تھے کہ ابن الدغنہ مل گئے، انھوں نے معلوم کیا، کہاں جارہے ہیں؟ حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ میری قوم رہنے نہیں دیتی اس لئے مجبوراً جارہا ہوں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ آپ جیسے انسان کہاں جاسکتے ہیں، آپ ناداروں کی مدد کرتے ہیں صلہ رحمی فرماتے ہیں، دوسروں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور حوادث میں مبتلا انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، آپ میری ذمہ داری پر واپس چلیں، حضرت ابو بکر واپس آگئے، ابن الدغنہ نے اشراف قریش میں گشت کیا کہ میں ابو بکر کو اپنی ذمہ داری پر واپس لے آیا ہوں۔ ان جیسے اوصاف حمیدہ رکھنے والے انسان سے محروم ہوجانا سب کے لئے نقصان کی بات ہے، وہ تو بہت قابل قدر انسان ہیں، قریش نے ابن الدغنہ کی بات منظور کی مگر یہ قید لگادی کہ ابو بکر صرف اپنے گھر میں اپنے معبود کی عبادت کریں کھلے بندوں نہ کریں۔ ہمیں ان کی عبادت، اور تلاوت وغیرہ سے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے بچوں اور عورتوں پر اثر انداز نہ ہوجائے، ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکر کو بتلادیا اور وہ کچھ دنوں تک اپنے گھر کے اندر اپنے معمولات پورے کرتے رہے، لیکن کب تک اس کیفیت کو نبھاتے، کچھ دنوں کے بعد اپنے گھر سے باہر ایک چبوترا بنالیا، وہیں نماز پڑھتے، عبادت کرتے

تلاوت فرماتے، خوش آواز تھے بلکہ آواز میں درد تھا، رقیق القلب تھے، تلاوت کرتے تو گریہ طاری ہو جاتا۔ مشرکین کے بچے اور عورتیں ان کی قرارت سننے کے لئے کھڑے ہو جاتے، اشراف قریش کو خطرہ محسوس ہوا کہ یہ تو اچھی تبلیغ شروع ہو گئی۔ انھوں نے ابن الدغنہ کو مطلع کیا کہ ابو بکر قرار داد کے خلاف کر رہے ہیں اس لئے آپ یا انھیں پابند کیجئے یا اپنا ذمہ واپس لیجئے۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکر سے بات کی تو انھوں نے ذمہ داری واپس کردی، اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ہجرت کا واقعہ پیش آیا۔ وہاں ان شاء اللہ تفصیلات آجائیں گی۔

ترجمہ کا ثبوت بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے مکان کے سامنے مسجد بنالی تھی اور اس پر پیغمبر علیہ السلام نے انکار نہیں فرمایا، البتہ راستہ بند نہیں ہوا تھا، کیونکہ مشرکین کی عورتیں اور بچے اسی گذرگاہ سے گذرتے ہوئے رُک جاتے تھے اور اس پر مشرکین کو خیال ہوا کہ بچہ تو بچہ ہوتا ہی ہے کہیں عورتیں بھی مسحور اور متاثر نہ ہو جائیں۔ اس لئے حضرت ابو بکر کے واقعہ اور پیغمبر علیہ السلام کے انکار نہ فرمانے سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ مباح جگہوں پر راستہ بند نہ ہوتا ہو تو وہاں مسجد بنانا درست ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الصَّلٰوةِ فِيْ مَسْجِدِ السُّوْقِ وَصَلَّى ابْنُ عَوْنٍ فِيْ مَسْجِدٍ فِيْ دَارٍ يُغْلَقُ عَلَيْهِمُ الْبَابُ

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ نَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمِيْعِ تَزِيْدُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَصَلٰوتِهٖ فِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَاَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً اَوْحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَاِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِيْ صَلٰوةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهٗ وَتُصَلِّي الْمَلٰٓئِكَةُ عَلَيْهِ مَادَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِيْهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَالَمْ يُؤْذِ يُحْدِثْ فِيْهِ۔

ترجمہ، باب، بازار کی مسجد میں نماز پڑھنے کا بیان ابن عون نے گھر کی ایسی مسجد میں نماز پڑھی جسکا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز، انسان کی اپنے گھر کی، یا اپنے بازار میں ادا کی ہوئی نماز سے پچیس درجہ زیادہ ثواب رکھتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میں ایک انسان جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے اور مسجد میں آتا ہے اور مسجد میں بھی صرف نماز کے لئے آتا ہے تو وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس قدم کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک گناہ معاف کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے۔

اور جب وہ مسجد میں داخل ہوجاتا ہے تو وہ نماز ہی میں داخل شمار کیا جاتا ہے جب تک کہ نماز اس کو مسجد میں روکے رکھتی ہے اور جب تک وہ اس جگہ رہتا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی تھی اسوقت تک فرشتے برابر اس کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرمادے ، اے اللہ اس پر رحم فرما ، جب تک کہ وہ مسجد میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے

مقصد ترجمہ ترجمۃ الباب کے الفاظ ہیں ، مسجد سوق میں نماز پڑھنے کا بیان ، اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مسجد سوق سے مراد ، بازار میں دکان وغیرہ کے سامنے نماز کے لئے مقرر کردہ جگہ یعنی غیر اصطلاحی مسجد ہے ، یا وہ اصطلاحی اور شرعی مسجد ہے جس کا محل وقوع بازار ہو ، اس سلسلے میں شارحین اور ترجمۃ الباب کا مقصد متعین کرنے والوں کے رجحانات میں اتفاق نہیں ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ مسجد سے اصطلاحی مسجد مراد نہیں ہے ، کیونکہ باب سابق میں راہگذر پر مسجد بنانے کا ذکر تھا ، امام بخاری نے خیال کیا کہ بازار میں نماز کے لئے جو جگہ بنائی جاتی ہے وہاں بھی نماز کا جواز بیان کردیں ، بہرحال وہ مسجد محلہ مراد نہیں ہے جو ابدالآباد کیلئے مسجد بن جاتی ہے ۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا رجحان بھی یہی ہے کہ بازار میں نماز کے لئے بنائی ہوئی جگہ جو مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوتی ، امام بخاری ان جگہوں میں نماز کا جواز بیان کرنا چاہتے ہیں ، اور مسجد سوق سے مسجد شرعی مراد نہ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ روایت باب میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ گھر کی اور بازار کی نماز سے جماعت کی نماز کا ، ثواب ۲۵ گنا زیادہ ہوتا ہے ، اگر بازار میں تعمیر کردہ مسجد شرعی مراد ہوتی تو ثواب کم نہ ہوتا ، بلکہ اس مسجد میں بھی ثواب کا یہی تناسب ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے ۔

دیگر شارحین کے رجحانات شارحین بخاری میں علامہ کرمانی کا رجحان بھی یہی ہے کہ ترجمۃ الباب میں مذکور مسجد سے شرعی مسجد مراد نہیں ہے ، بلکہ بازار میں نماز کے لئے مقرر کردہ جگہ ہے لیکن علامہ ابن حجر نے کرمانی کی بات نقل کرکے یہ تبصرہ کیا کہ یہ دور از کار بات ہے ، علامہ عینی نے تبصرہ کیا کہ یہ بے جا تکلف ہے اور بلا ضرورت حقیقت سے گریز کرکے مجاز اختیار کرنے کے مرادف ہے ، خود ابن حجر کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری نے مسند بزاز وغیرہ میں مذکور روایت (ان الاسواق شر البقاع وان المساجد خیر البقاع یعنی بازار سب سے بدترین جگہ ہے اور مسجدیں سب سے بہتر مقامات ہیں) کے پیش نظر ترجمہ منعقد کیا ہے ، اور منشاء یہ ہے کہ یا تو وہ روایت امام بخاری کے نزدیک سند صحیح سے نہیں آئی ہے ، اور اگر سند بھی صحیح ہو تو بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بازار میں مسجد

نہ بنائی جائے کیونکہ مسجد بننے کے بعد وہ جگہ خیر کی جگہ بن جائے گی۔ مگر علامہ عینی اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ رائے ظاہر کرنے والے کو یہ کیسے اور کہاں سے معلوم ہوا کہ بخاری اس روایت کے پیش نظر ترجمہ منعقد کر رہے ہیں، گویا علامہ عینی کے نزدیک علامہ ابن حجر کی رائے محض ان کا اپنا تخیل ہے، پھر اس میں یہ بھی اضافہ کر لیا جائے کہ جس روایت کو وہ مسند بزاز وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کر رہے ہیں وہ مسلم شریف میں بھی ان الفاظ میں بہ سند صحیح مذکور ہے۔

عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احب البلاد الی اللہ مساجدھا وابغض البلاد الی اللہ اسواقھا (مسلم ص ۲۳۶ ج ۱)	حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقامات میں اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے ناپسندیدہ مقامات بازار ہیں۔

علامہ عینیؒ کا ارشاد علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب سے اچھی یہ بات ہے کہ امام بخاری ترجمۃ الباب کے ذیل میں جو روایت لا رہے ہیں، اس میں تین طرح کی نمازوں کا ذکر ہے: گھر کی نماز، بازار کی نماز، اور مسجد شرعی کی نماز، اور تینوں جگہ نماز پڑھنا جائز ہے، امام بخاری اس روایت کو ذکر کرنے کے لئے تینوں ترجمے رکھ سکتے تھے مگر انھوں نے اس خیال سے بازار کی مسجد میں نماز کا جواز ترجمہ منعقد کر دیا کہ بازار شور وشغب، بیع وشراء کی مشغولیت اور جھوٹی سچی قسموں کی جگہ ہے، اور اس وجہ سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ نماز یہاں درست بھی ہو گی یا نہیں، اس لئے امام بخاری نے اس کا جواز ثابت کر دیا۔ بقیہ دو جگہوں میں نماز کا درست ہونا ایک واضح بات ہے۔

ابن بطالؒ کی رائے ابن بطال شارح بخاری کہہ رہے ہیں کہ بخاری کو بازار کے بارے میں وارد شدہ روایت شر البقاع کی وجہ سے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اس روایت کے پیش نظر بازار میں نماز کے ناجائز ہونے کا واہمہ نہ ہو، اس لئے انھوں نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت ذکر کر کے جواز ثابت کر دیا کیونکہ اس میں بازار میں پڑھنے کا جواز مذکور ہے، اس کے بعد ابن بطال ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ جب بازار میں انفرادی نماز کا جواز معلوم ہوا تو بازار میں مسجد شرعی تعمیر کرنے کا جواز بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن بطال نے مسجد السوق سے تو شرعی مسجد مراد نہیں لی لیکن درجہ اولیٰ میں لاکر بازار کی شرعی اور غیر شرعی دونوں مسجدوں میں نماز کا جواز ثابت کر دیا۔ علامہ سندی نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ "صلوتہ فی سوقہ" یعنی مسجد کی نماز کو بازار کی نماز پر فضیلت دینے کا مفہوم یہی ہے کہ بازار میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے اور جب بازار میں نماز جائز ہے تو بازار کی شرعی مسجد میں بھی بدرجہ اولیٰ جائز ہے

حضرۃ الاستاذ کا ارشاد اور ہمارا خیال یہ ہے کہ بازار اور مسجد کی خصوصیات الگ الگ ہیں، ان کے احوال متضاد ہیں، بازار غفلت کی جگہ ہے وہاں شور و غل رہتا ہے، باہمی نزاع پیش آتے ہیں، سکون کا وہاں نام نہیں ہوتا، جھوٹ، مکر و فریب، جھوٹی قسمیں، بے حیائی کے اسباب اس درجہ ہوتے ہیں کہ اسے شیاطین کا مستقر اور خرافات کا مرکز سمجھنا چاہئے اسی لئے روایت میں اس کو شر البقاع یعنی سب سے بدترین جگہ قرار دیا گیا ہے جبکہ مسجد میں سکون و اطمینان میسر ہوتا ہے وہ ذکر و شغل اور عبادت خداوندی کی جگہ ہے، وہاں فرشتوں کا اجتماع رہتا ہے، وہاں رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے، اس کو خیر و برکت اور تقدس کا مرکز سمجھنا چاہئے اور اسی لئے اس کو خیر البقاع قرار دیا گیا ہے بازار اور مسجد کے ان متضاد حالات کی بنا پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ بازار میں نماز جائز ہے یا نہیں، نیز یہ کہ اگر بازار میں شرعی مسجد بنائی جائے تو اس میں نماز کا وہ اجر ہے یا نہیں جو محلہ کی شرعی مسجدوں میں ہوتا ہے یعنی انفرادی نماز سے ۲۵ گنا یا ۲۷ گنا زیادہ۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب باب الصلوٰۃ فی مسجد السوق اور اس کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ذکر کر کے ثابت کر دیا کہ بازار میں انفرادی نماز پڑھ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے اور اگر بازار میں مسجد شرعی تعمیر کر لی جائے تو اس میں ثواب کا وہی اجر ہے جو دوسری مسجدوں میں ہوتا ہے، پہلی بات یعنی بازار میں انفرادی نماز کا جواز تو اس طرح ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں گھر اور بازار میں نماز کا تقابل مسجد شرعی کی نماز سے کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ مسجد میں ان دونوں سے ۲۵ گنا ثواب زیادہ ملتا ہے، معلوم ہوا کہ گھر کی اور بازار کی نماز بھی درست ہے، اور دوسری بات یعنی بازار میں اگر مسجد شرعی تعمیر کر لی جائے تو اس میں بھی ۲۵ گنا ثواب ملتا ہے، یہ اس طرح ثابت ہے کہ تقابل کی بنیاد پر روایت میں مذکور صلوٰۃ الجمیع کے معنی صلوٰۃ فی المسجد الشرعی کے ہیں، اور مسجد شرعی محلہ میں بنائی جائے یا بازار میں دونوں کا حکم یکساں ہے گویا مسجد بازار میں بنائی جائے تو وہ مسجد ہی ہے بازار نہیں، اس طرح بازار کی انفرادی نماز، اور بازار میں تعمیر شدہ مسجد میں نماز کا جواز بھی ثابت ہو گیا اور دونوں کے درمیان ثواب کے تناسب کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔ واللہ اعلم

ابن عونؒ کا اثر ترجمۃ الباب کے ساتھ امام بخاری نے ابن عون کا اثر ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کی ایسی مسجد میں نماز پڑھی جس کا دروازہ بند ہو جاتا تھا اس اثر کے ترجمۃ الباب سے تعلق کے بارے میں بھی شارحین کے خیالات میں تنوع ہے، شیخ نور الحقؒ دہلوی (شارح فارسی صاحب تیسیر القاری) نے تو یہ فرما دیا کہ یہ ترجمۃ الباب کا جز ہے، ترجمۃ الباب کی دلیل نہیں ہے مطلب

یہ ہوا کہ جس طرح الصلوۃ فی مسجد السوق کو حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ثابت کیا اسی طرح ابن عون کا یہ عمل کہ انھوں نے گھر کی مسجد میں نماز پڑھی یہ بھی روایت سے ثابت ہے کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ گھر کی اور بازار کی نماز سے مسجد کی جماعت کی نماز میں ۲۵ گنا ثواب زائد ہوتا ہے معلوم ہوا کہ عذر شرعی کی بنیاد پر گھر میں نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی ثواب کم ہو جائے گا جیسا کہ ابن عون نے گھر کی مسجد میں نماز پڑھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ترجمہ کا مقصد مقرر فرمایا تھا کہ بازار کی غیر شرعی مسجد میں نماز کا جواز بیان کرنا چاہتے ہیں، اور ابن عون کی اثر کی مناسبت یہ ہے کہ انھوں نے مسجد شرعی کے علاوہ دوسری جگہ نماز پڑھی، اس لئے بازار کی نماز کا تو ثبوت نہیں ہوا، لیکن مسجد شرعی کے علاوہ دوسری جگہ پڑھنے کا جواز تو معلوم ہوا، اور چونکہ یہ بھی مسجد ہی تھی اس لئے کوئی اشکال کی بات نہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ مناسبت تو بہت معقول ہے، امام بخاری تو اس سے بھی معمولی نسبت پر تعلیقات کرنے کے عادی ہیں۔

علامہ ابن حجرؒ نے امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا مقصد یہ بیان کیا تھا کہ وہ بازار میں مسجد شرعی کا جواز بیان کرنا چاہتے ہیں، اس لئے وہ ابن عون کے اس اثر کو ذکر کرنے کا مطلب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اندرون بازار کی مسجد میں نماز کے جواز پر یہ واہمہ ہو سکتا ہے کہ بازار میں بے ضرورت جانا چونکہ امر ممنوع ہے تو کہیں اندرون بازار کی مسجد میں نماز بھی ممنوع نہ ہو، ابن عون کا اثر لاکر بتلا دیا کہ کسی جگہ کا ممنوع ہونا نماز سے مانع نہیں، دیکھئے ابن عون نے گھر کی ایسی مسجد میں نماز پڑھی جس کا دروازہ بند ہو جاتا تھا گویا وہاں صرف مخصوص لوگ آسکتے ہیں، دیگر حضرات کا آنا ممنوع تھا لیکن اس مسجد میں بھی نماز جائز تھی، معلوم ہوا کہ جانے پر پابندی یا جانے کی ممانعت، جواز صلوۃ سے مانع نہیں ہے۔

پھر ابن حجر نے علامہ کرمانی کی رائے نقل کی ہے کہ امام بخاری ابن عون کا اثر ذکر کرکے حنفیہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں اس لئے احناف کے یہاں مسجد شرعی بنانے کے لئے عام اجازت کا ہونا شرط ہے۔ عام اجازت نہ ہو تو مسجد شرعی نہیں بنتی، پھر کرمانی کی رائے پر تبصرہ کرتے ہیں کہ حنفیہ کی کتابوں میں حرام ہونے کا ذکر نہیں کراہت کا ہے، گویا وہ اس بات سے متفق ہیں کہ عام اجازت کے بغیر کراہت کی رائے رکھنے کے سبب، ابن عون کا یہ اثر حنفیہ کی تردید ہے، لیکن یہ ان کے مسلک احناف سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں گھر اور مسجد کا راستہ مشترک ہو اور ایک ہو، اور دروازہ بند کرنے سے مسجد اور گھر دونوں بند ہو جاتے ہوں تب تو مسجد، مسجد شرعی نہیں ہو سکتی

لیکن اگر کوئی گھیر یا احاطہ ہو جس میں گھر بھی ہوں اور مسجد بھی، گھر کا راستہ الگ ہو اور مسجد کا الگ، البتہ احاطہ کا پھاٹک بند کرنے سے مسجد اور گھر دونوں بند ہو جاتے ہوں، تو یہ صورت مسجد کی شرعی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ ابن عون نے اگر گھر کی ایسی مسجد میں نماز پڑھی ہے جس کا دروازہ علیحدہ تھا جسے فقہ کی اصطلاح میں کہتے ہیں "مُفْرَزْ" تھا تو اس سے حنفیہ کی تردید کا مضمون نکالنا خیال خام ہے۔

ہم تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ بخاری ابن عون کا اثر ذکر کرکے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح بازار کی مسجد میں نماز، محلہ کی مسجد کے برابر ثواب رکھتی ہے اسی طرح اگر مسجد دار کے اندر ہو مگر شرعی ہو تو اس میں بھی ثواب کا یہی تناسب ہے، رہا دروازہ کا بند ہونا تو اگر یہ احاطہ کا پھاٹک ہے تو اس کا بند ہونا مسجد کے شرعی ہونے کیلئے مانع نہیں ہے اور اگر واقعی اس کا راستہ علیحدہ نہیں تھا، تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسجد شرعی نہیں تھی، یعنی مسجد کی جماعت کا ثواب تو اس میں نہ ہوگا، لیکن نماز با جماعت کا ثواب ضرور ملے گا۔ واللہ اعلم۔

تشریح حدیث حدیث پاک میں یہ ہے کہ مسجد شرعی میں جماعت کی نماز، گھر کی انفرادی اور بازار کی انفرادی نماز سے پچیس گنا زائد ثواب رکھتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب ایک انسان پورے آداب کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرکے محض نماز جیسی پاکیزہ عبادت کی خاطر مسجد کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو پروردگار عالم ہر قدم پر اس کے گناہ معاف کرتا ہے، ہر قدم پر درجات میں ترقی عطا فرماتا ہے، پھر مسجد میں پہنچتا ہے تو نماز کے انتظار میں بھی اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہتا ہے، اور نماز سے فراغت کے بعد بھی جب تک حدث لاحق نہ ہو اس وقت تک فرشتے برابر اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اس سبب سے اس کی مسجد کی نماز با جماعت کا ثواب گھر اور بازار کی انفرادی نماز سے پچیس گنا زائد ہے۔

ترجمۃ الباب سے تو اس کا یہ تعلق ہے کہ گھر اور بازار کی انفرادی نماز کو صحیح قرار دیا گیا ہے یعنی اگر عذر ہو اور ایک شخص ان مقامات پر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی البتہ ثواب کم ہوگا، دوسرے یہ کہ مسجد شرعی محلہ میں واقع ہو یا بازار میں ہر صورت میں ثواب ۲۵ گنا زائد ہے۔ امام بخاری کا ترجمۃ الباب ثابت ہو گیا کہ بازار میں نماز بھی صحیح ہے اور بازار میں مسجد ہو تو اس کا ثواب بھی مسجد محلہ کے برابر ہے۔

ثواب کے مضاعف ہونے کی وجہ روایت میں یہ آیا ہے کہ مسجد شرعی میں نماز با جماعت

کا اجر پچیس گنا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گھر سے وضو کر کے جانے پر ہر قدم حط سیئات اور رفع درجات کا ذریعہ بنتا ہے، اور مسجد میں رہنا نماز میں شرکت کے مرادف اور فرشتوں کی دعاؤں کا سبب ہے، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ثواب کے اضافہ میں مسجد کی جماعت اصل مؤثر ہے یا یہ بیان کردہ اسباب، بعض حضرات نے اس روایت کے ساتھ یہ سوال پیدا کیا، اور پھر یہ کہا کہ جب روایت میں ثواب کے اضافہ کے لئے ان اسباب کو بیان کیا گیا ہے تو یہ وہ منضبط علت ہے جسے اصطلاح میں علت منصوصہ کہتے ہیں اور اس سے صرف نظر کر کے حکم لگانا درست نہیں، اس لئے جس جماعت کی شرکت میں مذکورہ بالا چیزوں کی رعایت کی گئی ہو کہ گھر سے وضو کر کے چلے مسجد میں جا کر انتظار کرے، نماز سے فراغت کے بعد بیٹھا رہے اس پر یہ ثواب مرتب ہونا چاہئے لیکن متعدد روایات میں انفرادی نماز کے مقابلہ پر جماعت کی نماز کا یہ ثواب ان اسباب کے بغیر مذکور ہے، خود بخاری ہی میں حضرت ابن عمر کی روایت میں ۲۵ گنا اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ۲۷ گنا ثواب کا ذکر ہے۔

عن ابی سعید انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بخمس وعشرین درجة (بخاری ص۸۹ ج ۱)	حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے۔

اس لئے ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس مطلق روایت کو بھی مقید کر دیا جائے، لیکن یہ رائے معقول نہیں ہے، ہم تو سمجھ رہے ہیں کہ جماعت ہی اجر کے اضافہ میں اصل مؤثر ہے اور جن روایات میں انفرادی نماز کے مقابلہ پر جماعت کی نماز کی فضیلت بلا کسی قید کے ذکر کی گئی ہے وہی اصل ہیں، اور جن روایات میں اجر کے اضافہ کے لئے ان اسباب کو شمار کیا گیا ہے ان کا مفہوم یہ ہے کہ مقصود لذاتہ تو نماز باجماعت ہے اور اس پر ثواب پچیس گنا کر دیا جاتا ہے اور اس اجر و ثواب کی وجہ سمجھنا چاہو تو اس پر غور کر لو کہ پروردگار نے اس اہم عبادت کے لئے جانے والے کے ہر قدم پر نیکی مرحمت کی ہے، انتظار کو نماز میں شمار فرمایا ہے، فرشتوں کی دعاؤں کا مستحق گردانا ہے تو جس چیز کے متعلقات کی یہ شان ہے خود اس چیز کے ثواب کا کیا درجہ ہوگا، گویا ہمارے نزدیک یہ بیان کردہ اسباب اضافہ اجر کی علت منصوصہ نہیں ہیں، بلکہ اضافۂ اجر کی وضاحت ہیں کہ یہ اتنی اہم عبادت ہے کہ اس کے متعلقات کو بھی خداوند رحمان ورحیم نے ترقی درجات، حط سیئات، مغفرت ذنوب وغیرہ کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ جیسے مثلاً جہاد کے بارے میں ہے کہ اصل جہاد تو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفار

کے مقابل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلقات پر بھی ثواب کا وعدہ فرمایا ہے کہ مجاہد جب گھر سے نکلتا ہے تا واپسی اس کو فی سبیل اللہ شمار کیا جاتا ہے اور قدم قدم پر حط سیّات اور رفع درجات کی بشارت دی جاتی ہے وغیرہ۔ رہا ثواب کا ۲۵ گنا یا ۲۷ گنا کیا جانا، تو یہ بحث اپنی جگہ یعنی ابواب جماعت میں ان شاء اللہ ذکر کی جائے گی۔

بَابُ تَشْبِيْكِ الْأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ بِشْرٍ نَا عَاصِمٌ نَا وَاقِدٌ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَوِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ وَقَالَ عَاصِمُ ابْنُ عَلِيٍّ نَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ أَبِي فَلَمْ أَحْفَظْهُ فَقَوَّمَهُ لِي وَاقِدٌ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي وَهُوَ يَقُوْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عَمْرٍو كَيْفَ بِكَ إِذَا بَقِيْتَ فِي حُثَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ بِهٰذَا۔

ترجمہ، باب، مسجد اور غیر مسجد میں انگلیوں کو قینچی کرنے (یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے) کا بیان حامد بن عمر، بشر بن المفضل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ ہم سے واقد بن محمد نے اپنے والد محمد بن زید سے روایت کیا کہ ان سے حضرت عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو قینچی کیا۔ عاصم بن علی کہتے ہیں کہ ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث اپنے والد محمد بن زید سے سُنی پھر وہ مجھے محفوظ نہ رہی تو میرے بھائی واقد بن محمد نے اس کو اپنے والد سے ٹھیک ٹھیک اور صحیح طریقہ پر بیان کیا کہ وہ یہ فرماتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو! اسوقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کوڑا کرکٹ جیسے انسانوں کے درمیان باقی رہ جائیگا۔ پھر یہ حدیث بیان کی۔

مقصد ترجمہ تشبیک یعنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا، جسے اُردو میں انگلیوں میں قینچی کرنا یا انگلیوں کا جال بنانا کہتے ہیں، اس سے بعض روایات میں ممانعت آئی ہے۔ حضرت کعب بن عجرہ سے ترمذی اور ابو داؤد میں روایت موجود ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضا احدکم فاحسن وضوءہ ثم خرج عامدا الی المسجد فلا یشبکن بین اصابعہ فانہ فی صلوۃ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد کے ارادہ سے نکلتا ہے تو وہ انگلیوں کو قینچی نہ کرے کیونکہ وہ نماز کے اندر ہے۔

(ترمذی صد ۵۱ ج ۱)

بلکہ بعض روایات میں فان التشبیك من الشیطٰن کے الفاظ ہیں کہ تشبیک کا عمل شیطان کے اثر سے ہوتا ہے، پھر یہ کہ اہل عرب کے نزدیک انگلیوں میں جال ڈالنے کا عمل خصومت اور لڑائی کے موقع پر کیا جاتا تھا، یا پھر بیکاری سستی کے موقع پر انسان اسطرح کی حرکت کرتا ہے، روایت میں مذکور ممانعت اور ان دیگر وجوہ کی بنیاد پر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ شاید یہ کام بہرصورت بالخصوص مسجد میں درست نہ ہوگا، چنانچہ امام مالکؒ سے نماز میں انگلیوں میں جال ڈالنے کی کراہت منقول ہے اور حضرت ابن عمرؓ اور سالمؒ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں نماز کے دوران انگلیوں میں جال ڈالنے کا عمل منقول ہے۔

امام بخاری ترجمۃ الباب میں فیصلہ کرتے ہیں کہ تشبیک اگر نماز کی حالت میں ہو یا خصومت کے مظاہرہ کے لئے ہو یا فعل عبث کے طور پر ہو تو اس کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کو ممنوع قرار دیا جائے گا، لیکن اگر کسی صحیح مقصد کے لئے ہو جیسے متعدد روایات میں مختلف مقاصد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نقل کیا گیا ہے تو یہ تشبیک مسجد اور غیر مسجد دونوں میں درست ہے ایک روایت میں تشبیک کا عمل تفہیم کے لئے تمثیل کے طور پر معنویات کو محسوسات میں تبدیل کرنے کے لئے کیا گیا ہے اور ایک روایت میں گہرے غور وفکر کی بنیاد پر بے اختیار صادر ہوگیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

تشریح حدیث اوّل یہ روایت بخاری کے تمام نسخوں میں نہیں ہے لیکن ہمارے ہندوستانی نسخوں میں ہے یہ بخاری کے شاگرد فربری اور حماد بن شاکر سے ابو رمیح کی نقل کے مطابق ہے جسکو ابومسعود دمشقی نے اپنی کتاب الاطراف میں ذکر کیا ہے، واقد اپنے والد محمد بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عبداللہؓ بن عمر، یا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کا جال بنایا، ابن عمر یا ابن عمرو کے بارے میں یہ شک غالباً واقد کو ہوا، پھر امام بخاری نے اس شک کو ختم کرنے کے لئے نیز یہ ابہام دور کرنے کے لئے کہ آپؐ نے تشبیک کیوں کی تھی ایک تعلیق ذکر کی، کہ عاصم بن علی نے یہ بیان کیا کہ عاصم بن محمد نے یہ بتلایا کہ انھوں نے یہ روایت اپنے والد محمد بن زید سے سنی تھی لیکن وہ یاد نہ رہی، پھر اس کے بعد انکے بھائی واقد بن محمدؒ نے ٹھیک ٹھیک طریقہ پر محمد بن زید ہی سے یہ روایت بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا! اے عبداللہ! اسوقت تم کیا کروگے جب تم ایسے لوگوں کے درمیان رہ جاؤ گے جو بالکل حثالہ (یعنی پھٹکن اور کوڑے کی طرح) ہوں گے۔

یہ تعلیق امام بخاری اپنے استاد عاصم بن علی سے نقل کر رہے ہیں، امام بخاری اگر اپنے شیوخ سے

صیغۂ حدثنا کے بجائے صیغۂ قال کے ساتھ نقل کریں تو اس کو شارحین تعلیق کہتے ہیں کیونکہ جو روایات امام بخاری نے اپنے شیوخ سے تحدیث کے عام طریقہ کے مطابق حاصل نہیں کی ہیں بلکہ انھیں مذاکرہ یا عرض یا مناولہ کے طور پر حاصل ہوئی ہیں وہ ان روایات کو حدثنا کے بجائے قال کہکر ذکر کرتے ہیں اور شارحین اس کو تعلیق قرار دیتے ہیں ۔ یہ حدیث پاک کے بیان میں انکی مکمل احتیاط کی بات ہے ۔

اس تعلیق سے دونوں باتیں معلوم ہوگئیں ایک تو یہ کہ واقد کیجانب سے صحابی کے نام کے بارے میں جو شک تھا وہ ختم ہوگیا، معلوم ہوگیا کہ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہے، ابن عمر سے نہیں، دوسرے یہ کہ تشبیک کی وجہ معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مضمون کو سمجھانے کیلئے تمثیل کے طور پر انگلیوں کو انگلیوں میں داخل کیا تھا، یہ روایت حُمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین میں ان الفاظ کیساتھ نقل کی گئی ہے اور بخاری کے متداول حاشیہ میں بحوالہ عینی مذکور ہے ۔

قال کیف انت یا عبد اللہ ! اذا بقیت فی حثالۃ من الناس قد مرجت عھودھم وامانا تھم واختلفوا فصاروا ھکذا وشبک بین اصابعہ قال فکیف افعل یارسول اللہ ! قال تاخذ ما تعرف وتدع ما تنکر وتقبل علی خاصتك وتدعھم وعوامھم (عمدۃ القاری ص ۲۶۰ ج ۱)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہ ! اسوقت تم کیا کروگے جب ایسے ردی اور بیکار لوگوں کے درمیان رہ جاؤگے کہ انکے عہد و پیمان اور انکی امانتیں تباہ ہو چکی ہونگی اور ان میں اختلاف رونما ہو چکا ہوگا اور وہ اسطرح ہوگئے ہوں گے اور اسطرح کی وضاحت کے لئے آپ نے اپنی انگلیوں کا جال بنا کر دکھایا ۔ ابن عمرو نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! مجھے کیا کرنا چاہئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دین میں جو چیزیں معروف ہیں انھیں اختیار کرنا، منکر کو چھوڑ دینا، اپنی امت کے خواص کے دامن سے وابستہ رہنا عوام سے کنارہ کرلینا ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے انگلیوں میں انگلیاں اس لئے ڈالی تھیں کہ آپ آنے والے خراب زمانے میں لوگوں کے باہمی اختلاط اور زمانہ کی گڑ بڑ اور اچھے برے کی تمیز ختم ہو جانے کی منظر کشی کرکے مضمون کو سمجھانا چاہتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ تشبیک کا منشا تعلیم و تفہیم ہو تو مسجد اور خارج مسجد دونوں میں اس کا جواز ہے ۔ روایت کا مضمون عصر حاضر کے مسلمانوں کے لئے رہنما اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب صورت حال اتنی ابتر ہو جائے کہ عہد و پیمان کی پابندی اور امانت و دیانت کی پاسداری معاشرے سے رخصت ہو جائے اور لوگ باہمی اختلافات کا شکار ہو کر اچھے برے کی تمیز کھو دیں تو اس صورت حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہدایت یہ ہے کہ دین میں جو چیزیں معروف اور نیکی کی حیثیت رکھتی ہیں مضبوطی کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے اور منکرات اور برائیوں سے بچنے کی کوشش کی جائے اور یہ کہ عوام سے دامن بچا کر خواص سے وابستگی اختیار کیجائے اور ظاہر ہے کہ خواص سے مراد متبع سنت اولیاء امت اور وہ علماء کرام ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تمام مسلمانوں کو اس زریں نصیحت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یہ روایت الفاظ کے قدرے تغیر کے ساتھ ابن ماجہ میں باب ما یکرہ من الفتن ص ۲۹۳ پر اور ابو داؤد، کتاب الملاحم باب الامر والنہی کے تحت ص ۲۴۱ ج ۱ پر اور مسند احمد بن حنبل میں ص ۱۶۳ ج ۲ و ص ۲۲۰ ج ۲ پر بھی مذکور ہے۔

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى قَالَ نَا سُفْيٰنُ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَشَبَّكَ اَصَابِعَهٗ۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن مومن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہوتا ہے کہ اس کا ایک حصہ، اس کے دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے، اور (یہ مضمون سمجھانے کیلئے) آپؐ نے اپنی انگلیوں کا جال بنایا۔

تشریح حدیث دوم حدیث پاک کا مضمون یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہنا چاہیئے، ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کیلئے زور بازو اور پشت پناہ ہونا چاہیئے وہ سب آپس میں شیر و شکر ہو کر رہیں جیسے تعمیر ہوتی ہے، تعمیر سے پہلے جب اینٹیں الگ الگ تھیں تو ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں تھا، انھیں دیوار کی صورت میں تبدیل کیا گیا تو ایک خاص انداز اور ترتیب سے انھیں جوڑا گیا، دیوار جب بناتے ہیں، تو ایک اینٹ کو دوسری اینٹ پر او پر نیچے یوں ہی نہیں رکھتے بلکہ دوسرا ردا رکھتے وقت معمار یہ خیال رکھتا ہے کہ ہر اینٹ، پہلی اینٹ کے آدھے حصے پر آئے تاکہ اندرون تعمیر کہیں خلا باقی نہ رہے اور دیوار مستحکم ہو جائے، پھر جب ایک دیوار کو دوسری دیوار سے ملاتے ہیں تو ڈا ملانے کی طرف پوری توجہ کیجاتی ہے تاکہ تمام دیواریں ایک دوسرے سے مدغم ہو جائیں، اگر دیواریں الگ الگ ہوں گی تو تعمیر کمزور رہ جائے گی۔ گویا تعمیر میں اس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ اس کی ہر چیز ایک دوسرے سے پیوست رہے تاکہ اس اتحاد تام سے استحکام پیدا ہو جائے۔ آپ نے اس مثال کے استحکام کو انگلیوں میں تشبیک دے کر اور ذہن نشین فرمادیا کہ جس طرح انگلیاں ایک دوسرے میں مدغم ہو کر یکجان ہو جاتی ہیں۔

اور تمام انگلیوں کی قوت یکجا ہو کر بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے قوتِ دست اور پشت پناہ ہونا چاہئے۔

امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا ثبوت واضح ہے کہ آپ نے ایک معنوی چیز کو محسوس انداز میں ذہن نشین کرنے کے لئے مسجد کے اندر تشبیک کا عمل کیا، معلوم ہوا کہ مقصد تعلیم و تفہیم ہو تو مسجد کے اندر اور باہر اس کی گنجائش ہی نہیں بلکہ یہ ایک امر مستحسن ہے۔ واللہ اعلم

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ قَالَ نَا ابْنُ شُمَيْلٍ قَالَ أَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدٰى صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ أَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ إِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ وَفِي الْقَوْمِ أَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَسِيْتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ أَكَمَا يَقُوْلُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ۔

ترجمہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی دو نمازوں (ظہر اور عصر) میں سے ایک نماز پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے تو نماز کو متعین فرمایا تھا لیکن میں بھول گیا۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ آپ نے ہمیں، دو رکعتیں پڑھائیں اور سلام پھیر دیا پھر مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کی جانب تشریف لے گئے اور اس سے ٹیک لگا کر اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے آپ غضبناک ہوں اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں کا جال بنایا اور اپنے داہنے رخسار مبارک کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ لیا اور عجلت پسند لوگ مسجد کے دروازوں سے باہر نکل گئے، پھر لوگوں نے آپس میں یہ گفتگو کی کہ کیا نماز میں کمی ہو گئی ہے؟ اور لوگوں میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے مگر ان دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے میں ہیبت مانع رہی، اور لوگوں میں ایک شخص تھے جن کے دونوں ہاتھ کچھ لمبے تھے جنھیں

ذوالیدین کہا جاتا تھا انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی کردی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے، پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا، کیا ایسا ہی ہوا ہے جو ذوالیدین کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، جی ہاں! یہ معلوم کرکے آپ آگے بڑھے اور جو رکعتیں باقی رہ گئی تھیں وہ پڑھیں، پھر سلام پھیرا، پھر اللہ اکبر کہا اور عام سجدہ کی طرح یا اس سے کچھ طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، پھر اللہ اکبر کہا اور عام سجدہ کی طرح یا اس سے کچھ طویل سجدہ کیا، پھر سر اٹھایا، اور اللہ اکبر کہا، لوگوں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ پھر سلام پھیرا یا نہیں؟ تو ابن سیرین نے کہا کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت عمران بن حصین نے فرمایا کہ پھر آپ نے سلام پھیرا۔

تشریح حدیث سوم یہ اس باب کی تیسری روایت ہے، حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ظہر یا عصر کی چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا اور اس کے بعد مسجد کے اندر عرض میں پڑی ہوئی ایک لکڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہوگئے، چہرۂ مبارک سے غصہ کے آثار نمایاں تھے، اس تفکر کی حالت میں دو عمل آپ سے صادر ہوئے بہ ظاہر یہ دونوں عمل الگ الگ ہیں، ایک یہ کہ آپ نے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور انگلیوں کا جال بنایا تشبیک کا یہ عمل ختم ہوا تو داہنے رخسار کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر خشبۂ معروضہ کے سہارے کھڑے ہوگئے۔ یہ سب کیفیات اسلئے ظاہر ہو رہی ہیں کہ نماز میں قبل از وقت سلام پھیر دیا گیا تھا، اور اگرچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو تمام سمجھ رہے تھے لیکن اس کے باوجود اندرونی طور پر ایک احساس پیدا ہوا اور غیر اختیاری طور پر مختلف کیفیات کا ظہور ہونے لگا، کبھی انگلیوں میں تشبیک فرمارہے ہیں، کبھی خشبۂ معروضہ کے سہارے کھڑے ہیں اور رخسار مبارک کو ہاتھ پر رکھے ہوئے ہیں وغیرہ، اور اسی کے ساتھ چہرۂ مبارک پر جلال کے آثار نمایاں ہیں، صدیق اکبر اور فاروق اعظم جیسے سمجھ دار اور مزاج شناس اس انداز کو دیکھ کر کچھ عرض کرنے کی ہمت نہیں کر رہے ہیں اور جو جلد بازی کے خوگر ہیں، وہ مسجد سے باہر جانے لگے ہیں، شاید ان لوگوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ نماز میں کمی کردی گئی ہے، اسی دوران جماعت میں شریک ایک صحابی آگے بڑھے، انکے ہاتھوں میں طول تھا اور اسی وجہ سے ان کو ذوالشمالین کہتے تھے، لیکن ذوالشمال میں چونکہ بدفالی ہے اس لئے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کا لقب، ذوالشمالین سے بدل کر ذوالیدین کردیا تھا، یہ صحابی آگے بڑھے اور عرض کیا کہ آپ بھول گئے ہیں یا نماز کی رکعتوں میں کمی کردی گئی ہے؟ چونکہ رکعتوں میں بھی کمی نہیں ہوئی تھی اور نہ آپ کو اپنے بھول جانے کا علم تھا اس لئے آپ نے دونوں باتوں سے انکار فرمایا اور کہا کہ کچھ نہیں ہوا ہے۔ اب ذوالیدین کو یقین ہوگیا کہ قصر تو ہوا نہیں ہے لیکن نسیان

ہوا ہے مگر صورتِ حال یہ ہے کہ نسیان کا بھی نسیان ہو رہا ہے اس لئے انھوں نے یقین کے ساتھ عرض کیا کہ کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے حاضرین سے معلوم کیا أصدق ذوالیدین ؟ کیا ذوالیدین صحیح کہتے ہیں، جواب ملا، جی ہاں! جب تصدیق ہو گئی تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مصلی پر تشریف لے گئے اور باقی ماندہ نماز کی رکعتیں ادا کیں، سلام پھیرا اور اس کے بعد سہو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔

امام بخاری یہاں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اندرونی تفکرات اور ذہنی غور و فکر کے سبب بے اختیار مسجد کے اندر تشبیک کا عمل کیا، پہلی دو روایتوں سے معلوم ہوا تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معنوی حقائق کو سمجھانے کیلئے تمثیل کے طور پر تشبیک کا عمل کیا تھا، بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا کہ ضرورت ہو تو یہ عمل مسجد اور بیرون مسجد دونوں میں درست ہے۔

نماز میں کلام کا مسئلہ | امام بخاری یہاں کلام کے مسئلہ سے بحث نہیں کر رہے ہیں اس کے لئے وہ آگے مستقل ترجمہ باب ما ینہی من الکلام فی الصلوۃ (ص ۱۶۱/۱) منعقد کریں گے وہیں معلوم ہوگا کہ امام بخاری کا رجحان اس مسئلہ میں کیا ہے اسی موقع پر اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل اور ان سے بحث کرنا مناسب ہوگا، لیکن چونکہ ذوالیدین ہی کی روایت نماز میں کلام کی اجازت دینے والوں کا مستدل ہے اور یہ روایت بخاری وہاں ذکر نہیں کریں گے اسلئے اسی موقع پر کچھ بیان کر دینا مناسب ہے۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں کسی بھی طرح کے کلام کی اجازت نہیں، کلام عمداً ہو یا نا سیا، اصلاح صلوٰۃ سے متعلق ہو یا غیر متعلق، ہر صورت میں ممنوع اور مفسدِ صلوٰۃ ہے، امام شافعیؒ کے یہاں کلام سہواً ہو اور مختصر ہو تو مفسدِ صلوٰۃ نہیں ہے، امام مالک سے ایک روایت میں اور امام اوزاعی سے منقول ہے کہ کلام اصلاحِ صلوٰۃ کیلئے ہو تو اس کی گنجائش ہے اور مفسدِ صلوٰۃ نہیں، امام احمد سے کئی روایتیں ہیں جن میں کلام کی بعض صورتیں مفسد صلوٰۃ نہیں ہیں۔

ان تمام حضرات کا مستدل حضرت ذوالیدین کی یہی روایت ہے جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا، پھر حضرت ذوالیدین کی عرض معروض اور سوال و جواب یعنی گفتگو کے بعد باقی ماندہ رکعتیں پڑھا کر سجدہ سہو کیا معلوم ہوا کہ نماز میں گفتگو ہو سکتی ہے، اس مسئلہ میں بڑی طویل گفتگو کی گئی ہے اور ائمہ کے مسلک کی تشریح میں بھی تفصیلات ہیں، لیکن یہ چند باتیں سب کے نزدیک مسلم ہیں:۔

۱۔ یہ بات سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ ابتداء میں نماز میں گفتگو اور سلام و کلام کی اجازت تھی۔

۲۔ یہ بات بھی مسلمات میں سے ہے کہ بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی۔

۳۔ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ عمداً کلام کرنا سب کے نزدیک مفسدِ صلوٰۃ ہے۔

نماز میں گفتگو کی ممانعت کرنے والے یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت ذوالیدین کی روایت اس زمانہ کی ہے جب

نماز میں گفتگو کی اجازت تھی، جب اجازت منسوخ ہوگئی تو حکم بدل گیا، اس لئے ذوالیدین کی روایت کلام فی الصلوٰۃ کے سلسلہ میں منسوخ ہے، غالباً بخاری بھی یہی سمجھ رہے ہیں کیونکہ تشبیک کے ثبوت میں تو روایت پیش کردی اور جب کلام فی الصلوٰۃ کا مسئلہ آئے گا تو وہاں حضرت زیدؓ بن ارقم اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایات لائیں گے جن میں ہر طرح کی ممانعت ہے۔

مگر نماز میں کلام کی کسی بھی صورت میں گنجائش دینے والے یہ سمجھ رہے ہیں کہ نماز میں کلام کی اجازت مکی زندگی میں تھی پھر منسوخ ہوگئی تھی اور حضرت ذوالیدینؓ کا واقعہ کلام فی الصلوٰۃ کی ممانعت کے بعد کا ہے، گویا ان حضرات کے یہاں نماز میں کلام کرنا تو ممنوع ہے، لیکن ممانعت کے بعد ہی چونکہ ذوالیدین کا واقعہ پیش آیا ہے، اسلئے جتنی بات ذوالیدین کے واقعہ سے ثابت ہے اتنی گفتگو کی اجازت ہے، اسلئے کسی کے یہاں اصلاح صلوٰۃ کیلئے کئے گئے کلام کی اجازت ہے، کسی کے یہاں مختصر اور سہواً کی اجازت ہے وغیرہ۔ ان فقہاء کا سارا زور استدلال اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ نماز میں کلام کی اجازت اور اسکا منسوخ ہونا، یہ دونوں حکم بالکل ابتداء میں ثابت ہو جائیں اور حضرت ذوالیدین کی روایت کو جتنا بھی مؤخر کیا جاسکے اتنا ہی انکے حق میں ہے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ ذوالیدین کی روایت سے ثابت ہونے والا حکم منسوخ نہیں ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نماز میں سلام وکلام کی اجازت مکی زندگی میں تھی اور یہ اتنی پرانی بات ہے کہ ابن عمرؓ جنکی پیدائش آپ کے اعلان نبوت سے ایک سال پہلے کی ہے انکو بھی یاد نہیں ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر نے حضرت بلالؓ یا حضرت صہیبؓ سے معلوم کیا کہ نماز میں سلام کے جواب دینے کا کیا طریقہ تھا، تو انھوں نے جواب دیا کہ اشارے سے جواب دیا جاتا تھا معلوم ہوا کہ ابن عمر کے بالکل بچپن کی بات ہے کہ وہ قدیم الاسلام صحابۂ کرام سے معلوم کر رہے ہیں، نیز یہ کہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم حبشہ سے واپس آئے تو سلام کی اجازت منسوخ ہوچکی تھی جبکہ ابن مسعود کی حبشہ سے واپسی ۵ھ نبوت میں مکی زندگی میں ہوئی ہے، یہ تو ہوا، سلام وکلام کی اجازت اور اسکے منسوخ ہونے کا تقدم، اب رہی ذوالیدین کی روایت تو یہ حضرات کہتے ہیں کہ ذوالیدین کا واقعہ مدنی زندگی کا ہے اور مدنی زندگی میں بھی چونکہ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں جو ۷ھ میں اسلام لائے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں صلی بنا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذوالیدین والے واقعہ میں حضرت ابوہریرہؓ خود نماز میں شریک ہیں، اس لئے یہ واقعہ بہت بعد کا ہے — مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ سلام وکلام کی اجازت مکی میں تو تھی ہی، مدنی زندگی کی ابتداء میں بھی یہ اجازت باقی تھی کیونکہ حضرت زید بن ارقم جو مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے گئے ہی نہیں اور وہ بھی حضرت ابن عمر ہی کے ہم عمر ہیں، وہ روایت کرتے ہیں۔

عن زید بن ارقم انا کنا نتکلم فی الصلوٰۃ	زید بن ارقم سے روایت ہے کہ ہم لوگ عہد رسالت
علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکلم	میں نماز میں گفتگو کرلیا کرتے تھے ہم میں سے کوئی بھی
احدنا صاحبہ بحاجتہ حتی نزلت	اپنے ساتھی سے ضرورت کی بات کرلیتا تھا یہاں تک کہ

حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی وقوموا للہ قانتین فامرنا بالسکوت (بخاری ص ۱۶۰، ج ۱)

یہ آیت نازل ہوئی کہ سب نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی پابندی کرو اور قوموا للہ قانتین اللہ کے سامنے عاجزی اور خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو چنانچہ اسکے بعد ہمیں خاموش رہنے کا حکم دے دیا گیا (بخاری ص ۱۶۰ ج ۱)

جب حضرت زید بن ارقمؓ نے نماز میں گفتگو کا زمانہ پایا تو یقیناً یہ اجازت مدنی زندگی کی ابتدار میں باقی تھی اس لئے کہ مکی زندگی سے حضرت زیدؓ بن ارقم کا کوئی تعلق نہیں رہا اور اسی روایت سے طے ہوا کہ مدنی زندگی کی ابتدار میں ممانعت ہوئی کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مدنی ہے، رہا ابن مسعود کا حبشہ سے واپسی کا معاملہ تو وہ بھی مدنی زندگی کی ابتدار کا واقعہ ہے کیونکہ ابن مسعود ۵ نبوت میں حبشہ سے واپس آئے ضرور تھے مگر چند روز قیام کرکے پھر حبشہ چلے گئے تھے اور دوبارہ غزوۂ بدر کے موقع پر مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے۔

نیز حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالیدین کی روایت میں خود اس کے مدینہ طیبہ کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہونے کے دلائل موجود ہیں، کیونکہ ذوالیدین غزوۂ بدر کے شہدار میں ہیں، معلوم ہوا کہ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا، دوسرے یہ کہ اس میں جس خشبۂ معروضہ کے سہارے کھڑے ہونے کا تذکرہ ہے حضرت علامہ کشمیری کی تحقیق کیمطابق وہ اسطوانۂ حنانہ تھا جس سے سہارا لے کر حضور صلی اللہ علیہ خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب منبر ۲ھ میں یا اس سے پہلے تیار کیا گیا تو اس کو ہٹادیا گیا حضرت علامہ کشمیری کی تحقیق کے مطابق منبر ۲ھ میں یا اس سے پہلے تیار کیا گیا تھا اور اس کیلئے وہ مختلف روایتوں سے مختلف طور پر استدلال فرماتے تھے جبکہ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق منبر ۷ھ یا ۸ھ میں تیار ہوا ہے۔

حضرت ذوالیدین کے غزوۂ بدر میں شہید ہونے کے سلسلہ میں شوافع یہ کہتے ہیں کہ یہاں دو شخصیتیں ہیں۔ ایک ذوالیدین اور دوسرے ذوالشمالین، ایک غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے لیکن دوسرے بعد تک حیات رہے ہیں لیکن نسائی کی روایت میں یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں، اس لئے حنفیہ کا یہ کہنا ہی صحیح ہے کہ یہ روایت غزوۂ بدر سے پہلے کی ہے، اور اس وقت کی ہے جب نماز میں گفتگو کی اجازت تھی، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور اب نماز میں کسی بھی طرح کی گفتگو کی اجازت نہیں ہے۔

رہا یہ جز کہ حضرت ابوہریرہ نے صلی بنا فرمایا جس کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ خود اس نماز میں شریک تھے، تو اس کے لئے امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں اور جصاصؒ رازی نے احکام القرآن میں متعدد نظیریں پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ اس کے معنی صلیٰ بالمسلمین کے ہیں اور ان الفاظ سے حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بنفس نفیس شرکت کا مضمون ثابت ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام طحاوی نے "باب الکلام فی الصلوۃ" میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ از روئے لغت یہ جائز ہے کہ حضرت ابو ہریرہ "صلی بنا" "صلی بالمسلمین" کے معنی میں استعمال فرمائیں جیسا کہ مثلاً حضرت نزال بن سبرہ فرماتے ہیں قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا وایاکم کنا ندعی بنی عبد مناف الخ یعنی ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں اور تمھیں "بنی عبد مناف" کہا جاتا تھا اور چونکہ حضرت نزال بن سبرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں اس لئے ان کے "قال لنا" فرمانے معنی یہ ہیں "قال لقومنا"، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری قوم سے فرمایا تھا، پھر امام طحاوی دوسری مثال دیتے ہیں کہ حضرت طاؤس نے کہا قدم علینا معاذ بن جبل کہ معاذ بن جبل ہمارے یہاں آئے، جبکہ حضرت معاذ عہد رسالت میں یمن گئے تھے، اور اس وقت حضرت طاؤس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس لئے ان کے "قدم علینا" کے یہی معنے ہوں گے قدم علی قومنا اس کے علاوہ بھی نظیریں پیش کی ہیں مطلب یہ ہے کہ ذوالیدین کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ کا "صلی بنا" یا "صلی لنا" فرمانا، جبکہ حضرت ذوالیدین غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے تھے اور اس وقت تک حضرت ابو ہریرہ اسلام نہیں لائے تھے، اس معنی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یعنی مسلمانوں کو نماز پڑھائی

نماز میں کلام کی اجازت اور ممانعت کا مسئلہ بہت مفصل اور طویل ہے اور اس پر حنفیہ کے دلائل اسی موقع پر مذکور ہوں گے جہاں یہ مسئلہ آئے گا، لیکن چونکہ اجازت دینے والوں کا مستدل یہی حضرت ذوالیدین کی روایت تھی، اس لئے اس پر مختصر گفتگو کی گئی۔

واللہ اعلم بالصواب

الی ھنا تم الجزء الخامس عشر من ایضاح البخاری ویتلوہ الجزء السادس عشر و اولہ باب المساجد التی علی طرق المدینۃ

کتاب الصلوٰة

بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِي عَلَى طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَالْمَوَاضِعِ الَّتِي صَلَّى فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ قَالَ ثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ نَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتَحَرَّى اَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيقِ فَيُصَلِّي فِيهَا وَيُحَدِّثُ اَنَّ اَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيهَا وَاَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْاَمْكِنَةِ قَالَ وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْاَمْكِنَةِ وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَلَا اَعْلَمُهُ اِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِي الْاَمْكِنَةِ كُلِّهَا اِلَّا اَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِي مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ۔

ترجمہ، باب، ان مسجدوں کا بیان جو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کے راستہ پر واقع ہیں اور اسی راستہ کی ان جگہوں کا بیان جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے موسی بن عقبہ کہتے ہیں کہ حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمر مکہ سے مدینہ کے راستہ پر ان مقامات کو تلاش و تجسس سے متعین کرتے تھے (جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی) پھر وہاں نماز پڑھتے تھے اور یہ بیان کرتے تھے کہ ان کے والد (حضرت ابن عمرؓ) ان جگہوں پر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ کہ ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جگہوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، موسی بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت نافعؒ نے بھی بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ ان جگہوں پر نماز پڑھتے تھے اور میں نے اس سلسلے میں سالم سے معلوم کیا تو انہوں نے وہی تمام مقامات بتلائے جو حضرت نافعؒ نے بتائے تھے، مگر یہ کہ شرف الروحاء کی مسجد کے بارے میں دونوں کا اختلاف رہا۔

مقصد ترجمہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانے کے لئے زمانۂ قدیم میں متعدد راستے تھے اور ان کی مسافت اتنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت سات دن میں

پورا ہوا تھا آپ جمعرات کے دن مکہ مکرمہ سے نکلے، تین دن تک غار میں اقامت پذیر رہے، اور دوشنبہ کو غار سے نکل کر مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے، اگلے دوشنبہ کو مدینہ طیبہ پہنچ گئے، اسی طرح حجۃ الوداع میں مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تک کا سفر آٹھ دن میں طے فرمایا، روایت میں جن مقامات پر نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے یہ حجۃ الوداع کے سفر سے متعلق ہیں۔ اگر سفر سات ایام میں طے ہوا تو پینتیس ۳۵ نمازوں کا وقت آیا اور آٹھ دن صرف ہوئے تو چالیس نمازیں پڑھی گئیں، لیکن جہاں قیام کیا جاتا ہے وہاں کئی کئی وقت کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اس لئے راوی، روایات میں چند مقامات کا تذکرہ کرتے ہیں، ان اسفار میں جن جن مقامات پر اتر کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھی ہیں ان میں بعض جگہوں پر باقاعدہ مسجد شرعی تعمیر کر دی گئی ہے اور بعض مقامات پر مسجد تعمیر نہیں ہوئی، چنانچہ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب کے الفاظ میں اس کی رعایت کی اور انھوں نے دو لفظ استعمال کئے المساجد اور المواضع، مساجد سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں بعد میں مسجد تعمیر ہوگئی ہے اور مواضع وہ جگہ ہیں جہاں مسجد تعمیر نہیں ہوئی، لیکن ابن عمرؓ ان مقامات کو تلاش کر کے وہاں نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے۔

امام بخاریؒ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے نمازیں پڑھی ہیں ان مقامات کو خاص شرف اور تقدس حاصل ہوگیا ہے اس لئے اگر کوئی ان جگہوں سے گذرے اور وہاں نماز پڑھنے کا اہتمام کرے تو یہ عمل باعث خیر و برکت اور باعث ترقی درجات ہوگا، بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ان آثر کو دیکھنے کے لئے اور وہاں کے فیوض و برکات سے استفادے کے لئے جانے کا بھی اہتمام کرے تو ہمارے یہاں اس میں بھی تنگی نہیں بلکہ یہ ایک مستحسن بات ہوگی۔ پھر یہ کہ یہاں بحث یہ ہے کہ جو افعال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برسبیل اتفاق کئے ہیں، ان کو اہتمام کے ساتھ عمل میں لانے کا کیا حکم ہے؟ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران کسی مقام پر نماز پڑھنے کے لئے اترے تو یہ ایک اتفاقی بات تھی، اب کسی شخص کا باقاعدہ اسی جگہ اتر کر نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا کیا حکم رکھتا ہے، امام بخاریؒ اس ترجمہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے اس کا استحسان ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ابن عمر اس کا باقاعدہ اہتمام فرماتے تھے۔

رہا ان کے والد محترم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذوق تو وہ بظاہر ان کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ فتح الباری و عمدۃ القاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سفر میں یہ دیکھا کہ لوگ ایک جگہ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں، معلوم فرمایا کیا بات ہے؟ بتلایا گیا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی تو حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہاں نماز پڑھ لینی چاہئے ، ورنہ آگے بڑھ جانا چاہئے ، اہل کتاب اسی وجہ سے ہلاکت میں مبتلا ہوئے کہ انھوں نے انبیاء کرام کے آثار کو تلاش کر کے وہاں عبادت گاہیں تعمیر کیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ لوگوں کی اس دوڑ دھوپ پر نکیر فرمارہے ہیں ، جس میں مستحبات کو واجبات کی طرح اہمیت دی جارہی ہے ، اور ظاہر ہے کہ نوافل کو فرائض یا مستحبات کو واجبات کی طرح خیال کیا جانے لگے یا اس کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو لامحالہ اس سے منع کیا جائے گا ، ہمارے نزدیک حضرت عمرؓ کے انکار کی وجہ ہی یہ ہے کہ انھوں نے اس درجہ اہتمام اچھا نہیں سمجھا جس سے غلطی یا غلط فہمی کو راہ ملے ۔

ابن تیمیہؒ کا مزاج بھی اس سلسلہ میں تنگی کی طرف مائل ہے ، وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں اتفاقی طور پر پیغمبر علیہ السلام نے کی ہیں ۔ اگر بالکل اتفاقی طور پر ان پر عمل کرنے کی نوبت آئے تو مضائقہ نہیں ہے ، یعنی سفر کر رہے ہیں ۔ اور اتفاق سے ایسی جگہ نماز کا وقت آجائے جہاں پیغمبر علیہ السلام نے نماز پڑھی ہے تو نماز پڑھ لے لیکن اس کا باقاعدہ اہتمام کرنا ان کے نزدیک پسندیدہ نہیں ، لیکن ان کی یہ تنگی انھیں مبارک ، ہمارے اکابر کا یہ مزاج نہیں ہے ۔

امام بخاریؒ بھی اس ترجمہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل اور ذوق کی تائید فرما رہے ہیں کہ جن مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کے دوران نزول فرمایا اور وہاں نمازیں پڑھیں ان مقامات کو خاص اہمیت ، تقدس اور بابرکت ہونے کی حیثیت حاصل ہے ، اور ان کو متبرک سمجھتے ہوئے وہاں نماز پڑھنا امر مستحسن ہے ۔ گویا اس باب میں امام بخاریؒ نے اصولی طور پر صالحین کے تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا جواز اور استحسان ثابت کیا ہے ، حافظ ابن حجرؒ اور دیگر شارحین نے لکھا ہے کہ ملت اسلامیہ صالحین کی یادگاروں سے برابر تبرک حاصل کرتی رہی ، ابھی چند ابواب پہلے حضرت عتبان بن مالکؓ کی روایت گذری ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تاکہ وہ اس کو گھر کی مسجد بنالیں اور آپ نے ان کی درخواست کو قبول فرمایا جو آثار صالحین کے تبرک سمجھنے کے سلسلہ میں مضبوط دلیل ہے نیز یہ کہ قرآن کریم کی بھی بعض آیات سے ضمنی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے ، ارشاد فرمایا گیا

وقال لهم نبيهم ان اٰية ملكه ان	اور ان (بنی اسرائیل) سے ان کے نبی نے کہا کہ
يأتيكم التابوت فيه سكينة من	اس (طالوت) کی سلطنت کی نشانی یہ ہے

ربکم و بقیۃ مما ترک آل موسیٰ وآل ھارون تحملہ الملٰئکۃ (سورۃ البقرہ آیت ۲۴۸)

کہ تمھارے پاس وہ صندوق (خود) آجائیگا جسمیں تمھارے پروردگار کی طرف سے (سامانِ) تسکین ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی بچی ہوئی چیزیں (تبرکات) ہیں فرشتے اس کو لے کر آئیں گے۔

ظاہر ہے کہ آیت پاک میں بقیۃ مما ترک آل موسیٰ وآل ھارون سے مراد آل موسیٰ و آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، جس میں مفسرین کے بیان کے مطابق تورات کے اصل نسخے کے علاوہ حضرت موسیٰ کا عصا انکے کپڑے، نعلین وغیرہ تھے، اکثر یہود کا خیال ہے کہ تبرکات کا یہ صندوق ہیکل سلیمانی کی بنیادوں میں دفن کردیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

بہرحال صالحین کے تبرکات کے جواز و استحسان کے سلسلہ میں امام بخاریؒ نے ایک ترجمہ منعقد فرمادیا۔ اور اس سلسلہ میں دو روایتیں ذکر کی ہیں جن میں مکہ سے مدینہ کے راستہ کی مسجدوں اور ان مقامات کا ذکر ہے جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ یہاں نماز پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

تشریح حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر چند جگہوں کو اہمیت کے ساتھ تلاش کرتے اور وہاں نماز ادا کرتے اور یہ فرماتے کہ میرے والد ابن عمرؓ بھی ان جگہوں کو تلاش کرکے یہاں نماز پڑھتے تھے اور حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل اس بنیاد پر تھا کہ انھوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا

وحدثنی نافع الخ جس طرح حضرت ابن عمرؓ کے صاحبزادے، حضرت سالمؒ، ابن عمرؓ کی روایات بیان کرتے ہیں، اسی طرح ان کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ بھی نقل کرتے ہیں، یہاں اُن دونوں کے شاگرد موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں کہ ان متبرک مقامات کے بارے میں حضرت نافعؒ نے بیان کیا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ وہاں نماز پڑھتے تھے، پھر میں نے حضرت سالمؒ سے اس سلسلہ میں معلوم کیا تو انھوں نے نافعؒ کے بیان کے مطابق ہی تفصیلات بیان کیں مگر یہ کہ شرف الروحاء کی مسجد سے متعلق بیانات مختلف ہوگئے۔

"شرف روحاء" شرف کے معنی ہیں بلندی اور اونچائی، اور روحاء ایک جگہ کا نام ہے، مراد یہ ہے کہ روحاء سے متصل جو اونچی جگہ ہے وہاں کی مسجد کی جگہ کی تعیین کے سلسلہ میں نافعؒ اور سالمؒ کے

بیانات مختلف ہوگئے یا ان دونوں میں یہ اختلاف تھا کہ نافع نے اس کو ذکر کیا اور سالم نے ذکر نہیں کیا۔ روحاء کے بارے میں کوئی کہتا ہے کہ مدینہ طیبہ سے دو دن کی مسافت پر ایک آبادی کا نام ہے کسی نے کہا ۳۶ میل ہے، کسی نے کہا ۴۱ میل ہے، بعض روایات میں اس کو جنت کی وادی فرمایا گیا ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مجھ سے پہلے یہاں ستر پیغمبروں نے نماز پڑھی ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ بنو اسرائیل کے ستر ہزار افراد کے ساتھ حضرت موسی بن عمران حج یا عمرہ کے لئے یہاں سے گذرے ہیں۔ بہرحال یہ وادی پہلے ہی سے متبرک تھی پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز پڑھنے کی بنیاد پر اس کے تقدس اور اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

حدثنا ابراهيم بن المنذر الحزامي قال نا انس بن عياض قال نا موسى بن عقبة عن نافع ان عبد الله بن عمر اخبره ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينزل بذي الحليفة حين يعتمر وفي حجته حين حج تحت سمرة في موضع المسجد الذي بذي الحليفة وكان اذا رجع من غزوة وكان في تلك الطريق او حج او عمرة هبط بطن واد فاذا ظهر من بطن واد اناخ بالبطحاء التي على شفير الوادي الشرقية فعرس ثم حتى يصبح ليس عند المسجد الذي بحجارة ولا على الاكمة التي عليها المسجد كان ثم خليج يصلي عبد الله عنده في بطنه كثب كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم يصلي فدحا فيه السيل بالبطحاء حتى دفن ذلك المكان الذي كان عبد الله يصلي فيه وان عبد الله بن عمر حدثه ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى حيث المسجد الصغير الذي دون المسجد الذي بشرف الروحاء وقد كان عبد الله يعلم المكان الذي كان صلى فيه النبي صلى الله عليه وسلم يقول ثم عن يمينك حين تقوم في المسجد تصلي وذلك المسجد على حافة الطريق اليمنى وانت ذاهب الى مكة بينه وبين المسجد الاكبر رمية بحجر او نحو ذلك وان ابن عمر كان يصلي الى العرق الذي عند منصرف الروحاء وذلك العرق انتهى طرفه على حافة الطريق دون المسجد الذي بينه وبين المنصرف وانت ذاهب الى مكة وقد ابتني ثم مسجد فلم يكن عبد الله بن عمر يصلي في ذلك المسجد كان يتركه عن يساره ووراءه ويصلي امامه الى العرق نفسه وكان عبد الله يروح من الروحاء فلا يصلي الظهر حتى ياتي ذلك المكان فيصلي فيه الظهر واذا اقبل من مكة فان مر به قبل الصبح بساعة او من آخر السحر عرس حتى يصلي بها الصبح

وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُونَ الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ وَوِجَاهَ الطَّرِيقِ فِي مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ حَتَّى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا فَانْثَنَى فِي جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلَى سَاقٍ وَفِي سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيرَةٌ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْجِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى هَضْبَةٍ عِنْدَ ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُورِ رَضْمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ عِنْدَ سَلَمَاتِ الطَّرِيقِ بَيْنَ أُولٰئِكَ السَّلَمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِي ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ فِي مَسِيلٍ دُونَ هَرْشَى ذٰلِكَ الْمَسِيلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ قَرِيبٌ مِنْ غَلْوَةٍ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيلِ الَّذِي فِي أَدْنَى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِينَةِ حِينَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذٰلِكَ الْمَسِيلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى وَيَبِيتُ حَتَّى يُصْبِحَ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدَمُ مَكَّةَ وَمُصَلَّى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّهْ وَلٰكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا ثُمَّ تُصَلِّي مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ.

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب عمرہ کے لئے سفر فرماتے اسی طرح جب آپ نے حجۃ الوداع کا سفر فرمایا تو آپ کیکر کے درخت کے نیچے اس جگہ نزول فرماتے جس جگہ اب ذوالحلیفہ کی مسجد ہے اور جب آپ کسی غزوہ (سفر جہاد) سے یا حج یا عمرہ سے واپس آتے اور اس ذوالحلیفہ والے راستہ میں ہوتے تو وادی (عقیق) کے نشیب میں اترتے پھر جب وادی کے نشیب سے اوپر چڑھتے تو اپنی اونٹنی کو بطحا، (بطحا اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی کی رَو سے سنگریزے جمع ہو جائیں) میں بٹھاتے جو وادی کے مشرقی کنارے پر واقع ہے چنانچہ آخر شب میں وہاں اتر کر صبح تک آرام کرتے، یہ جگہ اس مسجد کے پاس نہیں ہے جو پتھروں سے بنی ہوئی ہے، اور نہ یہ اس ٹیلہ پر ہے جہاں (دوسری) مسجد بنی ہوئی ہے، وہاں ایک خلیج یعنی گہری وادی تھی وہاں عبداللہ بن عمرؓ نماز پڑھتے تھے، اس وادی کے نشیب میں ریت کے تودے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے پھر پانی کی رو نے اس کو سنگریزوں سے پاٹ دیا یہاں تک کہ اس جگہ کو چھپا دیا جہاں عبداللہ بن عمرؓ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں اب وہ چھوٹی مسجد ہے جو شرف الروحاء کی مسجد کے قریب ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس جگہ کو معین فرماتے تھے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی فرماتے کہ جب تم مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوگے تو وہ جگہ تمھارے داہنے ہاتھ کی طرف پڑے گی اور یہ (چھوٹی) مسجد مکہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ کے داہنے کنارے پر واقع ہے اور اس چھوٹی مسجد اور بڑی مسجد کے درمیان کم وبیش اتنا فاصلہ ہے کہ ایک مسجد سے پتھر پھینکا جائے تو دوسری مسجد میں گرے اور یہ کہ حضرت ابن عمرؓ اس چھوٹی پہاڑی کی طرف نماز پڑھتے تھے جو روحاء کے نکال پر واقع ہے، اس پہاڑی کا کنارہ راستہ کے کنارہ سے ملا ہوا ہے، اس مسجد کے قریب ہے جو مکہ کو جاتے ہوئے پہاڑی اور روحاء کے نکال کے درمیان ہے اور اب اس جگہ ایک مسجد بنا دی گئی ہے مگر عبداللہ بن عمرؓ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کو اپنے بائیں اور پیچھے چھوڑ دیتے تھے اور مسجد کے سامنے خود پہاڑی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ زوال کے بعد روحاء سے روانہ ہوتے اور ظہر کی نماز نہ پڑھتے یہاں تک اس جگہ پہنچ جاتے اور یہیں ظہر کی نماز پڑھتے اور جب وہ مکہ سے (مدینہ) واپس آتے تو اگر صبح سے ایک ساعت پہلے یا آخر شب میں وہاں سے گذرتے تو اتر جاتے یہاں تک کہ فجر کی نماز یہیں پڑھتے اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے درخت کے نیچے نزول فرماتے جو راستہ کے داہنی طرف اور راستے کے

سامنے کشادہ اور نرم ہموار جگہ میں مقام رویثہ کے قریب واقع ہے یہانتک کہ آپ رویثہ کی ڈاک چوکی سے بالکل متصل ٹیلے سے دو میل آگے نکل جاتے، جس درخت کے نیچے آپ نزول فرماتے اس کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے اور ٹوٹ کر اپنے جوف (کھوکھلے تنے) میں آگیا ہے اور وہ اپنے تنے پر کھڑا ہے اور اس کے تنے کے پاس ریت کے بہت سے تودے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ سے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام عرج کے آگے یا اس طرف پانی گرنے کی جگہ کے کنارے پر نماز پڑھی جبکہ تم ہضبہ کی پہاڑی کی طرف جارہے ہو اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں، ان قبروں پر پتھر کی سلیں رکھی ہوئی ہیں، یہ راستے میں کیکر کے درختوں (یا راستہ کے پتھروں) کے پاس راستہ کے داہنی طرف واقع ہیں، ان کیکر کے درختوں (یا بڑے پتھروں) کے درمیان، حضرت ابن عمرؓ دوپہر کا سورج ڈھلنے کے بعد چلتے اور اس مسجد میں ظہر کی نماز پڑھتے، اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بڑے درختوں کے پاس نزول فرمایا جو راستہ کے بائیں طرف اس سیل یعنی نشیبی حصہ میں واقع ہیں جو ہرشی پہاڑی کے قریب ہے، یہ مسیل جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا ہرشی کے کنارے سے ملی ہوئی ہے، اس میں اور راستہ میں ایک تیر پھینکنے کے بقدر فاصلہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس درخت کی طرف نماز پڑھتے جو راستہ سے سب سے زیادہ قریب ہے اور سب سے اونچا ہے اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کی گذرگاہ کے اس نشیبی حصہ میں نزول فرماتے جو مرالظہران کے پاس ہے مدینہ کے سامنے پڑتا ہے، جب تم صفراوات کی وادیوں (یا پہاڑیوں) سے نیچے آؤ گے تو اسی پانی کی گذرگاہ کے نشیب میں اترو گے یہ مکہ کو جاتے ہوئے راستہ کے بائیں طرف ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزول کی جگہ اور راستہ کے درمیان صرف ایک پتھر کے پھینکنے کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے اور یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نافعؒ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذی طوی میں نزول فرماتے تھے اور رات سے صبح تک وہیں قیام کرتے، اور مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے وقت فجر کی نماز نہیں پڑھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی یہ جگہ ایک بڑے ٹیلے پر تھی یہ وہ جگہ نہیں ہے جہاں اب مسجد بنا دی گئی ہے، لیکن یہ اس سے نیچے اتر کر ایک بڑے ٹیلے پر ہے، اور یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے نافعؒ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ کے دونوں جھکے ہوئے کناروں کو سامنے کی طرف لیا

جو پہاڑ آپؐ کے اور اس اونچے پہاڑ کے درمیان ہے جو سمت کعبہ میں واقع ہے پھر ابن عمرؓ نے اس مسجد کو جو وہاں بنائی گئی ہے اس مسجد کے بائیں طرف لے لیا جو ٹیلے کے کنارے پر ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ سیاہ رنگ کے ٹیلے پر اس سے نیچے ہے تم اس ٹیلے سے کم و بیش دس ہاتھ چھوڑ دو پھر اس پہاڑ کے جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے دونوں جھکے ہوئے کناروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

تشریح اس روایت میں نافعؒ نے حضرت ابن عمرؓ کے متعین کردہ ان چند مقامات کی تفصیل پیش کی ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران نزول فرماتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، اس روایت سے یہاں دو باتیں متعلق ہیں ایک وہ مقصد جس کے لئے امام بخاریؒ نے یہ روایت پیش کی کہ جو چیزیں صالحین سے انتساب کا شرف حاصل کر لیتی ہیں ان میں تقدس کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے ان کے تقدس سے برکت حاصل کرنا درست ہے۔ یہ مقصد ثابت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان مقامات کو اہمیت کے ساتھ یاد رکھا اور وہاں نماز پڑھنے کا اہتمام کیا، اپنے شاگردوں کو واقف کرایا، وغیرہ۔

دوسری بات جو اس روایت سے متعلق ہے وہ ہے ان مقامات کا تعین، تو واقعہ یہ ہے کہ مقامات کا صحیح طور پر تعین دیکھنے والا ہی کر سکتا ہے، الفاظ و عبارت کے ذریعہ جگہ کا متعین کرنا بہت دشوار ہے، حضرت ابن عمرؓ نے الفاظ کے ذریعہ بھی جگہ کی نشاندہی کی تھی، اور عملی طور پر اپنے متعلقین کو مشاہدہ بھی کرا دیا تھا، اس لئے حضرت نافعؒ ان جگہوں کو سمجھے ہوئے تھے اور حضرت سالمؒ، حضرت ابن عمرؓ کی طرح ان جگہوں کو تلاش کر کے نماز پڑھتے تھے، لیکن بعد میں یہ جگہیں محفوظ اور متعین نہ رہیں، امام بخاریؒ نے اتنی تفصیلی روایت بھی پیش کی لیکن مقامات کی تعیین کے سلسلہ میں ان کی محنت کارآمد نہ رہی، شارحین نے تا بمقدور شرح کی لیکن وہ بھی الفاظ کی تشریح کی حد تک ہے۔ ہمیں جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے یہ روایت پڑھائی تو برکت کے لئے ایک ہی مرتبہ میں پوری روایت کو پڑھوا دیا، اور ترجمہ بھی نہیں فرمایا کیونکہ جگہوں کی تعیین کے سلسلہ میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔

مگر میری عادت ہے کہ تا بمقدور تفصیل کرتا ہوں، اس لئے ہر منزل کی الگ الگ وضاحت کروں گا، اس تفصیلی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہیں سات سے

زائد ہیں، لیکن جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منزل فرمانے کا ذکر ہے، وہ سات ہیں اور انکو عام طور پر راوی نے بھی مستقل وان عبد الله بن عمر حدثه کہہ کر بیان کیا ہے۔

پہلی منزل پہلی منزل "ذوالحلیفہ" کے نام سے ذکر کی گئی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے جاتے تو ذوالحلیفہ میں منزل کرتے، ذوالحلیفہ مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ اہل مدینہ کا میقات ہے یعنی اہل مدینہ حج کیلئے جائیں تو انھیں یہیں سے احرام باندھنا ہوتا ہے، یہ جگہ "بیر علی" کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ سے مکہ تشریف لے جاتے ہوئے آپ ذوالحلیفہ میں ایک کیکر کے درخت کے نیچے نزول فرماتے تھے جس جگہ اب ذوالحلیفہ میں مسجد بن گئی ہے، گویا ابن عمرؓ یہ فرما رہے ہیں کہ مکہ جاتے ہوئے جس کیکر کے نیچے آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ تھی ٹھیک اسی جگہ مسجد ہے۔

وکان اذا رجع الخ۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے ذوالحلیفہ کے راستہ سے واپس ہوتے تب بھی یہاں نزول فرماتے، مگر واپسی میں نماز کی جگہ دوسری تھی اس کی تفصیل وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ واپسی میں پہلے آپ کی سواری وادی عقیق کے نشیب میں اترتی پھر جب وادی کے نشیب سے اوپر چڑھتے تو آپ اپنی اونٹنی کو وادی عقیق کے مشرقی کنارے پر بطحاء میں بٹھاتے، بطحاء وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں پانی کے بہاؤ سے چھوٹے چھوٹے سنگریزے پھیل گئے ہوں یہیں آپ رات گذارتے اور صبح تک یہیں قیام پذیر رہتے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہاں دو مسجدیں ہیں، ایک مسجد پتھروں سے بنی ہوئی ہے اور دوسری ایک ٹیلے پر بنی ہوئی ہے مگر یہ دونوں مسجدیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہوں کے علاوہ بنی ہیں، آپ کی نماز کی جگہ اس کے قریب ایک گہری وادی (خلیج) تھی جس کی ایک علامت یہ تھی کہ اس کے اندر ریت کے تودے تھے، حضرت ابن عمرؓ اسی بیان کردہ جگہ پر نماز پڑھتے تھے۔

کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى ثم الخ یہ حضرت نافع کا بیان ہے جسے مرسل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ نماز پڑھتے تھے، لیکن چونکہ یہ جگہ نشیب میں تھی اور برسات کے پانی کی گذرگاہ تھی، اس لئے پانی کے بہاؤ کے ساتھ جو سنگریزے آتے رہے ان سے یہ جگہ ہموار ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ چھپ گئی پہلی منزل کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ نے جو بیان فرمایا تھا، اس کی وضاحت ہوگئی، ابن حجرؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان میں سے ذوالحلیفہ کی دو مسجدیں محفوظ ہیں۔

دوسری منزل دوسری منزل شرف الروحار کے نام سے ذکر کی گئی ہے ، روحاء ایک جگہ کا نام ہے جس کا تعارف گذر چکا ہے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے پہلے آبادی کا ایک بالائی حصہ آتا تھا جسے شرف الروحار کے نام سے ذکر کیا گیا ہے ، اور آبادی سے باہر نکلتے ہوئے جو حصہ آتا تھا اس کو منصرف الروحار کے نام سے ذکر کیا گیا ہے ۔

حضرت ابن عمرؓ اس منزل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کی تعیین کے سلسلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو مسجدیں ہیں ، ایک چھوٹی مسجد ہے ، اور اسی کے قریب ایک دوسری بڑی مسجد ہے ، بڑی مسجد تو شرف روحار میں رہنے والے مسلمانوں کی ہے اور یہ چھوٹی مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ ہونے کی بنیاد پر بنائی گئی ہے مگر یہ صحیح جگہ پر نہیں بن سکی ہے ۔

یہ چھوٹی مسجد مکہ جاتے ہوئے راستہ کے داہنے کنارے پر واقع ہے اور اس کا بڑی مسجد سے فقط اتنا فاصلہ ہے کہ اگر ایک مسجد سے پتھر پھینکا جائے تو وہ دوسری مسجد میں گرے گا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی صحیح جگہ کی تعیین اس طرح ہوگی کہ آپ اس چھوٹی مسجد کو اپنی بائیں طرف اور پیچھے کی طرف لے لیں یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ پر نماز پڑھی جائے تو چھوٹی مسجد پیچھے رہ جائے گی اور نمازی کے بائیں طرف آجائے گی اور اگر اس چھوٹی مسجد میں قبلہ رُو کھڑے ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کھڑے ہونے والے کی داہنی سمت میں ، آگے کی طرف واقع ہوگی ۔

پھر اس جگہ کی مزید نشاندہی کرتے ہیں کہ روحار کے نکال پر ایک چھوٹی پہاڑی ہے اس چھوٹی پہاڑی کا ایک کنارہ راستہ کے کنارہ سے ملا ہوا ہے ۔ اور چھوٹی پہاڑی کا یہ کنارہ اس مسجد کے قریب ہے یا اس مسجد سے نیچے ہے جو پہاڑی اور منصرفِ روحار کے درمیان واقع ہے ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے کیونکہ یہ ان کی تحقیق کے مطابق درست جگہ پر نہیں بنی ہے ، بلکہ وہ مسجد کو اپنے بائیں اور پیچھے چھوڑ کر پہاڑی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے ۔

اس دوسری منزل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کی ایک ہی جگہ تھی اور ابن عمرؓ روحار سے دوپہر کے ڈھلنے کے بعد چلتے مگر ظہر اسی جگہ آکر پڑھتے ، اسی طرح مکہ مکرمہ سے واپسی میں اگر آخرِ شب میں ادھر سے گذرتے تو یہیں قیام کرتے اور فجر کی نماز اسی جگہ ادا کرتے ۔

روحار کی مسجدوں کے بارے میں ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ باقی ہیں اور انھیں اس علاقہ کے

لوگ جانتے ہیں اور روحاء و ذوالحلیفہ کی مسجدوں کے علاوہ کوئی مسجد محفوظ نہیں ہے۔

تیسری منزل تیسری منزل "رُوَیثہ" کے نام سے ذکر کی گئی ہے، "رویثہ"، مدینہ طیبہ سے ۱۷ فرسخ یعنی ۵۱ میل کے فاصلہ پر ایک آبادی کا نام ہے، یہ روحاء سے ۱۴ میل ہے، اس منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں نماز پڑھتے تھے؟ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رویثہ کے قریب ایک بہت بڑا درخت ہے جس کے نیچے آپؐ نزول فرماتے تھے یہ درخت مکہ جانے والے راستہ کے داہنی طرف اور سامنے ہے، یہ تعبیر بتلا رہی ہے کہ یہاں سڑک سیدھی نہیں تھی، بلکہ وہاں ایسا گھوم تھا کہ درخت داہنی طرف ہونے کے باوجود سامنے معلوم ہوتا تھا، پھر ایک اور علامت ذکر کرتے ہیں کہ یہ درخت ایک کشادہ اور نرم و ہموار زمین میں واقع ہے، پھر ایک اور علامت ذکر کرتے ہیں کہ رویثہ کی ڈاک چوکی سے قریب جو پہاڑی ہے یہ درخت اس سے دو میل کی مسافت پر واقع ہے، پھر مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اب یہ درخت اوپر سے ٹوٹ گیا ہے، لیکن ٹوٹ کر گرا نہیں ہے بلکہ اپنے ہی جوف اور خول میں مڑ کر ٹھہر گیا ہے اور اس کا تنا پوری طرح کھڑا ہوا ہے اور اس تنے کے قریب یا نیچے ریت کے تودے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے درخت کے بارے میں اتنی علامتیں بیان فرمادی تھیں کہ جب تک وہ درخت رہا ہوگا جگہ کا متعین کرنا آسان رہا ہوگا، لیکن جب وہ درخت اسی زمانہ میں ٹوٹ گیا تھا تو ظاہر ہے کہ کتنے دن باقی رہا ہوگا، اب اس جگہ کا تلاش کرکے متعین کرنا ممکن معلوم نہیں ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم رُویثہ کے قریب ایک درخت کے نیچے نزول فرماتے تھے، اور اس درخت کی یہ علامتیں تھیں۔

چوتھی منزل چوتھی منزل "عَرْج" کے نام سے ذکر کی گئی ہے عرج بھی ایک آبادی کا نام ہے جو رُویثہ سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر ہے اس منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کی تعیین کے سلسلہ میں ابن عمرؓ فرماتے ہیں صلی فی طرف تلعۃ من وراء العرج، تلعۃ کے متعدد معانی ہیں (۱) اوپر سے نیچے گرنے والے پانی کے بہنے کی جگہ۔ (۲) وہ اونچی اور پھیلی ہوئی جگہ جہاں پانی کی آمد و رفت ہو۔ (۳) نشیبی زمین اور اونچی زمین۔ (۴) اونچی زمین سے بہہ کر نیچی زمین میں آنے والے پانی کی گذرگاہ وغیرہ، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی وضاحت میں دوسرا لفظ ہے وراء، اس کے بھی کئی معنی ہیں یہ لفظ پیچھے کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے لیکن کبھی "آگے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جگہ کو دیکھے بغیر

یہاں معنٰی کا تعین ممکن نہیں، اس لئے شارحین بھی مراد متعین نہیں کر رہے ہیں، ہم یہاں تلعۃ کے پہلے معنی، اور وراء کے کثیر الاستعمال معنی کے مطابق ترجمہ کریں گے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عرج کے پیچھے اوپر سے نیچے اترنے والے پانی کے کنارے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھی، اور پانی کے اترنے کی جگہ اس وقت سامنے آتی ہے جب تم وہاں واقع ایک پہاڑی کی طرف جاؤ گے، پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ اس مسجد کے قریب جہاں آپ نے نماز پڑھی ہے دو، یا تین قبریں ہیں، ان قبروں پر پتھر کی سلیں رکھی ہوئی ہیں، یہ قبریں راستہ کے داہنی جانب واقع ہیں۔ اس کے بعد ایک اور نشاندہی عند سلمات الطریق، سلمہ اگر سین کے فتح اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا ترجمہ ہے، کیکر کا درخت اور اگر لام کے کسرہ کے ساتھ ہو تو ترجمہ ہے پتھر، یا بڑا پتھر، اس لئے پہلے احتمال کے مطابق ترجمہ ہوگا کہ یہ قبریں، راستہ میں کیکر کے درختوں کے پاس ہیں۔ اور دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ یہ قبریں راستہ کے پتھروں کے نزدیک ہیں اسکے بعد نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہی کیکر کے درختوں یا پتھروں کے درمیان دوپہر کو دھوپ ڈھلنے کے بعد عرج سے چلتے اور اس مسجد میں ظہر کی نماز ادا کرتے۔ اس چوتھی منزل کے جو نشانات اور علامتیں بیان کی گئی ہیں ان سے آج جگہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

پانچویں منزل پانچویں منزل "ہرشٰی" کے نام سے ذکر کی گئی ہے، ہرشٰی بروزن فَعلٰی ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ کے راستہ میں آتی ہے اور ایسی جگہ واقع ہے جہاں شام اور مدینہ کے راستے ملتے ہیں، جحفہ کے قریب ہے۔ اس منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کی تعیین کے سلسلہ میں ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہرشٰی پہاڑی کے قریب جو پانی کی گذرگاہ اور نشیبی جگہ ہے وہاں راستے کے بائیں طرف بڑے بڑے سایہ دار درخت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان درختوں کے قریب نزول فرمایا، پھر ایک اور علامت ذکر کرتے ہیں کہ یہ نشیب کی جگہ اور مسیل جہاں آپؐ نے نزول فرمایا تھا ہرشٰی پہاڑی کے کناروں سے ملی ہوئی ہے اور اس مسیل اور راستہ کا فاصلہ ایک غلوہ کے بقدر ہے یعنی اتنا فاصلہ ہے کہ تیر پھینکا جائے تو وہاں گرے، بعض حضرات نے اس کی مقدار چار سو ہاتھ بیان کی ہے۔ نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ ہرشٰی کی اس منزل میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس درخت کے نیچے نماز پڑھتے تھے جو راستہ سے سب سے زیادہ قریب تھا اور تمام درختوں میں سب سے اونچا تھا۔ مگر اب ظاہر ہے کہ نہ درخت موجود ہے اور نہ علامات کے ذریعہ معلوم کرنا ممکن ہے۔

چھٹی منزل

چھٹی منزل "مرّ الظہران" کے نام سے ذکر کی گئی ہے، "مرالظہران" کو وہاں کے لوگ بطن مرو کہتے ہیں، یہ ایک وادی ہے جہاں سے مکہ مکرمہ کا فاصلہ چودہ میل رہ جاتا ہے، اس منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کی تعیین کے سلسلہ میں ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مرالظہران کے قریب جو پانی کی گذرگاہ ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول فرماتے تھے، مزید نشاندہی کرتے ہیں کہ پانی کی اس گذرگاہ کا رُخ مکہ مکرمہ کی طرف نہیں بلکہ مدینہ طیبہ کی جانب ہے، پھر مزید تفصیل کرتے ہیں کہ جب "مرالظہران" کے بعد مکہ جاتے وقت صفراوات نام کی پہاڑیوں یا وادیوں سے تم نیچے اترو گے تو راستہ کے بائیں طرف اسی پانی کی گذرگاہ کے نشیب میں پہنچ جاؤ گے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا تھا، نیز یہ کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول کی جگہ اور راستہ کے درمیان صرف پتھر پھینکنے کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے۔

ساتویں منزل

ساتویں منزل "ذوطوی" کے نام سے ذکر کی گئی ہے۔ "ذوطوی" مکہ مکرمہ سے تین میل سے کچھ کم فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے، یہ آپ کے سفر کی آخری منزل ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں رات کو قیام فرماتے تھے، پھر فجر کی نماز یہاں پڑھنے کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لیجاتے تھے۔

اس منزل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ کہاں تھی؟ اس کے بارے میں ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ ایک بڑے ٹیلے پر تھی اور اب اس جگہ ایک مسجد بنادی گئی ہے مگر وہ ٹھیک آپ کی نماز کی جگہ پر نہیں بن سکی ہے، آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے بڑے ٹیلے پر تھی، اس کے بعد ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ اس جگہ کعبہ کی سمت میں ایک اونچا پہاڑ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ کے اور اپنے درمیان جو پہاڑ کے دو کنگرے یا پہاڑ میں جانے کے دو راستے ہیں ان کا استقبال کر کے نماز پڑھی پھر ابن عمرؓ نے جگہ کی تعیین کے لئے یہ عمل کر کے دکھایا کہ وہاں جو مسجد بنی ہوئی تھی اس کو ٹیلے کے کنارے بنی ہوئی دوسری مسجد کے بائیں طرف لیا اور بتلایا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے کالے رنگ کے ٹیلے پر تھی، تم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ پر نماز پڑھنا چاہتے ہو تو اس ٹیلے میں سے دس ہاتھ کے قریب جگہ چھوڑ دو اور اپنے اور کعبہ کے درمیان والے پہاڑ کے جو دو راستے یا جو دو آگے کو نکلے ہوئے کنگرے ہیں ان کا استقبال کر کے نماز پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ نماز ہو جائے گی۔

پیغمبر علیہ السلام سے منسوب مسجدوں کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس روایت میں مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور اب ہی نہیں بلکہ قدیم زمانہ ہی سے ان میں سے اکثر مقامات کا پتہ نہیں ہے، لیکن پھر بھی کچھ جگہیں متعین ہیں اور وہاں مسجد بنادی گئی ہے لیکن مدینہ طیبہ اور اس کے قرب وجوار میں متعدد مسجدیں ایسی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہے جن میں مسجد قبا، مسجد بنو قریظہ، مسجد شمس، مسجد مشربہ ام ابراہیم، مسجد بغلہ، مسجد اجابہ، مسجد قبلتین اور مسجد فتح وغیرہ مشہور ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طرز عمل اور امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات کی خاص اہمیت ہے اور ان کی برکات سے استفادہ مخصوص سعادت ہے، حافظ ابن حجرؒ نے تو شوافع میں سے علامہ بغویؒ کی طرف یہ بات بھی منسوب کی ہے کہ جن مسجدوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنا ثابت ہے اگر کوئی ان میں سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر کرلے تو انہی مسجدوں میں نماز پڑھنا متعین ہو جائے گا، لیکن ہمارے یہاں اہمیت تو ثابت ہے اور ان مسجدوں میں نماز پڑھنا عین سعادت ہے مگر نذر کا مسئلہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ نمازوں کے لئے کسی مسجد کا تعین عبادت مقصودہ نہیں اس لئے فقہ کی کتابوں میں یہ جزئیہ موجود ہے اگر کوئی یہ نذر مان لے کہ میں فلاں جگہ نماز پڑھوں گا تو اس جگہ کے علاوہ دوسری جگہ نماز پڑھنا جائز ہے۔ ابو داؤد میں حضرت جابرؓ سے روایت بھی موجود ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے یہ نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپؐ کو مکہ کی فتح میں کامیابی عطا کردے تو میں بیت المقدس میں دو رکعت پڑھوں گا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم یہیں (یعنی مکہ میں) نماز پڑھ لو تو تمہاری نذر پوری ہو جائے گی۔

بہرحال نذر کا مسئلہ تو دوسری بات ہے، جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کی بنیاد پر کسی مسجد یا جگہ کی اہمیت کی بات ہے تو وہ امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب سے ثابت ہے اور اسی لئے امام بخاریؒ نے یہ باب منعقد فرمایا ہے اور اس کے تحت ایک طویل روایت ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابٌ سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ نَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ

بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ۔

ترجمہ، باب، امام کا سترہ، ان لوگوں کا بھی سترہ ہے جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر (نماز کے لئے) آیا اور اس وقت میں جوانی کے قریب عمر کو پہنچا ہوا تھا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے میدان میں دیوار کے علاوہ (کسی اور سترہ) کی طرف رُخ کر کے لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، تو میں نمازیوں کی صف کے ایک حصہ کے سامنے سے گذرا اور اتر گیا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا اور خود نماز کی صف میں شامل ہو گیا، پھر کسی نے اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

سابق سے ربط بخاری شریف کے بعض نسخوں میں یہاں باب سترة الامام الخ سے پہلے ابواب سترة المصلی بھی ہے، یعنی یہاں سے کھلے میدان میں نمازی کے لئے سترہ قائم کرنے کے احکام ذکر کئے جائیں گے، ابواب قبلہ سے ان کا ربط ظاہر ہے۔ علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ ماقبل میں مسجد کے احکام بیان کئے جا رہے تھے جن میں سترہ کی عام طور پر ضرورت نہیں ہوتی، اب یہاں یہ بیان کیا جائے گا کہ اگر مسجد کے علاوہ کھلے میدان میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہو تو سترہ قائم کر لینا چاہئے۔

مقصد ترجمہ سُتْرَة ج سُتَر اس روک یا آڑ کو کہتے ہیں جسے نمازی اپنے سامنے کی جانب گزرنے والوں سے نماز کی حفاظت کے لئے قائم کر لیتا ہے تاکہ کسی کے سامنے گزرنے سے اس کی توجہ دوسری طرف مبذول نہ ہو اور اس کی نماز کا خشوع وخضوع متاثر نہ ہو، سترہ کے سلسلہ میں فقہاء نے یہ وضاحت کی ہے کہ اسکی اونچائی ایک ذراع اور اس کی موٹائی ایک انگلی کے بقدر ہو تو کافی ہے اور اس کو ناک کی سیدھ میں نہ رکھنا چاہئے بلکہ داہنی یا بائیں آنکھ کے محاذات میں کر لینا چاہئے۔

اس باب میں امام بخاریؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت کی نماز میں ہر شخص کو الگ الگ سترہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ امام کے لئے جو سترہ قائم کیا جائیگا

وہی سترہ قوم کے لئے کافی ہوگا اور امام مقتدی، دونوں کا ایک ہی سترہ شمار کیا جائے گا، حنفیہ، شوافع اور حنابلہ سب کا یہی مسلک ہے، البتہ مالکیہ کے یہاں امام اور مقتدی کے لئے سترہ تو ایک ہی کافی ہے مگر وہ یہ تفصیل کرتے ہیں کہ مقتدیوں کا سترہ خود امام ہے اور امام کا سترہ وہ چیز ہے جو امام کے سامنے قائم کی جائے، جمہور اور مالکیہ کے مسلک میں فرق اس طرح واضح ہوگا کہ اگر نماز سترہ کے بغیر ہورہی ہو اور کوئی نماز کے سامنے سے گذر جائے تو اس سے امام کی نماز متاثر ہوگی، مقتدیوں کی نہیں ہوگی کیونکہ مقتدیوں کا سترہ خود امام ہے یا نماز سترہ ہی کے ساتھ ہورہی ہے اور کوئی امام اور سترہ کے درمیان سے گذرے تو اس صورت میں بھی مالکیہ کے یہاں مقتدیوں کی نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔

امام بخاریؒ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہیں کہ امام کا سترہ صرف امام ہی کا سترہ نہیں ہے بلکہ مقتدیوں کا بھی سترہ ہے اور اس کے لئے انھوں نے ترجمۃ الباب میں سترۃ الامام سترۃ من خلفہ کے الفاظ ذکر کئے ہیں، یہ الفاظ بھی طبرانی کی ایک روایت کے ہیں، لیکن روایت کے ضعیف ہونے کی بنیاد پر امام بخاریؒ کوئی اشارہ بھی نہیں کرتے کہ یہ حدیث ہے، گویا امام بخاریؒ روایت کے ضعف کے سبب اسے قول رسول کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے، لیکن مسئلہ چونکہ ان کے نزدیک بھی یہی ہے اس لئے ترجمۃ الباب میں وہ الفاظ نقل کردیئے اور بتلادیا کہ امام کا سترہ قوم کے لئے بھی کافی ہے۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے تین روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ہے جو کتاب العلم میں متی یصح سماع الصغیر کے تحت گذر گئی ہے حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک سواری پر سوار ہوکر منیٰ کے میدان میں پہنچا تو نماز ہورہی تھی، میں نمازیوں کی صف کے سامنے سے بھی گذرا، نماز میں آپؐ کے سامنے دیوار بھی نہیں تھی، میں نے سواری کی گدھی کو چرنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا، یعنی وہ نمازیوں کے سامنے آتی جاتی رہی اور میں صف کے کنارے پر نماز میں شریک ہوگیا اور میرے اس فعل پر کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا، اعتراض تو جب ہوسکتا تھا کہ کسی کی نماز میں خلل واقع ہوتا، جب کسی کی نماز میں کوئی خلل واقع ہی نہیں ہوا، کیونکہ یہ نماز امام بخاریؒ کے استنباط کے مطابق سترہ کے ساتھ ہورہی تھی تو کسی کے اعتراض کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ترجمۃ الباب کا ثبوت ترجمہ ہے کہ امام کا سُترہ قوم کے لئے کافی ہے اور اس کے تحت دی گئی پہلی روایت میں بظاہر سترہ کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی دیوار نہیں تھی، جس کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ منیٰ کے میدان میں یہ نماز سترہ کے بغیر ہو رہی تھی، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تبصرہ کیا ہے کہ اس روایت سے سترہ کے ثبوت پر استدلال کرنا محلِ نظر ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے الی غیر جدار کا مطلب الی غیر سترۃ متعین فرمایا ہے، پھر امام بیہقیؒ نے امام بخاریؒ کے بالکل برخلاف اسی روایت پر جو ترجمہ منعقد کیا ہے اس کے الفاظ ہیں باب من صلی الی غیر سترۃ یعنی سترہ کے بغیر نماز پڑھنے کا بیان۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب باتیں نظر بہ ظاہر گو صحیح معلوم ہوتی ہیں مگر دقتِ نظر امام بخاریؒ ہی کے ترجمہ میں ہے، کیونکہ روایت کے الفاظ ہیں یصلی بالناس بمنی الی غیر جدار اور لفظ غیر ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے اس لئے تقدیرِ عبارت اس طرح ہوگی یصلی بالناس بمنیٰ الی شئ غیر جدار اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں دیوار کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا رہے تھے نیز یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی یہ تھا کہ آپ کھلی فضا میں نماز پڑھاتے تو سترہ قائم فرما لیتے تھے اس لئے حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ کا آپ کے عام معمول کے مطابق وہی مفہوم مراد لینا بہتر ہے جو امام بخاریؒ نے سمجھا ہے۔ نیز یہ کہ ابن عباسؓ فرما رہے ہیں کہ میرے اس عمل پر کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا، یہ بھی امام بخاریؒ ہی کی دلیل ہے کیونکہ جب سترہ قائم تھا تو کسی کے لئے اعتراض کا موقع ہی نہیں تھا۔

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کا اس روایت سے ترجمۃ الباب ثابت کرنا انکی دِقّتِ نظر کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔

حدثنا اسحٰق قَالَ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ اَمَرَ بِالْحَرْبَةِ فَتُوْضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَآءَهُ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السَّفَرِ فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْاُمَرَاءُ۔

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے

دن (نماز کے لئے) نکلتے تو (خادم کو) نیزہ لیجانے کا حکم دیتے یہ نیزہ (نماز میں) آپؐ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپؐ اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے اور دوسرے لوگ آپؐ کے پیچھے نماز پڑھتے اور آپؐ سفر میں بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، پھر امراء نے اس کو یہیں سے اختیار کیا ہے۔

تشریح حدیث یہ اس باب کی دوسری روایت ہے، حضرت ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ عید کی نماز کیلئے باہر تشریف لیجاتے تو ایک نیزہ آپؐ کے ساتھ لیجایا جاتا، اس چھوٹے نیزے کے لئے حربۃ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، حَربۃٌ اور رُمحٌ میں فرق یہ ہے کہ رُمحٌ کی پیکان چوڑی ہوتی ہے اور حَربۃٌ کی پیکان مخروطی یعنی نوک نکلی ہوئی ہوتی ہے جیسے شیام دار چھڑی ہوتی ہے۔

حضرت سعد قرظؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حربہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا، جسے آپؐ نے اس طرح کی ضروریات کے لئے استعمال فرمایا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زبیرؓ بن عوام کو غزوۂ احد میں ایک مشرک سے یہ نیزہ ہاتھ لگا تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لیا۔ ابن حجرؒ نے دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت زبیرؓ والا نیزہ پہلے استعمال کیا جارہا تھا پھر نجاشی کا ہدیہ کیا ہوا نیزہ استعمال ہونے لگا۔

فتوضع بین یدیہ الخ یہ حربہ آپؐ کے ساتھ چلتا اور نماز میں یہ آپؐ کے سامنے رکھا جاتا، نماز میں سامنے رکھنے کے لئے وضع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے بظاہر معنی تو یہی ہیں کہ اس کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا، لیکن وضع کی تعبیر میں گاڑا جانا ضروری نہیں بلکہ اگر اس کو زمین پر رکھ دیا جائے تب بھی وہ توضع بین یدیہ کا مصداق ہوگا، اور اس تعبیر کے پیش نظر زمین پر رکھا ہوا حربہ یا چھڑی سترہ کے طور پر کافی ہونا چاہیئے اور امام احمدؒ کے نزدیک تو حضرت ابو ہریرہؓ کی مسند احمد اور ابن ماجہ کی روایت کے مطابق نمازی کا اپنے سامنے خط کھینچ لینا بھی کافی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء	جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو اس کو اپنے
وجھہ شیئا فان لم یجد	سامنے کچھ رکھ لینا چاہیئے، اگر کوئی چیز نہ ملے
فلینصب عصا فان لم یکن	تو وہ عصا کو کھڑا کرلے اور اگر یہ بھی نہ
فلیخط خطا (مشکوۃ صـ۷۴)	ملے تو خط کھینچ لینا چاہیئے۔

اگرچہ اس روایت کی سفیان بن عیینہ اور امام شافعیؒ وغیرہ نے تضعیف کی ہے لیکن ابن حبان اور ابن مدینی وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اس لئے اصل ضعف کا اعتبار کرتے ہوئے امام مالکؒ اور اکثر فقہاء احناف کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے قول جدید میں سترہ کی جگہ خط کھینچنے کو بے حقیقت بات قرار دیا گیا ہے اور روایت کی تصحیح کو معتبر مانتے ہوئے امام احمدؒ امام شافعیؒ کے قول قدیم اور متاخرین احناف کے یہاں اس کو قبول کیا گیا ہے۔

امام بخاریؒ کا ترجمۃ الباب اس روایت سے اس طرح ثابت ہے کہ روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ آپ نماز کے لئے باہر نکلتے تو حربہ ساتھ ہوتا تھا اور اس کو امام کے سامنے نصب کر دیا جاتا تھا اور قوم کے لئے بھی اسی کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ قوم کے لئے الگ سترہ کا ہونا کسی روایت سے معلوم نہیں ہوتا، نیز یہ تفصیل بھی کسی روایت میں مذکور نہیں کہ حربہ کو امام کے لئے سترہ مانا جائے، اور امام کو قوم کے حق میں سترہ قرار دیا جائے۔

من ثم اتخذها الامراء، یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ کے نہیں ہیں، بلکہ یہ آخری جملہ حضرت نافعؒ کا ہے، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ نے اس کو حضرت نافعؒ کی طرف منسوب کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حربہ اور نیزہ ساتھ رکھنے میں مختلف مصلحتیں تھیں، جن میں سے ایک بات سترہ کے طور پر استعمال کرنا بھی ہے، لیکن اس دور کے امراء بنو امیہ کے یہاں جو اس کا رواج ہوا ہے کہ باہر نکلتے ہیں تو حربہ ساتھ ہوتا ہے، حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ اس کی اصل یہی ہے۔

الفاظ سے یہ صاف معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت نافعؒ امراء کے اس عمل کی تائید کرنا چاہتے ہیں یا ان پر نکیر کر رہے ہیں، تائید تو اس طرح نکلتی ہے کہ امراء کے یہاں اس کا رواج درست ہے کہ اس کی اصل پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے اور نکیر اس طرح ہو سکتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ میں اس حربہ کا استعمال ضرورت تھا اور اس کی مختلف مصلحتیں تھیں اب اس میں حدود سے تجاوز ہو گیا اور اب یہ امراء کی ایک رسم بن گئی۔ واللہ اعلم۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ ابْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ۔

ترجمہ، حضرت ابو جحیفہ (وہب بن عبداللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو (میدان) بطحاء میں ظہر کی نماز دو رکعت اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھائی اور اس وقت آپ کے سامنے ایک چھوٹا نیزہ تھا اور آپ کے سامنے سے عورتیں اور گدھے گذر رہے تھے۔

تشریح حدیث یہ اس باب کی تیسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء کے میدان میں جو مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی اور سفر کی بنیاد پر قصر کیا روایت میں ہے کہ عنزہ آپ کے سامنے گاڑ دیا گیا عنزہ حربہ سے چھوٹے نیزہ کو کہتے ہیں۔ یہ روایت امام بخاری نے مختلف مقامات پر ذکر کی ہے اور کتاب الوضوء میں باب استعمال فضل وضوء الناس کے تحت تفصیل سے گذر چکی ہے۔

روایت میں آیا کہ عورتیں اور گدھے بھی سترہ کے سامنے سے گذرتے رہے مگر اس کی پرواہ نہیں کی گئی، امام احمد رحہ کے نزدیک سترہ کے بغیر اگر نماز کے سامنے سے کلب اسود گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور گدھے اور عورت کے بارے میں انھوں نے فرمایا کہ مجھے شک ہے، لیکن شوافع اور احناف کے یہاں گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، یہ بحثیں آگے آرہی ہیں۔

باب مذکور سے تعلق ظاہر ہے کہ امام کے سترہ کو قوم کے لئے کافی سمجھا گیا، حضرت علامہ کشمیری فرماتے تھے کہ امام کے سترہ کو قوم کے لئے کافی قرار دینے میں حضرات احناف کے مسلک کی تائید ہے کہ جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز سمجھا گیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے الگ مستقل ایک نوع ہے اور اس کے احکام منفرد کی نماز سے بالکل مختلف ہیں، کہ جماعت کی نماز میں امام کی قرات اور امام کا سترہ سب مقتدیوں کے لئے کافی ہے، واللہ اعلم۔

بَابُ قَدْرُ كَمْ يَنْبَغِي اَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْمُصَلِّي وَالسُّتْرَةِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ نَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِي حَازِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُصَلّٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ الشَّاةِ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ ابْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوْزُهَا۔

ترجمہ، باب، نمازی اور سترہ کے درمیان کتنی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے حضرت سہل بن سعد نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ اور دیوار قبلہ کے درمیان

بکری کے گذرنے کے بقدر فاصلہ تھا حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی دیوار قبلہ، منبر سے اتنی قریب تھی کہ بمشکل بکری کے گذرنے کی گنجائش تھی ۔

مقصد ترجمہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سترہ مصلی سے قریب ہونا چاہئے، اسمیں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ نماز کی حدود متعین ہو جاتی ہیں اور نشان نصب ہو جاتا ہے گویا نمازی نے سترہ نصب کرکے یہ واضح کر دیا کہ میری نماز کا تعلق اتنے حصہ سے ہے اگر کوئی اس کے درمیان سے گذرتا ہے تو وہ میرے اور رب العالمین کے درمیان تعلق کو توڑنے کا مجرم ہوگا اور مجھے یہ حق ہوگا کہ اس تعلق کو منقطع نہ ہونے دوں اور گذرنے والوں کو گذرنے نہ دوں ، دوسرا فائدہ گذرنے والوں کے حق میں ہے کہ اگر وہ سترہ سے باہر گذرنا چاہتے ہیں تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں، گویا گذرنے والوں کے لئے تنگی ختم ہوگئی اور آسانی پیدا ہوگئی اور ظاہر ہے کہ ان مقاصد کے لئے سترہ مقام سجود سے قریب ہونا چاہئے ۔

اب دوسری بات یہ ہے کہ سترہ کو مقام سجود سے کتنا قریب ہونا چاہئے تو اس کے لئے امام بخاری نے دو روایتیں پیش کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سترہ محل سجود سے بالکل متصل ہونا چاہئے کیونکہ پہلی روایت میں دیوار قبلہ اور سجدہ گاہ کے درمیان بکری کے گذرنے کے بقدر جگہ مذکور ہے اور دوسری روایت میں سجدہ گاہ اور دیوار قبلہ کے درمیان بکری کا گذرنا بھی بمشکل بیان کیا گیا ہے ، اور دیوار قبلہ ہی سترہ بنی ہوئی ہے ، اس لئے معلوم ہوا کہ سترہ نمازی کے سجدہ کی جگہ سے قریب ہونا چاہئے ۔

تشریح احادیث پہلی روایت میں حضرت سہل رضؓ بن سعد نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی اور دیوار قبلہ کے درمیان بکری کے گذرنے کے بقدر فاصلہ تھا، یہاں مصلّے سے مراد ، جائے قیام نہیں بلکہ جائے سجود ہے کیونکہ دوسری روایت میں حضرت سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور دیوار قبلہ کے درمیان اتنا کم فاصلہ تھا کہ بکری بھی بمشکل گذر سکتی تھی، اور آپ کے منبر کا جو کنارہ دیوار قبلہ کے قریب تھا وہ آپکی سجدہ گاہ کے محاذات میں تھا ۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسجد نبوی میں محراب نہیں تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے برابر میں بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے ، گویا منبر جتنی دور میں پھیلا ہوا ہے اتنی جگہ آپ کے سامنے کی جانب میں موجود ہے ، پھر منبر سے دیوار قبلہ تک بہت کم فاصلہ ہے جس کو راوی نے اسطرح

بیان کیا ہے کہ اس میں بکری کا گذرنا بھی مشکل تھا۔

امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان دونوں روایات میں دیوار قبلہ کا سجدہ گاہ سے جو فاصلہ بتلایا گیا ہے، بس وہی فاصلہ کھلے میدان میں نمازی کی سجدہ گاہ اور سُترے کے درمیان ہونا چاہیے کیونکہ دیوار قبلہ ہی تو سترہ کا کام دے رہی ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سترہ کا فاصلہ سجدہ گاہ سے مقرر کرو تو بکری کی گذرگاہ کے بقدر ہوگا اور کھڑے ہونے کی جگہ سے مقرر کرو تو آپ کے منبر شریف کے پھیلاؤ کے بقدر، جس کو حضرت ابن عمرؓ نے چند ابواب کے بعد حضرت بلالؓ کے حوالہ سے خانۂ کعبہ کے اندر پڑھی جانے والی نماز میں تین ذراع بیان کیا ہے۔

بینہ وبین الجدار الذی قبل	آپ کے اور (خانۂ کعبہ) دیوار کے درمیان
وجہہ قریبا من ثلثۃ اذرع۔	جو سامنے کی جانب تھی تین ہاتھ کا فاصلہ
(بخاری ص ۷۲ ج ۱)	تھا۔

یہ فاصلہ تین ذراع بیان کیا گیا ہے، ذراع کہنی سے بیچ کی انگلی تک فاصلہ کو کہتے ہیں بس تین ہاتھ کے فاصلہ پر سترہ قائم کرکے نماز پڑھنی چاہیے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ اِلَی الْحَرْبَةِ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ نَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ فَيُصَلِّیْ اِلَيْهَا۔

ترجمہ، باب، نیزے کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا بیان، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا اور آپ اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔

مقصد ترجمہ حربۃ اس نیزے کو کہتے ہیں جس کا پیکان نوک دار ہو، امام بخاری نے ترجمہ منعقد کردیا کہ حربہ کو سترہ بناکر نماز پڑھنا جائز ہے۔ عام طور پر شارحین نے مقصد ترجمہ سے بحث نہیں کی البتہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں بت پرستوں کے تشبہ سے بچنا شریعت کا ایک اصول ہے اور ہتھیار ایک ایسی چیز ہے جس کی بعض فرقوں کے یہاں تعظیم پائی جاتی ہے، اس لئے امام بخاری نے اس باب میں نیزہ وغیرہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا جواز ثابت کردیا۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری اس باب میں سُترہ کے طول وعرض کے بارے میں

یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، چھوٹا نیزہ یا بڑا نیزہ یا چھڑی وغیرہ اس کے لئے کافی ہے، گویا فقہاء نے جو ایک ذراع کی مقدار بیان کی ہے وہ بھی تحدید کے طور پر نہیں ہے۔

ان سب احتمالات کے درست ہونے کے ساتھ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ امام بخاری اس باب میں اور اس سے اگلے باب میں سترہ کے سلسلہ میں توسع اور تعمیم کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سترہ خواہ لکڑی کا ہو یا لوہے کا، نیزہ چھوٹا ہو یا بڑا، جس چیز کو بھی آپ اپنے سامنے نصب کریں گے سترہ بن جائے گی، بلکہ آئندہ ابواب میں یہ احکام بھی آئیں گے کہ درخت اور جانور کو بھی سترہ بنایا جا سکتا ہے، گویا سترہ کے سلسلہ میں نہ ذی روح اور بے جان کی قید ہے نہ کسی مادہ کا ہونا شرط ہے نہ اس کا از قسم مصنوعات ہونا ضروری ہے، بلکہ ہر وہ چیز جو نمازی کے سامنے کی جہت میں روک بن جائے وہ سُترہ ہے، مثلاً کوئی درخت یا سامان، یا پتھر یا ستون یا جانور جو پہلے سے اپنی جگہ موجود ہے اگر اس کو سُترہ بنا کر نماز پڑھی جائے تو اس کو بحیثیت سُترہ شرعاً معتبر سمجھا جائے گا۔ یعنی اس میں نہ مادہ کی قید ہے نہ شکل وصورت کا تعین ہے۔ روایت گذر چکی ہے۔

باب الصَّلٰوةِ إِلَى الْعَنَزَةِ **حدثنا** آدَمُ قَالَ نَا شُعْبَةُ قَالَ نَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ خَرَجَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَأُتِيَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ فَصَلّٰى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرَّانِ مِنْ وَرَائِهَا **حدثنا** مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيْعٍ قَالَ نَا شَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ وَمَعَنَا عُكَّازَةٌ أَوْ عَصًا أَوْ عَنَزَةٌ وَمَعَنَا إِدَاوَةٌ فَإِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهٖ نَاوَلْنَاهُ الْإِدَاوَةَ۔

باب، ترجمہ، عنزہ (چھوٹے نیزے) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا بیان **حضرت** ابو جحیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو پہر میں ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ کے سامنے وضو کا پانی پیش کیا گیا، پھر آپ نے وضو کیا اور آپ نے ہمیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی جبکہ آپ کے سامنے چھوٹا نیزہ تھا اور عورتیں اور گدھے اس نیزے کے اُدھر گذر رہے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ضرورت کے لئے تشریف

لے جاتے تو میں اور ایک لڑکا آپ کے پیچھے چلتے اور ہمارے ساتھ شیام دار چھڑی یا لاٹھی یا چھوٹا نیزہ ہوتا تھا، اور ہمارے ساتھ پانی کا ایک برتن ہوتا تھا، پھر جب آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ کو برتن دیدیتے تھے۔

مقصد ترجمہ اور تشریح جنس سترہ کی تعمیم سے متعلق یہ دوسرا باب ہے، پہلے باب میں بڑے نیزے کو سترہ بنانے کا بیان تھا، اس باب میں چھوٹے نیزے کو سترہ بنانے کا ذکر ہے۔ اس باب میں امام بخاری نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، جن میں پہلی روایت تو چند ابواب پہلے گذری اور دوسری روایت کتاب الوضو میں گذر چکی ہے۔
پہلی روایت کا ترجمۃ الباب سے ربط ظاہر ہے، لیکن دوسری روایت کا ربط ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس میں عصا اور عنزہ کے ساتھ لے جانے کا تذکرہ ہے ان کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ مگر چونکہ ان چیزوں یا ان میں سے کسی چیز کے ساتھ لیجانے کا ایک اہم فائدہ، ان کا سترہ کے طور پر استعمال بھی رہا ہے۔
اس لئے امام بخاری نے اس سے اپنا ترجمۃ الباب ثابت کردیا، دوسری بات، اس دوسری روایت کے بارے میں یہ ہے کہ اس میں کلمہ "او" کے ذریعہ تین چیزیں مذکور ہیں، لوہا جڑی ہوئی چھڑی یا لاٹھی یا عنزہ، اگر کلمہ "او" کو راوی کے شک پر محمول کیا جائے تو ترجمۃ الباب کے ثابت کرنے میں تکلف سے کام لینا ہوگا، اور اگر کلمہ "او" شک کی بجائے "تنویع" کیلئے ہو تو ثبوت آسان ہو جائے گا، گویا راوی یہ کہنا چاہتا ہے کہ ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ساتھ ہوتی تھی جس سے دیگر فوائد کے ساتھ ساتھ سترہ کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ واللہ اعلم

بَابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا حدثنا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ نَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَصَلَّى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَنَصَبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةً وَتَوَضَّأَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ۔

باب، ترجمہ، مکہ مکرمہ اور اس کے علاوہ دوسری جگہوں میں سترہ قائم کرنے کا بیان۔ حضرت ابوجحیفہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو ہمارے سامنے تشریف لائے اور آپ نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھائیں اور اپنے سامنے

ایک چھوٹا نیزہ کھڑا کرلیا، اور آپ نے وضو کیا تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو (تبرک کے طور پر) اپنے منہ پر ملنے لگے۔

مقصد ترجمہ امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سترہ جس مقصد کے لئے نصب کیا جاتا ہے اس کے لحاظ سے کسی مقام کی خصوصیت نہیں ہے جس طرح نمازی غیر مکہ میں کھلے میدان میں نماز کے لئے سترہ قائم کرتا ہے اسی طرح اگر مکہ میں نماز ہورہی ہو اور لوگوں کی آمد و رفت کا امکان ہو تو سترہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

اس باب کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حضرات نے مکہ مکرمہ میں سترہ کی ضرورت کا انکار کیا ہے، اور عجیب بات کہی ہے کہ سترہ پر قبلہ کا وہم ہوتا ہے، جبکہ مکہ مکرمہ میں، قبلہ کعبۂ مقدسہ ہے، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک مقام پر دو قبلے نہیں ہوسکتے کہ ایک قبلہ تو سترہ ہوا اور دوسرا قبلہ خانۂ کعبہ، حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، ان حضرات نے سترہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھی، سترہ کی مختصر حقیقت ہے حدبندی اور ربط خیال۔ حدبندی کا مطلب یہ ہے کہ نمازی نے جب سترہ قائم کرلیا تو گویا زبانِ حال سے اس نے گذرنے والے کو بتلایا کہ یہاں سے یہاں تک کی جگہ محفوظ ہے، یہاں رحمتِ خداوندی کا نزول ہورہا ہے اور یہ میری توجہ کا مرکز ہے اس میں گذرنا درست نہیں ہے، اسی طرح ربط خیال کا مطلب یہ ہے کہ اگر کھلے میدان میں سترہ کے بغیر نماز پڑھی جائے تو طبیعت میں انتشار کا پیدا ہونا لازمی ہے اور انتشار ہوگا تو نماز میں خشوع و خضوع حاصل نہ ہوسکے گا، اس لئے خیالات کو انتشار سے بچانے کے لئے سترہ قائم کرلینے کی ضرورت ہے۔

امام بخاری کا مقصد یہی ہے کہ سترہ کی حقیقت کے پیش نظر مکہ اور غیر مکہ دونوں برابر ہیں اس میں مکہ اور غیر مکہ کی تفریق درست نہیں، حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری کے اس ترجمہ کا رُخ مصنف عبدالرزاق میں مذکور باب کی تردید کی طرف ہے، مصنف میں ایک ترجمہ منعقد کیا ہے باب لا یقطع الصلوۃ بمکۃ شئی کہ مکہ میں کسی چیز کے سامنے گذرنے سے نماز منقطع نہیں ہوتی، پھر اس کے تحت وہ روایت ذکر کی گئی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجدِ حرام میں سترہ کے بغیر نماز پڑھنا مذکور ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس ترجمہ میں اس کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور جس روایت سے لا یقطع الصلوۃ بمکۃ شئی پر استدلال کیا گیا ہے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں حدیث کے ضعف کے ساتھ یہ

حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ حدیث میں مسجد حرام میں بغیر سُترہ کے نماز کا ذکر ہے اور مصنف ہیں استدلال مسجد حرام میں سترہ کے بغیر نماز پر نہیں بلکہ مکہ مکرمہ میں سُترہ کے بغیر نماز پر کیا گیا ہے، جبکہ مسجد حرام اور مکہ میں بہت فرق ہے، مسجد حرام، صرف اس مخصوص مسجد کا نام ہے جس کے صحن میں خانہ کعبہ واقع ہے، اور مکہ پورا شہر ہے، اس لئے مکہ میں مسجد حرام کے علاوہ کسی اور میدان میں نماز ہو تو وہاں سُترہ کی ضرورت ظاہر ہے، رہا مسجد حرام کا معاملہ تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر مسجد حرام میں کعبہ سے اتنے قریب ہو کر نماز پڑھ رہا ہے کہ کسی کے سامنے سے گذرنے کا خطرہ نہیں تو سترہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر دیوار کعبہ سے دور ہٹ کر ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے کہ دوسروں کے گذرنے کا احتمال ہے تو ایسی صورت میں سُترہ نصب کرنے کی ضرورت ہے البتہ طواف کرنیوالوں کو اس سے مستثنیٰ کرنا ہوگا کہ ان کے سامنے گذرنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ احادیث میں بیت اللہ کے طواف کو بھی نماز ہی کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے طواف کرنے والا نمازی کے سامنے سے گذرے تو غیر مصلی کا مصلی کے سامنے سے گذرنا لازم نہیں آتا، یہ استنباط امام طحاوی کی طرف منسوب ہے، اور اس کو بعض فقہاء نے نادر استنباط قرار دیا ہے، واللہ اعلم۔

تشریح حدیث روایت کئی بار گذر چکی ہے، یہاں امام بخاری مکہ مکرمہ میں نماز کی صورت میں سترہ کی ضرورت ثابت کرنا چاہتے ہیں اور وہ اس طرح ثابت ہے کہ روایت میں مذکور بطحاء سے مراد بطحاء مکہ ہے، اور بطحاء مکہ میں نماز ہو رہی تھی مگر دیکھیے پیغمبر علیہ السلام کے سامنے عنزہ کا سترہ نصب کر دیا گیا تھا، معلوم ہوا کہ مکہ میں کھلے میدان میں نماز ہو تو وہاں بھی سُترہ کی ضرورت ہے۔

بابُ الصَّلٰوةِ اِلَى الْاُسْطُوَانَةِ وَقَالَ عُمَرُ الْمُصَلُّوْنَ اَحَقُّ بِالسَّوَارِيْ مِنَ الْمُتَحَدِّثِيْنَ اِلَيْهَا وَرَاٰى ابْنُ عُمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بَيْنَ اُسْطُوَانَتَيْنِ فَاَدْنَاهُ اِلٰى سَارِيَةٍ فَقَالَ صَلِّ اِلَيْهَا **حدثنا** الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ كُنْتُ اٰتِيْ مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ فَيُصَلِّيْ عِنْدَ الْاُسْطُوَانَةِ الَّتِيْ عِنْدَ الْمُصْحَفِ فَقُلْتُ يَا اَبَا مُسْلِمٍ اَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَ هٰذِهِ الْاُسْطُوَانَةِ قَالَ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا **حدثنا** قَبِيْصَةُ قَالَ نَا سُفْيٰنُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَقَدْ اَدْرَكْتُ كِبَارَ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُوْنَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ وَزَادَ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَنَسٍ حَتّٰى يَخْرُجَ النَّبِيُّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔

باب ، ترجمہ ستون کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا بیان ، اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ باتیں کرنے والوں سے ستونوں پر نماز پڑھنے والوں کا زیادہ حق ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو اسے (پکڑ کر) ایک ستون کے قریب کردیا اور فرمایا کہ اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھو ، حضرت یزید بن ابی عبیدؒ نے فرمایا کہ میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) آتا تو وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھتے جہاں قرآن شریف رکھا ہوا تھا ، تو میں نے ان سے کہا کہ اے ابو مسلم ! میں یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کوشش کرکے اس ستون کے پاس نماز پڑھتے ہیں ، تو حضرت سلمہ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوشش کرکے اس ستون کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے ، حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا کہ وہ مغرب کی نماز کے وقت (مسجد نبوی کے) ستونوں کی طرف (نماز پڑھنے کے لئے) لپکتے تھے ۔ شعبہ نے حضرت انسؓ سے بروایت عمرو بن عامر اس روایت میں یہ اضافہ کیا " یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرے سے) باہر تشریف لائیں ۔

مقصد ترجمہ جنس سترہ میں توسیع اور تعمیم کی وضاحت کے لئے امام بخاری نے یہ ابواب منعقد فرمائے ہیں ، اس باب میں یہ وضاحت پیش نظر معلوم ہوتی ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سترہ کے نام سے کوئی مستقل چیز بنوائی جائے جسے نماز کے وقت سامنے رکھا جائے یا گاڑ لیا جائے وغیرہ ، بلکہ جو چیز بھی نمازی کے مرکز توجہ کی حدبندی ، اور اس کے ربط خیال کے لئے کام میں لائی جائے وہی سترہ ہے ، اگر کوئی چیز وہاں پہلے سے موجود ہے جیسے مسجد میں ستون یا میدان میں درخت وغیرہ اور اس کو نمازی اپنی نماز میں سترہ کے طور پر استعمال کرلے تو یہ درست ہے ، اور اس میں کوئی تنگی نہیں ہے ۔

یہ باب اسی اصول کا ایک جزئیہ ہے کہ مسجد کے ستون کو سترہ بنایا جائے ، اسی لئے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو نماز کے بعد ستونوں سے کمر لگا کر بات چیت میں مشغول ہوجاتے تھے کہ ستونوں پر نمازیوں کا حق ہے کہ انھیں نماز میں سترہ بنانے کے لئے ستونوں کی ضرورت ہے ، گویا انھوں نے یہ فرمایا کہ ایک شخص کو گفتگو کے لئے کمر لگانے کی ضرورت ہے ، اور دوسرے شخص کو نماز کے لئے سترہ کی ضرورت ہے تو بتاؤ کس کا حق زیادہ

ہوگا؟ دوسرا اثر امام بخاری نے ابن عمرؓ سے نقل کیا کہ انھوں نے یہ دیکھا کہ ایک شخص دوستونوں کے درمیان نماز پڑھ رہا ہے، انھوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے ستون کے پیچھے کھڑا کر دیا گویا یہ بتا دیا کہ درمیان میں نماز پڑھنے سے گذرنے والوں کو بھی تکلیف ہوگی اور تمھارے قلب میں بھی تشویش ہی رہے گی اس لئے نماز کے لئے یہ جگہ موزوں ہے جہاں ستون کا سترہ ہے۔

تشریح حدیث حضرت سلمہؓ بن اکوع اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے تھے جس کے نزدیک قرآن کریم رکھا رہتا تھا، اس روایت میں عند الاسطوانۃ التی عند المصحف کے الفاظ ہیں اور مسلم شریف کی روایت میں یصلی وراء الصندوق کے الفاظ ہیں جن کا بظاہر یہ مفہوم ہے کہ قرآن کریم کا نسخہ ایک صندوق میں کسی ستون کے پاس رکھا رہتا تھا، یہ ستون بعد میں اسطوانۃ المہاجرین کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔

بہرحال جب سلمہ بن اکوع سے معلوم کیا گیا کہ آپ اسی ستون کے پاس نماز کا اہتمام فرماتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا ہے، ظاہر ہے کہ حضرت سلمہ اس ستون سے سترہ کا کام لیتے ہونگے۔

دوسری روایت میں آیا کہ صحابہ کرام مغرب کی اذان کے ساتھ مسجد نبوی کے ستونوں کی طرف لپکتے تھے تاکہ ان ستونوں کو سترہ بنا کر نماز پڑھیں، معلوم ہوا کہ مسجد کے ستون کو سترہ کے طور پر استعمال کرنا درست ہے اور صحابہ کرام کا معمول رہا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ مغرب کی نماز سے پہلے جن نفلوں کا روایت میں تذکرہ کیا گیا ہے ان کے بارے میں فقہاء کا مسلک اور ان کا مستدل کیا ہے، تو یہ بحث انشاء اللہ اپنی جگہ آئے گی، امام بخاری نے اس کے لئے باب الصلوٰۃ قبل المغرب (ص ۱۵۷ ج ۱) منعقد کیا ہے۔

بابُ الصَّلٰوۃِ بَیْنَ السَّوَارِیِ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ **حدثنا** مُوْسیٰ ابْنُ اِسْمٰعِیْلَ قَالَ نَا جُوَیْرِیَۃُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْبَیْتَ وَ اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ وَّ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَۃَ وَبِلَالٌ فَاَطَالَ ثُمَّ خَرَجَ وَکُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ دَخَلَ عَلٰی اَثَرِہٖ فَسَاَلْتُ بِلَالًا اَیْنَ صَلّٰی فَقَالَ بَیْنَ الْعَمُوْدَیْنِ الْمُقَدَّمَیْنِ **حدثنا** عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْکَعْبَۃَ وَ اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ وَّبِلَالٌ وَّ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَۃَ

الْحَجَبِيُّ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيهَا فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِينَ خَرَجَ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعَلَ عَمُودًا عَنْ يَسَارِهِ وَعَمُودًا عَنْ يَمِينِهِ وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى وَقَالَ لَنَا إِسْمٰعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ فَقَالَ عَمُودَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ -

باب، ترجمہ، ستونوں کے درمیان جماعت کے بغیر (تنہا) نماز پڑھنے کا بیان حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ اور حضرت بلال خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور آپ دیر تک اندر رہے پھر باہر نکلے، اور میں آپ کے پیچھے لوگوں میں سب سے پہلے وہاں پہنچا اور میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ آگے کے دو ستونوں کے درمیان حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ حضرت بلالؓ، اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ حجبی خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہوئے، پھر اندر سے حضرت عثمان بن طلحہ نے دروازہ بند کر دیا اور آپ کعبہ کے اندر ٹھہرے رہے، پھر جب آپؐ باہر نکلے تو میں نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کام کیا؟ تو انھوں نے بتلایا کہ آپ نے بائیں ستون کو بائیں طرف لیا اور دوسرے ستون کو داہنی طرف لیا اور تین ستونوں کو اپنے پیچھے چھوڑا اور اس زمانہ میں خانۂ کعبہ چھ ستونوں پر قائم تھا، پھر آپ نے نماز پڑھی امام بخاری کہتے ہیں کہ ہم سے اسماعیل نے بیان کیا کہ ہم سے امام مالک نے بیان فرمایا کہ آپ نے اپنے داہنی طرف دو ستون لئے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ نمازی اگر منفرداً نماز پڑھ رہا ہے جماعت میں نہیں ہے تو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس باب کو منعقد کرنے یا اس مسئلہ کو بیان کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ باب سابق میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل نقل کیا گیا تھا کہ انھوں نے ایک شخص کو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھتے دیکھا تو اسکو پکڑ کر ایک ستون کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں تنگی ہے، نیز یہ کہ سنن کی روایات میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے ممانعت کی گئی ہے ابن ماجہ اور ترمذی میں روایات موجود ہیں، ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الحميد بن محمود قال صلينا عبد الحمید بن محمود سے روایت ہے کہ ہم نے

خلف امیر من الامراء فاضطرنا	ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی اور لوگوں
الناس فصلینا بین الساریتین	نے ہمیں مجبور کردیا اور ہم نے دو ستونوں
فلما صلینا قال انس بن مالک	کے درمیان نماز ادا کی، نماز کے بعد حضرت
کنا نتقی هذا علی عهد رسول اللہ	انس بن مالک نے فرمایا کہ ہم عہد رسالت میں
صلی اللہ علیہ وسلم وفی الباب	اس سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، اور
عن قرۃ بن ایاس المزنی	اس باب میں قرہ بن ایاس مزنی سے
(ترمذی ص۳۱ ج۱)	بھی روایت ہے۔

حضرت قرہ بن ایاس کی یہ روایت ابن ماجہ میں ہے:

عن معٰویۃ بن قرۃ عن ابیہ	معٰویہ بن قرہ، اپنے والد قرہ ابن ایاس سے
قال کنا ننھیٰ ان نصف بین	روایت کرتے ہیں کہ ہم عہد رسالت میں ستونوں
السواری علی عهد رسول اللہ	کے درمیان صف بنانے سے ممانعت کرتے
صلی اللہ علیہ وسلم ونطرد عنها	تھے اور سختی کے ساتھ اس کام سے
طردا (ابن ماجہ ص۷)	روکتے تھے۔

امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں فی غیر جماعۃ کی قید لگا کر واضح کردیا کہ سنن کی روایات میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے جو ممانعت آئی ہے اس کا تعلق جماعت کی نماز ہے، اس لئے اگر منفرد ایسا کرے تو اس میں مضائقہ نہیں، پھر منفرد کے جواز کے لئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کردیا کہ آپ نے خانۂ کعبہ کے اندر دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھی۔

ستونوں کے درمیان نماز میں بیانِ مذاہب | یہ تو تھا امام بخاری کا رجحان کہ انھوں نے منفرد اور جماعت کی نماز میں فرق کردیا، لیکن عہد صحابہؓ و تابعین ہی سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ لا تصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف کہ ستونوں کے درمیان صف نہ بناؤ اور صفوں کو پورا کیا کرو، گویا حضرت ابن مسعود بھی نماز کی جماعت میں ستونوں کے درمیان صف بنانے کی ممانعت کررہے ہیں، البتہ حضرت انس سے مطلقاً کراہت منقول ہے، مگر حسن بصری، ابن سیرین وغیرہ جواز کے قائل ہیں، سعید بن جبیر، ابراہیم تیمی اور سوید بن غفلہ نے ستونوں

کے درمیان کھڑے ہو کر امامت کی ہے، امام مالک رحمہ سے مدونہ میں منقول ہے کہ اگر مسجد تنگ ہو تو ستونوں کے درمیان کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں ہے یہ تمام مذاہب عینی ص۲۸۶ ج۴ میں منقول ہیں۔

حنفیہ کا مذہب شیخ قوام الدین کاکی کی معراج الدرایہ شرح ہدایہ میں منقول ہے، جسے شامی نے مکروہات الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے کہ امام کے لئے ستونوں کے درمیان، یا مسجد کے کونے یا گوشے میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، رہا مقتدیوں کا ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا تو حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں حنفیہ کی کتابوں میں کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن حافظ ابوالفتح بن سید الناس یعمری شافعی نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ امام اور منفرد پر قیاس کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی نے ستونوں کے درمیان صف قائم کرنے کی اجازت دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے، البتہ اس سلسلہ میں اتفاق رائے نہیں ہے، کوئی مکروہ قرار دیتا ہے، کسی نے رخصت دی ہے، شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط میں موجود ہے الاصطفاف بین الاسطوانتین غیر مکروہ لانہ صف فی حق کل فریق وان لم یکن طویلا وتخلل الاسطوانۃ بین الصف کتخلل متاع موضوع۔ یعنی ستونوں کے درمیان صف قائم کرنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ہر جماعت کے حق میں مستقل صف ہے، اگرچہ یہ (ساریتین کے درمیان) طویل صف نہیں ہے رہا ستون کا درمیان میں آنا تو وہ (مضر نہیں ہے) ایسا ہی ہے جیسے کوئی سامان درمیان میں رکھا جائے۔

بہر حال مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ستونوں کے درمیان صف کی مجبوری نہ ہو تو اس سے احتیاط کرنا ہی مناسب ہے، لیکن اگر ضرورت پڑ جائے جیسے نمازی زیادہ ہوں اور مسجد تنگ ہو تو رخصت پر عمل کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ یہ تھی مقتدی کے بارے میں تفصیل، جہاں تک منفرد کا معاملہ ہے، تو اس کے لئے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا سب کے نزدیک بلاکراہت درست ہے

ستونوں کے درمیان نماز میں ممانعت کے اسباب

ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کے مسئلہ میں امام، مقتدی اور منفرد کے لئے تو الگ الگ تفصیل ہے، لیکن یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ممانعت کرنے

والے حضرات نے ممانعت کے بھی مختلف اسباب ذکر کئے ہیں اور ان کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مسئلہ میں تنگی نہیں ہے ، ایک سبب یہ ذکر کیا گیا کہ مسجد نبوی کے ستون خط استوار پر قائم نہ تھے، اس لئے ستونوں کے درمیان صف بندی کرتے تو صف ٹیڑھی ہو جاتی تھی اسلئے منع کیا گیا تھا اس کا حاصل یہ نکلے گا کہ کسی مسجد کے ستون ہموار ہوں تو وہاں ستونوں کے درمیان صف بندی میں مضائقہ نہیں ۔ ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ستونوں کے درمیان صف بنانے سے صف میں انقطاع لازم آتا ہے کہ اگرچہ صف تو ایک ہی ہے لیکن چند آدمی یہاں کھڑے ہیں، درمیان میں ستون حائل ہو گیا ، پھر چند آدمی وہاں کھڑے ہیں، اس کا ایک جواب تو او پر شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط سے نکلا کہ اگرچہ ستونوں کے درمیان والی صف طویل صف نہیں ، لیکن جہاں بھی چند آدمی کھڑے ہیں وہ مستقل صف کے حکم میں ہیں ، دوسرے یہ کہ اگر ستون کے حائل ہونے کی بات تسلیم کر لی جائے تو یہ ان بڑے اور موٹے ستونوں پر صادق آئیگی جو واقعی حیلولت پیدا کر دیتے ہیں اور اگر ستون ایسے ہوں جن سے حیلولیت متحقق نہ ہو جیسے بعض مسجدوں میں لوہے کے یا لکڑی کے باریک ستون لگائے جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے صف میں انقطاع لازم نہیں آئے گا ، تیسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عہد رسالت میں مسجد نبوی میں جنات نماز پڑھتے تھے اور پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ستونوں کے درمیان کا حصہ جنات کے لئے مخصوص فرما دیا تھا، اس لئے عام مقتدیوں کو وہاں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا اسی سبب کا حاصل بھی یہی نکلتا ہے کہ یہ حکم عام نہیں ہے بلکہ یہ عہد رسالت میں مسجد نبوی کی خصوصیت تھی ، اب مساجد میں نہ جنات کی آمد کا علم ہوتا ہے نہ اس کا کوئی ثبوت ہے اسلئے ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں مضائقہ نہ ہونا چاہیئے ۔ ۔ ۔ ۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کا ثبوت امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے سے جو ممانعت وارد ہوئی ہے اس کا تعلق جماعت کی نماز سے ہے ، منفرد اگر نماز پڑھے تو اس میں تنگی نہیں ہے ، چنانچہ اس کے لئے انھوں نے وہ روایت پیش کی جو پہلے باب واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی ، اور ابھی چند ابواب پہلے باب الابواب والغلق للکعبۃ کے تحت گذر چکی ہے اس روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہو کر ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی ، یعنی آپ نے منفرد ہونے کی حالت میں

اس طرح نماز ادا کی معلوم ہوا کہ ستونوں کے درمیان نماز سے ممانعت کا تعلق جماعت کی حالت میں ہے۔

بیت اللہ کے اندرونی ستونوں کی تعداد یہاں شارحین نے بیت اللہ کے اندرونی ستونوں کی تعداد سے بھی بحث کی ہے، کیونکہ اس باب کے تحت دو روایتیں دی گئی ہیں، پہلی روایت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں فرمایا گیا ہے بین العمودین المقدمین، یعنی اگلے دو ستونوں کے کے درمیان۔ اس سے بظاہر معلوم ہوا کہ بیت اللہ میں آگے کی سمت میں دو ہی ستون تھے، دوسری روایت میں آیا جعل عمودا عن یسارہ وعمودا عن یمینہ وثلاثة اعمدة وراءہ کہ آپ نے ایک ستون داہنی طرف لیا، دوسرا ستون بائیں طرف لیا، اور تین ستون پیچھے لئے، اس کا بظاہر مفہوم ہوا کہ ستون پانچ تھے، مگر اسی روایت میں آگے آرہا ہے وکان البیت یومئذ علی ستة اعمدة کہ بیت اللہ کے اس وقت چھ ستون تھے اور شاید اسی تعارض کو ختم کرنے کے لئے امام بخاری نے، امام مالک سے یہ روایت اسمٰعیل نقل کیا عمودین عن یمینہ یعنی داہنی طرف دو ستون تھے لیکن راوی نے اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف ایک کا تذکرہ کیا، لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ مسلم شریف میں یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں امام مالک کی روایت کے برعکس یہ منقول ہے جعل عمودین عن یسارہ وعمودا عن یمینہ یعنی بائیں طرف دو ستون لئے اور داہنی طرف ایک۔

گویا روایات میں دو باتوں میں تعارض ہے، ایک تو یہ کہ صفِ مقدم میں کتنے ستون تھے، بعض روایات سے دو ستون معلوم ہوتے ہیں، اور بعض سے تین، دوسرے یہ کہ کعبہ میں کل کتنے ستون تھے، بعض روایات سے پانچ معلوم ہوتے ہیں اور بعض سے چھ، چنانچہ اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے شارحین نے مختلف راستے اختیار کئے ہیں۔
ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ ؐ نے بیت اللہ کے اندر دو بار نماز ادا کی، ایک بار ایک جگہ اور دوسری بار دوسری جگہ، دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ صف مقدم کے تینوں ستون ایک سمت میں نہیں تھے، دو ستون ایک سمت میں تھے، اور تیسرا ستون سمت سے کچھ ہٹا ہوا تھا، راوی نے سمت سے ہٹے ہوئے ستون کا تذکرہ نہیں کیا، تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ عہد رسالت میں تو پانچ ہی ستون تھے، لیکن راوی کے بیان کے وقت ستونوں

کی تعداد چھ ہوگئی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام توجیہات اگرچہ بڑے لوگوں نے کی ہیں مگر انکا تسلیم کرنا تاریخی شہادتوں پر موقوف ہے اس لئے ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ راوی کے پیش نظر ستونوں کی تعداد کا بیان کرنا نہیں ہے، راوی کے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ آپ نے ستونوں کے درمیان کھڑے ہوکر نماز پڑھی، اور یہ کہ آپ نے دیوار قبلہ کو سترہ بنایا، ان دونوں باتوں کی وضاحت کے لئے ستونوں کی تعداد کا بیان کرنا ضروری نہیں ہے، یعنی یہ بیان کرنا کہ داہنی جانب یا بائیں طرف کتنے ستون تھے یہ مقصدِ راوی سے زائد بات ہے، اس لئے وہ کسی موقع پر اس کو ذکر کردیتے ہیں اور کسی موقع پر ذکر نہیں کرتے۔ باقی شارحین کی توجیہات میں تکلف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابٌ حدثنا ابراهيم بن المنذر قال نا ابو ضمرة قال نا موسى بن عقبة عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا دخل الكعبة مشى قبل وجهه حين يدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذي قبل وجهه قريبا من ثلثة اذرع صلى يتوخى المكان الذي اخبره به بلال ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى فيه قال وليس على احدنا باس ان صلى في اي نواحي البيت شاء

ترجمہ، باب، حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر جب کعبہ کے اندر داخل ہوتے تو داخل ہوتے وقت سامنے کی جانب بڑھتے چلے جاتے اور خانہ کعبہ کے دروازے کو اپنی پشت کی طرف لے لیتے اور آگے بڑھتے یہاں تک کہ جب ان کے درمیان اور اس دیوار کے درمیان جو سامنے کی سمت میں تھی قریب تین ہاتھ کے فاصلہ رہجاتا تو نماز پڑھتے اسی طرح ابن عمر اسی جگہ نماز پڑھنے کا قصد کرتے تھے جس کے بارے میں انھیں حضرت بلال نے یہ اطلاع دی تھی کہ وہاں رسول اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔

حضرت ابن عمر نے یہ فرمایا کہ ہم میں سے کسی کے لئے اس بات میں مضائقہ نہیں ہے کہ وہ بیت اللہ کے جس گوشہ میں چاہے نماز پڑھے۔

مقصد ترجمہ اصیلی کی روایت میں یہاں لفظ باب بھی نہیں ہے، بقیہ حضرات کی روایت میں باب بلا ترجمہ ہے، اگر لفظ باب نہ ہو تو روایت کو باب اول ہی سے

متعلق مانا جائے گا، تعلق اس طرح ہے کہ اگرچہ روایت میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی تصریح نہیں ہے لیکن آپ نے دیوار کعبہ سے تین ذراع کے فاصلہ پر نماز پڑھی ہے، اور یہ جگہ ستونوں کے درمیان ہی واقع تھی اور اگر باب بلا ترجمہ تسلیم کریں جیسا کہ اکثر حضرات کی روایت میں ہے تو پھر اس کو کالفصل من الباب السابق کہیں گے جیسا کہ اکثر شارحین کا خیال ہے، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کا رجحان بھی یہی ہے، جدید ترجمہ کی ضرورت نہیں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اس کو باب اول کی فصل سمجھنا چاہئے کیونکہ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں جو جگہ بیان کی گئی ہے وہ دیوار قبلہ سے تین ہاتھ کے فاصلہ پر تھی۔ اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی ہے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت میں باب اول کے اندر ذکر کردہ مضمون سے زائد بات بھی ہے، یعنی ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی اگرچہ صراحت نہیں مگر اس کا ثبوت موجود ہے اور اس سے زائد بات یہ ہے کہ نمازی اور سترے کے درمیان کا فاصلہ یعنی تین ذراع بھی مذکور ہے۔ اس لئے یہ باب ایک اعتبار سے باب اول سے متعلق ہے اور دوسرے اعتبار سے نئے مضمون پر مشتمل ہے، اور ایسے مواقع پر امام بخاری جب باب بلا ترجمہ ذکر کریں تو اس کو باب اول کی فصل قرار دیا جاتا ہے، مگر شیخ الہند قدس سرہ کے ابواب وتراجم میں جدید ترجمہ منعقد کرنے کا اشارہ دیا گیا ہے، جدید ترجمہ دیا جا سکتا ہے باب یصلی فی ای نواحی البیت شاء یعنی بیت اللہ کے اندر جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ مضمون حضرت ابن عمرؓ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث پہلے باب کی روایت میں تصریح ہے کہ آپؐ نے خانۂ کعبہ کے اندر ستونوں کے درمیان نماز ادا کی، مگر اس میں یہ صراحت نہیں تھی کہ آپ کے اور دیوار کعبہ کے درمیان کتنا فاصلہ تھا، اس روایت میں ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کی تصریح نہیں ہے، لیکن اس کی صراحت ہے کہ آپؐ کے اور دیوار کعبہ کے درمیان تین ہاتھ کی مسافت تھی، پھر حضرت ابن عمرؓ کی جانب سے اس کی بھی تصریح ہے کہ خانۂ کعبہ کے اندر ہر جگہ نماز پڑھنا درست ہے، گویا یہ روایت اپنے مضمون کے اعتبار سے، باب سابق سے ایک گونہ مربوط ہے اور ایک گونہ مغائر، اس لئے عام شارحین

کا رجحان یہ ہے کہ یہ باب کالفصل من الباب السابق یعنی باب سابق ہی کا تتمہ ہے

بَابُ الصَّلٰوۃِ اِلَی الرَّاحِلَۃِ وَالْبَعِیْرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ الْمُقَدَّمِیُّ الْبَصْرِیُّ قَالَ نَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَیْمٰنَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یُعَرِّضُ رَاحِلَتَہٗ فَیُصَلِّیْ اِلَیْہَا قُلْتُ اَفَرَأَیْتَ اِذَا ھَبَّتِ الرِّکَابُ قَالَ کَانَ یَاْخُذُ الرَّحْلَ فَیُعَدِّلُہٗ فَیُصَلِّیْ اِلٰی اٰخِرَتِہٖ اَوْ قَالَ مُؤَخَّرِہٖ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ ۔

ترجمہ، باب، سواری (کی اونٹنی) اور اونٹ اور درخت اور کجاوے کی پچھلی لکڑی کی طرف نماز پڑھنے کا بیان حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کی اونٹنی کو عرض (چوڑائی) میں بٹھالیتے پھر اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اچھا یہ بتایئے کہ سواری کے اونٹ اگر اپنی جگہ سے اٹھ جاتے تو آپ کیا کرتے تھے؟ ابن عمر نے فرمایا کہ ایسی صورت میں آپ کجاوے کو لے کر اس کو اپنے سامنے سیدھا کھڑا کرلیتے اور اس کی پچھلی لکڑی کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے، نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ سترہ کے معاملہ میں نمازی کے لئے پورا توسع ہے، سترہ کے لئے نہ کسی مادہ کی شرط ہے، نہ کسی شکل وصورت کی قید ہے اس معاملہ میں نمازی پوری طرح آزاد ہے، وہ ہر چیز کو سترہ بنا سکتا ہے، وہ چیز خواہ از قسم حیوان ہو، یا غیر حیوان ہو، یعنی درخت ہو یا اونٹ ہو، وہ جانور خواہ ماکول اللحم یا غیر ماکول اللحم ہو، غرض ہر چیز کو سترہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

حیوان کو سترہ بنانے کے سلسلہ میں امام شافعی اور امام مالک سے کراہت منقول ہے، کیونکہ سترہ کا مقصد ہے نماز کا تحفظ اور حیوان کا کیا بھروسہ ہے کب اٹھ کر چل دے لیکن حنابلہ اور حنفیہ کے یہاں حیوان کو سترہ بنانے میں مضائقہ نہیں ہے۔ ابو داؤد میں حضرت ابن عمر سے منقول ہے:

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلے الی بعیرہ — کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کی طرف رُخ کرکے نماز ادا فرماتے تھے۔

عمدۃ القاری ص ۲۸۶ / ۴ ج

امام بخاری رحمہ نے ترجمۃ الباب میں چار چیزیں ___ اونٹنی، اونٹ، درخت اور کجاوہ ___ ذکر کرکے توسع کا اظہار فرمادیا، گویا حنفیہ اور حنابلہ کی تائید اور مالکیہ اور شوافع کی تردید فرمادی، روایتِ باب میں راحلہ یعنی سواری کی اونٹنی اور رحل یعنی کجاوے کا ذکر ہے، درخت اور اونٹ کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن اونٹنی اور اونٹ تو ایک ہی جنس کے دو نام ہیں جب اونٹنی کو سترہ بنانا درست ہے تو اونٹ کا حکم بھی معلوم ہوگیا، رہا درخت کا معاملہ تو وہ اس طرح ثابت ہے کہ جب رحل کجاوے کو سترہ بنانا درست ہے اور کجاوہ لکڑی کا ہوتا ہے تو گویا لکڑی کی ہر جنس کا حکم معلوم ہوگیا۔

اور اگر امام بخاریؒ کی عادت کے مطابق نظر کو اور زیادہ وسیع کریں تو ممکن ہے کہ بخاری ان روایات کی طرف اشارہ کررہے ہوں جن میں ان تمام چیزوں کا صراحت کے ساتھ تذکرہ ہے جیساکہ ابو داؤد کی مذکورہ بالا روایت میں بعیر کا تذکرہ ہے، اور نسائی کی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بسند حسن شجر کا ذکر موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

لقد رأيتنا يوم بدر وما فينا	میں نے غزوۂ بدر والی رات میں دیکھا کہ
انسان الا نام الا رسول الله صلى	ہم میں سے ہر انسان سوگیا تھا مگر رسول
الله عليه وسلم فانه كان يصلى	اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک درخت کو سترہ
الى شجرة يدعو حتى اصبح	بناکر نماز پڑھ رہے تھے اور آپ صبح تک
عمدۃ القاری ص ۲۸۶ ج ۴	دعا میں مشغول رہے۔

اس لئے بہت ممکن ہے کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں ان چیزوں کا اضافہ کرکے ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہو جن میں صراحت کے ساتھ ان چیزوں کا تذکرہ ہے واللہ اعلم۔

تشریح حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو عرض میں لے کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ اگر سواری کا جانور قابو میں ہو تو یہ صورت درست ہے، لیکن اگر وہ بے قابو ہو اٹھ کر چلدے، یا ہیجانی کیفیت میں ہو تو اس کو سترہ نہیں بنایا جاسکتا، ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ ایسی صورت ہوتی تو کجاوے کو سامنے رکھ کر نماز پڑھ لیتے۔ روایت کے الفاظ ہیں: يصلى الى اٰخرته، کجاوے کی وہ لکڑی ہے جس سے سوار اپنی

کمر لگاتا ہے۔ کجاوے میں دو لکڑیاں ہوتی تھیں، ایک آگے جسے سوار پکڑ کر بیٹھتا تھا، اور دوسری پیچھے جس سے کمر لگا لیتا تھا 'اخرۃ' کی جگہ موخرۃ کا لفظ بھی مذکور ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ ابن عمرؓ کے کجاوے کی اس لکڑی کی اونچائی ایک ذراع کے بقدر تھی۔

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ فرماتے تھے کہ یہیں سے حنفیہ نے تنقیح مناط کے طور پر یہ استخراج کیا ہے کہ ہر وہ چیز جس کی اونچائی ایک ذراع اور اس کی موٹائی ایک انگلی کے بقدر ہو اس کو سترہ بنانا درست ہے، البتہ سترہ کے طور پر خط کھینچنے کے بارے میں حنفیہ سے اختلاف منقول ہے، ہدایہ میں خط کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے، لیکن فتح القدیر میں صاحبین کی طرف خط کے قابل اعتبار ہونے کی بات منسوب ہے، حضرت علامہ فرماتے کہ یہی بات زیادہ صحیح ہے، کیونکہ خط کھینچنے کی بات جس روایت میں مذکور ہے امام احمد نے اس کو قابل عمل قرار دیا ہے، نیز یہ کہ خط حصار وغیرہ کے سلسلہ میں یقیناً موثر ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں حضرت ابن مسعودؓ کو ایک خط کا حصار کھینچ کر اس کے اندر رہنے کی ہدایت کی تھی، اور عملیات کرنے والوں کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ وہ حصار کر کے عمل پڑھتے ہیں تو خود محفوظ رہتے ہیں یا جنات کا حصار کرا دیتے ہیں تو ان کے حملہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوۃِ اِلَی السَّرِیْرِ حدثنا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ قَالَ نَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اَعَدَلْتُمُوْنَا بِالْکَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ مُضْطَجِعَۃً عَلَی السَّرِیْرِ فَیَجِیْءُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَتَوَسَّطُ السَّرِیْرَ فَیُصَلِّیْ فَاَکْرَہُ اَنْ اَسْنَحَہٗ فَاَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَیِ السَّرِیْرِ حَتّٰی اَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِیْ۔

ترجمہ، باب، تخت (یا چارپائی) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا بیان۔ اسود، حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہم (عورتوں) کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا، بے شک مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں تخت پر لیٹی رہتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور تخت کو بیچ میں لیتے اور نماز پڑھتے، پھر میں اس کو ناپسند سمجھتی کہ آپ کے سامنے رہوں تو میں تخت کی پائنتی کی جانب کھسک جاتی تاکہ (پائنتی کی

کی طرف آکر) لحاف کے اندر ہی سے باہر نکل سکوں۔

مقصد ترجمہ مقصد ہے سترے کے سلسلہ میں مزید توسع اور عموم کا بیان، کہتے ہیں کہ گھر کے استعمال کی چیزوں کو بھی سُترہ بنایا جاسکتا ہے، یا یہ کہ جو چیزیں زمین پر منصوب ہوں وہ تو سترہ بن ہی سکتی ہیں اور وہ چیزیں بھی سُترہ بن سکتی ہیں جو نمازی کے سامنے زمین سے اُٹھی ہوئی ہوں جیسے چارپائی یا تخت کو درمیان میں لے کر نماز پڑھنا، کہ نمازی کے سامنے جو پٹی آئے گی وہ زمین سے اوپر اٹھی ہوئی ہوگی۔

تشریح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان راویوں کی شکایت کر رہی ہیں جنھوں نے تین چیزوں ۔ کتے، گدھے اور عورت ۔ کے سامنے سے گذرنے کو قاطع صلوٰۃ کہا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ شکایت کی بنیاد ان لوگوں کی تردید ہے جنھوں نے الفاظ کے ظاہری معنی کے مطابق ان چیزوں کے سامنے آنے کو مفسدِ صلوٰۃ قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شکایت طرز ادا کی ہے۔ کہ تمہارا انداز بیان ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت، گدھا اور کتا سب برابر ہیں، کیونکہ تم نے تینوں چیزوں کو ایک ہی سلسلے میں ذکر کر دیا ہے، حالانکہ عورت میں اور ان دونوں میں زبردست فرق ہے، بیان کرتے وقت اس نزاکت کو ملحوظ رکھنا چاہئے تھا، اس فرق کی وضاحت چند ابواب کے بعد آرہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لقد رأیتنی الخ میں خوب دیکھ رہی ہوں یعنی کل کی سی بات ہے کہ میں تخت پر سامنے لیٹی ہوئی تھی، آپ مجھے میری جگہ سے ہٹاتے نہیں تھے بلکہ وسط سریر میں نماز پڑھ لیتے تھے، پھر مجھے آپ کی نماز کے درمیان اٹھنے کی ضرورت ہوتی تو میں اس طرح نہ اٹھتی کہ بالکل مواجہت اور سامنا ہوجائے، بلکہ میں لیٹے ہی لیٹے، لحاف کے اندر اندر، سریر کی پائینتی کی طرف کھسک جاتی، اور پھر اٹھتی تھی۔

ترجمہ اور حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب ہے "الصلوٰۃ الی السریر" سریر کو سترہ بنا کر نماز پڑھنا، اور روایت میں آرہا ہے یتوسط السریر سریر کے بیچ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، کیونکہ توسط لازم ہے اور السریر اس کا مفعول فیہ ہے، گویا روایت، ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے، چنانچہ اسمٰعیلی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ روایت سریر یعنی تخت کو سُترہ بنا کر نماز پڑھنے پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ تخت کے اوپر نماز پڑھنے کا مضمون بیان کرتی ہے، چنانچہ کرمانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ حروفِ جر ایک دوسر

کی جگہ استعمال ہوتے ہیں، یہاں بھی ترجمۃ الباب میں الصلوۃ الی السریر، الصلوۃ علی السریر کے معنیٰ میں ہے، پھر انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ بعض روایات میں علی السریر آیا بھی ہے علامہ عینی کی رائے بھی یہی ہے کہ ترجمۃ الباب میں الی، علی کے معنیٰ میں ہے۔

علامہ سندھیؒ کا ارشاد علامہ سندھیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ حدیث باب کی مناسبت سے تو ترجمۃ الباب الصلوۃ علی السریر ہی ہونا چاہئے کیونکہ روایت میں فیتوسط السریر کے الفاظ ہیں جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ سریر کے وسط میں نماز پڑھتے تھے، توسط باب تفعل سے ہے جو لازم ہے اور سریر اسکا مفعول فیہ ہے، اس لئے معنی یہ ہوں گے کہ آپ سریر کے اوپر وسط میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس بنا پر ترجمۃ الباب میں الصلوۃ الی السریر بھی ہو تو یہ کہنا ہوگا کہ الی، علی کے معنی میں ہے، مگر اس توجیہ کو مدلل کرنے کے باوجود علامہ سندھی اعتراف فرماتے ہیں کہ ابواب السترۃ سے ربط باقی نہیں رہتا۔

اسمٰعیلی کا جواب علامہ عینی، کرمانی، سندھی نے تو اسمٰعیلی کے اعتراض سے بچنے کیلئے ترجمۃ الباب کے وہ معنی بیان کئے جن سے یہ باب، ابواب السترہ سے متعلق نہیں رہتا لیکن اصل جواب وہی ہے جو خود اسمٰعیلی نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام بخاری نے باب الصلوۃ الی السریر کو ثابت کرنے کے لئے اسود عن عائشۃ والی وہ روایت ذکر کی ہے جس میں فیتوسط السریر کے الفاظ ہیں، لیکن چند ابواب کے بعد جو مسروق عن عائشۃ والی روایت آرہی ہے اسکے الفاظ ہیں:

لقد رایت النبی صلے اللہ علیہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس
وسلم یصلے وانی لبینہ وبین	طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ میں آپ کے
القبلۃ وانا مضطجعۃ علی السریر	اور قبلہ کے درمیان سریر (تخت) کے اوپر
(بخاری ص ۷۳، ج ۱)	لیٹی رہتی تھی۔

ان الفاظ سے روایت باب کے الفاظ فیتوسط السریر کے یہی معنی متعین ہو جاتے ہیں کہ حضرت عائشہ جس تخت پر لیٹی ہوتی تھیں اس پر آپ نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ وہ تخت سترہ کے طور پر آپ کے اور قبلہ کے درمیان رہتا تھا، اور چونکہ سترہ تخت کے پائے نہیں بنتے تھے، بلکہ دونوں پایوں کے درمیان جو خشبۂ معروضہ یعنی پٹی ہوتی تھی اس سے

سُترہ کا کام لیا جاتا تھا، بس اسی سے ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا کہ سترہ کا زمین پر نصب ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر کوئی ایسی چیز سُترہ کا کام دے جو گھر کے استعمال کی ہو یا جو زمین سے متصل نہ ہو تو یہ بھی درست ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ لِيَرُدَّ الْمُصَلِّي مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ وَقَالَ اِنْ اَبٰى اِلَّا اَنْ يُقَاتِلَهُ قَاتَلَهُ حدثنا اَبُوْ مَعْمَرٍ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ نَا يُوْنُسُ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَحَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ نَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيْرَةِ قَالَ نَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَدَوِيُّ قَالَ نَا اَبُوْ صَالِحٍ السَّمَّانُ قَالَ رَاَيْتُ اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ يُصَلِّي اِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ شَابٌّ مِنْ بَنِيْ اَبِيْ مُعَيْطٍ اَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَدَفَعَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فِيْ صَدْرِهٖ فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا اِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ فَعَادَ لِيَجْتَازَ فَدَفَعَهُ اَبُوْ سَعِيْدٍ اَشَدَّ مِنَ الْاُوْلٰى فَنَالَ مِنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ ثُمَّ دَخَلَ عَلٰى مَرْوَانَ فَشَكَا اِلَيْهِ مَا لَقِيَ مِنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَدَخَلَ اَبُوْ سَعِيْدٍ خَلْفَهُ عَلٰى مَرْوَانَ فَقَالَ مَا لَكَ وَلِابْنِ اَخِيْكَ يَا اَبَا سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔

ترجمہ، باب، اگر کوئی سامنے سے گذرنا چاہے تو نمازی کو اسے روک دینا چاہئے حضرت ابن عمرؓ نے التحیات پڑھتے وقت اور کعبہ میں (گذرنے والے کو) روکا اور فرمایا کہ اگر گذرنے والا لڑائی کے بغیر باز نہ آئے تو اس سے لڑنا چاہئے ابوصالح السمان کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن دیکھا کہ وہ لوگوں سے بچنے کے لئے ایک چیز کو سترہ بنا کر نماز پڑھ رہے ہیں کہ ابومعیط کی اولاد میں سے ایک جوان نے ان کے سامنے سے گذرنا چاہا تو حضرت ابوسعیدؓ نے سینے پر ہاتھ مار کر اس کو روک دیا اس پر جوان نے دیکھا مگر اس کو سامنے سے گذرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ملا تو اس نے دوبارہ گذرنا چاہا تو حضرت ابوسعید خدری نے پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ دھکا دیا، تو اس نے حضرت ابوسعید کی شان میں نامناسب بات کہی پھر مروان کے پاس پہنچا اور حضرت ابوسعید کی جانب سے پیش آمدہ صورت حال کی شکایت کی، حضرت ابوسعید بھی اس کے پیچھے ہی مروان کے

پاس پہنچ گئے، مروان نے کہا، اے ابوسعید! آپ کے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا بات پیش آئی؟ تو حضرت ابوسعید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز کو سُترہ بنا کر نماز پڑھ رہا ہو اور کوئی تمھارے سامنے سے گذرنا چاہے تو وہ اس کو روک دے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے قتال کرے کیونکہ وہ گذرنے والا شیطان ہے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ ہے کہ جب آپ نے اپنی نماز کی حفاظت کے لئے سُترہ قائم کر لیا اب اگر کوئی از راہ نادانی آپ کے اور سُترہ کے درمیان سے گذرنا چاہے تو آپکو کیا کرنا چاہئے، اس کو گذرنے دیں یا روک دیں؟ امام بخاری بیان کرتے ہیں لیردّ الخ یعنی نمازی کو چاہئے کہ گذرنے والے کو گذرنے سے روک دے، تاکہ نمازی ہونے کی حیثیت سے جو تعلق بندے اور خدا کے درمیان قائم ہوا ہے کوئی اس کو ختم نہ کر سکے، یہ حکم نماز کی ابتدا میں بھی ہے اور نماز کے خاتمہ پر بھی یہی حکم ہے، اور خانۂ کعبہ والی مسجد حرام میں بھی یہی حکم ہے اور کسی دوسری جگہ بھی یہی حکم ہے، البتہ خانۂ کعبہ میں یہ حکم طواف کرنے والوں کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ طواف خود نماز کے حکم میں ہے اور طواف کرنے والوں کو گذرنے کی اجازت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے تشہد کی حالت میں بھی گذرنے والوں کو روکا، اور کعبہ کے اندر بھی، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ گذرنے والے کو روکنے کے سلسلہ میں اول صلوۃ آخر صلوۃ کا حکم یکساں ہے، اور کعبہ و غیر کعبہ میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، نمازی کسی جگہ بھی ہو اگر کوئی سامنے سے گذرنا چاہے تو یہی کرنا ہوگا کہ جب تک سلام نہ پھیرا ہو روک دیں، نرمی سے کام نہ چلے تو سختی سے کام لیں فلیقاتلہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر گذرنے والا نرمی سے باز نہ آئے تو سختی سے پیش آنے کی اجازت ہے، یعنی اگر وہ اشارہ سے نہ مانے تو دھکا دے کر روک دیا جائے، رہا یہ کہ دھکا دینے میں عمل کثیر کی صورت بن جائے یا مار پیٹ کی نوبت آجائے تو نماز باقی رہے گی یا ختم ہو جائے گی تو ظاہر ہے کہ جو اعمال، نماز کے منافی ہیں ان کے وجود میں آنے سے نماز ختم ہو جائے گی اس لئے نماز کے تحفظ کے ساتھ جو صورت گذرنے سے روکنے کی ممکن ہو وہ عمل میں لائی جائے چنانچہ مؤطا امام محمدؒ میں حضرت ابوسعید خدری ہی کی روایت کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ فلیقاتلہ کے معنی نماز کے تحفظ کے ساتھ تابمقدور روکنے کی کوشش کے ہیں، کیونکہ سترہ کا اصل مقصد بھی نماز ہی کا تحفظ تھا، گذرنے والے کو روکنا بھی اسی حد تک

درست ہے کہ نماز کا نقصان نہ ہو، اگر نمازی نے وہ کام کر ڈالا جس سے فساد لازم آگیا تو اس نے گویا نماز کی حفاظت کی کوشش میں اصل نماز ہی کو ختم کر دیا۔ امام محمدؒ کے الفاظ ہیں:

فان یقاتله کان ماید خل علیه	پس اگر نمازی قتال کرتا ہے تو نماز میں
فی صلاته من قتاله ایاه اشد	قتال سے جو نقصان پیدا ہوگا وہ سامنے
علیه من ممر ھذا بین یدیه	گذرنے سے پیدا ہونے والے نقصان سے
(موطا امام محمد ص۱۴۹)	زیادہ ہوگا۔

گویا گذرنے والے کو روکنا، نماز کی حفاظت کے لئے تھا، اگر روکنے میں نماز ہی فاسد ہو رہی ہو تو گذرنے دیا جائے۔ اور نماز کے تحفظ کے ساتھ روکنا ممکن ہو تو روکنے کی کوشش کی جائے۔

علامہ تقی الدین کی تفصیل علامہ تقی الدین ابن دقیق العید نے، بعض فقہاء مالکیہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے گذرنے والے اور نمازی کے احوال سے متعلق کچھ تفصیل کی ہے، وہ اصولی طور پر ہمارے یہاں بھی معتبر ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ گذرنے والے اور نمازی کے مختلف احوال ہیں، اور ان کے پیش نظر احکام بھی الگ الگ ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ نمازی راستہ سے ہٹ کر اور سترہ قائم کرکے نماز پڑھ رہا ہے اور گذرنے والے کیلئے گذرنے کی دوسری بھی جگہ موجود ہے تو اس صورت میں نمازی اور سترے کے درمیان گذرنے والا مجرم اور خطاکار ہے، اس کو روکا جائے گا، نمازی پر کوئی گناہ یا ذمہ داری نہیں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ نمازی راستہ اور گذرگاہ پر سترہ قائم کئے بغیر نماز شروع کر دے اور گذرنے والے کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسری گذرگاہ بھی نہ ہو اور ضرورت کے سبب گذرنا بھی ضروری ہو تو اس صورت میں تمام تر ذمہ داری نمازی کی ہے، گذرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، تیسری صورت یہ ہے کہ نمازی گذرگاہ اور راستہ پر نماز شروع کر دے لیکن اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی موجود ہو، تو جس طرح نمازی راستہ پر بغیر سترہ کے نماز شروع کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے اسی طرح دوسرا راستہ ہونے کی وجہ سے گذرنے والا بھی گناہ گار ہے، گویا اس صورت میں دونوں مجرم ہیں، چوتھی صورت یہ ہے کہ نمازی نے راستہ سے ہٹ کر اور سترہ قائم کرکے نماز شروع کی، لیکن گذرنے والے کیلئے گذرنے کی کوئی دوسری جگہ موجود نہیں، مثلاً جو اصل گذرگاہ ہے وہاں اس سے بھی زیادہ رکاوٹ ہے، تو ایسی صورت میں نہ نمازی گناہگار ہے

نہ گذرنے والا، نمازی تو اس لئے گناہگار نہیں کہ اس نے سُترہ قائم کرلیا تھا اور گذرنے والا یوں گناہگار نہیں کہ اس کے سامنے اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

تشریح حدیث واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن سُترہ قائم کرکے نماز ادا کررہے تھے کہ ابومعیط کے خاندان کے ایک نوجوان نے سامنے سے گذرنا چاہا، حضرت ابوسعیدؓ نے سینہ پر ہاتھ مارکر روک دیا، وہ رک گیا، لیکن پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور وہ یہ سمجھا کہ اس کے علاوہ راستہ نہیں ہے اس لئے اس نے دوبارہ گذرنے کا ارادہ کیا، حضرت ابوسعید نے پہلے سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ روک دیا معلوم ہوا کہ حضرت ابوسعیدؓ نے اپنے اور سُترے کے مابین گذرنے کی اجازت نہیں دی، سختی سے پیش آئے اور اس کو رُکنے پر مجبور کردیا، لیکن وہ مروان حاکم کا رشتہ دار تھا، اس کو غرّہ تھا کہ حکومت ہماری ہے، حکومت کا نشہ بھی عجیب ہوتا ہے، متعلقین بھی اپنے آپ کو حاکم تصور کرنے لگتے ہیں چنانچہ وہ جوان حضرت ابوسعید کی شان میں نامناسب کلمات کہتا ہوا مسجد سے نکلا اور سیدھا مروان کے پاس پہنچا، حضرت ابوسعید بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے، مروان نے کہا کہ آپ نے اپنے بھتیجے کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کیا، مطلب یہ تھا کہ بھتیجا ہونے کا تقاضا تو نرمی کے ساتھ پیش آنا تھا، حضرت ابوسعیدؓ نے جواب دیا کہ جناب! میں بھتیجے کے ساتھ سختی سے کیوں پیش آتا میں نے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق عمل کیا ہے اور شیطان کو دفع کیا ہے، کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا فان ابی فلیقاتلہ فانما ھو شیطان۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسعید نے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کو ظاہر پر محمول کیا ہے اور وہ اس سلسلہ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ سُترہ قائم کرنے کے بعد نمازی کو یہ حق ہے کہ وہ گذرنے والے کو کسی بھی حالت میں گذرنے نہ دے، اس معاملہ میں وہ مجبوری کی بنیاد پر استثناء یا کسی طرح کی تفصیل کے قائل نہیں ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خاندان ابومعیط کے اس نوجوان کا یہ گذر، ان کے نزدیک بلاضرورت ہو اور وہ یہی سمجھ رہے ہوں کہ حاکم وقت کا عزیز ہونے کی بنیاد پر گذرنا چاہتا ہے، ورنہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کی صورت میں اہل مذہب نے وہ تفصیل کی ہے جو ابن دقیق العید کے حوالہ سے گذری۔ واللہ اعلم

بَابُ اِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ حدثنا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ

أَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ . قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي قَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً .

ترجمہ، باب، نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے گناہ کا بیان، بسرؒ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت زیدؓ بن خالد نے انھیں حضرت ابوجہیمؓ انصاری کی خدمت میں بھیجا کہ وہ ابوجہیمؓ سے یہ پوچھیں کہ انھوں نے نمازی کے سامنے سے گذرنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے، تو ابوجہیمؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والا یہ جانتا کہ اس کو کتنا گناہ ہوگا تو البتہ یہ بات کہ وہ چالیس ــــ تک کھڑا رہے اسکے نزدیک گذرنے کے مقابلہ پر بہتر ہوتی، ابوالنضرؒ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ بسرؒ بن سعید نے چالیس دن کہا تھا، یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔

مقصدِ ترجمہ باب سابق میں کہا گیا ہے کہ نمازی کو سترہ قائم کرنے کے بعد، اپنی نماز کی حفاظت کے لئے گذرنے والے کو پہلے نرمی اور پھر سختی سے روکنے کا مکلف کیا گیا ہے، اب اس باب میں گذرنے والے کو متنبہ کرکے دوسرا رخ واضح کیا جارہا ہے کہ اس عمل کا نتیجہ نہایت خطرناک ہے، اگر کوئی غلطی سے نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہو اور نمازی اس کو روک دے تو ناراضگی یا سخت سست کہنے کے بجائے اس کو ممنون ہونا چاہئے کہ اس نے متنبہ کرکے مجھے گناہ اور عذابِ آخرت سے بچالیا جیسے راہ چلنے والے کسی غافل یا نابینا کو اگر راستہ میں پائی جانے والی کسی خطرناک چیز کی اطلاع دے دی جائے تو وہ اس خیر خواہی پر شکر گذار اور ممنون ہوتا ہے۔

تشریح حدیث حضرت زیدؓ بن خالد نے بسرؒ بن سعید کو حضرت ابوجہیم انصاریؓ کی خدمت میں بھیجا کہ جاؤ اور یہ معلوم کرکے آؤ کہ انھوں نے نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ ابوجہیمؓ نے فرمایا کہ آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو اس عمل پر ہونے والے گناہ اور عذاب کا علم ہو جائے تو وہ چالیس۔ تک کھڑے رہنے کو گذرنے سے بہتر سمجھے، یہاں علم سے مراد یا تفصیلی علم ہے، کہ اگر اس کو اپنے عمل کے گناہ اور عذاب کی تفصیلات معلوم ہو جائیں یا پھر علم

سے مراد علم مشاہدہ ہے یعنی اگرچہ اس کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے سبب اسکا تو یقین ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے، مگر یہ علم اگر مشاہدہ بن جائے تو وہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کی کبھی جرأت نہ کرے، گویا گذر جانے کی جرأت یا تو اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ اس گناہ اور عذاب کی تفصیلات سامنے نہیں، یا اس بنیاد پر ہے کہ علم اگرچہ حاصل ہے مگر مشاہدہ نہیں ہے، بہرحال روایت سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ نووی نے فرمایا کہ روایت سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا حرام ہے۔ اور حدیث پاک میں جو تاکید کے ساتھ وعید شدید وارد ہوئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا جائے۔

قال ابو النضر الخ ابو النضر جو بسر بن سعید کے شاگرد ہیں وہ کہتے کہ مجھے یہ محفوظ نہیں کہ اربعین یعنی چالیس کے بعد دن، مہینہ یا سال میں سے کیا چیز ذکر کی تھی بظاہر اس کا مفہوم یہ ہے کہ بسر بن سعید نے اس کو ذکر کیا تھا مگر یاد نہیں رہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ابہام اصل روایت میں نہیں تھا چنانچہ مسند بزار میں لکان ان یقف اربعین خریفا (فتح الباری ص ۱۴۲ ج ۱) آیا ہے۔ اور فصل خریف سال میں ایک بار آتی ہے، اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ چالیس سال کھڑا رہنا گذرنے سے بہتر سمجھے، نیز ابن حبان ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مائۃ عام کے الفاظ منقول ہیں، ابن ماجہ میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو يعلم احدكم ماله فى ان يمر بين يدى اخيه معترضا فى الصلوة كان لان يقيم مائة عام خير له من الخطوة التى خطاها (ابن ماجہ ص ۶۶)	حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اس کو اپنے بھائی کے سامنے سے نماز میں گذرنے پر کیا گناہ ہوتا ہے تو اس کیلئے اس ایک قدم چلنے کے مقابلہ پر سو سال تک کھڑا رہنا بہتر ہوتا۔

مطلب یہ ہوا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا گناہ ہے اور اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر نمازی کو اس کا ادراک ہو جائے تو وہ مدتوں کھڑا رہنا گذرنے سے بہتر خیال کرے۔ واللہ اعلم

بَابُ اِسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ وَهُوَ يُصَلِّى، وَكَرِهَ عُثْمَانُ اَنْ يَسْتَقْبِلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّى وَهٰذَا اِذَا اشْتَغَلَ بِهٖ فَاَمَّا اِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ بِهٖ فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ

مَا بَالُیْتُ اَنَّ الرَّجُلَ لَا یَقْطَعُ صَلٰوۃَ الرَّجُلِ حدثنا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ خَلِیْلٍ قَالَ اَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّہٗ ذُکِرَ عِنْدَھَا مَا یَقْطَعُ الصَّلٰوۃَ فَقَالُوْا یَقْطَعُھَا الْکَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْاَۃُ فَقَالَتْ لَقَدْ جَعَلْتُمُوْنَا کِلَابًا لَقَدْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ وَاِنِّیْ لَبَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْقِبْلَۃِ وَاَنَا مُضْطَجِعَۃٌ عَلَی السَّرِیْرِ فَتَکُوْنُ لِیَ الْحَاجَۃُ وَاَکْرَہُ اَنْ اَسْتَقْبِلَہٗ فَاَنْسَلُّ اِنْسِلَالًا وَعَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَۃَ نَحْوَہٗ ۔

ترجمہ، باب ، نماز کی حالت میں ایک شخص کے دوسرے شخص کی طرف منہ کرنے کا بیان، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں ایک شخص کے دوسرے کی طرف منہ کرنے کو مکروہ قرار دیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ کراہت اس صورت میں ہے کہ نمازی کا دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر اس کا دل مشغول نہ ہو تو حضرت زید بن ثابت نے فرمایا کہ میں اس کی پروا نہیں کرتا کیونکہ مرد کا سامنے آنا، مرد کے لئے قاطع نماز نہیں ہے۔ حضرت مسروق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے سامنے ان چیزوں کا تذکرہ ہوا جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو لوگوں نے کہا کہ کتے، گدھے اور عورت کے سامنے آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اس پر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہم عورتوں کو تو کتوں کی طرح بنا دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان تخت پر لیٹی ہوتی تھی، پھر اگر مجھے کوئی ضرورت ہوتی اور میں نماز میں آپ کے سامنے پڑنے کو ناپسند سمجھتی تو آہستہ سے کھسک کر نکل جاتی اعمش بھی ابراھیم عن اسود کی سند سے حضرت عائشہ سے اسی طرح کی روایت کرتے ہیں۔

مقصدِ ترجمہ پچھلے باب میں بتلایا گیا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز نہیں، اب بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی گذرا تو نہیں لیکن نمازی کے سامنے رُخ کر کے بیٹھا رہے یا کھڑا رہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس صورت کو مکروہ قرار دیا ہے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت نے فرمایا ہے کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں اسلئے کہ کسی مرد کے نماز میں کسی مرد کے سامنے پڑنے سے کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا، امام بخاری اس سلسلے میں اپنا رجحان ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت زید کے ارشادات اپنی اپنی جگہ درست اور دو الگ الگ حالات سے متعلق ہیں، اگر سامنے آنے سے نمازی کی طبیعت میں

انتشار پیدا ہو اور جمعیت خاطر متاثر ہو جائے تو مکروہ ہے، لیکن اگر اطمینان قلب پر کوئی فرق نہیں پڑتا تو سامنے رُخ کر کے بیٹھنا یا کھڑے ہونا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح حدیث دوسری سند سے وہی روایت ذکر کی گئی ہے جو چند ابواب پہلے الصلوٰۃ الی السریر میں گذری، جس میں حضرت عائشہ نے راویوں کے طرزِ ادا اور تعبیر کی شکایت کی ہے، یہ روایت بعد میں آئے گی وہیں کچھ بعد میں بیان کیا جائے گا یہاں ترجمۃ الباب سے متعلق یہ بات ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی رہتی تھی، پھر کوئی ضرورت ہوتی اور مجھے اٹھنا ہوتا تو میں آپ کے سامنے پڑنے کو ناپسند سمجھتی تھی اور آہستہ سے کھسک کر پائنتی کی طرف آتی پھر اٹھتی۔ حضرت عائشہؓ کی جانب سے استقبال اور مواجہت کا طریقہ چھوڑ کر، آہستہ سے کھسک جانے کا طریقہ اختیار کرنا ترجمۃ الباب کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے مگر یہاں دو اشکال ہیں ایک تو یہ کہ ترجمۃ الباب میں استقبال الرجل الرجل مرد کا مرد کے سامنے ہونا اور روایت میں آیا استقبال الرجل المرأۃ عورت کا مرد کے سامنے ہونا، اور دوسرے یہ کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں یہ وضاحت کی کہ اسکا مدار انتشار طبیعت پر ہے، اگر طبیعت میں انتشار پیدا ہو تو مکروہ ورنہ مکروہ نہیں، اور یہ وضاحت روایت میں نہیں ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں روایت سے آسانی کے ساتھ ثابت ہیں کیونکہ پہلی بات تو اس طرح ثابت ہے کہ جب عورت کے سامنے آنے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی، تو مرد کے سامنے آنے سے بدرجۂ اولیٰ نہیں آئے گی، گویا امام بخاری نے دلالۃ النص کے طریقہ پر یہ بات ثابت کی، دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا استقبال کے طریقہ سے بچ کر، انسلال یعنی آہستگی کے ساتھ کھسک جانے کا طریقہ اختیار کرنا اسی لئے تو تھا کہ نماز میں طبیعت میں انتشار نہ ہو، اگرچہ پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں انتشار طبیعت کا ادنیٰ احتمال تسلیم کرنا بھی درست نہیں، لیکن حضرت عائشہؓ کا احتیاط فرمانا ہی ترجمۃ الباب کو ثابت کر رہا ہے۔

بَابُ الصَّلٰوۃِ خَلْفَ النَّائِمِ نا مُسَدَّدٌ قَالَ نَا يَحْيٰی قَالَ نَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ۔

ترجمہ، باب، سونے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کا بیان، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں نماز پڑھا کرتے تھے کہ میں آپؐ کے بچھونے پر

میں (جنازے کی طرح) سوئی ہوئی رہتی تھی، پھر جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو مجھے بیدار کر دیتے اور میں وتر پڑھتی۔

مقصد ترجمہ ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں سوتے ہوئے انسان کے پیچھے یعنی نمازی کے سامنے کی جانب میں کوئی سو رہا ہو تو ممانعت وارد ہوئی ہے۔

عن ابن عباس قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يصلى خلف المتحدث والنائم (ابن ماجہ ص۶۸)	ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع فرمایا کہ باتیں کرنے والے اور سونے والے انسان کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔

چنانچہ امام مالکؒ سے سونے والے شخص کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی کراہت منقول ہے مگر امام بخاری کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ اس روایت کے ضعیف ہونے کی بنیاد پر اس کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے یا پھر وہی تاویل کر رہے ہیں جو باب استقبال الرجل الرجل میں گذری ہے یعنی اگر کوئی سامنے سو رہا ہو تو بذاتِ خود اس میں کوئی خرابی نہیں ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اس کے خراٹوں کی آواز سے بے اطمینانی کی صورت پیدا ہو جائے اور نماز کا خشوع متاثر ہو یا وہ مثلاً کروٹ لے اور سجدہ کی جگہ میں آجائے یا کوئی اور ناگوار بات پیش آئے اور نمازی کی طبیعت میں انتشار پیدا ہو جائے، لیکن اگر کسی کی عادت معلوم ہو جائے کہ وہ سوتا ہے تو ایک ہی کروٹ پر پڑا رہتا ہے، خراٹوں کی آواز بھی نہیں آتی اور دوسری کوئی ناگوار صورت بھی پیش نہیں آتی تو اس کے سامنے لیٹا رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، گویا ممانعت کی بنیاد ہے نمازی کی طبیعت کا انتشار، اس سے اطمینان ہے تو ممانعت نہیں۔

تشریح حدیث حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ میں نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر لیٹی رہتی اور آپ میرے سامنے لیٹا رہنے اور سونے کے باوجود نماز پڑھتے رہتے، وتر کا ارادہ فرماتے تو مجھے بھی جگا دیتے اور میں بھی وتر پڑھتی، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرا واقعہ ہے، کیونکہ باب سابق کی روایت میں آیا تھا کہ میں سامنے تخت پر لیٹی رہتی، اور اس میں آیا کہ میں بچھونے پر سوتی رہتی، نیز یہ کہ پچھلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ مجھے ضرورت پیش آتی تو میں کھسک کر کنارے آجاتی اور اٹھ کر چلی جاتی جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سامنے تخت پر بیداری کی حالت کا تذکرہ کر رہی ہیں، اور اس روایت میں وہ اپنے آپ کو

راقدہ فرما رہی ہیں۔ نیز روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر کا معاملہ زیادہ اہم ہے کیونکہ آپؐ اُن کو تہجد کے لئے بیدار نہ فرماتے، وتر کے لئے بیدار کرتے۔ واللہ اعلم

بَابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ۔

ترجمہ، باب عورت کے پیچھے کھڑے ہو کر نافلہ نماز ادا کرنے کا بیان، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح سویا کرتی تھی کہ میرے پاؤں آپ کے قبلہ کی جگہ میں ہوتے، پھر جب آپ سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو چھو دیتے اور میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو میں پاؤں پھیلا لیتی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اُن دنوں میں گھر میں چراغ نہ ہوتے تھے۔

مقصد ترجمہ تطوع خلف المراۃ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کو امام بنایا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت سامنے لیٹی یا بیٹھی ہو اور کوئی نماز پڑھنا چاہے تو ایسا کرنا جائز ہے نیز تطوع کی تصریح کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس طرح فریضہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فریضہ تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ادا فرماتے تھے، گھر میں تو نوافل وسنن ہی پڑھتے تھے، اس لئے ثبوت تطوع کا تھا بس اسی کی تصریح کر دی حکم فریضہ کا بھی یہی ہے مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح نمازی کے سامنے مرد کے بیٹھا یا لیٹا رہنے سے کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا اسی طرح اگر طبیعت میں انتشار یا خشوع نماز پر کوئی فرق نہ پڑتا ہو تو عورت کے سامنے بیٹھا رہنے یا لیٹا رہنے سے کوئی نقصان نہ ہوگا، مسئلہ محاذاۃ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ابواب سترہ سے، اس باب اور پچھلے دو ابواب کا تعلق یہ ہے کہ جس طرح کسی جانور کو بٹھا کر سترہ بنایا جا سکتا ہے، اسی طرح مرد کے بھی سترہ کی جگہ بیٹھنے یا لیٹنے سے نماز درست رہے گی، پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ جاگ رہا ہو بلکہ سونے کی حالت میں بھی سترہ کا کام لیا جا سکتا ہے اسی طرح سونے والی اگر عورت ہو تو یہ بھی درست ہے، گویا مرد اور عورت کو سونے اور جاگنے کی دونوں حالتوں میں سترہ بنانا درست ہے، یعنی ان ابواب میں متحرک چلتی پھرتی ذی رُوح

چیزوں کو سُترہ کے طور پر استعمال کرنے کی چند جزئیات کا بیان ہے مگر امام بخاری نے ان سب چیزوں میں یہ بتلایا ہے کہ اگر فتنوں کا اندیشہ ہو یا اطمینانی کیفیت باقی نہ رہتی ہو تو سُترہ نہ بنایا جائے اور اگر اطمینان قلب حاصل رہے اور ہر فتنہ سے مامون رہنے کا اعتماد ہو تو ان چیزوں سے سترہ کا کام لیا جاسکتا ہے۔

تشریح حدیث وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ واقعہ ایک ہو، بلکہ یہاں پیر کو ہاتھ سے چھونے کا مضمون بظاہر یہ بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح سوتی رہتی تھی کہ میرے پاؤں آپ کے سجدہ کی جگہ میں ہوتے تھے، جب آپ سجدہ میں جاتے تو پاؤں کو چھوکر متنبہ فرمادیتے اور میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی، معلوم ہوا کہ عورت کے نمازی کے سامنے سترہ کی جگہ لیٹے رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، نیز عورت کے پیر کو ہاتھ سے چھودینے سے حنفیہ کے اس مسئلہ کی بھی تائید ہوتی ہے کہ مسِ مرأۃ ناقض وضو نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْئٌ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ ثَنَا اَبِيْ قَالَ نَا الْاَعْمَشُ قَالَ نَا اِبْرَاهِيْمُ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ ح قَالَ الْاَعْمَشُ وَحَدَّثَنِيْ مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ اَلْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْاَةُ فَقَالَتْ شَبَّهْتُمُوْنَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاِنِّيْ عَلَى السَّرِيْرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةٌ فَتَبْدُوْ لِي الْحَاجَةُ فَاَكْرَهُ اَنْ اَجْلِسَ فَاُوْذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ حَدَّثَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ نَا ابْنُ اَخِي ابْنِ شِهَابٍ اَنَّهٗ سَاَلَ عَمَّهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ يَقْطَعُهَا شَيْئٌ قَالَ لَا يَقْطَعُهَا شَيْئٌ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاِنِّيْ لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلٰى فِرَاشِ اَهْلِهٖ۔

ترجمہ، باب، ان لوگوں (کی دلیل) کا بیان جو یہ کہتے ہیں کہ نماز کسی چیز سے نہیں ٹوٹتی، اسود اور مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے سامنے ان چند چیزوں کا ذکر کیا گیا جن سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یعنی کتا، گدھا، اور عورت، تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہم (عورتوں) کو گدھوں اور کتوں سے مشابہ قرار دے دیا جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان چارپائی پر (یا تخت پر لیٹی رہتی تھی، پھر مجھے کوئی ضرورت پیش آتی اور میں اس بات کو پسند نہ کرتی کہ سامنے بیٹھوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اذیت کا سبب بنوں تو میں آپ کے پیروں کی جانب کھسک کر نکل جاتی ابن شہاب کے بھتیجے (محمد بن عبداللہ) نے بیان کیا کہ انھوں نے اپنے چچا ابن شہاب زہری سے پوچھا کہ کیا نماز کو کوئی چیز توڑ دیتی ہے ؟ تو انھوں نے فرمایا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی مجھ سے عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے جبکہ میں آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان، آپ کے گھر کے بچھونے پر عرض میں (یعنی جنازے کی طرح) لیٹی رہتی تھی

مقصد ترجمہ ایک باب پہلے گذر چکا ہے اور کئی ابواب آگے آرہے ہیں جن میں نماز کے دوران عورت کا مختلف انداز سے تعلق مذکور ہے، پچھلے باب میں یہ آیا تھا کہ عورت سامنے سو رہی ہو تو سترے کے طور پر اس کو سامنے برقرار رکھنا درست ہے، اب اسی پر نتیجہ کے طور پر دوسرا باب منعقد کر رہے ہیں من قال لا یقطع الصلوٰۃ شئ، یعنی ان لوگوں کی تائید کا بیان جو یہ کہتے ہیں کہ نماز میں کسی بھی چیز کا سامنے آجانا قاطع صلوٰۃ نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں سے ابواب سترہ کے آخر تک کے ابواب منعقد کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عورت نماز کے لئے قاطع نہیں ہے، یعنی عورت کے سامنے آنے سے نماز ختم نہیں ہوتی۔ قسطلانی شارح بخاری نے یہ وضاحت کی ہے کہ جب عورت کے سامنے آنے سے نماز ختم نہیں ہوتی جبکہ عورتوں کی جانب مردوں کا میلان ایک فطری بات ہے تو کتے اور گدھے جیسی قابل نفرت چیزوں کے سامنے آنے سے بدرجۂ اولیٰ نماز ختم نہ ہونی چاہئے، گویا امام بخاری نے یہ ترجمہ جمہور کی تائید میں منعقد فرمادیا جن کے نزدیک سترہ ہو یا نہ ہو کسی بھی چیز کے سامنے گذرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ امام احمدؒ کی طرف منسوب ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ گدھے اور عورت کے بارے میں تو مجھے شرح صدر نہیں ہے لیکن کتے کے سامنے آنے سے نماز ختم ہو جائے گی، ابن دقیق العید نے امام احمد کے ارشاد کی یہ وضاحت کی ہے کہ امام احمد کو کلب اسود کے بارے میں کوئی متعارض روایت نہیں ملی جبکہ گدھے اور عورت کے بارے میں روایت میں تعارض ہے، گدھے کے بارے میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ منیٰ میں ان کی گدھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھومتی رہی، اور عورت کے بارے میں حضرت عائشہ کی روایت باب ہے۔

مذکورہ بالا تین چیزوں یا ان میں سے بعض چیزوں کے سامنے آنے کی وجہ سے نماز کے فساد، قطع یا ختم ہونے پر جس دلیل سے استدلال کیا جا سکتا ہے وہ مسلم شریف میں حضرت ابوذر کی روایت سے موجود ہے کہ تم میں جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے کجادے کی کمر لگانے کی لکڑی کی طرح سترہ قائم کر لینا چاہئے، اگر سترہ نہ ہوگا تو

فانه يقطع صلوته الحمار والمرأة والكلب الاسود (مسلم ص۱۹۷ ج۱)	تو بے شک اس کی نماز کو گدھا، عورت، اور کالا کتا توڑ دے گا۔

لیکن امام بخاری اور جمہور جو ان چیزوں کے سامنے آنے سے نماز کے ختم ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت میں قطع صلوٰۃ سے مراد نماز کا فساد یا ختم ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کے سامنے آنے سے وہ تعلق متاثر ہو جاتا ہے جو نماز میں بندے اور پروردگار کے درمیان قائم ہے، یعنی ان چیزوں سے نماز نہیں بلکہ خشوع صلوٰۃ متاثر ہوتا ہے، پھر قطع صلوٰۃ کی یہ مراد متعین کرنے کے لئے ان حضرات کے پاس خود اسی مسلم شریف کی روایت میں یہ قرینہ ہے کہ راوی نے حضرت ابوذر سے یہ معلوم کیا کہ سرخ اور زرد رنگ کے کتے کے مقابلہ پر کالے کتے کی کیا خصوصیت ہے تو حضرت ابوذر نے فرمایا کہ عزیزم! میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو تو آپ نے فرمایا تھا الکلب الاسود شیطان یعنی کالا کتا شیطان کے حکم میں ہے، فسادِ صلوٰۃ کا قول نہ کرنے والے کہتے ہیں کہ کالے کتے کو شیطان کہا گیا ہے جبکہ یہ طے اور محقق ہے کہ خود شیطان کے سامنے آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ روایت سے ثابت ہے ان الشيطان قد عرض لي۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ "شیطان نماز میں میرے سامنے آیا، اور اس نے نماز کو قطع کرنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو گرفتار کر لیا" پھر جب خود شیطان کے سامنے آنے کے باوجود نماز باقی رہتی ہے تو کلب اسود کے سامنے آنے سے بدرجۂ اولیٰ باقی رہنی چاہیئے۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاری نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، دونوں روایتوں کا مضمون ایک ہی ہے جن میں حضرت عائشہ اپنا واقعہ ذکر فرما رہی ہیں، لیکن دوسری روایت میں ابن شہاب زہری کی جانب سے لا يقطع الصلوة شئ کی صراحت ہے اسی طرح کے الفاظ طحاوی اور مسند ابن ابی شیبہ میں حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حذیفہؓ بن الیمان اور دوسرے صحابۂ کرام سے منقول ہیں کہ نماز کسی چیز کے سامنے آنے سے نہیں ٹوٹتی۔

روایت میں آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ ذکر ہوا کہ نماز میں کتے، گدھے اور عورت کے سامنے آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو حضرت عائشہ نے شکایت کے انداز میں فرمایا کہ تم لوگوں نے تو کمال کر دیا کہ کتے، گدھے اور عورت کو ایک ہی خانہ میں رکھ دیا حالانکہ ان میں زبردست فرق ہے۔ چند ابواب پہلے "باب الصلوٰۃ الی السریر" میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ آئندہ اس فرق کی وضاحت کی جائے گی۔ آج وعدہ کے مطابق چند باتیں عرض کیجائیں گی۔

سب سے پہلے تو یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ جب حضرت ابوذر کی صحیح روایت میں یقطع صلوتہ الحمار والمرأۃ والکلب الاسود موجود ہے تو حضرت عائشہ کی شکایت یا نکیر کے کیا معنی ہوں گے؟ احتمال کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ شاید انھیں روایت نہ پہنچی ہو اور انھیں یہ اشکال ہو کہ ایک طرف تو یہ حضرات کتے، گدھے اور عورت کے گذرنے سے نماز ٹوٹ جانے کا مضمون نقل کر رہے ہیں اور دوسری طرف میرا مشاہدہ ہے کہ میں سامنے لیٹی رہتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول رہتے تھے اس تضاد کی بنا پر وہ نکیر فرماتی ہیں، لیکن اس مضمون کی تردید خود اس قرینہ سے ہو جاتی ہے کہ اسی روایت میں یہ مذکور ہے اکرہ ان اجلس میں نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھنے کو پسند نہ کرتی، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کے علم میں حضرت ابوذر والی روایت یا اس کا مضمون نہیں تھا تو انھیں نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھنے میں تامل کیوں تھا جس کی رعایت سے وہ انسلال کا عمل کرتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ نہ کچھ ان کے علم میں ہے۔ اس لئے یہ احتمال تو ختم ہوا کہ وہ اس مضمون پر نکیر فرما رہی ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ارشاد دوسری بات جو حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی پسندیدہ ہے یہ ہے کہ حضرت عائشہ کو اصل مسئلہ سے انکار نہیں ہے، بلکہ لب ولہجہ پر اعتراض ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہی جملہ ارشاد فرمایا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے کتے، گدھے اور عورت کو ایک فہرست میں شمار کرنے والوں سے یہ شکایت کی کہ اس مضمون کو بیان کرنے کے لئے تمہارا طرز بیان اور طریق ادا اچھا نہیں ہے، تعبیر مثلاً یوں بھی تو ہو سکتی ہے کہ کتے اور گدھے کے سامنے سے گذرنے پر نماز قطع ہو جاتی ہے اور اسی طرح عورتوں کا بھی یہی حکم ہے، نیز یہ قطع صلوٰۃ کے جو معنی تم سمجھ رہے ہو کم از کم عورت کے بارے میں تو میرا مشاہدہ اس کے خلاف ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی رہتی اور آپ نماز ادا فرمالیتے، مجھے سامنے سے ہٹنے کا حکم نہ دیتے تھے۔ اس لئے عورت کے حق میں تو قطع صلوٰۃ کے معنی فساد صلوٰۃ نہیں، قطع خشوع

صلوۃ ہوسکتے ہیں اور چونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خشوع کے متاثر ہونے کا بھی احتمال نہیں تھا، اور آپ اس حال میں نماز پڑھ لیتے تھے، اسلئے بیان کرنے والے کا تینوں چیزوں کو ایک سلسلہ میں منسلک کرکے بیان کردینا قابل اعتراض بات ہے۔

حضرۃ الاستاذ کی تشریح حضرۃ شیخ الہند قدس سرہ کے جملہ کی یہ تشریح بھی ہوسکتی ہے اور یہی زیادہ بہتر ہے کہ حضرت عائشہ کتے، گدھے اور عورت کے مسئلہ میں فرق کررہی ہیں کہ خشوع صلوۃ کو ختم یا کمزور کرنے کے سلسلے میں کتے، گدھے اور عورت تینوں چیزوں کو شیطان سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر موثر مان لیا جائے، تب بھی عورت کے بارے میں عموم کی بات کہنا درست نہ ہوگا، مثلاً کتے کے بارے میں آیا الکلب الاسود شیطان، یا گدھے کے بارے میں آیا اذا سمعتم نہیق الحمار فتعوذوا باللہ من الشیطان الرجیم فانہ رای شیطانا اگر تم گدھے کی آواز سنو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو اس لئے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے، گویا دونوں کا شیطان سے تعلق ہے اور اس میں یہ فرق نہیں کیا جاسکتا کہ کتا یا گدھا اپنا ہو یا کسی دوسرے کا بلکہ کسی بھی طرح کے کتے یا گدھے کا سامنے آنا ہر حال میں طبیعت پر اثر انداز ہوگا، جبکہ عورت کا یہ معاملہ نہیں ہے، اگرچہ عورتوں کے بارے میں بھی... النساء حبالۃ الشیطان (عورتیں شیطان کا جال اور پھندا ہیں) فرمایا گیا ہے، مگر یہ تفصیل تو کرنا ہوگی کہ سب عورتوں کا یہی حکم ہے یا اس میں فرق ہے، ظاہر ہے کہ محرم عورتیں، یا اپنی بیویاں اس حکم میں نہیں ہیں۔ اس لئے حضرت عائشہ کی شکایت کی بنیاد میرے خیال کے مطابق یہ ہے کہ وہ راویوں کے ہر حال میں عورت کو قاطع صلوۃ قرار دینے اور اس کو کتوں اور گدھوں کے ساتھ عموم میں شریک کرنے کی بنیاد پر نکیر فرمارہی ہیں، وہ یہ نہیں فرمارہی ہیں کہ کوئی عورت کسی حال میں کسی مرد کیلئے قاطع صلوٰۃ نہیں ہے۔

کتے، گدھے اور عورت کے درمیان فرق اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ کتے اور گدھے سے انسان کو نفرت ہوتی ہے اور ان کے سامنے آنے سے طبیعت میں انقباض اور گھٹن پیدا ہوتی ہے اور عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے اس لئے اس کے سامنے آنے سے انشراح و انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور اگرچہ انقباض و انبساط دونوں ہی کیفیتیں خشوع صلوۃ پر اثر انداز ہوتی ہیں مگر یہ فرق تو کرنا ہوگا کہ ماؤں، بہنوں اور بیویوں کے سامنے آنے سے تو اس طرح کا انبساط ہی نہیں ہوگا کہ اس سے نماز میں نمازی اور پروردگار کے درمیان قائم ہونے والا رشتہ متاثر ہوجائے

اس لئے کتے اور گدھے کا حکم عام ہے اور عورتوں کے بارے میں تفصیل ، راویوں نے چونکہ اس فرق کو نظر انداز کر دیا تھا، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے شکایت فرمائی کہ تم نے اچھی تعبیر اختیار نہیں کی ۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب اور حدیث کا ربط ترجمۃ الباب ہے کہ کسی چیز کے سامنے سے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی ، اور حدیث باب میں گذرنے کا ذکر نہیں، بلکہ پہلی روایت میں صرف عورت کے بیٹھنے کو ناپسند کرنے اور راستہ سے کھسک کر سامنے سے ہٹ جانے کا تذکرہ ہے ، اور دوسری روایت میں عورت کے سامنے لیٹنے کا بیان ہے ، گویا دعویٰ تو یہ ہے کہ کسی شئے کا مرور قاطع صلوۃ نہیں اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں سامنے لیٹی رہتی تھی، یہاں دو باتوں میں فرق ہے ، ایک تو یہ کہ کئی چیزوں کے تذکرے کے بجائے ذکر صرف ایک چیز یعنی عورت کا ہے ، دوسرے یہ کہ مرور کا تو سرے سے ذکر نہیں، شارحین حیران ہیں کیا توجیہ کریں ؟

امام بخاری کے مذاق کے مطابق کہا جائے گا کہ تذکرہ تو صرف عورت کا ہے ، لیکن نمازی کے خشوع و خضوع پر اثر انداز ہونے میں وہی تو اصل ہے ، اس لئے جب عورت کے سامنے آنے کے باوجود نماز باقی رہتی ہے تو بقیہ چیزیں کس حساب میں ہیں ، نیز یہ کہ مرور کا تذکرہ تو واقعۃً نہیں ہے مگر کہا جا سکتا ہے کہ جب باقاعدہ لیٹا رہنا جائز ہے جس میں تسلسل کے ساتھ نظر پڑتی ہے تو یکبارگی سامنے آنے اور فوراً نکل جانے کا معاملہ تو اس سے کہیں اہون اور معمولی ہے ، اس لئے دونوں ہی باتیں فقہاء کرام کے محتاط اور محکم اسلوب کے مطابق تو نہیں مگر امام بخاری کے انداز کے مطابق ثابت کی جا سکتی ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

بَابٌ اِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيْرَةً عَلٰى عُنُقِهٖ فِى الصَّلٰوةِ حدثنا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ اَنَا مَالِكٌ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّىْ وَهُوَ حَامِلٌ اُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِاَبِى الْعَاصِ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَاِذَا قَامَ حَمَلَهَا ۔

ترجمہ ، باب ، جب نمازی نماز میں چھوٹی بچی کو اپنی گردن پر اٹھالے (تو اس کا حکم کیا ہے) حضرت ابوقتادہ انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امامہ کو جو زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوالعاص بن ربیعہ بن

عبد شمس کی صاحبزادی تھیں۔ اٹھائے ہوئے یعنی کاندھے پر بٹھائے ہوئے نماز پڑھتے تھے، چنانچہ جب آپ سجدے میں جاتے تو نیچے آتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے۔

مقصد ترجمہ ترجمۃ الباب کے الفاظ میں تو کسی حکم کی یعنی جواز یا عدم جواز کی وضاحت نہیں، لیکن روایت سے یہ معلوم ہوا کہ چھوٹی بچی کو کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ اس باب میں امام بخاری یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جب بچی کو کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں تو عورت کے نمازی کے سامنے سے گذرنے پر تو کوئی اشکال ہی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ محض گذرنا، کاندھے پر بٹھانے سے کہیں معمولی بات ہے امام شافعیؒ نے بھی اس استنباط کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تشریح حدیث حضرت ابو قتادہؓ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امامہؓ کو لئے ہوئے نماز پڑھتے تھے، ابوداؤد کی روایت میں یحملها علی عاتقه کاندھے پر بٹھا کر یا امامة علی عنقه امامہ کے گردن پر بیٹھا رہنے کی تصریح ہے، امامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہیں یعنی آپؐ کی حضرت خدیجہ سے سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب کی لڑکی ہیں، حضرت زینب کی پیدائش کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال تھی، حضرت زینب کا نکاح مکہ مکرمہ میں حضرت خدیجہ کی زندگی میں ابو العاص بن ربیع کے ساتھ ہو گیا تھا۔ حضرت ابو العاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد، حضرت خدیجہ کی حقیقی بہن تھیں حضرت ابو العاص کا حضرت زینب سے تعلق ہر دور میں بہت بہتر رہا، کفار مکہ نے، ایام نبوت کی ابتداء میں انھیں حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے لئے بہت آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے ہمیشہ انکار کیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس تعلق خاطر کی تعریف فرمائی ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر وہ کفار مکہ کے ساتھ تھے اور گرفتار ہو گئے تھے، حضرت زینبؓ نے زر فدیہ کے طور پر انکی رہائی کے لئے وہ ہار بھیجا جو انھیں حضرت خدیجہؓ نے بوقت عقد دیا تھا مگر مسلمانوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء کے مطابق اسے واپس کر دیا، حضرت ابو العاص نے رہائی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو ہجرت کی اجازت دے دیں گے۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق انھوں نے ہجرت کی اجازت دیدی اور حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئیں، اور حضرت ابو العاص مشرکین مکہ کے ساتھ رہے، فتح مکہ سے کچھ پہلے انھوں نے شام کا تجارتی سفر کیا، اموال تجارت لے کر آ رہے تھے کہ راستہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت نے تمام سامان

لے لیا، حضرت ابو العاص بھاگ نکلے اور سیدھے مدینہ طیبہ پہنچے، اور حضرت زینب سے پناہ طلب کی، صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت زینبؓ نے بآواز بلند کہا ایہا الناس! انی قد اجرت ابا العاص بن الربیع، کہ اے لوگو! میں نے ابو العاص بن الربیع کو پناہ دے دی ہے، چنانچہ ان کی پناہ کو قبول کیا گیا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر ان کے اموال واپس کئے گئے، ابو العاص مال و اسباب لے کر مکہ مکرمہ گئے، لوگوں تک ان کے اموال پہنچا کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور مدینہ طیبہ میں آکر قیام فرمالیا، ۱۲ھ میں وفات ہوئی۔

حضرت زینبؓ کا انتقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ۸ھ میں ہو گیا تھا یہ امامہ انھیں کی صاحبزادی ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مانوس تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھی ہے، صحیح طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسوقت حضرت امامہ کی کیا عمر تھی، نماز کی حالت میں ان کو کاندھے پر بٹھائے رکھنے کی بنیاد کوئی مجبوری تھی یا بیان جواز کے لئے ایسا کیا گیا تھا، لیکن جو بات روایت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ان کو نماز کی حالت میں کاندھے پر نہ صرف یہ کہ بٹھائے رکھا بلکہ رکوع اور سجدے میں جاتے وقت ان کو اتار دیتے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے اس سے نماز میں عمل کثیر کی ممانعت والے اصول سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس لئے شارحین حدیث نے اس روایت کے بارے میں متعدد باتیں ارشاد فرمائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ حضرات نے اس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا ہے، بعض حضرات نے اس کو منسوخ کہا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ نسخ یا خصوصیت کے دعوے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہے اور وہ یہاں موجود نہیں، بعض حضرات نے اس طرح کے عمل کی نوافل کے بارے میں اجازت دی ہے لیکن فریضہ میں اس کو ناجائز سمجھا ہے، مگر یہ تاویل بھی قابل قبول نہیں کیونکہ ابوداؤد میں حضرت ابو قتادہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ہم لوگ عصر یا ظہر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ حضرت امامہ کو کاندھے پر بٹھائے ہوئے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔

بعض حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ عمل مجبوری کی صورت میں کیا گیا تھا کیونکہ امامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مانوس تھیں، اور اس وقت ان کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا بعض مالکیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کاندھے پر نہ بٹھاتے

تو اُن کے رونے کی بنیاد پر نماز میں، کاندھے پر بٹھانے سے زیادہ مشغولیت ہوتی، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر بچہ کو کوئی سنبھالنے والا نہ ہو تو اس کو گود میں یا کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، مگر یہ تاویل بھی ظاہر ہے کہ اسی وقت قابل قبول ہو سکتی ہے جب اس کے لئے کوئی دلیل یا کم از کم قرینہ ہو، محض احتمال کی بنیاد پر تاویل کا قبول کرنا اہل تحقیق کی شان کے خلاف ہے۔

اس لئے سب سے بہتر بات جو اکثر اہل علم کے نزدیک قابل قبول ہے یہ ہے کہ کاندھے پر بٹھانے اور اتارنے میں عمل کثیر کا تحقق ضروری نہیں ہے، کیونکہ عمل کثیر کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اُن میں ایک تعریف یہ ہے کہ جس عمل میں دونوں ہاتھوں سے کام لینا پڑے، یا جس میں ایک رکن کے دوران پے در پے کام کرنا پڑے جسے عمل متوالی کہتے ہیں، اور کاندھے پر سے اتارنے یا بٹھانے میں نہ دونوں ہاتھوں کا استعمال ضروری ہے، اور نہ ایک رکن میں ایک سے زائد بار ہاتھ کو کام میں لانا ضروری ہے، چنانچہ نودی نے لکھا ہے کہ یہ روایت شوافع اور اُن کے ہم خیال فقہاء کی دلیل ہے جو بچے، بچی یا کسی جوان کو اٹھائے ہوئے نماز ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں، اور ایسا کرنا امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے جائز ہے، اور علامہ عینیؒ نے لکھا ہے فقہ حنفی میں مسئلہ یہی ہے، کیونکہ بدائع میں عمل کثیر کے بیان میں جو جزئیات مذکور ہیں، ان میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ کو گود میں لیکر یا کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھی جائے، تو اس میں فساد کی کوئی وجہ نہیں پھر اسی حضرت ابو قتادہ کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے، البتہ یہ لکھا ہے کہ اگر ماں بچے کو گود میں لے کر نماز پڑھے اور اسے دودھ بھی پلائے تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ دودھ پلانا عمل کثیر ہے، فقہ حنفی کی دوسری کتابوں میں بھی مسئلہ اسی طرح لکھا گیا ہے۔

رہا یہ کہ جو بچہ نمازی سے نماز میں آکر لپٹ گیا ہے اگر اس کے کپڑے ناپاک ہوں تو اس میں یہ وضاحت ہے کہ اگر نمازی کے کپڑے یا بدن پر اس ناپاکی کا اثر نہ آئے تو مضائقہ نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ اگر نمازی کے سر پر نماز کے دوران کوئی پرندہ آکر بیٹھ جائے اور اس کے پیروں میں گندگی لگی ہو اور نمازی کے اوپر اس کا کوئی اثر نہ پہنچے تو اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ حامل نجاست پرندہ ہے، نمازی نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ جب آپ سجدہ میں جاتے تو وضعہا اما کو اتار دیتے اور جب دوسری رکعت کے لئے اٹھتے تو ان کو پھر بٹھا لیتے، اس میں عمل کثیر نہیں، یا تو یہ کہا جائے کہ بچی چونکہ سمجھدار ہے، اس لئے جب آپ اس کو اترنے کا اشارہ

کرتے ہیں اتر جاتی ہے جب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں بیٹھ جاتی ہے، اس لئے وضع اور حمل دراصل بچی کا کام ہے، مگر اس کو منسوب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردیا گیا ہے یا اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ آپ خود یہ کام کر رہے تھے تو اس میں چونکہ عمل ایک ہی ہاتھ سے ہے، یا ایک رکن میں ایک ہی بار ایک ہاتھ کا یا دونوں ہاتھوں کا استعمال ہے، اس لئے عملِ کثیر نہیں، اور ایسا کرنا بالکل درست ہے، لیکن حضرت علامہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل بوقت ضرورت جائز تو ہے مگر اس دور کے علمار کو احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ جو چیزیں عام مسلمانوں کی نظر میں قابل اعتراض ہوں ان کو عام طور پر بلا ضرورت اختیار کرلینے سے الجھن پیدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ اِذَا صَلّٰى اِلٰى فِرَاشٍ فِيْهِ حَائِضٌ حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ قَالَ نَا هُشَيْمٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ اَخْبَرَتْنِيْ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ قَالَتْ كَانَ فِرَاشِيْ حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهٗ عَلَيَّ وَاَنَا عَلٰى فِرَاشِيْ حدثنا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ نَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ قَالَ نَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمٰنُ قَالَ نَا عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ قَالَ سَمِعْتُ مَيْمُوْنَةَ تَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا عَلٰى جَنْبِهٖ نَائِمَةٌ فَاِذَا سَجَدَ اَصَابَنِيْ ثَوْبُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ۔

ترجمہ، باب، جب ایسے بستر پر نماز پڑھی جائے جس پر حائضہ لیٹی ہو تو یہ جائز ہے، ام المومنین حضرت میمونہ رض بنت الحارث سے روایت ہے کہ میرا بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ کے برابر میں یا پہلو میں ہوتا، پھر کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کا کپڑا میرے بدن پر پڑجاتا جبکہ میں اپنے بستر پر ہوتی تھی حضرت میمونہ رض بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں آپ کے برابر میں سوئی ہوتی، پھر جب آپ سجدہ میں جاتے تو آپ کا کپڑا میرے جسم پر آپڑتا جبکہ میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔

مقصد ترجمہ پہلے باب سے اور زیادہ ترقی کر رہے ہیں کہ وہاں بچی کا معاملہ تھا، اور پاکی، ناپاکی کا ذکر نہیں تھا، اس باب میں بالغ عورت کا معاملہ اور بحالت حیض نمازی سے اس کے قرب کا مسئلہ ہے، بیان کرتے ہیں

کہ اگر بالغہ اسی فرش پر لیٹی ہوئی ہو جس پر نمازی نماز پڑھ رہا ہے تو عورت سامنے ہو یا برابر میں، حالت حیض ہو یا حالت طہر نمازی کی نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا، بلکہ روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اگر نمازی کے کپڑوں کا اتصال بھی عورت سے ہو جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔

امام بخاری نے ترجمہ میں الی فراش فیه حائض کی بھی وضاحت کردی اور روایت بھی پیش کردی جس میں اصابنی ثوبہ وانا حائضة کی تصریح ہے، ان چیزوں سے ابوداؤد وغیرہ میں مذکور حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کی تشریح بھی ہوگئی جس میں حائضہ کے مرور سے نماز کے قطع ہونے کا مضمون آیا ہے۔

یقطع الصلوٰة المرأة الحائض	کہ حائضہ عورت اور کتے کا سامنے آنا
والکلب (ابوداؤد ص۱۰۲ ج۱)	نماز کو ختم کردیتا ہے۔

امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب اور روایت سے معلوم ہوگیا کہ نماز کو ختم کردینے کے معنی فسادِ صلوٰۃ نہیں اور عورت کے قریب ہونے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ سامنے آئی اور نماز ختم ہوئی۔

تشریح حدیث ام المومنین حضرت میمونہؓ ارشاد فرماتی ہیں کہ میرا بچھونا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازگاہ کے سامنے ہوتا تھا، پہلی روایت میں حیال کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں، مقابل اور سامنے، لیکن دوسری روایت میں اسی مضمون کو ادا کرنے کے لئے لفظ "جَنْب" آیا ہے جس کے معنی ہیں "پہلو" میں۔ اس لئے حیال کا مفہوم بھی بالکل مقابل اور سامنے ہونا ضروری نہیں، بلکہ اگر ترچھی ہوکر بیٹھی ہیں اور کچھ حصہ سامنے ہے تو اس پر لفظ حیال بھی منطبق ہے اور انا علی جنبه نائمة بھی صادق آجائے گا، پھر فرماتی ہیں کہ میں اس قدر قریب ہوتی تھی کہ آپ کا کپڑا بھی میرے جسم سے نماز کی حالت میں مس کرتا تھا، معلوم ہوا کہ عورت حالت حیض میں ہو یا طہر میں، بالکل محاذات میں ہو یا برابر میں کسی بھی صورت، نمازی کی نماز کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بَابٌ هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ عِنْدَ السُّجُوْدِ لِكَيْ يَسْجُدَ حدثنا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ نَا الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بِئْسَمَا عَدَلْتُمُوْنَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَاَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَيَّ فَقَبَضْتُهُمَا۔

ترجمہ، باب، کیا یہ جائز ہے کہ مرد اپنی بیوی کے پیروں کو (متنبہ کرنے کیلئے) ٹٹول کر دبا دے تاکہ سجدہ کر سکے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت برا کیا کہ ہم (عورتوں) کو کتے اور گدھے کے برابر کر دیا، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں نماز پڑھتے دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان لیٹی رہتی، پھر جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پیروں کو ٹٹول کر دبا دیتے اور میں ان کو سمیٹ لیتی۔

مقصد ترجمہ تدریجی طور پر اور ترتیب کے ساتھ ترقی کرتے جا رہے ہیں، پچھلے باب میں نمازی کا کپڑا عورت سے مس کر رہا تھا اس باب میں ہے کہ اگر خود نمازی عورت کے بدن کو چھو دے تو اس سے بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

تشریح حدیث روایت کئی بار گذر چکی ہے، اور مقصد ترجمہ کا اس سے ثبوت بھی واضح ہے کہ حضرت عائشہ سامنے لیٹی رہتیں، روشنی کا انتظام نہیں تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سجدے میں جاتے تو ٹٹول کر پیروں کو چھو دیتے، حضرت عائشہ اپنے پیر سمیٹ لیتیں تو آپ سجدے میں جاتے، نماز کی حالت میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پیر پر پڑا، شوافع اس غمز کو حیلولت کے ساتھ تسلیم کریں گے، لیکن امام بخاری مس مرأت کے مسئلہ میں شوافع کے ساتھ نہیں ہیں، وہ اس غمز کو حیلولت کے بغیر سمجھ رہے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے، اور ان حضرات پر تعریض کر رہے ہیں جنھوں نے عورت کے معاملہ میں تشدد سے کام لیا ہے وہ اصحاب ظاہر ہوں یا شوافع، کیونکہ روایت میں بالکل صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے پیروں کو ٹٹول کر دبایا تاکہ حضرت عائشہ سجدہ کی جگہ خالی کر دیں اور آپ آسانی کے ساتھ سجدہ کر سکیں۔

باب الْمَرْأَةِ تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّي شَيْئًا مِنَ الْأَذَى حدثنا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّرْمَارِيُّ قَالَ نَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى قَالَ نَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِي مَجَالِسِهِمْ إِذْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ أَلَا تَنْظُرُونَ إِلَى هٰذَا الْمُرَائِي أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى جَزُورِ آلِ فُلَانٍ فَيَعْمِدُ إِلَى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا فَيَجِيءُ بِهِ ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتَّى إِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَانْبَعَثَ أَشْقَاهُمْ فَلَمَّا سَجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا فَضَحِكُوا

حَتّٰى مَالَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنَ الضَّحِكِ فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ إِلٰى فَاطِمَةَ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ فَأَقْبَلَتْ تَسْعٰى وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا حَتّٰى أَلْقَتْهُ عَنْهُ وَأَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَالَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثُمَّ سَمّٰى اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِيْ مُعَيْطٍ وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيْدِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا إِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُتْبِعَ أَصْحَابُ الْقَلِيْبِ لَعْنَةً۔

ترجمہ، باب، عورت کا نمازی کے بدن سے ناپاک چیزوں کو ہٹا کر پھینکنے کا بیان حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور کفارِ قریش کی ایک جماعت اپنی مجلسوں میں بیٹھی تھی، کہ ان میں سے ایک کہنے والے نے یہ کہا، کہ کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے ؟ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو فلاں کی اولاد کی ذبح کی ہوئی اونٹنی کے ارادے سے جائے اور اس کی لید، خون اور بچہ دانی کو اٹھا کر لے آئے، پھر ان صاحب کا انتظار کرے یہاں تک کہ جب وہ سجدہ میں جائیں تو ان چیزوں کو ان کے مونڈھوں کے بیچ میں رکھ دے۔ چنانچہ اس جماعت کا سب سے بدبخت انسان اس کام کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے یہ سب آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ہی کی حالت میں ٹھہرے رہے اور کافر اس حالت پر بُری طرح ہنستے رہے، یہاں تک کہ ہنسی کے سبب بعض بعض پر گرے جاتے تھے، اسی حالت میں کسی جانے والے نے جا کر حضرت فاطمہ کو اطلاع دی، حضرت فاطمہ اس وقت کم عمر بچی تھیں، پھر وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور آپ اس وقت تک سجدہ ہی کی حالت میں تھے، یہاں تک کہ انھوں نے یہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے سے گرا دیں، پھر حضرت فاطمہ نے کفار کی طرف رُخ کر کے انھیں بُرا کہا، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے پروردگار سے عرض کیا کہ اے اللہ! قریش کو اپنی گرفت میں لے لے، اے اللہ قریش کو اپنی گرفت میں لے لے، اے اللہ قریش کو اپنی گرفت میں لے لے۔ پھر آپ نے نامزد کر کے کہا، اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن الولید کو اپنی گرفت میں لے لے، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بخدا! میں نے ان نامزد تمام لوگوں کو غزوۂ بدر والے دن مردہ حالت میں پڑے دیکھا، پھر ان کی لاشوں کو کھینچ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے

بارے میں فرمایا کہ جو لوگ بدر کے کنویں میں ڈالے گئے ہیں ان پر اللہ کیطرف سے لعنت مسلط کردی گئی۔

مقصد ترجمہ ایک قدم اور بڑھایا ہے کہ صرف ہاتھ سے چھو دینا ہی نہیں بلکہ اگر عورت کو مرد کے اوپر سے کوئی بھاری چیز ہٹانے کی نوبت آئے عورت مرد کے کسی بھی جانب آسکتی ہے اور اگر وزن بہت زیادہ ہے تو دور رہ کر ہٹانا ممکن نہ ہوگا بلکہ ممکن ہے کہ بدن کو بدن سے ملا کر طاقت صرف کرنے کی ضرورت ہو، امام بخاری اشارہ کرتے ہیں کہ ضرورت ہو تو اس میں بھی مضائقہ نہیں ہے، ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ یہ ترجمۃ الباب، پچھلے تراجم سے قریب ہی ہے اسلئے کہ عورت، نمازی کی کمر سے کوئی چیز ہٹائے گی تو جس جانب سے ہٹانے میں آسانی ہوگی عورت کو اسطرف جانا ہوگا، اسلئے نمازی کی کمر سے بوجھ ہٹانے کا مضمون، سامنے گزرنے کے مضمون سے اگر زیادہ اہم نہیں ہے تو اس سے کم بھی نہیں ہے۔

ابواب سترہ سے ربط مساجد کے ابواب سے فراغت کے بعد امام بخاری نے سترہ کے ابواب منعقد کئے ہیں، اور ان میں متعدد مضامین کے ساتھ باب التطوع خلف المرأۃ میں یہ بیان کیا کہ عورت نماز میں سترہ کی جگہ سامنے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، پھر اس کے بعد چند ابواب کا مضمون بظاہر سترہ کے عنوان سے مربوط نہیں ہے، لیکن غور کیا جائے تو بات واضح ہے، عورت سے متعلق چند ابواب منعقد کرکے بخاری ایک طرف تو عورت کے معاملہ میں تشدد کی راہ اختیار کرنے والوں پر تعریض کر رہے ہیں اور دوسری طرف یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جب عورت کا سامنے سے گذرنا نقصان دہ نہیں، جب اسکو چھونے میں مضائقہ نہیں اور جب اتصال جسمانی سے بھی نماز ختم نہیں ہوتی تو سترہ بنانے میں بدرجۂ اولیٰ کوئی نقصان نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ علم

تشریح حدیث روایت گذر چکی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ منصوبہ کے تحت کفار قریش نے اونٹنی کی بھاری بچہ دانی لاکر مع خون و دیگر آلائشوں کے پشت مبارک پر ڈالدی اور مذاق بنانا شروع کیا ہنس رہے ہیں، اچھل رہے ہیں، ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں لوٹ، پوٹ ہو کر ایک دوسرے پر گرے جارہے ہیں، اسی دوران کسی نے حضرت فاطمہ کو اطلاع دی، حضرت فاطمہ بچی تھیں دوڑتی ہوئی آئیں اور طاقت صرف کرکے پشت مبارک سے اس بھاری گندگی کو ہٹایا، امام بخاری کا ترجمۃ الباب یہیں سے ثابت ہے کیونکہ اتنا بھاری بوجھ دور سے نہیں ہٹایا جاسکتا انھیں قریب آکر اور جسم کو جسم سے متصل کرکے، طاقت صرف کرنے کے بعد ہٹا دینا ممکن ہوا ہوگا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے بددعا دی، پہلے مجمل، پھر نام بنام، اس کا اثر یہ ہوا کہ کافروں کے چھکے چھوٹ ختم ہو گئے اور انھیں یقین ہوگیا کہ اب انکی موت آگئی ہے چنانچہ راوی حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ آپ نے اس دن جن بدبختوں کو نامزد کیا تھا وہ سب غزوۂ بدر والے دن واصل جہنم ہوئے اور انکی لاشوں کو کھینچکر بدر کے کنویں میں ڈالدیا گیا۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب مواقیت الصلوٰۃ

باب مواقیت الصلوٰۃ وفضلها وقوله تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا موقتا وقته علیهم **حدثنا** عبد اللہ بن مسلمة قال قرأت علی مالك عن ابن شهاب ان عمر بن عبد العزیز اخر الصلوٰۃ یوما فدخل علیه عروة بن الزبیر فاخبره ان المغیرة بن شعبة اخر الصلوٰۃ یوما وهو بالعراق فدخل علیه ابو مسعود الانصاری فقال ما هذا یا مغیرة الیس قد علمت ان جبریل علیه السلام نزل فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ثم قال بهذا امرت فقال عمر لعروة اعلم ما تحدث به او ان جبریل هو اقام لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقت الصلوٰۃ قال عروة کذلك کان بشیر بن ابی مسعود یحدث عن ابیه قال عروة ولقد حدثتنی عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یصلی العصر والشمس فی حجرتها قبل ان تظهر

ترجمہ، کتاب اوقات صلوٰۃ کا بیان، باب، نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان اور باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر کہ بے شک نماز، اہلِ ایمان کے ذمہ ایسا فریضہ ہے جو پابندیٔ وقت کے ساتھ مقرر کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے اس کا وقت مقرر فرما دیا ہے **حضرت** ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے نماز میں ایک دن تاخیر کردی تو حضرت عروہ بن الزبیر انکی خدمت میں پہنچے اور ان سے یہ فرمایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عراق میں قیام کے دوران ایک دن نماز میں دیر کردی تو حضرت ابو مسعود انصاری ان کی خدمت میں پہنچے، ان سے کہا کہ مغیرہ! یہ کیا صورت حال ہے؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام (آسمان) سے نازل ہوئے اور انھوں نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر (دوسری) نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر (تیسری) نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر (چوتھی) نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر (پانچویں) نماز پڑھائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے عروہ سے کہا کہ جس چیز کو تم بیان کر رہے ہو اس کو تحقیق کے بعد اور سوچ سمجھ کر بیان کیا کرو، اور کیا حضرت جبرئیل ہی وہ ذات ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نماز کا وقت مقرر کیا تھا، عروہ نے جواب دیا کہ بشیر بن ابی مسعود تو اپنے والد حضرت ابو مسعود انصاری سے اسی طرح بیان کرتے تھے، عروہ نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی اور پر نہ چڑھتی تھی۔

مقصد ترجمہ استقبال قبلہ کے ابواب کے بعد سترہ کے ابواب ذکر کئے تھے، استقبال قبلہ نماز کی ایک شرط ہے، اب اس سے فراغت کے بعد نماز کی دوسری شرط یعنی اوقاتِ صلوٰۃ کا بیان کیا جا رہا ہے۔

بخاری شریف کے نسخوں میں اس موقعہ پر اختلاف ہے، کسی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کسی میں نہیں ہے، کسی میں کتاب مواقیت الصلوۃ وفضلہا ہے اور اس کے بعد باب مواقیت الصلوٰۃ ہے، کسی میں کسی اور طرح ہے، ہمارے ہندوستانی نسخوں میں جو مستملی کی روایت کے مطابق ہیں "کتاب مواقیت الصلوٰۃ" اور اس کے بعد باب مواقیت الصلوٰۃ وفضلہا ہے، مصنفین کی عادت ہے کہ وہ پہلے کتاب ذکر کرتے ہیں، پھر اس کے تحت فصل اور باب وغیرہ لاتے ہیں، اس لئے کتاب مواقیت الصلوۃ کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں سے اوقات صلوۃ سے متعلق ابواب ذکر کئے جائیں گے۔

اس کے بعد کتاب کے تحت جو پہلا باب دیا گیا ہے اس کا عنوان ہے باب مواقیت الصلوٰۃ وفضلہا، فضلہا کی ضمیر مواقیت کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور صلوۃ کی طرف بھی، پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا کہ نماز کے اوقات اور ان کی فضیلت کا بیان، اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ نماز کے اوقات اور نماز کی فضیلت کا بیان، یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں مگر "فضلہا" کی ضمیر کا مواقیت کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطابق امام بخاری کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز کے سلسلہ میں اوقات کی فرضیت اور اہمیت بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اس عنوان کے بعد امام بخاری نے ایک آیت ذکر کی ہے وقولہ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا کہ باری تعالیٰ نے مومنین کے ذمہ، پابندیٔ وقت کے ساتھ نماز فرض کی ہے، موقوتا کا ترجمہ امام بخاری نے کیا ہے وقتہ علیھم جس کا مفہوم یہ ہے کہ پروردگار نے اوقات پر تقسیم کرکے اور پابندیٔ وقت کو لازم قرار دیتے ہوئے نماز فرض کی ہے، اس آیت سے دونوں باتیں معلوم ہوئیں کہ نماز بھی فرض ہے اور اوقات کی رعایت بھی فرض ہے۔

آیت پاک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نماز کا معاملہ نہایت اہم ہے. جب اس کو فرض کیا گیا تو اس کی یہ صورت تجویز نہیں کی گئی کہ دن رات میں جب چاہیں عدد مفروض کو پورا کرلیا کریں یا تمام نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھ لیا کریں یا فرصت کے مطابق اس کو نمازی کی رائے پر چھوڑ دیں وغیرہ بلکہ پروردگار نے نمازوں کو اس طرح فرض کیا ہے کہ اپنی طرف سے اوقات مقرر کردیئے ہیں اور نمازی کو اس کا پابند بنایا ہے کہ وہ مقررہ اوقات ہی کے اندر ادائیگی کا مکلف ہے، خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان اوقات کا تعین اس بات کی بھی دلیل ہے کہ یہ اوقات، دوسرے تمام اوقات سے افضل و اعلیٰ تھے، کیونکہ نماز جیسی فضیلت والی عبادت کے لئے ان اوقات کا انتخاب فضیلت ہی کی بنیاد پر کیا گیا ہے اس طرح آیات قرآنی سے اوقات صلوٰۃ کی فرضیت و اہمیت اور ان کی فضیلت دونوں ہی باتیں ثابت ہوگئیں۔

تشریح حدیث حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز جب ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مدینہ طیبہ کے امیر تھے اور اس وقت تک خلیفہ نہیں بنائے گئے تھے، اس زمانہ میں ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ ان سے عصر کی نماز میں معمول سے زیادہ تاخیر ہوگئی تو عروہ بن زبیر نے، عمر بن عبدالعزیز کے اس عمل پر انکار کیا کہ دیکھئے ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جو حضرت معاویہؓ کی جانب سے عراق کے امیر تھے نماز میں تاخیر کردی تھی تو فوراً حضرت ابومسعود انصاری رضؓ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ماھذا یا مغیرۃ ؟ کہ مغیرہ یہ کیا عمل ہے یعنی یہ نماز عبادت ہے یا کچھ اور چیز ہے، اگر یہ عبادت کا عمل ہوتا تو اس کے لئے خدا نے جو وقت مقرر فرمایا ہے اس میں ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ اس میں انسان کو تقدیم و تاخیر کا اختیار نہیں ہے، پھر فرمایا الیس قد علمت الخ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے نمازوں کے لئے اوقات کی تحدید و تعیین کی غرض سے جبرئیل علیہ السلام کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں بھیجا اور حضرت جبرئیل ؑ کے ذریعہ اوقات نماز کی ابتداء و انتہاء بیان کرائی گئی، یعنی خدا کے نزدیک اوقات صلوٰۃ کے بیان کا اس قدر اہتمام ہے کہ اس کام کے لئے حضرت

جبرئیلؑ کو بھیجا گیا، پھر یہ کہ دیگر احکام کے انداز بیان یعنی قولی طور پر تعلیم دینے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ حضرت جبرئیل کو عملی طور پر اس کی ابتداء وانتہا کی تعیین وتحدید پر مامور فرمایا گیا، جبرئیل آئے اور انھوں نے نماز پڑھائی اور اس چیز کو اتنی اہمیت دی گئی کہ جبرئیل آئے اور دن میں پانچ مرتبہ الگ الگ عمل کر کے تعلیم دیتے رہے۔

روایت باب میں ہر دو نمازوں کے درمیان ثم صلے فصلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آرہا ہے۔ ثمّ تراخی مع الفصل کے لئے آتا ہے اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ تمام نمازوں کو ایک وقت میں نہیں پڑھا گیا، اور نہ دو دو کو جمع کیا گیا، بلکہ دن رات میں پانچ مرتبہ نزول ہے اور ہر نماز کو الگ وقت میں پڑھا گیا ہے، روایت میں اگرچہ تفصیل کے ساتھ اوقات کی تعیین نہیں ہے لیکن اجمال سے ہر نماز کا الگ اور مستقل وقت میں پڑھنا بالکل واضح ہے، اور حضرت ابومسعود انصاری جو حضرت مغیرہ کے عمل پر انکار فرما رہے ہیں اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ اوقات کا احترام کرایا گیا تھا جو تمہارے عمل میں موجود نہیں ہے۔

فصلی رسول اللہ الخ ف تعقیب مع الوصل کے لئے آتی ہے اس لئے مفہوم یہ ہوگا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں شامل ہوئے، یہ مطلب نہیں کہ پہلے حضرت جبرئیل نے نماز ادا کر کے دکھلائی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی کیونکہ بعض روایات میں صراحت ہے کہ حضرت جبرئیل نے امامت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں نماز ادا کی، نیز اس موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرئیل کی اقتداء میں نماز پڑھنا، حنفیہ کے اس اصول سے بھی متعارض نہیں ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز، نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں، کیونکہ اس موقع پر حضرت جبرئیل کو نماز پڑھانے کے لئے مامور کر کے بھیجا گیا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جبرئیل مکلف نہیں ہیں۔

بہرحال روایت میں جبرئیل کی آمد کو کلمۂ ثم سے ذکر کیا گیا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے عمل کو بیان کرنے کے لئے ف استعمال کی گئی ہے، اس لئے مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جبرئیل کی آمد اور نماز میں فاصلہ ہے، اور ہر نماز کے لئے مستقل نزول ہوا ہے، اور پیغمبر علیہ السلام نے جبرئیل کے ساتھ شریک ہو کر نماز ادا کی ہے

روایت باب میں اس بات کا تذکرہ نہیں ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد دو دن ہوئی ہے کیونکہ حضرت جبرئیل کی آمد کی تفصیلات اور اوقات صلوٰۃ کی تفصیل کے ساتھ تحدید، اس وقت

راوی کے پیش نظر نہیں ہے۔ راوی کا مقصد یہاں صرف اس قدر ہے کہ اوقات صلوٰۃ کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کی تعیین کے لئے جبرئیل امین کو بار بار بھیجا گیا ہے۔

ثم قال بہذا امرت، لفظ امرت کو بصیغۂ متکلم اور بصیغۂ خطاب دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں ہی صورتوں میں مجہول ہے، متکلم کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے نماز کی عملی تعلیم کے بعد فرمایا کہ مجھے پروردگار نے اسی طرح عمل کرنے کا حکم دیا تھا، یعنی میرا یہ عمل خدا کے حکم کے تحت ہے اس ترجمہ کے مطابق حضرت جبریل کو غیر مکلف کہنا صحیح نہ ہوگا، بلکہ مفہوم یہ ہوگا کہ میں نے حکم خداوندی کی تعمیل میں ایسا کیا ہے اور مکلف اسی کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے مامور ہو اور بصیغۂ خطاب پڑھیں تو ترجمہ یہ ہوگا کہ نماز پڑھانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ اس طرح نماز ادا کیا کریں۔

فقال عمر لعروۃ اعلم ما تحدث الخ جب حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تاخیر صلوٰۃ کے عمل پر انکار کیا، اور امامت جبریل والی روایت کے اجمال سے اوقات کی اہمیت ثابت کی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ عروہ! ذرا سوچ کر اور سمجھ کر بیان کرو، یعنی جو بیان کرنا چاہتے ہو کہ حضرت جبریل تحدید اوقات اور تعیین اوقات کے لئے مامور ہوئے تھے یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہے، کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے؟ شارحین نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس قول کے مختلف مطلب سمجھے ہیں، یہ مطلب بھی سمجھا گیا ہے کہ حضرت عمرؒ کے پاس امامت جبریل والی روایت نہیں تھی، ہوسکتا ہے کہ روایت ان تک پہنچی ہی نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ روایت پہنچنے کے بعد بھول گئے ہوں، اس لئے وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب حدیث بیان کررہے ہو تو اس کی سند بھی بیان کرو۔ گویا انکار کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا بڑا دعویٰ اور بے سند؟ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ عروہ! تم نے اپنی بات پر غور بھی کیا؟، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عملی تعلیم کی کیا ضرورت تھی؟ تصویریں تو بچوں کو دکھائی جاتی ہیں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ فہم وعقل رکھنے والے تھے، یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام تو مفضول تھے اور پیغمبر علیہ السلام افضل، عروہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو، کہ جبریل امین نے امامت کی، گویا اشکال کی وضاحت کسی طرح بھی کی جائے بنیاد یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو امامت جبریل والی روایت معلوم نہیں تھی، اور انھوں نے تنبیہ کے طور پر یا حیرت کے ساتھ عروہ سے کہا کہ آپ اس کی سند بھی بیان کریں چنانچہ حضرت عروہ نے سند بیان کردی اور سند بیان کرنے کے بعد مزید فرمایا کہ لقد حدثتنی عائشۃ

گویا تحدید اوقات کے سلسلے میں امامت جبریل کی روایت سے اہمیت ثابت کرنے کے بعد اب خصوصیت کے ساتھ عصر کی نماز کی اہمیت بیان کرتے ہیں کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے عصر ہی کی نماز میں تاخیر ہوئی تھی، فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز سے ایسے وقت میں فارغ ہوجایا کرتے تھے کہ دھوپ حجرہ سے نکل کر دیوار پر نہ چڑھنے پاتی تھی اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز میں چونکہ وقت مکروہ بھی شامل ہے اور تاخیر میں وقت مکروہ کے داخل ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اس لئے عصر کی نماز میں خصوصیت کیساتھ اس کا بہت لحاظ رہتا تھا کہ وقت مکروہ داخل نہ ہونے پائے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی اس روایت سے جس میں عصر کی نماز کے وقت سورج کی دھوپ کا کمرے میں ہونا معلوم ہوتا ہے وقت مکروہ سے احتیاط کرنے کی حد تک تو استدلال بالکل درست ہے لیکن چونکہ مکان اور موسم کے تبدیل ہونے سے دھوپ کی حالت تبدیل ہوتی رہتی ہے، مثلاً مکان کی دیواریں نیچی اور اس کا دروازہ مغرب کی طرف ہو اور موسم گرم ہو تو دھوپ آخر تک کمرے میں رہے گی، اس لئے اس روایت سے کسی خاص وقت کے تعین کے لئے استدلال تام نہیں ہے۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْہِ وَاتَّقُوْہُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ حدثنا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ نَا عَبَّادٌ وَّھُوَ ابْنُ عَبَّادٍ عَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَیْسِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّا ھٰذَا الْحَیَّ مِنْ رَّبِیْعَۃَ وَلَسْنَا نَصِلُ اِلَیْکَ اِلَّا فِی الشَّھْرِ الْحَرَامِ فَمُرْنَا بِشَیْءٍ نَاْخُذُہٗ عَنْکَ وَنَدْعُوْ اِلَیْہِ مَنْ وَّرَآءَنَا فَقَالَ اٰمُرُکُمْ بِاَرْبَعٍ وَّاَنْھَاکُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَلْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ ثُمَّ فَسَّرَھَا لَھُمْ شَھَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَاَنْ تُؤَدُّوْا اِلَیَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ وَاَنْھَاکُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُقَیَّرِ وَالنَّقِیْرِ۔

ترجمہ، باب، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا بیان (جو مسلمانوں کے لئے ہے) کہ اسی اللہ کی طرف رجوع ہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز کی پابندی رکھو اور مشرکین میں سے مت بنو۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ قبیلۂ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ قبیلۂ ربیعہ کی شاخ ہیں اور ہم آپ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینوں میں پہنچ سکتے ہیں اس لئے آپ ہمیں کوئی ایسی

(اہم) بات بتلادیں جس کو ہم بھی اپنا معمول بنالیں اور جو لوگ ہمارے پیچھے (وطن میں) رہ گئے ہیں، ان کو بھی اس کی دعوت دیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔ جن باتوں کا حکم دیتا ہوں وہ اللہ پر ایمان لانے سے متعلق ہیں پھر آپ نے ان لوگوں کے سامنے ان کی وضاحت کی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور نمازوں کو قائم رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حاصل کردہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ میرے پاس داخل کرنا اور میں تم کو منع کرتا ہوں کدو کے تونبے سے، لاکھ کے سبز مرتبان سے، روغنی برتن سے اور لکڑی کے کرید کر بنائے ہوئے برتن سے (کہ ان برتنوں میں شراب بنانے کا رواج تھا)۔

مقصدِ ترجمہ | مقصد ہے نماز کی اہمیت اور اوقات نماز کی اہمیت کا بیان، کیونکہ نماز اسلام کا شعار اور کفر و اسلام کے درمیان حد فاصل ہے اس کے لئے امام بخاری نے ترجمہ میں آیت پیش کر دی، امام بخاری نے آیت کا جو جز ذکر کیا ہے وہ ذوالحال مقدر کا حال ہے اور حالت نصب میں ہے، یہ آیت سورۂ روم میں ہے، پوری آیت یہ ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا، فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ (سورۃ الروم آیت ۳۱)	سو تم یکسو ہو کر دین حق کی طرف اپنا رُخ قائم رکھو، اللہ کی بنائی ہوئی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدا کردہ فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں یہ اللہ کا سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے، دین حق کی طرف اس حال میں رُخ رکھو کہ اسی کی طرف رجوع کرنیوالے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نمازوں کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے مت بنو۔

منیبین الیہ، حال ہے کہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے بنو اور خدا سے ڈرو، نماز کو قائم کرو، مشرک نہ بنو، گویا یہاں دو چیزوں کا امر ہوا ایک انابت الی اللہ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے کا اور دوسرا اتقاء یعنی اللہ سے ڈرنے کا، ان دونوں باتوں کی تفسیر بھی

لف ونشر مرتب کے طور پر یہ ہوئی کہ انابت الی اللہ کا طریقہ تو بتلایا نمازوں کو قائم رکھنا اور تقویٰ کا طریقہ یہ بیان کیا کہ نماز کو چھوڑ کر مشرکین والا کام نہ کرنا، مطلب یہ ہوا کہ نمازوں کو قائم رکھنا انابت الی اللہ کی صورت ہے یعنی ہر نماز کو شرائط و آداب کے ساتھ اس کے وقت مقررہ میں ادا کرنے کا اہتمام کرو، اس سے نماز کی بھی اہمیت معلوم ہوگئی اور اوقات نماز کی بھی، پھر آگے دوسرا حکم دیا کہ اللہ سے ڈرتے رہو اس کی تفسیر کی گئی کہ مشرکین جیسا کام نہ کرو، مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اور مشرک اس کے بالکل برخلاف ہوتا ہے، اس لئے نماز چھوڑ کر اپنے اور مشرکین جیسی حالت پیدا نہ ہونے دو، کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے یعنی نماز بندے کو کفر تک یا کفر کو بندے تک پہنچنے سے روکتی ہے، اگر نماز کو چھوڑ دیا جائے تو بندے کے کفر تک پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے، اس دوسری بات سے بھی نماز اور اوقات نماز دونوں ہی کی اہمیت معلوم ہوگئی اور یہی امام بخاری کا مقصد ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث وفد عبدالقیس والی روایت پیش کی ہے، یہ روایت کتاب الایمان میں گذر چکی ہے اور وہاں تفصیلات کا بیان ہو چکا ہے، یہاں امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا اور ایمان کی تشریح میں آپ نے اولیت کے ساتھ نماز کا ذکر کیا، گویا ایمانیات میں نماز کو اولیت کا مقام حاصل ہے۔

مقصد ترجمہ کے مطابق تشریح اس طرح کی جائے گی کہ اگر انابت الی اللہ کے حکم کی تعمیل چاہتے ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد نماز کا حکم ہے اسلئے مومن کے لئے نماز کا پڑھنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو پورے شرائط و آداب اور اوقات کی رعایت کے ساتھ پڑھے اگر نماز نہیں پڑھے گا تو ترجمہ میں آیا تھا ولا تکونوا من المشرکین کہ وہ دائرۂ توحید سے نکل کر دائرۂ شرک میں داخل ہو جائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسے حج کی استطاعت رکھنے والا حج نہ کرے تو اس کے لئے روایتوں میں یہ وعید آئی ہے فلا علیہ ان یموت یہودیا او نصرانیا (مشکوٰۃ ص۲۲۲) یعنی اس کی کوئی پوچھ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔

بہر حال ترجمۃ الباب میں پیش کردہ آیت اور اس کے ذیل میں پیش کردہ روایت سے نماز اور اس کے اوقات دونوں کی اہمیت و عظمت معلوم ہوگئی۔ واللہ اعلم

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَىٰ إِقَامِ الصَّلٰوةِ حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ

وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ .

ترجمہ، باب، نمازوں کے قائم رکھنے پر بیعت لینے کا بیان حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے قائم رکھنے، زکوٰۃ کے ادا کرنے اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

مقصدِ ترجمہ عنوان بدل کر نماز اور اوقاتِ نماز کی اہمیت بیان کر رہے ہیں، پچھلے دو باب کا حاصل یہ ہے کہ نماز اور اس کے اوقات کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ حضرت جبریل کو بھیجکر وقت کی تعیین کرائی گئی، پھر اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم میں صَلّوا نہیں بلکہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ فرمایا گیا تاکہ تمام شرائط و آداب کی رعایت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا حکم دیا جائے۔ اب اس باب میں بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نماز اس قدر اہم اور ضروری عبادت ہے کہ اسلام پر بیعت لینے کے بعد خصوصیت کے ساتھ نماز کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے بیعت لی گئی، اس سے اہمیت واضح ہوگئی کیونکہ بیعت میں ہاتھ میں ہاتھ دیا جاتا ہے، عرب میں ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیع و شرار کے موقع پر معاملہ کو پختہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے ہر مضبوط معاہدہ پر بیعت کا لفظ بولا جانے لگا، روایت میں جو بیعت مذکور ہے اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دیکر پختہ عہد لیا گیا، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر صحابۂ کرام رضی نے اسلام پر بھی بیعت کی ہے اور نمازوں کے قائم رکھنے پر بھی، اسلئے اس کی اہمیت واضح ہوگئی۔

تشریح حدیث حضرت جریر بن عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو آپ نے اس میں تین چیزیں ذکر فرمائیں، ایک نمازوں کو قائم رکھنا دوسرے زکوٰۃ ادا کرنا اور تیسرے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام اور توحید پر بیعت لینے کے بعد، ان چیزوں کی اہمیت ہے اور ان میں سب سے پہلے ذکر کیا گیا ہے نماز کا، اسلئے کہ وہ تمام بدنی عبادتوں میں اصل ہے، دوسرے درجہ میں زکوٰۃ کا ذکر آیا کہ وہ مالی عبادات میں اصل ہے، پھر چونکہ حضرت جریرؓ اپنی قوم کے سردار تھے اسلئے انہیں تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی تاکید فرمائی گئی جیسا کہ پچھلے باب کی روایت میں وفد عبدالقیس کو مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنے کی تاکید کی گئی تھی کیونکہ یہ قوم مجاہدین کی تھی اور کفار مضر سے ان کے معرکے رہا کرتے تھے۔

روایت سے معلوم ہوا کہ مشائخ کو اپنے مریدین سے بیعت میں جہاں عمومی احکام پر پختگی سے عمل کرنے کا عہد لینا چاہیئے وہیں مریدین کے حالات کے مطابق کچھ خصوصی احکام پر بھی معاہدہ کرنا چاہیئے اور عام طور پر مشائخ طریقت اس کا لحاظ بھی کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

بَابُ الصَّلٰوةُ كَفَّارَةٌ حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ قُلْتُ اَنَا كَمَا قَالَهُ، قَالَ اِنَّكَ عَلَيْهِ اَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيٌّ، قُلْتُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي اَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلٰوةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْاَمْرُ وَالنَّهْيُ قَالَ لَيْسَ هٰذَا اُرِيْدُ وَلٰكِنَّ الْفِتْنَةَ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَا يَمُوْجُ الْبَحْرُ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَاْسٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! اِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ اَيُكْسَرُ اَمْ يُفْتَحُ قَالَ يُكْسَرُ قَالَ اِذًا لَا يُغْلَقُ اَبَدًا قُلْنَا اَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا اَنَّ دُوْنَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ اِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيْثٍ لَيْسَ بِالْاَغَالِيْطِ فَهِبْنَا اَنْ نَسْاَلَ حُذَيْفَةَ فَاَمَرْنَا مَسْرُوْقًا فَسَاَلَهُ فَقَالَ اَلْبَابُ عُمَرُ حدثنا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمٰنَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلِيْ هٰذَا، قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ.

ترجمہ، باب، نماز، گناہوں کا کفارہ ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کس کو فتنہ کے بارے میں فرمایا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد ہے؟ حضرت حذیفہ نے کہا کہ مجھے اسی طرح یاد ہے جس طرح کہ آپ نے فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بے شک تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کی بات بیان کرنے) پر یا اس روایت کے بیان کرنے پر جری ہو، حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انسان جو اپنے اہل و عیال مال، اولاد اور پڑوسی کے بارے میں مبتلائے فتنہ ہوتا ہے تو نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس کا کفارہ بن جاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا مقصد اس فتنہ کے بارے میں معلوم کرنا نہیں ہے، میں اس فتنہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اُمنڈ آئے گا۔ حذیفہ نے کہا امیر المومنین! آپ کو اس فتنہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، بے شک آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بتلاؤ، وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا، حضرت حذیفہؓ نے کہا توڑا جائے گا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر کبھی بند نہ کیا جا سکے گا، شقیق (راوی) کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ اس دروازے (کے مصداق) کو جانتے تھے، حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ ہاں اسی طرح جانتے تھے جیسا کہ کل کے آنے سے پہلے رات کا یقین ہے، میں نے خود ان سے یہ روایت بیان کی تھی جو کوئی پہیلی نہیں ہے، شقیق کہتے ہیں کہ

ہمیں حضرت حذیفہؓ سے دروازے (کے مصداق) کو معلوم کرنے میں ڈر لگا تو ہم نے مسروقؒ سے پوچھنے کو کہا، مسروق نے حضرت حذیفہ سے معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے گناہ سے باخبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی " دن کے دونوں کناروں (صبح وشام) میں نمازوں کو قائم رکھو اور رات کے کچھ حصوں میں بھی، بے شک نیکیاں، برائیوں کو مٹادیتی ہیں، اس شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ حکم خاص میرے لئے ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا میری تمام امت کیلئے یہی حکم ہے۔

مقصد ترجمہ نماز کی ضرورت اور اہمیت بیان کرنے کے بعد اب اس کا فائدہ یعنی خاصہ بیان کرتے ہیں کہ نماز فرض ہو یا نفل، اس کا خاصہ یہ ہے کہ اس عمل سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اگر کسی کے گناہ نہیں ہیں تو ان شاء اللہ ترقی درجات نصیب ہوگی، گویا نماز کے بارے میں یہ بیان کیا گیا کہ نماز نہ صرف یہ کہ اپنی عبدیت کا اظہار ہے بلکہ عبدیت کے اظہار کے ساتھ اس میں گناہوں کو محو کردینے کی خاصیت بھی رکھی گئی ہے اور اگرچہ نماز کے علاوہ دوسری عبادتوں میں بھی کفارۂ سیئات بننے کی شان ہے مگر ان تمام عبادتوں میں نماز کو اولیت کا مقام حاصل ہے اسلئے یہ کہا جائے گا کہ اس عمل میں کفارۂ سیئات بننے کی سب سے زیادہ صلاحیت ہے۔

کفارۂ سیئات بننے کی تفصیل لیکن کفارۂ سیئات بننے کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ مسلم شریف کی روایت میں اذا اجتنبت الکبائر کی قید مذکور ہے اسلئے اہل سنت والجماعت نے مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے سمجھا ہے کہ اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو نماز کے ذریعہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے، جبکہ مرجیہ نے مطلق روایتوں کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ نماز اور دیگر اعمال صالحہ، گناہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں کا کفارہ بن جاتے ہیں، مگر یہ کج فہمی کی بات ہے، جب مسلم شریف کی روایت میں قید مذکور ہے، نیز یہ کہ وہ قید قرآن کریم میں بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے، ارشاد فرمایا گیا

ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم — اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو ختم کردیں گے (سورۃ النساء آیت ۳۱)

نیز دوسری جگہ توبہ کا صریح حکم دیا گیا جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کے لئے باقاعدہ توبہ کی ضرورت ہے، ارشاد فرمایا گیا۔

یاایہا الذین آمنوا توبوا الی اللّٰہ توبۃ	اے ایمان والو! بارگاہ خداوندی میں سچی اور مخلصانہ
نصوحا عسی ربکم ان یکفر عنکم	توبہ کرو، شاید کہ تمہارا پروردگار (اس توبہ سے)
سیئاتکم (سورۃ التحریم آیت ۹)	تمہارے گناہوں کو محو فرمادے۔

تو یہ ماننا ہوگا کہ کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے اور اعمال صالحہ سے خود بخود صرف صغیرہ گناہ ختم ہوتے ہیں، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کبیرہ گناہوں کے معاملہ میں بھی تخفیف ممکن ہے یا یہ کہ نماز کا عمل اگر اپنے ساتھ دل کی ندامت اور توبہ لئے ہو تو ہوسکتا ہے توبہ کے سبب کبائر کا بھی کفارہ ہوجائے، اسکی صورت یہ ہے کہ جب بندۂ مومن شرائط و آداب کی رعایت کے ساتھ نماز کا ارادہ کرے گا تو وہ اپنے قلب کا بھی جائزہ لے گا اور سوچے گا کہ مالک حقیقی کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس سے مناجات کے ساتھ اپنی ضروریات بھی پیش کرنی ہیں، جب وہ یہ سوچے گا تو اسے اپنے قلب پر گناہوں کے اثر سے ندامت ہوگی وہ یقیناً غور کرے گا کہ ایسے دل کو لیکر بارگاہ خداوندی میں کیسے حاضری دے، ہوسکتا ہے کہ اسکے دل کی یہ ندامت، اس کے گناہوں کی کثافت کو پگھلادے اور ہوسکتا ہے کہ خشیت الٰہی کے سبب انابت الی اللہ اور توبہ کی توفیق ہوجائے اور صغیرہ کے ساتھ کبیرہ بھی ختم کردیے جائیں۔

تشریح حدیث اوّل حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا تھا وہ تم میں سے کس کو یاد ہے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے — جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب السر کہلاتے ہیں، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے بارے میں مطلع فرمادیا تھا اور ان کو فتنوں سے بھی آگاہ کردیا تھا — فرمایا کہ وہ ارشاد مجھے بعینہ یاد ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ واقعی ان چیزوں میں خصوصی علوم کی وجہ سے تم بہت باہمت ہو، چنانچہ انہوں نے وہ ارشاد سنایا کہ آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ انسان کی اہل وعیال مال اور پڑوس وغیرہ کے سلسلے میں جو آزمائش ہوتی ہے، یعنی ان چیزوں کی وجہ سے دین کے احکام پر عمل کرنے میں جو کوتاہی ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ نماز، روزہ، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ ان کوتاہیوں کی معافی کا سامان کردیتا ہے۔ امام بخاری کا مقصد اسی جز سے متعلق ہے کہ نماز، سیئات کا کفارہ بن جاتی ہے دیگر اعمال صالحہ میں بھی یہ بات ہے مگر نماز کو اس سلسلے میں اوّلیت واہمیت حاصل ہے۔

بڑے فتنہ کا ذکر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس فتنہ کے بارے میں معلوم نہیں کررہا ہوں، میں اس فتنہ کے متعلق پوچھ رہا ہوں جس کی موجیں سمندر کی طرح اٹھیں گی،

اس پر حضرت حذیفہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین ! وہ فتنے آپ کے زمانہ میں ظاہر ہونے والے نہیں ہیں، ان فتنوں کے اور آپ کے درمیان دروازہ بند ہے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اچھا یہ تبلاؤ کہ وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یعنی فتنے اس دروازے کو توڑ ڈالیں گے یا وہ دروازہ کھولا جائے گا مطلب یہ تھا کہ اگر فتنے اس دروازے کو توڑ دیں گے تو فتنہ غالب رہے گا اور ان کا سلسلہ پیہم ہو جائے گا اور اگر توڑنے کی صورت نہیں بلکہ کھو لنے کی صورت ہوگی تو جو کھول سکتا ہے وہ بند بھی کر سکتا ہے، یہ مضمون مسند احمد کی روایت میں موجود ہے، الفاظ یہ ہیں۔

فلو انہ فتح کان لعلہ ان یعاد فیغلق (مسند احمد ص۴۰۱ ج۵) — پس اگر وہ دروازہ کھولا گیا ہوتا تو شاید پھر دوبارہ بند ہو سکتا تھا۔

حضرت حذیفہ نے جواب دیا کہ یہ دروازہ کھولا نہیں بلکہ توڑا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تب تو دوبارہ بند نہ کیا جا سکے گا۔

شقیقؒ جو حضرت حذیفہؓ کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہؓ سے یہ معلوم کیا کہ آیا حضرت عمرؓ اس دروازے کے مصداق سے باخبر تھے تو حضرت حذیفہ نے جواب دیا، یقیناً باخبر تھے، اور وہ اسی طرح جانتے تھے جیسے کل کے ہونے سے پہلے آج کی رات کا علم ہوتا ہے، پھر حضرت حذیفہؓ نے اس علم کی وجہ بھی تبلائی کہ میں نے حضرت عمرؓ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو حدیث سنائی تھی وہ کوئی پہیلی تو نہیں تھی، یعنی اس میں کوئی ابہام واجمال یا اپنی رائے اور اجتہاد وغیرہ کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ وہ تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح ارشاد تھا اس لئے حضرت عمرؓ یقیناً اس کے مصداق سے باخبر تھے۔

شقیقؒ کہتے ہیں کہ باب کا مصداق معلوم کرنے میں ہمیں خوف ہوا تو ہم نے مسروقؒ سے جو وہاں موجود تھے اور ہمارے مقابلہ پر حضرت حذیفہؓ سے زیادہ بے تکلف تھے یہ کہا کہ تم حضرت حذیفہؓ سے یہ بات معلوم کر لو، چنانچہ مسروق نے معلوم کیا تو حضرت حذیفہؓ نے تبلایا کہ وہ دروازہ، حضرت عمرؓ کی ذات تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت سے جو فتنوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو امت آج تک ان فتنوں سے دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عافیت عطا فرمائے، آمین

امتِ محمدیہ میں فتنوں کے تسلسل کی وجہ

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیہ میں بہ کثرت پائے جانے والے فتنوں اور ان کے تسلسل کے بارے میں، میں برابر غور کرتا رہتا تھا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ بالآخر یہ سمجھ میں

آیا کہ پچھلی امتوں کو تو چونکہ ہمیشہ دنیا میں رہنا نہیں تھا اس لئے جب وہ کلیۃً مبتلائے زیغ وضلال ہو جاتی تھیں تو ان کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا تھا، کسی امت کو غرق کر دیا گیا، کسی پر پتھروں کی بارش ہوئی وغیرہ۔ لیکن امت محمدیہ کو تو دنیا میں آخر تک باقی رہنا ہے اسلئے یہ امت کلیۃً تو غلط روش اختیار نہیں کرے گی، بلکہ اس کا ایک بڑا طبقہ صراطِ مستقیم پر گامزن رہے گا اور کچھ لوگ غلط کار بھی ہوں گے، اسلئے مخلص ومنافق، نیک وبد اور اچھے برے کی تمیز کیلئے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی آزمائشوں کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث دوم نماز کے کفارۂ سیأت ہونے کے سلسلے میں امام بخاری حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی سے دوسری روایت پیش فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد تنبہ ہوا اور خشیت خداوندی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ دربار رسالت میں حاضر ہو کر صورتِ حال عرض کی اور تدارک کی درخواست کی، بخاری اور مسلم ہی کی دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس گناہ کو بڑا گناہ اور کسی طرح کی شرعی سزا کا مستحق سمجھ کر عرض کیا۔

فقال یارسول اللہ! انی أصبت حدا فاقمه علیّ	عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے ایسا گناہ ہوگیا جس پر حد (شرعی سزا) آتی ہے، آپ اسکو مجھ پر قائم فرمادیں۔
(بخاری صفحہ ۱۰۰۱/۲)	

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تفصیلات معلوم نہیں کیں، نماز کا وقت ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، یہ صحابی بھی شریکِ جماعت ہوئے، نماز کے بعد پھر انہوں نے وہی بات کہی انی اَصَبْتُ حدًا فاَقِمه علیّ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أليس قد صَلّيتَ معنا؟ کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھ لی ہے؟ عرض کیا کہ جی ہاں! پڑھ لی ہے، آپؐ نے فرمایا قد غفر اللہ لکَ ذنبكَ کہ بس اللہ نے تمہارے گناہ کو بخش دیا، پھر آپؐ نے قرآن پاک کی آیت پڑھکر سنائی کہ ان اوقات میں نماز کی پابندی کرو اور یہ یاد رکھو کہ حسنات سے سیأت محو ہو جاتی ہیں، اس شخص نے عرض کیا کہ یہ حکم بہ طور خاص میرے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ میری تمام امت کے لئے قانون یہی ہے کہ اعمال صالحہ کی برکت سے صغائر خود بخود محو ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی شان روایت میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں شارحین نے متعدد نام ذکر کئے ہیں، علامہ عینی نے چھ نام ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا ہے، لیکن واقعہ کسی کا بھی ہو ہمارے لئے اس سے یہ معلوم کر لینا آسان ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کیا تھی؟ اگر بہ تقاضائے بشریت ان سے کبھی گناہ

سرزد ہوجاتا تھا تو وہ اس کو انابت الی اللہ، توبہ اور استغفار کے ذریعہ ثواب کے اضافہ کا سبب بنا لیتے تھے روایت میں آیا کہ ایک گناہ کا صدور ہوا تو وہ بیقرار ہوکر حاضر خدمت ہوگئے، بلکہ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ پہلے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے، پھر حضرت عمرؓ سے اپنی اس غلطی کا ذکر کیا، دونوں حضرات نے یہی کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، جس بات پر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہے اس کو پردہ ہی میں رہنے دیں یعنی کسی سے ذکر نہ کریں اپنے طور پر استغفار کرلیں۔ لیکن ان بزرگوں کے مشورے کے بعد بھی بیقراری کم نہیں ہوئی اور اس غلطی کے تدارک کیلئے بارگاہ نبوت میں عرض کیا اور آپ نے اپنے ساتھ نماز میں شریک فرماکر پھر قرآن کریم کی ایک آیت پڑھکر انہیں مطمئن فرمادیا کہ حسنات سے سیئات ختم ہوجاتی ہیں۔

آیت مذکورہ سے حنفیہ کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جس آیت کے ذریعہ اپنی بات سمجھائی ہے، اس کے کلمات ہیں۔ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل (سورہ ہود، آیت ۱۱۴) دن کے دونوں کناروں اور رات کے چند حصوں میں نماز کو قائم رکھو۔

اس میں دو لفظ آئے ہیں ایک طرفی النہار یعنی دن کے دونوں کنارے اور دوسرے زُلَف رات کے چند حصے، ان میں پہلے لفظ سے فجر میں اسفار اور عصر میں تاخیر کا اشارہ ملتا ہے جو حنفیہ کی تائید میں ہے، نیز زُلَف جمع کا صیغہ ہے اور اس سے وتر کے وجوب کی تائید ہوتی ہے۔

پہلے مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ طرفین تثنیہ کا صیغہ ہے اور نہار کا اطلاق طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کے وقت پر ہوتا ہے، اس لئے دن کے دونوں کناروں کا اصل مصداق تو طلوع شمس کا ابتدائی وقت اور غروب آفتاب کا ابتدائی وقت ہے، لیکن اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے ظاہر آیت پر عمل کرنا تو ممکن نہیں رہا، اس لئے حقیقت کے متعذر رہونے کی بنیاد پر معنی مجازی مراد لئے جائیں گے اور وہ وقت مراد لیا جائے گا جو دن کے دونوں کناروں سے قریب ہو، یعنی فجر کی نماز طلوع شمس سے پہلے ایسے وقت میں جو بیاض نہار کے قریب ہو اور عصر کی نماز غروب آفتاب سے پہلے ایسے وقت میں کہ اصفرار کی وجہ سے کراہت نہ آئی ہو، اس طرح فجر کی نماز دن کے ایک کنارے پر آجائے گی اور عصر کی نماز دن کے دوسرے کنارے پر، یہ مضمون دیگر آیتوں میں بالکل صاف ہے

وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل غروبها۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۰) طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح پڑھا کیجئے۔

سورہ قٓ میں بھی وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل الغروب (قٓ آیت ۳۹) فرمایا گیا

ہے اس لئے حنفیہ نے اس آیت سے فجر میں اسفار کے مستحب ہونے پر اور عصر میں وقت مکروہ سے پہلے تک تاخیر کرنے کے استحباب پر استدلال کیا ہے۔

نیز آیت مذکور میں دوسرا لفظ ہے زُلَفًا، یہ زُلفۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رات کا ایک حصہ. زُلَفٌ چونکہ جمع کا صیغہ ہے اس لئے رات میں تین وقت ایسے ہونے چاہئیں جنمیں نماز قائم کی جائے، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک ایک مغرب ہے، دوسرے عشار اور تیسرے وتر جو ان اللہ امدکم بصلوٰۃ ھی خیر لکم من حمر النعم کی بنیاد پر بہت موکد یعنی واجب ہے، اگر وتر کو واجب نہ مانا جائے تو زُلَفٌ کے صیغۂ جمع کے تقاضے میں رات کے تین حصوں میں واجب نمازیں واقع نہیں ہوں گی، اسلئے اس آیت سے حنفیہ کے وجوب وتر کے مسئلہ کی بھی تائید ہوتی ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا حدثنا اَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ الْوَلِيْدُ بْنُ الْعَيْزَارِ اَخْبَرَنِيْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ وَاَشَارَ اِلٰى دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ، قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قَالَ ثُمَّ اَيٌّ، قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، قَالَ حَدَّثَنِيْ بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّهُ لَزَادَنِيْ۔

ترجمہ، باب. نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کی فضیلت کا بیان حضرت ابوعمرو سعید بن ایاس شیبانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے اس گھر کے مالک نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو انہوں نے فرمایا، نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا، پھر معلوم کیا اس کے بعد؟ ارشاد فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا. پھر پوچھا کہ پھر اس کے بعد؟ ارشاد ہوا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا. حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ تین باتیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائیں اور اگر میں اس سے زیادہ پوچھتا تو آپ مزید ارشاد فرماتے۔

مقصد ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ باب سابق میں نماز کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے یہ وہ نماز ہے جو وقت پر ادا کی جائے، اگر بے وقت ادا کی جائے گی تو اس پر فضیلت اور انعام تو درکنار، اس پر استغفار کی ضرورت ہوگی۔

نیز یہ کہ امام بخاریؒ نے الصلوۃ لوقتھا کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس کا منشا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے مناسب وقت میں ادا کرنا مطلوب ہے، جبکہ امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کی رائے

کے مطابق ہر نماز کیلئے اوّلِ وقت کو افضل قرار دیا ہے اور اس کیلئے مستقل باب، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل (ص۲۶ ج۱) منعقد فرمایا ہے اور اس کے لئے ایک روایت الصلوۃ لاول وقتھا اور دوسری روایت الوقت الاول من الصلوٰۃ رضوان اللہ والوقت الاٰخر عفو اللہ (ص۲۶ ج۱) ذکر کی ہے لیکن اوّل تو ان روایتوں میں کلام ہے، دوسرے یہ کہ اوّل وقت سے مراد وہ نمازیں ہوں گی جن کا اول وقت میں پڑھنا مطلوب ہے، ورنہ جن نمازوں میں صحیح روایات کی بنیاد پر تاخیر کرنا مستحب ہے ان میں تاخیر ہی کو افضل قرار دیا جائے گا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نمازوں کے لئے افضل وقت کے سلسلے میں روایات میں تعارض ہے، کسی روایت میں اوّل وقت میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا گیا ہے، اور کسی روایت سے آخر وقت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ جیسے فجر میں اسفار یا ظہر میں گرمی کی شدت کے موقع پر ٹھنڈے وقت کا انتظار، اسلئے روایتوں کے تعارض کو ختم کرنے کے لئے تاویل کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ روایات میں تعارض ہو تو محدثین اور بعض فقہاء کا مزاج یہ ہے کہ وہ "اصح ما فی الباب" یعنی روایات میں سب سے زیادہ صحیح روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور احناف ان تمام روایات کے درمیان تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، یہاں تطبیق کی آسان صورت یہ ہے کہ اوّل وقت سے مراد، مطلق وقت کا اوّل نہ لیا جائے بلکہ وقت مستحب کا اول مراد لیا جائے۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ افضلیت کی متعدد وجہیں ہوسکتی ہیں، بعض وجوہ سے اوّل وقت میں پڑھنا افضل معلوم ہوتا ہے جیسے حکم خداوندی کی تعمیل میں عجلتِ ممکنہ اختیار کرنا یا تادیر قرارت وغیرہ میں مشغول رہنا، لیکن بعض وجوہ سے آخر وقت میں نماز پڑھنا افضل معلوم ہوتا ہے جیسے تکثیر جماعت وغیرہ، اور جب ایسی صورت ہو کہ روایات میں بھی اختلاف ہو اور وجوہ ترجیح میں بھی، تو ہر مجتہد اپنے اصول کے مطابق جس جانب کو راجح قرار دے گا وہ درست ہوگا، چنانچہ امام بخاریؒ نے یہاں جو الفاظ استعمال کئے ہیں اُن سے اوّل وقت میں نماز افضل ہونے کے بجائے، مناسب وقت میں پڑھنا افضل معلوم ہوتا ہے، تفصیلات آگے ابواب میں آرہی ہیں۔

تشریح حدیث حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، آپؐ نے جواب دیا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا، مطلب یہ ہوا کہ ایمان کے بعد سب سے زیادہ پسندیدہ عمل نماز ہے، مگر وہ نماز جس میں مناسب وقت کی رعایت کی جائے، کیونکہ نماز میں غایتِ تخشع کا اظہار ہے

اور جس میں خشوع وخضوع کی صفت ہوگی وہی مناسب اوقات میں پابندی کے ساتھ نماز کو جاری رکھے گا، حضرت ابن مسعودؓ نے پوچھا کہ اس کے بعد دوسرے درجہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل کیا ہے، ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جس طرح اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اسی طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کی ہے اور والدین کے ساتھ یہ طرزِ عمل بھی وہی اختیار کرسکتا ہے جس کی طبیعت میں تواضع وانکساری ہو، گویا پروردگار کے سامنے عاجزی کا اظہار سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے اور والدین کے ساتھ تواضع اختیار کرنا دوسرے درجہ کا پسندیدہ عمل ہوا، پھر حضرت عبداللہ نے معلوم کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے تو فرمایا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا، یعنی وہ جہاد جس کا مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہو، کوئی دوسرا مقصد پیش نظر نہ ہو، کیونکہ جہاد میں نفس کشی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کردیا ہو اور اپنے آپ کو قتیلِ محبت بنالیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر میں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اعمال کی درجہ بندی، یا دیگر چیزوں کے بارے میں معلوم کرتا تو آپ مزید ارشاد فرماتے مگر میں نے اس سے زیادہ معلوم نہیں کیا۔ واللہ اعلم

بابُ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا إِذَا صَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ فِي الْجَمَاعَةِ وَغَيْرِهَا حدثنی إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُولُ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ، قَالُوا لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللهُ بِهَا الْخَطَايَا۔

ترجمہ، باب، پانچوں نمازوں کو اگر اپنے وقت پر جماعت کے ساتھ یا بغیر جماعت کے (یعنی عذر شرعی کے موقع پر) پڑھا جائے تو وہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم لوگ کیا کہتے ہو اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا یہ غسل اس کے جسم کے میل کو باقی رہنے دیگا صحابہؓ نے عرض کیا! جی نہیں، یہ غسل اس کے میل کو بالکل باقی نہیں رہنے دے گا، آپ نے فرمایا کہ بس یہی پانچوں نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مقصدِ ترجمہ اس سے پہلے ایک باب گذرا ہے الصلوٰۃ کفارۃ، وہاں مقصد کے تعین میں یہ کہا گیا تھا کہ نماز کے فائدے، اور خاصّہ کا بیان کیا گیا ہے کہ نماز فرض ہو یا نفل،

اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اب اس سے آگے بڑھکر یہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ کفارۂ سیئات ہونے کی جو خاصیت بیان کی گئی ہے وہ فرائض میں بھی موجود ہے، بلکہ فرائض میں یہ شان زیادہ واضح ہے۔

اس مزید وضاحت کی ضرورت یہ پیش آئی کہ یہ پانچوں نمازیں، انسان کی عبدیت کے فرائض ہیں یعنی ان کے ذریعہ بندہ اپنی غلامی کا اظہار کرتا ہے اور جو حکم اس کو دیا گیا ہے اس کو بجا لاکر آقا کے حقوق ادا کرتا ہے اور جس طرح فرائض منصبی کی ادائیگی میں اجر ملتا ہے انعام واجب نہیں ہوتا، اسی طرح فرائض صلوٰۃ کی ادائیگی میں عتاب سے بچانے کی صلاحیت، یا اجر عطا کرانے کی بات تو قرین قیاس اور درست معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے علاوہ کسی انعام واکرام یا دیگر کوتاہیوں کو محو کر دینے کی صلاحیت کا ہونا ضروری نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا کوئی غلام ہو تو وہ اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کا پابند ہوگا، اگر احکام کی بجا آوری میں کوتاہی کرے گا تو عتاب کا مستحق ہوگا اور فرائض منصبی ادا کرے گا تو حق کی ادائیگی کے سبب مستحسن قرار دیا جائے گا لیکن اس پر انعام واکرام غیر ضروری سمجھا جائے گا۔

امام بخاری نے اس باب میں یہ وضاحت کر دی کہ فرائض کے بارے میں اس طرح کا اندیشہ درست نہیں، یہ فرض نمازیں تو دیگر اعمال صالحہ سے کہیں زیادہ کفارہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے زرخرید غلام کا احکام کی صحیح تعمیل کی بنیاد پر انعام دے کر حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

فی الجماعۃ وغیرھا، ترجمۃ الباب میں یہ ایک لفظ اور ہے جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ فرض نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں یا بغیر جماعت کے، ہر صورت میں گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں، اگر ان الفاظ کو ظاہر پر محمول کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام بخاری کے نزدیک جماعت، واجب یا کمال ادائیگی کی شرط نہیں، حالانکہ انہوں نے اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے جو باب منعقد کیا ہے اس میں باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ (ص ۸۹ / ۱) کی تعبیر اختیار کی ہے، اس لئے ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ امام بخاری یہاں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عذر شرعی کی بناء پر جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو اسکی نماز بھی سیئات کا کفارہ ہوگی، اس قدر تعمیم کہ نمازوں کو جماعت سے پڑھو یا نہ پڑھو کفارہ ہونے کی شان ہر حال میں باقی رہے گی، امام بخاریؒ کے رجحان اور انکی شان کے منافی ہے۔

تشریح حدیث حدیث پاک میں تشبیہ کے ذریعہ فرض نمازوں کے کفارۂ سیئات ہونے کا مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے بدن پر میل کچیل جما ہوا ہو اور اس کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ دن میں پانچ مرتبہ نہایا کرے تو کیا آپ رواں میں پانچ مرتبہ غسل کرنے

کے بعد بھی اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بالکل نہیں رہے گا۔ تشبیہ مضمون کو واضح کرنے کے لئے اور معنویات کو محسوسات و مشاہدات میں تبدیل کرنے کے لئے لائی جاتی ہے، چنانچہ نہر میں پانچ مرتبہ غسل کے ذریعہ جسم کا ظاہری میل صاف کرنے کا مضمون بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ پانچوں نمازوں کو بھی بالکل اسی طرح سمجھو کہ انسانوں سے گناہ ہوتے رہتے ہیں اور پیغمبروں کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے، اللہ نے ان ہونیوالے گناہوں کو ختم کرنے کیلئے نمازوں میں تاثیر رکھی ہے، جو نمازی باجماعت، یا عذر کی وجہ سے بلا جماعت، تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے قاعدہ میں نماز ادا کرتا ہے تو وہ پانچ وقت گناہوں کے میل کو صاف کرنے کے لئے نہر میں غوطہ لگاتا ہے اور میل کو صاف کر کے اپنے آپ کو پاک کر لیتا ہے۔

کن گناہوں کی معافی ہوتی ہے یہ بات دو باب پہلے گذر چکی ہے کہ جمہور کا فیصلہ یہ ہے کہ جن جن اعمال کے سلسلے میں کفارہ ہونے کا مضمون آیا ہے اس سے صغائر کا کفارہ ہونا مراد ہے، کبائر کے لئے شریعت نے توبہ رکھی ہے، لیکن روایتِ باب میں تشبیہ کے ذریعہ جو مضمون بیان کیا گیا ہے کہ دن میں پانچ مرتبہ آبِ رواں میں نہانے سے جس طرح جسم کا میل دور ہو جاتا ہے اسی طرح پانچ وقت کی نمازوں سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے لا یُبقی من درنہ شیئا، یہ غسل، میل بالکل باقی نہیں رہنے دے گا، اس کا مفہوم بظاہر یہ ہے کہ تمام گناہ، صغیرہ ہوں یا کبیرہ، معاف ہو جائیں گے۔

ابن بطال کی وضاحت ابن بطال نے اس کی یہ وضاحت کی ہے کہ روایتِ باب ہی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے کبیرہ کا نہیں کیونکہ روایت میں گناہوں کو دَرَن یعنی جسم کے ظاہری میل سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ درن بمقابلہ پھوڑے پھنسی اور زخم وغیرہ کے کمتر ہوتا ہے اس لئے نمازوں سے جو درن محو ہوتا ہے اس سے مراد گناہ صغیرہ ہی ہونا چاہیئے، لیکن حافظ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں ہی نے ابن بطال کی اس وضاحت پر یہ تنقید کی ہے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دَرَن سے مراد، بدن کے میل کے بجائے چھوٹی چھوٹی پھنسیاں اور دانے ہوں تب ہی زخم اور پھوڑے وغیرہ سے مقابلہ درست ہوگا جبکہ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں درن کی جگہ وسخ کے الفاظ آئے ہیں جن کی وجہ سے درن کا مفہوم دانے اور پھنسی وغیرہ نہیں، میل ہی متعین ہوتا ہے

مگر اکابر شارحین کی اس نوک جھونک سے قطع نظر، ہماری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے کہ

ابن بطال بالکل صحیح بات کہہ رہے ہیں، زخم اور پھوڑے سے مقابلہ کی بنیاد پر درن کے ترجمہ میں تبدیلی کی ضرورت نہیں، مقابلہ میل کچیل سے بھی ہو سکتا ہے، یعنی ابن بطال یہ کہہ رہے ہیں کہ صحت مند جسم اور جلد پر جما ہوا میل تو صغیرہ گناہ ہے جو نہر میں غسل کرنے سے یعنی نماز پڑھنے سے صاف ہو جاتا ہے، رہے بڑے گناہ تو وہ جلد اور جسم کو صحت مند کب چھوڑتے ہیں ان سے تو اندر تک زخم پیدا ہو جاتے ہیں جن کے تدارک کیلئے غسل کافی نہیں، بلکہ ان کے اثرات کو ختم کرنے کیلئے باقاعدہ علاج یعنی توبہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

علامہ سندھیؒ کا ارشاد

علامہ سندی نے اس موقع پر نہایت عمدہ اور محققانہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ اہل سنت والجماعت نے جو صغائر کے کفارہ ہونے کی بات کہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صغیرہ کا اثر صرف ظاہر تک محدود رہتا ہے، کہتے ہیں کہ روایت میں جو یہ مضمون آیا ہے کہ وضو کے وقت پانی کے ساتھ صغیرہ گناہ ختم ہوتے چلے جاتے ہیں یہ مضمون بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے کہ صغیرہ کا اثر صرف ظاہر تک محدود رہتا ہے، البتہ کبائر کا معاملہ بہت سنگین اور اہم ہے کہ اس سے ظاہر ہی نہیں باطن بھی متاثر ہوتا ہے اور یہ مضمون بھی روایات میں موجود ہے کہ انسان جب کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر انسان توبہ کر لیتا ہے تو وہ مٹ جاتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو یہ نقطہ پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے پورے دل کا احاطہ کر لیتا ہے، یہ مضمون قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

کلا بل سکتہ ران علی قلوبھم ما کانوا	ہرگز (ایسا) نہیں (کہ جزا وسزا نہ ہو) بلکہ ان کے دلوں پر
یکسبون (سورۃ المطففین آیت ۱۴)	ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔

اسلئے حدیث پاک کی تشبیہ کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح نہر میں نہانے سے ظاہر جسم کا میل ختم ہو جاتا ہے اسی طرح نماز کی برکت سے وہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو باطن میں اثر انداز نہ ہوں بلکہ ان کا اثر صرف ظاہر تک محدود رہتا ہو۔

حضرۃ الاستاذؒ کی مزید وضاحت

ابن بطال اور علامہ سندی کی تشریح کا حاصل یہ ہے کہ پانچوں نمازوں سے ان گناہوں کی معافی ہوتی ہے جو درن کے مشابہ ہیں اور درن سے مراد ان حضرات نے وہ گناہ لئے ہیں جن کا تعلق باطن سے نہیں، باطن پر اثر انداز ہونے والے کبیرہ گناہوں کی معافی کا طریقہ یہ ہے کہ قلب کو غسل دیا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اور خوف خدا پیدا ہو جو توبہ کی تحریک کرے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جس طرح نہانے کا عمل

بدن کا میل صاف کر کے، نہانے والے کی طبیعت کی گرانی دور کر دیتا ہے اور اس میں بشاشت پیدا کر دیتا ہے، اسی طرح اگر نماز کا عمل قلب پر اثر انداز ہو کر توبہ کی صورت پیدا کر دے تو صغائر کیا تھ کبائر بھی معاف ہو جائیں گے، گویا اگر آداب وشرائط کی رعایت کے ساتھ نماز کا عمل کیا جائے گا تو اس کے ساتھ خشیتِ خداوندی ضرور پیدا ہوگی اور خشیت ہوگی تو سابقہ گناہوں پر ندامت کی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور مستقبل میں گناہوں سے اجتناب کا عزم کرنے کی بھی توفیق ہوگی، اور اگر ایسا ہو گیا تو بس یہی توبہ کی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم

بابٌ فِی تَضْیِیعِ الصَّلٰوۃِ عَنْ وَقْتِھَا حدثنا مُوسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ قَالَ حَدَّثَنَا مَھْدِیٌّ عَنْ غَیْلَانَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَعْرِفُ شَیْئًا مِمَّا کَانَ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قِیْلَ الصَّلٰوۃُ، قَالَ أَلَیْسَ صَنَعْتُمْ مَا صَنَعْتُمْ فِیْھَا حدثنا عَمْرُو بْنُ زُرَارَۃَ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ الْحَدَّادُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ رَوَّادٍ اَخِیْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ قَالَ سَمِعْتُ الزُّھْرِیَّ یَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ بِدِمَشْقَ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقُلْتُ مَا یُبْکِیْکَ فَقَالَ لَا اَعْرِفُ شَیْئًا مِمَّا اَدْرَکْتُ اِلَّا ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ وَھٰذِہِ الصَّلٰوۃُ قَدْ ضُیِّعَتْ وَقَالَ بَکْرُ بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَکْرٍ الْبُرْسَانِیُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ رَوَّادٍ نَحْوَہٗ

ترجمہ، باب، نماز کو بے وقت کر کے ضائع کر دینے کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن چیزوں کو پایا تھا ان میں سے کوئی چیز محفوظ نہیں اُن سے عرض کیا گیا کہ نماز (تو محفوظ ہے) فرمایا کیا ایسا نہیں ہے کہ نماز کے اندر بھی تم نے وہ چیزیں کر رکھی ہیں جو کر رکھی ہیں، حضرت عمرو بن زرارہ سے روایت ہے کہ ہم سے عبدالواحد بن واصل ابوعبیدہ حداد نے حدیث بیان کی اور ان سے عثمان بن ابی رواد نے جو عبدالعزیز بن رواد کے بھائی ہیں بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے زہری سے یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ رو رہے تھے، میں نے عرض کیا، آپ کیوں رو رہے ہیں تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن چیزوں کو دیکھا تھا ان میں سے کوئی چیز محفوظ نہیں، بس ایک نماز ہے اور یہ نماز بھی برباد کر دی گئی ہے بکر بن خلف کہتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بکر برسانی نے بیان کیا کہ ہم سے عثمان بن ابی رواد نے اسی طرح روایت بیان کی تھی۔

مقصد ترجمہ نمازوں کے بروقت ادا کرنے کی فضیلت اور ان کے کفارۂ سیئات ہونے کی شان واضح کرنے کے بعد اب اس باب میں اس کی ضد یعنی دوسری صورت

بیان کر رہے ہیں کہ اگر نمازوں کو وقت سے بے وقت کر دیا جائے تو ان میں نہ صرف یہ کہ کفارہ کی شان باقی نہیں رہتی بلکہ ایسی نمازیں، نمازی کے حق میں انعام و اکرام کے بجائے بازپُرس کا سبب ہوں گی، پھر یہ کہ بروقت ادا نہ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وقتِ مستحب سے موخر کر دیا جائے مگر امام بخاری کی یہ مراد نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کا وقت بالکل ہی نکل جائے اور بعد از وقت نماز پڑھی جائے، امام بخاری یہاں اسی مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔

تشریح احادیث اس ترجمہ کے ذیل میں امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں پیش کی ہیں، پہلی روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو چیزیں مسلمانوں کا نشانِ امتیاز تھیں اب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہیں ہے، کہنے والے نے کہا کہ کوئی چیز باقی نہیں تو کیا نماز بھی باقی نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! نماز کے معاملہ میں جو کوتاہیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ بھی تمہارے سامنے ہیں۔

یہاں روایت میں اختصار ہے، لیکن جن روایات میں تفصیل ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کا یہ ارشاد نمازوں کو وقت گذار کر پڑھنے سے متعلق ہے، مسند احمد کی روایت میں حضرت انسؓ سے سوال کرنے والے کا نام اور وقت گذار کر نماز پڑھنے والے کا نام مذکور ہے، سوال کرنے والے ابورافع ہیں اور بے وقت نماز پڑھنے والا حجّاج ہے، الفاظ یہ ہیں

سمعت انس بن مالکؓ یقول ما اعرف مما عہدتُ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیوم، فقال ابورافع یا ابا حمزۃ ولا الصلوٰۃ فقال: اولیس قد علمت ما صنع الحجاج فی الصلوٰۃ۔ (مسند احمد ص ۲۰۸ ج ۳)	میں نے حضرت انسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں آج ان چیزوں میں سے ایک چیز بھی محفوظ نہیں پاتا جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیکھا تھا، ابورافع نے کہا کہ ابوحمزہ! اور نہ نماز کو؟ تو فرمایا، کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حجاج نے نماز میں کیا کیا۔

طبقات ابن سعد اور دوسری کتابوں میں اور زیادہ تفصیل ہے کہ حجاج نے جمعہ کی نماز میں اتنا طویل خطبہ دیا کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹوکنے کا ارادہ بھی کیا لیکن متعلقین کے کہنے سے حجاج کے ظلم کی بنیاد پر خاموش ہو گئے اور اسی موقع پر یہ فرمایا کہ عہدِ رسالت کی اب کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، پوچھنے والے نے جب یہ کہا کہ نماز بھی کیا باقی نہیں ہے تو فرمایا قد جعلتم الظهر عند المغرب۔ یعنی یہ بھی کوئی نماز ہے کہ ظہر کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھی جا رہی ہے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ امام زہری، دمشق میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو حضرت انسؓ رو رہے تھے، عرض کیا حضرت! کیا بات ہے؟ ارشاد فرمایا کہ عہد رسالت کی امتیازی چیزوں میں سے نماز رہ گئی تھی اور اب وہ بھی برباد کر دی گئی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج، ولید بن عبد الملک کے عہد خلافت میں عراق کا امیر تھا، حضرت انسؓ نے نماز کے اوقات کے بارے میں حجاج کا مذکورہ بالا طرز عمل دیکھا تو خلیفہ سے شکایت کرنے کے ارادے سے دمشق پہنچے، وہاں جاکر دیکھا تو خود ولید اور اس کے دیگر امراء اوقاتِ نماز کے بارے میں تساہل کا شکار ہیں، خصوصاً جمعہ کے دن خطبۂ جمعہ کو اتنا طول دیا جانے لگا تھا کہ ظہر کا وقت ختم ہو جاتا تھا اور اس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ان کے ساتھ نماز پڑھنا ترک کر دیا تھا اور کتنے ہی لوگ ایسے تھے کہ وہ اپنی نماز انفرادی پڑھ لیتے تھے، کتنے ہی لوگ مجمع میں بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھتے تھے کہ ان اُمراء کے جور و ستم سے بھی محفوظ رہیں اور نماز بروقت ہو جائے، فتح الباری اور عینی میں اس طرح کے مختلف واقعات دیے ہیں، اسلئے حضرت انسؓ بہت زیادہ متاثر تھے، روتے تھے اور حالات کی خرابی کا گلہ شکوہ فرماتے تھے۔

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ اوقاتِ نماز کے سلسلے میں خلفاء بنوامیہ کے اس طرز عمل سے سارا عالم اسلام متاثر نہیں ہوا تھا، مدینہ طیبہ میں نمازوں کے اوقات کی وہی رعایت باقی تھی جو عہد رسالت سے چلے آتے تھے، مدینہ طیبہ کے بارے میں روایات میں موجود ہے کہ جب حضرت انسؓ شام کے سفر سے مدینہ واپس آئے تو ان سے مدینہ طیبہ کی نمازوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس موقع پر حضرت انسؓ نے صرف یہ فرمایا کہ تم سے صفوں کے سیدھا کرنے کے سلسلے میں کوتاہی ہو رہی ہے، یعنی اوقات نماز درست ہیں اور اس کی وجہ فتح الباری میں یہ لکھی ہے کہ حضرت انسؓ جب مدینہ واپس ہوئے تو وہاں کے امیر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ تھے اور ان کے بارے میں باب۔ مواقیت الصلوٰۃ میں گذر چکا ہے کہ ان سے بھی ایک دن قدرے تاخیر ہو گئی تھی تو حضرت عروہ نے حضرت ابو مسعودؓ انصاری کی روایت سنا کر اوقات کی طرف توجہ دلائی تھی تو انہوں نے اسکو قبول کر کے اصلاح فرما دی تھی اسلئے حضرت انس، اہل مدینہ کے بارے میں اوقات صلوٰۃ سے مطمئن تھے، البتہ تسویۂ صفوف کی طرف توجہ دلائی۔ واللہ اعلم

بَابُ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ فَلَا يَتْفُلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ وَلَكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى حدثنا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا

قَتَادَةُ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِعْتَدِلُوْا فِي السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطُ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ وَاِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ فَاِنَّهُ يُنَاجِيْ رَبَّهُ وَقَالَ سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ لَا يَتْفُلُ قُدَّامَهُ اَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ وَقَالَ شُعْبَةُ لَا يَبْزُقُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ وَقَالَ حُمَيْدٌ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْزُقُ فِي الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ

ترجمہ، باب ۔ اس حقیقت کا بیان کہ نمازی، نماز میں اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی انسان جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے اسلئے اس کو اپنی داہنی طرف نہیں تھوکنا چاہیئے لیکن بائیں پیر کے نیچے تھوکنے میں مضایقہ نہیں حضرت انس رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سجدہ کی حالت میں اعتدال اختیار کرو اور تم میں سے کوئی سجدہ میں اپنی کلائیوں کو زمین پر کتے کی طرح نہ پھیلائے اور جب تھوکنے کی مجبوری ہو تو اپنے سامنے کی جانب یا داہنی جانب ہرگز نہ تھوکے اسلئے کہ وہ اس وقت اپنے پروردگار سے سرگوشی کر رہا ہے، اسی روایت میں سعید بن ابی عروبہ نے حضرت قتادہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ نمازی کو اپنے آگے یا سامنے نہیں تھوکنا چاہیئے لیکن بائیں جانب یا پیروں کے نیچے تھوکنا چاہیئے، نیز اسی روایت میں شعبہ نے حضرت قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ نمازی اپنے سامنے یا داہنی طرف نہ تھوکے لیکن بائیں طرف یا پیروں کے نیچے تھوکنا چاہیئے، نیز اسی روایت میں حمید نے حضرت انس رضؓ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جانب قبلہ میں یا داہنی طرف نہ تھوکنا چاہیئے بلکہ بائیں طرف یا پیروں کے نیچے تھوکنا چاہیئے ۔

مقصد ترجمہ اوقات نماز اور ان کی فضیلت کے ابواب کے درمیان ایک باب یہ مذکور ہے کہ نمازی، نماز کے دوران اپنے پروردگار سے مناجات اور سرگوشی کا شرف حاصل کرتا ہے، اسلئے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مناجات ہر وقت نہیں کی جاتی بلکہ اس کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر حاضر ہو کر عرض معروض کی جائے تب ہی مناجات مقبول اور کامیاب ہوتی ہے، اگر کوئی وقت نکالنے کے بعد پہنچے گا تو کامیاب ہونا تو درکنار، عجب نہیں کہ سزا بھی دی جائے ۔

یہ سمجھنا چاہیئے کہ پچھلے ابواب میں اوقات مقررہ پر نماز پڑھنے کی اہمیت اور مدح، نیز وقت مقررہ سے مؤخر کرکے پڑھنے کی مذمت کا بیان تھا، اس باب کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ نماز، اللہ کی

بارگاہ میں باریابی حاصل کرکے مناجات کرنے کا نام ہے اسلئے اس کے لئے اوقاتِ مقررہ کی پابندی کرنا ضروری ہے، ایسا عمل ہرگز پسندیدہ نہیں ہو سکتا کہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں جائیں اور اوقات کا لحاظ نہ کریں

تشریح حدیث اور مناجات کی تفصیل یہاں حضرت انسؓ کی روایت میں اتنا مذکور ہے کہ جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، مگر یہاں اجمال ہے، دوسری روایات میں اس کی تفصیل کی گئی ہے کہ نماز میں جب بندہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے تو پروردگار عالم ہر ہر جملہ کو سنتا ہے اور جواب مرحمت فرماتا ہے، صحاح کی روایت میں ہے

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز (سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ کو وہ ملے گا جس کا وہ سوال کرے، چنانچہ جب بندہ الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ بندے نے میری حمد کی اور جب بندہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندے نے میری ثنا کی، اور جب بندہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ بندے نے میری عظمت کا اعتراف کیا یا بندہ نے معاملہ میرے سپرد کر دیا اور جب بندہ ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ کہتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان مشترک ہے اور بندے کو اس کا سوال عطا کیا جائے گا اور جب بندہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس کا تعلق میرے بندے سے ہے اور بندے کو اس کا سوال دیا جاتا ہے۔" (مسلم شریف ص ۱۷۰ ج ۱)

یہ ہے مناجات کی تفصیل، کہ پروردگار عالم ہر آیت پر سننے کے بعد جواب مرحمت فرماتا ہے، اگرچہ اس تفصیل کے باوجود بعض حضرات نے اس کو مجاز پر محمول کیا ہے کہ یہ قرب الٰہی سے کنایہ ہے، یعنی یہ سمجھنا چاہیئے کہ نماز میں نمازی پروردگار سے سرگوشی کر رہا ہے، گویا نمازی اپنی بات کہہ رہا ہے اور پروردگار اس کا جواب دے رہا ہے جیسے سرگوشی کرنے والے کو اپنا منہ سننے والے کے کان کے قریب لا کر بات کہنی پڑتی ہے، اسی طرح یہاں بھی سمجھنا چاہیئے کہ نماز اللہ تعالیٰ سے انتہائی تقرب کا عمل ہے، مجاز قرار دینے والوں کی بات کا حاصل یہ ہے کہ واقعۃً ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے، مگر ہمارے خیال کے مطابق یہ مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ پروردگار عالم ہماری ہر بات کو —— جہراً ہو یا سراً —— سنتا ہے اور پھر اس کا وہ جواب دیتا ہے جس کی روایت میں تفصیل ہے

البتہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیت عطا کی ہے وہ پوری بات سمجھ لیتے ہیں اور جن کے کانوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے ان کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطلاع پر یقین کر لینا چاہیئے جیسا کہ وحی پر ایمان لاتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ تمام حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں

مناجات کے وقت کی ہدایتیں جب نماز کی حالت، پروردگار سے مناجات اور عرض معروض کی حالت ہے تو اس کیلئے بہت اہتمام کی ضرورت ہے اور نماز کیلئے جتنی ہدایتیں دی گئی ہیں ان میں یہی روح کارفرما ہے، روایات باب میں اس سلسلے کی دو ہدایتیں مذکور ہیں، ایک تھوکنے کی مجبوری کے وقت اور دوسری سجدے کی حالت میں۔

تھوکنے کی مجبوری ہو تو اس میں کیا کرنا چاہیے، یہ سب باتیں تفصیل کے ساتھ ایضاح البخاری جزء ۱۴ میں ص۲۴۲ تا ص۲۵۳ پر گذر گئی ہیں اسلئے یہاں بیان کی ضرورت نہیں، البتہ یہاں امام بخاری نے متعدد سندوں سے مختلف الفاظ نقل کئے ہیں، ان کا بہ ظاہر مقصد یہ ہے کہ وہ سمت قبلہ اور داہنی طرف تھوکنے کی ممانعت سے متعلق راویوں کے الفاظ کا اختلاف بیان کرنا چاہتے ہیں ورنہ حکم تمام روایات میں ایک ہی مذکور ہے کہ سامنے کی جانب اور سمت قبلہ میں اور داہنی طرف تھوکنا منع ہے۔ نیز اس کی وجہیں روایات میں مختلف ہیں مگر ایک حکم کے کئی سبب ہو سکتے ہیں اسلئے اس میں مضایقہ نہیں۔

دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ مناجات پروردگار سے قریب ہونے کی صورت ہے اور سب سے زیادہ تقرب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے اسلئے سجدہ اعتدال اور پورے اطمینان کے ساتھ کرنا چاہیئے، ہتھیلیاں زمین پر رکھ کر کلائیاں اٹھالینا، پیٹ کو ران سے الگ رکھنا، پیشانی کو زمین پر پوری طرح رکھ دینا وغیرہ، یہ سب سجدے کے آداب ہیں جن کی فقہاء نے درجہ بندی کردی ہے، اگر اس طرح سجدہ کروگے تو باری تعالیٰ کے سامنے تذلل کی پوری کیفیت حاصل ہو جائے گی۔

مطلب اور مقصود یہ ہے کہ نماز، نماز کی طرح ہونی چاہیئے جس میں تمام آداب و شرائط کی پوری رعایت ہو اور اوقات کی پابندی کی جائے کیونکہ انسان کو اللہ نے شرف و کرامت سے نوازا ہے اسلئے ایک شریف کا اپنے سب سے بڑے کے دربار میں حاضری کیلئے نہایت باادب ہونا ضروری ہے (واللہ اعلم)

الیٰ ھنا تم الجزء السادس عشر من ایضاح البخاری و سیتلوہ الجزء السابع عشر ان شاء اللہ تعالیٰ
واولہ باب الابراد بالظھر

کتاب مواقیت الصلوٰۃ

باب الابراد بالظهر فی شدة الحر **حدثنا** ایوب بن سلیمان قال حدثنا ابو بکر عن سلیمان قال صالح بن کیسان حدثنا الاعرج عبد الرحمٰن وغیره عن ابی هریرة ونافع مولی عبد الله بن عمر عن عبد الله بن عمر انهما حدثاه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال: اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فیح جهنم **حدثنا** محمد بن بشار قال حدثنا غندر حدثنا شعبة عن المهاجر ابی الحسن سمع زید بن وهب عن ابی ذر قال اذن مؤذن النبی صلی الله علیه وسلم الظهر فقال ابرد ابرد او قال انتظر انتظر وقال شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰة حتی راینا فیء التلول **حدثنا** علی بن عبد الله المدینی قال حدثنا سفیان قال حفظناه من الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال: اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فیح جهنم واشتکت النار الی ربها فقالت یارب اکل بعضی بعضا فاذن لها بنفسین: نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف وهو اشد ما تجدون من الحر واشد ما تجدون من الزمهریر **حدثنا** عمر بن حفص قال حدثنا ابی قال حدثنا الاعمش قال حدثنا ابو صالح عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم، تابعه سفین ویحیٰی وابو عوانة عن الاعمش

ترجمہ، باب، گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان **حضرت** ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور **حضرت** عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اسلئے کہ گرمی کی

شدت جہنم کی حرارت کے بہت زیادہ انتشار کے سبب ہوتی ہے حضرت ابوذر رضؓ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے ظہر کی نماز کے لئے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا
ابرد ابرد یعنی وقت کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرو یا فرمایا انتظر انتظر یعنی ابھی انتظار کرو
اور یہ فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے، اس لئے جب گرمی زیادہ ہو
تو نماز کو ٹھنڈے وقت کے انتظار میں موخر کر دیا کرو اور اس دن آپ نے (اتنا انتظار کیا کہ) یہانتک
کہ ہم نے یہ دیکھا کہ ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑنے لگا حضرت ابوہریرہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں
پڑھو اس لئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے اور یہ کہ جہنم نے اپنے پروردگار
سے شکایت کی اور کہا، اے پروردگار! میرے بعض حصّے نے بعض حصّے کو کھا لیا تو اللہ نے اس کو
دو سانس لینے کی اجازت عطا کی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں، اور یہی
وہ سانس ہے جسے تم سخت سے سخت گرمی یا سخت سے سخت سردی کی صورت میں محسوس کرتے
ہو۔ حضرت ابوسعید رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظہر کی نماز کو
ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لئے کہ گرمی کی شدّت جہنم کی حرارت کے انتشار کے سبب ہوتی ہے
اس روایت کو اعمش سے بیان کرنے میں، سُفیان ثوری، یحیٰی بن سعید القطان اور ابوعوانہ
نے حفص بن غیاث کی متابعت کی ہے۔

مقصد ترجمہ یہاں سے امام بخاری نمازوں کے الگ الگ اوقات کا بیان شروع کر رہے ہیں،
اس سلسلہ میں سب سے پہلے ظہر کی نماز کا ذکر کیا ہے، اس لئے کہ امامتِ
جبریل والی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کی ابتداء ظہر سے کی گئی تھی چنانچہ امام بخاری نے
ظہر کی نماز کے وقت اور اس کے متعلقات کی بحث سے یہ مضمون شروع کیا اور اگرچہ قاعدہ کا
تقاضا یہ تھا کہ پہلے ظہر کا وقت بیان کرتے اور ابراد یعنی ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی بحث کو مؤخر
کرتے، لیکن اس سے پچھلے باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مناجات کے آداب وقوانین کا بیان
بھی ان کے پیش نظر ہے، اس لئے یہی ترتیب مناسب معلوم ہوتی ہے جو امام بخاری نے قائم کی۔
مقصد یہ ہے کہ نماز جب پروردگار سے مناجات کا نام ہے تو اس کی رعایت اہم ہے
کہ وہ اچھے اور مناسب وقت میں ہو، اور اگر سخت گرمی کا وقت ہوگا تو مناجات کرنے والا لا محالہ
پریشانی میں مبتلا ہونے کے سبب دل جمعی اور اطمینان خاطر کے ساتھ عرض معروض نہ کر سکے گا۔

اور آقا کی بارگاہ میں بدحواسی و پریشانی خاطر کے ساتھ کی گئی مناجات بے وزن ہوکر رہ جائے گی اور دوسری بات روایت میں مذکور ہے اور وہی اہم ہے کہ یہ وقت احکم الحاکمین کے جلال وغضب کے اظہار کا ہے اور غضب کے موقع پر مناجات اور لب کشائی کا کام نہیں کرنا چاہئے، یعنی جب یہ معلوم ہوگیا کہ گرمی کی یہ شدت غضب الٰہی کا اثر ہے تو اس موقع پر حاضر ہوکر مناجات کرنا بے محل ہے۔

تشریح حدیث اوّل اس باب کے تحت امام بخاری نے کئی روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت میں یہ حکم ہے کہ گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز کو تاخیر سے یعنی شدت ختم ہونے کے بعد ادا کیا جائے، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کا اثر ہے، روایت میں لفظ استعمال کیا ہے فیح جہنم۔ فیح کے معنی کشادگی کے ہیں اور یہاں مراد ہے سعۃ انتشارھا یعنی جہنم کی حرارت کے بہت زیادہ پھیلنے کے سبب ایسا ہوتا ہے، گرمی کے شدید ہونے کے وقت نماز میں دو چیزیں ہیں، کہ ایسی صورت میں سکونِ قلب میسّر نہ ہوگا جبکہ عبادت کیلئے دل لگاکر کام کرنے کی ضرورت ہے، دوسری چیز یہ کہ یہ جہنم کا اثر ہونے کی بنیاد پر غضب خداوندی کے مظاہرہ کا وقت ہے اور ایسے وقت میں مناجات کرنا، آداب مناجات کے منافی ہے۔

حدیث شفاعت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ غضب کے وقت لب کشائی کی ہمت صرف وہی کرسکتا ہے جسے اجازت دی گئی ہو۔ چنانچہ قیامت میں جب اہل ایمان بھی پریشان ہوں گے تو وہ طولِ انتظار سے گھبراکر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے لیکن سب عذر کردیں گے اور بالآخر حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے، آپ پروردگار عالم کی اجازت کے بعد شفاعت فرمائیں گے۔ اس لئے گرمی کی شدت کے سبب غضب خداوندی کا مظاہرہ ہورہا ہو تو اس وقت تاخیر کرکے ظہر کی نماز پڑھنا مستحب ہے اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت میں ایک سفر کا واقعہ ہے جس کی وضاحت اگلے باب کی روایت میں آرہی ہے، یہاں اتنا ہی مذکور ہے کہ آپؐ کے مؤذن یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز کے لئے اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ ابھی نہیں، ٹھنڈے وقت کا انتظار کرنا چاہئے، اسی وقت اذان دیتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے اسی گرمی کی شدّت میں جمع ہونے کی دعوت دیدی اور اس وقت جمع ہونا دشوار ہوگا اسلئے جب وقت میں گنجائش ہے تو نمازیوں کو مشقت میں مبتلا نہ کرنا چاہئے، گرمی کی شدت ختم ہوجائے

تو اذان دینا تاکہ نماز کے لئے جمع ہونا دشوار نہ ہو۔

اس روایت میں ابردوا عن الصلوٰۃ کے الفاظ ہیں اور اس سے پہلے کی روایت میں ابردوا بالصلوٰۃ آیا تھا اس سلسلہ میں یہ کہا گیا ہے کہ عن کبھی باء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے رمیت عن القوس، رمیت بالقوس کے معنی میں ہے یا پھر عن کا استعمال تاخیر کے معنی پر متضمن ہونے کی وجہ سے ہے یعنی معنی ہیں اخروا عن الصلوٰۃ مبردین نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت کا انتظار کرتے ہوئے موخر کرو، گویا اصل روایت تو بالصلوٰۃ ہے جس میں عن ہے اس میں تاویل کرلی جائے گی۔

تشریح حدیث سوم تیسری روایت میں گرمی کی شدت کے فیح جہنم ۔ یعنی جہنم کی لپٹ کا اثر ہونے کی تفصیل کی گئی ہے کہ جہنم نے بارگاہِ خداوندی میں شکایت کی کہ میرے اندر گرمی بہت بڑھ گئی ہے اور میرے شعلے ایک دوسرے کو کھائے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شکایت کا یہ جواب دیا کہ تم دو سانس لے لیا کرو ایک گرمی میں اور ایک سردی میں، چنانچہ دنیا میں گرمی اور سردی کی جو شدت محسوس کیجاتی ہے وہ جہنم کے انھیں دو سانس کا اثر ہے۔

جہنم کے دو سانس کا مطلب دو سانس لینے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو گرمی جہنم کے اندر بڑھ گئی ہے اس کو ایک سانس کے ذریعہ باہر خارج کر دیا جائے اور دوسرے سانس کا مطلب یہ کہ جو گرمی عالم میں پھیلی ہوئی ہے اس کو ایک سانس کے ذریعہ آہستہ آہستہ اندر سمیٹ لیا جائے، گویا گرمی کے زمانہ میں جب گرمی کی شدت بڑھ جاتی ہے تو سمجھنا چاہئے کہ جہنم باہر کا سانس لے رہی ہے، اسی طرح سردی کی شدت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ جہنم اندر کا سانس لے رہی ہے۔

دو سانس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم کے دو طبقے ہیں ایک نار کا اور ایک زمہریر کا، جہنم اپنے طبقۂ نار کے سانس سے گرمی پھینکتی ہے اور طبقۂ زمہریر کے سانس سے سردی اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس طرح طبقۂ نار کو شکایت ہوگئی تھی اسی طرح طبقۂ زمہریر کو بھی سردی کی شدت کی شکایت تھی، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ گرمی کے سانس سے گرمی بڑھ جاتی اور سردی کے سانس سے سردی، اس دوسرے مطلب کے لئے روایات میں وجوہ ترجیح بھی ہیں کیونکہ مشکوٰۃ شریف میں ہے وفی روایۃ للبخاری فاشد ما تجدون من الحر فمن سمومها واشد ما تجدون من البرد فمن زمهریرها (مشکوٰۃ ص ۶۱)۔ یعنی بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ

الفاظ ہیں کہ تم گرمی کی جو زیادہ سے زیادہ شدت محسوس کرتے ہو وہ جہنم کی گرم ہوا کی تاثیر ہے اور جو زیادہ سے زیادہ سردی محسوس کرتے ہو وہ اس کے طبقۂ زمہریر کا اثر ہے ، یہ الفاظ ابن ماجہ میں بھی ہیں:

فشدة ماتجدون من البرد من	پس سردی کی جو شدت تم محسوس کرتے ہو وہ
زمهريرها وشدة ما تجدون	جہنم کے طبقۂ زمہریر کا اثر ہے اور جو گرمی کی شدت
من الحر من سمومها. (ابن ماجہ ص ۳۲)	محسوس کرتے ہو وہ اس کی گرم ہوا کی تاثیر ہے

گویا جہنم کے دو سانس ، کا ایک مطلب تو یہ ہوا کہ ایک سانس باہر گرمی پھینکنے کے لئے ہے اور دوسرا باہر کی گرمی کو اندر سمیٹنے کے لئے ہے ، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں سانس باہر ہی کے ہیں ایک طبقۂ نار کا ہے ، اور دوسرا طبقۂ زمہریر کا ، اور دوسرا مطلب روایت کے مختلف الفاظ کی بنیاد پر راجح ہے ۔

گرمی وسردی کے ظاہری اسباب سے تعارض روایت کی روشنی میں بہر صورت مطلب یہی نکلتا ہے کہ سردی اور گرمی کا اصل مرکز جہنم ہے جبکہ عالم اسباب میں گرمی اور سردی کی شدت کا سبب سورج کا کرۂ ارض سے قریب یا بعید ہونا معلوم ہوتا ہے ، مگر ان دونوں میں تطبیق کیلئے کہا جا سکتا ہے کہ حدیث پاک میں گرمی اور سردی کے اصل خزانہ کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ ہر چیز کے خزانے پروردگار کے پاس ہیں ، قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔

ان من شئ الا عندنا خزائنه	(دنیا میں) کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ ہمارے
(سورۃ الحجر آیت ۲۱)	یہاں اس کے خزانے ہیں ۔

اس لئے سردی اور گرمی کا اصل خزانہ تو جہنم ہی ہے ، لیکن دنیا میں اس کی تقسیم سورج کے ذریعہ کی گئی ہے ، سورج ایک آتشی شیشے کی طرح جہنم سے حرارت حاصل کرتا ہے اور اس کے قرب و بعد کے سبب دنیا میں گرمی کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے ، گویا سورج جہنم کے اس سانس کو دنیا تک منتقل کرنے کا ایک راستہ ہے ، نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسباب میں تعارض نہیں ایک چیز کے دو سبب بھی ہو سکتے ہیں ، ظاہری سبب تو آفتاب کا قرب و بُعد ہے اور باطنی سبب وہ ہے جس کی حدیث پاک میں اطلاع دی گئی ہے ۔

نیز ایک بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ اگر سردی اور گرمی جہنم کے سانس کا اثر ہے تو سردی اور گرمی کے معاملہ میں پوری دنیا کی ایک ہی کیفیت ہونی چاہئے ، لیکن یہ بھی ایک سرسری اشکال ہے ، کیونکہ یہ اشکال عوارض سے قطع نظر کرنے کی بنیاد پر پیدا ہوا ہے جبکہ عوارض کا اس سلسلہ

میں دخل بالکل سامنے کی بات ہے، عوارض کی بنیاد پر کبھی اصلی حالت کمزور پڑجاتی ہے، کبھی طاقتور ہوجاتی ہے، کبھی اصلی حالت کے آثار معدوم ہوجاتے ہیں، عوارض میں بادل کا ہونا، بارش کا ہونا، درختوں کا سایہ، تہہ خانے اور گرمی اور سردی کو ختم یا کمزور کرنے کے طبعی اور مصنوعی اسباب، اس لئے ظاہر ہے کہ عوارض کی موجودگی میں اصلی کیفیت کا ظہور عوارض کے بقدر کمزور یا طاقتور ہوجائے گا۔

جہنم کی شکایت حقیقت ہے یا مجاز حدیث پاک میں ایک لفظ آیا کہ جہنم نے پروردگار سے شکایت کی، یہاں یہ بات تشریح طلب ہے کہ یہ شکایت حقیقت ہے یا مجاز، یعنی جہنم نے زبانِ قال سے یہ شکایت کی یا زبانِ حال سے، تو اگرچہ قاضی بیضاوی تاویل کی طرف مائل ہیں، اور اس تعبیر کو مجاز قرار دیتے ہوئے یہ تشریح کرتے ہیں کہ جہنم کا شکوہ، جہنم کے بے پناہ کھولنے کی مجازی تعبیر ہے، اسی طرح بعض حصے کا بعض حصے کو کھا جانا، اجزاء جہنمی کے باہمی ازدحام کی تعبیر ہے اور سانس لینا، اندرونی گرمی کے باہر پھینکنے کی مجازی تعبیر ہے لیکن جمہور کے فیصلے کے مطابق جہنم کی شکایت حقیقی ہے، خدا کو قدرت ہے کہ وہ جہنم یا کسی بھی مخلوق کو قوت گویائی عطا کردے، سورۃ النمل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہُدہُد کو زبان ہی نہیں فہم وادراک بھی عطا فرمایا تھا، جنت اور جہنم کے بارے میں اس کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی گفتگو کا مضمون آیا ہے، قرآن کریم میں سورۂ ق میں ہے یوم نقول لجهنم هل امتلات وتقول هل من مزيد۔ (سورۂ ق آیت ۳۰) جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو پُر ہوگئی ہے تو وہ یہ کہے گی، کہ کیا کچھ اور باقی ہے، جنت کے بارے میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ جنت کی دعاء مانگتا ہے تو جنت آمین کہتی ہے، جہنم کے بارے میں آتا ہے کہ جب مومن پُل صراط سے گذرے گا تو جہنم اس کو آواز دے گی اور کہے گی جز یا مومن! فقد اطفأ نورك لهبي، اے مومن جلدی سے گذر جا، تیرے نور سے میرے شعلے بجھے جاتے ہیں، نیز جنت وجہنم کے بارے میں گفتگو کے علاوہ سننے کا مضمون بھی آیا ہے ليس شئ اسمع من الجنة والنار کہ جنت اور جہنم سب سے زیادہ سننے والی مخلوق ہیں وغیرہ۔

پھر یہ کہ آجکل تو جمادات کے بولنے پر کوئی اشکال نہیں، جب انسان غیر ذی حیات چیزوں میں قوت گویائی بھر سکتا ہے تو پروردگار کے لئے کیا مشکل ہے، اس لئے جمہور کی رائے یہ ہے کہ جہنم کی شکایت، پروردگار کا جواب، دو سانس لینے کی اجازت اور اس سے گرمی اور سردی کی شدت وغیرہ جو چیزیں روایات میں مذکور ہیں وہ سب حقیقت پر محمول ہیں۔

اسی طرح کی تمام چیزوں میں اہل سنت والجماعت کے یہاں اصول یہ ہے کہ جب تک کوئی عقلی یا شرعی محذور یعنی ممانعت کی دلیل قائم نہ ہو اس وقت تک معنی حقیقی مراد لئے جائیں گے ، اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو ممکن عقلی ہو اور دلیل نقلی صحیح اس کا وقوع بیان کرتی ہو تو اس کا تسلیم کرنا اور ماننا ضروری ہے ، روایت باب میں جہنم کی شکایت اور دوسری چیزوں کو حقیقت پر محمول کرنا ممکن ہے اور اس سے عقلاً یا شرعاً کوئی چیز مانع نہیں ہے اس لئے حقیقت پر محمول کرنا ہی درست ہے آمنا بہ کل من عند ربنا ۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث چہارم اس باب کے تحت امام بخاری نے ، چوتھی روایت حضرت ابو سعید خدری کی پیش ہے ، اس میں تقریباً وہی الفاظ ہیں جو پہلی روایت میں تھے بس یہ فرق ہے کہ اس میں ابردوا بالصلاۃ تھا ، اور اس میں ابردوا بالظہر ہے ۔

اور اس روایت کے بعد امام بخاری نے چند متابعات بھی پیش کی ہیں ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ ابردوا بالظہر کے الفاظ نقل کرنے میں حضرت اعمشؒ سے حفص بن غیاث تنہا نہیں ہیں بلکہ ان الفاظ کو سفیانؒ ثوری ، یحییٰؒ بن سعید القطان اور ابو عوانہؒ بھی حضرت اعمشؒ سے نقل کرتے ہیں ، یہ متابعات سند متصل کے ساتھ کہاں کہاں مذکور ہیں اس کے لئے فتح الباری اور عمدۃ القاری کا مطالعہ کافی ہے ۔

اس باب میں امام بخاری نے جتنی روایتیں ذکر کی ہیں ان سب میں گرمی کی شدت کے وقت نماز ظہر کو مؤخر کر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی تاکید ہے جبکہ مسلم شریف میں حضرت خبابؓ سے اس مضمون کے بالکل خلاف روایت بیان کی گئی ہے ۔

شکونا الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الصلوۃ فی الرمضاء فلم یشکنا (مسلم ص ۲۲۵ ج ۱)	ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گرم ریت پر نماز پڑھنے کی شکایت کی تو آپ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہیں فرمایا ۔

شکایت کا ازالہ نہ فرمانے کا مطلب یہی ہوا کہ ہم گرمی کی شدت کے باوجود گرم ریت پر نماز پڑھتے رہے ، ان روایات میں تعارض کی وجہ سے امام طحاوی اور بعض دوسرے محدثین کی رائے یہ ہے کہ حضرت خبابؓ والی روایت منسوخ ہے اور بعض حضرات نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت خبابؓ کی روایت میں جو درخواست کی گئی ہے وہ ابراد سے بھی زیادہ تاخیر کی تھی جس کو قبول نہیں کیا گیا ، البتہ گرمی کی شدت ختم ہونے تک تاخیر کرنا مستحب ہے ۔ واللہ اعلم

بَابُ الْإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ حدثنا آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا

مُهَاجِرٌ اَبُو الْحَسَنِ مَوْلًى لِبَنِيْ تَيْمِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ يُّؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَهٗ اَبْرِدْ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَتَفَيَّؤُ يَتَمَيَّلُ ۔

ترجمہ، باب، سفر میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ موذن نے ظہر کی نماز کے لئے اذان دینے کا ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو پھر (کچھ دیر کے بعد) موذن نے اذان کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ زمین پر دیکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی کی شدت جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے اس لئے جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یتفیو کا ترجمہ یتمیل ہے یعنی ان کے سائے جھک جاتے ہیں۔

مقصدِ ترجمہ بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گرمی کی شدت کے وقت تاخیر کا حکم اور ابراد یعنی ٹھنڈے وقت کا انتظار سفر و حضر دونوں میں برابر ہے، کیونکہ جب مدار فیح جہنم ہے تو یہی حکم رہے گا، امام بخاری دراصل اس ترجمہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ابراد کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کی تاویل سے متفق نہیں ہیں۔ امام ترمذی نے اسی تاویل کو نقل کیا ہے، مگر امام ترمذی بھی اس سے متفق نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے اپنی عادت کے خلاف اس موقع پر امام شافعیؒ کی تاویل کو نقل کرکے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، اور شاید یہی وہ موقع ہے جہاں انھوں نے اپنے امام کا نام صراحت سے ذکر کرکے اس کے خلاف دوسرے موقف کو ترجیح دی ہے، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت اذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوٰۃ فان شدۃ الحر من فیح جھنم پر انھوں نے ماجاء فی تاخیر الظھر فی شدۃ الحر کا عنوان لگایا، پھر روایت کے مطابق گرمی کی شدت کے موقع پر نماز ظہر کو موخر کرکے پڑھنے کا موقف اختیار کرنے والے فقہاء کا تذکرہ کیا، پھر اس کے بعد امام شافعیؒ کی تاویل نقل کی۔

وقال الشافعی انما الابراد بصلوٰۃ الظھر اذا کان مسجدا ینتاب	اور امام شافعی نے فرمایا کہ نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی ہدایت صرف اس صورت

اهله من البعد فاما المصلے وحده والذی یصلے فی مسجد قومه فالذی احب له ان لا یوخر الظهر فی شدة الحر (ترمذی ص۲۳ ج۱)

میں ہے جب نمازیوں کو مسجد میں دور سے آنا پڑتا ہو، لیکن تنہا نماز پڑھنے والے اور اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے والے کے بارے میں میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ گرمی کی شدت میں بھی نماز کو موخر نہ کریں۔

امام شافعیؒ کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ گرمی کی شدت میں ظہر کی نماز کو موخر کرنے کا حکم عام نہیں ہے بلکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب نمازیوں کو دشواری ہو اور انھیں دور سے مسجد میں آنا پڑتا ہو منفرد کے لئے ہر صورت میں مؤخر نہ کرنا ہی افضل ہے، یا جماعت کے لئے اگر دور سے نہ آنا پڑتا ہو بلکہ مسجد قریب ہو یا نماز پڑھنے والے ایک جگہ مجتمع ہوں یا دور سے آنے کی صورت میں راستہ میں سایہ کا انتظام وغیرہ ہو تو تاخیر نہ کی جائے۔ بلکہ اول وقت نماز پڑھنا افضل ہوگا۔ مگر امام ترمذیؒ، امام شافعیؒ کی اس تاویل سے متفق نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

قال ابو عیسیٰ معنیٰ من ذهب الی تاخیر الظهر فی شدة الحر هو اولی واشبه بالاتباع واما ما ذهب الیه الشافعی ان الرخصة لمن ینتاب من البعد وللمشقة علے الناس فان فی حدیث ابی ذر مایدل علی خلاف ما قال الشافعی قال ابوذر کنا مع النبی صلی الله علیه وسلم فی سفر فاذن بلال بصلوة الظهر فقال النبی صلی الله علیه وسلم یا بلال ابرد ثم ابرد فلو کان الامر علی ما ذهب الیه الشافعی لم یکن للابراد فی ذلک الوقت معنیٰ لاجتماعهم فی السفر

ابو عیسیٰ (ترمذی) کہتے ہیں کہ گرمی کی شدت میں ظہر کو مؤخر کر کے پڑھنے کی رائے اختیار کرنے والوں کا مسلک زیادہ لائق اتباع ہے، رہی امام شافعی کی رائے کہ (تاخیر کی) رخصت دور سے آنے والے کے لئے ہے اور لوگوں کی مشقت کے سبب ہے تو حضرت ابوذرؓ کی روایت میں امام شافعی کی رائے کے خلاف دلیل موجود ہے حضرت ابوذر نے فرمایا کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، کہ حضرت بلال نے ظہر کی اذان کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دو مرتبہ)، بلال! ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو، تو اگر بات وہ ہوتی جو امام شافعی کی رائے ہے تو اس وقت ٹھنڈے وقت کے انتظار کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ نمازی

وکانوا لا یحتاجون ان ینتابوا من البعد (ترمذی ص۲۳ ج۱)
سفرکو وجہ سے جمع تھے اور انھیں نماز کے لئے دور سے چل کر آنے کی مجبوری نہیں تھی۔

امام شافعیؒ سے، امام ترمذیؒ کے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ "ابردوا بالظہر" کے عام حکم کو امام شافعیؒ نے جو دور سے مسجد میں آنے والوں کے لئے خاص فرمایا ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی تائید نہیں بلکہ تردید ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوذر نے سفر کے دوران نماز ظہر کو موخر کرکے پڑھنے کا مضمون بیان کیا ہے اور سفر میں چونکہ تمام حضرات یکجا ہوتے ہیں انھیں دور سے آنا نہیں پڑتا، اس لئے حضرت ابوذر کی روایت سے امام شافعیؒ کی رائے کی تائید نہیں ہوتی۔

امام ترمذیؒ کی رائے پر کرمانیؒ کا تبصرہ

مگر امام شافعیؒ کی رائے اتنی کمزور نہیں ہے کہ اس کو تقویت نہ دی جاسکے، کرمانی کہتے ہیں کہ امام ترمذی نے سفر میں سب نمازیوں کے یکجا ہونے کی بنیاد پر جو بات کہی ہے وہ محل نظر ہے، اگر مسافروں کی تعداد زیادہ ہو تو ان کا یکجا ہونا ضروری نہیں بلکہ چراگاہ کی تلاش، سایہ کی تلاش اور دیگر آسانیوں کی بنیاد پر ان کا مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم ہوجانا عام معمول ہے، پھر ابن حجر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے خیموں کو ساتھ رکھنے کا بھی رواج نہیں تھا، اس لئے سفر میں بھی انھیں یکجا ہونے میں وہی دشواری تھی جو دور سے آنے میں ہوتی ہے، اس لئے ابوذرؓ کی روایت میں امام شافعیؒ کی تاویل کی صریح مخالفت نہیں ہے۔

یہ تو ایک ضمنی بحث تھی کہ امام ترمذی بھی، امام شافعیؒ کی تاویل سے متفق نہیں ہیں، ورنہ اصل بات یہ تھی کہ امام بخاری اس ترجمہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر تعریض کر رہے ہیں کہ ظہر کی نماز میں گرمی کی شدت کے موقع پر تاخیر کا حکم، سفر و حضر دونوں میں عام ہے اور اس میں کسی طرح کی تخصیص نہیں ہے۔ واللہ اعلم

تشریح حدیث

روایت میں آیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کا ارادہ کیا، ظاہر ہے کہ اذان کا ارادہ ظہر کا وقت داخل ہونے کے بعد کیا ہوگا، مگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان سے روک دیا، پھر کچھ دیر کے بعد دوبارہ ارادہ کیا، مگر پھر منع فرمادیا یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑنے لگا تب اذان دی گئی اور نماز ظہر ادا کی گئی، اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ گرمی تیز ہو تو چونکہ یہ تیزی جہنم کی حرارت کے انتشار سے ہوتی ہے اس لئے نماز کو موخر کرکے ٹھنڈے وقت میں پڑھنا چاہیئے۔

اذان سے منع کرنے کی وجہ تو یہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت یہ تھی کہ وہ اذان سنتے ہی نماز کے لئے حاضر ہوجاتے تھے، اس لئے آپ نے حضرت بلالؓ کو منع کردیا کہ تم اذان کہہ دوگے تو عادت کے مطابق سب آئیں گے، اور اس وقت گرمی کی شدت کے سبب مشقت ہوگی، اس لئے جب وقت

باقی ہے تو کیوں نہ ٹھنڈے وقت کا انتظار کر لیا جائے۔

امام بخاری کا مدعا اس طرح ثابت ہے کہ جب سفر میں سب لوگ یکجا ہیں، کسی کو دور سے آنا نہیں ہے تو نماز کو اول وقت میں پڑھ لینے میں لوگوں کے جمع ہونے میں تو دشواری نہیں تھی، مگر آپ نے موخر کیا اور اس کا سبب بھی بیان فرمایا کہ جہنم کی حرارت کے انتشار کا وقت ہے، معلوم ہوا کہ ٹھنڈے وقت کے انتظار کا حکم سفر وحضر دونوں میں یکساں ہے اور ابراد حضر کے ساتھ مخصوص نہیں۔

حتی رأینافیئ التلول، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھا، ٹیلے چونکہ پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، کھڑے نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کا سایہ زوال کے بہت دیر کے بعد زمین پر نظر آتا ہے حنفیہ تو اس کا مطلب یہ لیتے ہی ہیں کہ ٹیلوں کا سایہ مثل اوّل کا اکثر حصہ گذرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے، لیکن شوافع کو بھی اس کے تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، نووی شافعی لکھتے ہیں:

ومعنی قولہ رأینافی التلول انہ	رأینافی التلول کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے
اخر تاخیرا کثیرا حتی صار	بہت زیادہ تاخیر فرمائی یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ
للتلول فیٔ والتلول منطبحۃ	پڑنے لگا، ٹیلے چونکہ زمین پر پھیلے ہوئے ہوتے
غیر منتصبۃ ولا یصیر لہا فیٔ	ہیں کھڑے نہیں ہوتے اس لئے ان کا سایہ
فی العادۃ الا بعد زوال الشمس	عادۃً زوال آفتاب کے بہت دیر کے بعد ہوتا ہے
بکثیر۔ (نووی بر مسلم صفحہ ۲۲۴ ج ۱)	

پھر یہ کہ روایات میں ٹیلوں کا سایہ نظر آنے ہی کی بات نہیں بلکہ کتاب الاذان میں امام بخاری نے حضرت ابوذر کی یہی روایت اس طرح ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان دینے سے تین مرتبہ منع فرمایا، اور اس کے بعد اذان کی جب اجازت دی تو اس روایت میں فیٔ تلول کے بارے میں مذکور ہے۔

حتی ساوی الظل التلول (بخاری صفحہ ۸۸ ج ۱) یعنی ٹیلوں کا سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تھا۔

جب سایہ مثل اوّل کے بالکل آخر میں ظاہر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو ٹیلوں کے برابر ہونے میں مزید تاخیر ہوگی اور مثل ثانی شروع ضرور ہو جائے گا، اس لئے روایت میں صراحت نہ ہی لیکن الفاظ سے صراحت کے قریب قریب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دن ظہر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی گئی، اسلئے ان الفاظ سے حنفیہ نے امام اعظم رح کے اس مسلک پر استدلال کیا ہے کہ ظہر کا وقت مثل اول کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم

قال ابن عباس یتفیو یتمیل، حدیث باب میں چونکہ فئ کا لفظ آیا ہے اس لئے اس کی مناسبت سے قرآن کریم کی آیت میں آئے ہوئے لفظ یتفیؤ کے معنی بیان کرتے ہیں اور اس سے سایہ کو فئ کہنے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے، قرآن کریم میں سورۂ نحل میں آیت ہے:

الم یروا الی ما خلق اللہ من	کیا انھوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں
شئ یتفیؤ ظللہ عن الیمین	کو نہیں دیکھا جن کے سائے داہنی اور بائیں
والشمائل (سورۂ نحل آیت ۴۸)	طرف جھکتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یتفیؤ کے معنی ہیں کہ وہ سائے جھک جاتے ہیں گویا سایہ کو فئ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک طرف سے دوسری طرف کو مائل ہوتا رہتا ہے۔

بابُ وَقتِ الظُّهرِ عِندَ الزَّوالِ وَقالَ جابِرٌ كانَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالهاجِرَةِ **حدثنا** أبُو اليَمانِ قالَ حَدَّثَنا شُعَيبٌ عَنِ الزُّهرِيِّ قالَ أخبَرَنِي أنَسُ بنُ مالِكٍ أنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِينَ زاغَتِ الشَّمسُ فَصَلَّى الظُّهرَ فَقامَ عَلَى المِنبَرِ فَذَكَرَ السّاعَةَ وَذَكَرَ أنَّ فِيها أُمُوراً عِظاماً ثُمَّ قالَ مَن أحَبَّ أن يَسألَ عَن شَيءٍ فَليَسألْ فَلا تَسألُونِي عَن شَيءٍ إلّا أخبَرتُكُم ما دُمتُ فِي مَقامِي هذا فَأكثَرَ النّاسُ فِي البُكاءِ وَأكثَرَ أن يَقُولَ سَلُونِي فَقامَ عَبدُ اللهِ بنُ حُذافَةَ السَّهمِيُّ فَقالَ مَن أبِي قالَ أبُوكَ حُذافَةُ ثُمَّ أكثَرَ أن يَقُولَ سَلُونِي فَبَرَكَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنهُ عَلَى رُكبَتَيهِ فَقالَ رَضِينا بِاللهِ رَبّاً وَبِالإسلامِ دِيناً وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيّاً فَسَكَتَ ثُمَّ قالَ عُرِضَت عَلَيَّ الجَنَّةُ وَالنّارُ آنِفاً فِي عُرضِ هذا الحائِطِ فَلَم أرَ كالخَيرِ وَالشَّرِّ۔ **حدثنا** حَفصُ بنُ عُمَرَ قالَ حَدَّثَنا شُعبَةُ عَن أبِي المِنهالِ عَن أبِي بَرزَةَ قالَ كانَ النَّبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبحَ وَأحَدُنا يَعرِفُ جَلِيسَهُ وَيَقرَأُ فِيها ما بَينَ السِّتِّينَ إلَى المِائَةِ وَيُصَلِّي الظُّهرَ إذا زالَتِ الشَّمسُ وَالعَصرَ وَأحَدُنا يَذهَبُ إلَى أقصَى المَدِينَةِ رَجَعَ وَالشَّمسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ ما قالَ فِي المَغرِبِ وَلا يُبالِي بِتَأخِيرِ العِشاءِ إلَى ثُلُثِ اللَّيلِ ثُمَّ قالَ إلَى شَطرِ اللَّيلِ وَقالَ مُعاذٌ قالَ شُعبَةُ ثُمَّ لَقِيتُهُ مَرَّةً فَقالَ أو ثُلُثِ اللَّيلِ **حدثنا** مُحَمَّدُ بنُ مُقاتِلٍ قالَ أخبَرَنا عَبدُ اللهِ قالَ حَدَّثَنا خالِدُ بنُ عَبدِ الرَّحمنِ قالَ حَدَّثَنِي غالِبٌ القَطّانُ عَن بَكرِ بنِ عَبدِ اللهِ المُزَنِيِّ عَن أنَسِ بنِ مالِكٍ قالَ كُنّا إذا صَلَّينا خَلفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهائِرِ سَجَدنا عَلَى ثِيابِنا اتِّقاءَ الحَرِّ

ترجمہ، باب، وقت ظہر کے زوال کے بعد شروع ہونے کا بیان حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھتے تھے، حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے وقت باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس میں بہت بڑی اور اہم چیزیں پیش آئیں گی، پھر فرمایا کہ جسے کسی بھی چیز کے بارے میں پوچھنا ہو پوچھ لے اس لئے کہ تم مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھو گے مگر یہ کہ میں جب تک اس جگہ ہوں اس وقت تک ہر بات کی اطلاع دوں گا، چنانچہ (آپ کے فرمانے کے بعد) لوگوں پر بہت زیادہ گریہ طاری ہوگیا اور آپ بار بار یہ فرماتے رہے کہ تم مجھ سے (جو چاہے) سوال کرو، چنانچہ عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور پوچھا میرے باپ کون ہیں آپ نے فرمایا کہ تمھارے باپ حذافہ ہیں پھر آپ نے بار بار فرمایا پوچھو پوچھو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے سے راضی ہیں، اور اسلام کے دین ہونے سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے سے راضی ہیں، اس پر آپ خاموش ہوئے پھر فرمایا کہ اس دیوار کے کونے میں ابھی جنت اور جہنم میرے سامنے پیش کی گئیں تو میں نے (جنت کی طرح) بہتر اور (جہنم کی طرح) بدتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت ابو برزہ اسلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے انسان کو پہچان لیتا تھا اور آپ اس میں ساٹھ سے لیکر سو تک آیتیں پڑھتے تھے اور ظہر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے اور ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے جب آفتاب زوال کی طرف مائل ہو جاتا تھا اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی مدینہ کے آخری کنارے تک چلا جاتا تھا یعنی گھر لوٹ جاتا تھا اور آفتاب میں اس وقت تک کوئی تغیّر نہ ہوتا تھا، راوی نے (ابو المنہالؒ) کہا کہ مغرب کے بارے میں میں بھول گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کیا کہا تھا اور آپ عشاء کی نماز کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے پھر ابو المنہال نے کہا کہ نصف رات تک مؤخر کرنے میں پرواہ نہیں کرتے تھے اور معاذ بن معاذ بصری نے کہا کہ شعبہ نے کہا کہ پھر میں ابو المنہال سے ملا تو انھوں نے کہا تہائی رات تک مؤخر کرنے میں پرواہ نہ کرتے تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دوپہروں میں نماز پڑھا کرتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ پچھلے باب میں یہ بیان کیا گیا کہ گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز کو ٹھنڈے

وقت میں پڑھنا چاہیئے اور اس کی اتنی اہمیت مذکور ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراد سے پہلے حضرت بلالؓ کو اذان سے بھی روک دیا، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے آیا گرمیوں میں یہ ابراد کے قریب سے شروع ہوگا یا ابراد کا حکم وقت مستحب کی تعلیم کے لئے تھا، ؟ امام بخاری نے اس باب میں یہ واضح کر دیا کہ ظہر کا وقت ہر موسم میں زوال کے بعد شروع ہو جاتا ہے، زوال کے بعد سے ظہر کے وقت کے شروع ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور جمعہ کا وقت بھی جمہور کے یہاں یہی ہے، البتہ بعض فقہاء نے جمعہ کے زوال سے پہلے ادا کرنے کی گنجائش سمجھی ہے وہ مسئلہ اپنی جگہ آئے گا، نیز ظہر کے آخر وقت کے سلسلہ میں بھی امام اعظمؒ کا اختلاف ہے اور اس کی وضاحت اسی باب کے تحت کیجائے گی۔

قال جابر الخ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ھاجرہ میں پڑھتے تھے ھاجرہ دوپہر کے وقت کو کہتے ہیں جس میں لوگ گرمی کی شدت کے سبب راستہ چلنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز دوپہر میں گرمی کی شدت کے وقت ہوتی تھی، پھر اس باب کے تحت جو روایتیں دی گئی ہیں ان میں اذا زاغت الشمس وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز زوال کے فوراً بعد پڑھی گئی، تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ ظہر کی نماز میں گرمی کی اتنی شدت ہوتی تھی کہ اس سے بچنے کے لئے کپڑے پر سجدہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے امام بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے، نیز چونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ظہر کی نماز زوال سے پہلے پڑھی گئی ہو اس لئے متعین ہو گیا کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد ہی سے شروع ہوگا اور اس وقت میں مسجد نبوی میں نماز ظہر پڑھی گئی۔

البتہ اس باب کے اور پچھلے باب کے مضمون اور روایتوں میں تضاد ہے کیونکہ پچھلے باب میں ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے اور ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان تھا اور اس باب میں یہ مضمون ہے کہ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے فوراً بعد پڑھی گئی، اس تضاد کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، علامہ عینیؒ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی روایت صرف فعلی ہے کہ ایسا کیا گیا، اور مؤخر کر کے پڑھنے والی روایت فعلی بھی ہے اور قولی بھی، یعنی ایسا کیا بھی گیا، اور آپ نے ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی تاکید بھی فرمائی، اس لئے ابراد والی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اوّل وقت میں ظہر ادا کرنے کی روایتیں زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں، اور تاخیر کر کے ادا کرنے کی روایتیں بعد کی ہیں، اس لئے بعد والی روایتوں کو ترجیح دی جائے گی، مگر ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ نماز کے لئے اوقات کے تعین کا معاملہ واقعۃً اتنا نازک تھا کہ ایک دو مرتبہ عمل کر کے دکھلانے سے اس کا

ذہن نشین ہونا مشکل تھا، اس لئے ایک عرصہ تک مسجد نبوی میں ظہر کی نماز اول وقت میں پڑھنے کا اہتمام کیا گیا، اور جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو گرمی کے موسم میں وقت مستحب کی رعایت کا سلیقہ سکھایا گیا، پھر یہ کہ عہد رسالت میں مدینہ طیبہ میں مختلف محلوں میں جو مسجدیں تعمیر ہوگئی تھیں، ان سب میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمازیں مسجد نبوی کے بعد ادا کی جاتی تھیں، مسجد نبوی میں حصول برکت کے لئے مختلف محلوں سے صحابہ کرامؓ آکر شریک جماعت ہوتے تھے اور وہ واپس جاکر اپنے محلوں میں اطلاع کرتے تھے کہ ہم نماز پڑھ کر آئے ہیں، اب تم بھی نماز پڑھ لو، گویا مسجد نبوی کی حیثیت اس زمانہ میں اوقات کی تعلیم وتعیین کے سلسلہ میں امام المساجد کی تھی، اس لئے مسجد نبوی میں نمازیں اوّل وقت میں پڑھی جاتی تھیں، پھر جب اوقات ذہن نشین ہوگئے تو نوعیت بدل گئی، اب خواہ نمازوں کے اوّل وقت میں ادا کرنے پر استدلال کرلیں جیسا کہ شوافع کا رجحان ہے، اور خواہ اوسط وقت میں نمازیں ادا کرنے پر استدلال کرلیا جائے جیسا کہ احناف کہتے ہیں، ہر وقت کے سلسلہ میں مستحب اوقات کی تفصیلات اپنی اپنی جگہ آئیں گی۔

تشریح حدیث اوّل اس باب کے تحت امام بخاری نے تین روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت قدرے اختصار کے ساتھ ایضاح البخاری حصہ ششم میں باب من برك على ركبتيه الخ میں گذر چکی ہے، روایت میں خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر مذکور ہے، کہ زوال آفتاب کے فوراً بعد آپؐ نکلے اور ظہر کی نماز پڑھائی، امام بخاری کا مقصد اسی سے متعلق ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت زوال آفتاب ہی سے شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ روایت میں زاغ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں ترچھا ہونا، یعنی جوں ہی آفتاب مغرب کی طرف مائل ہوا ظہر کی نماز پڑھ لی گئی، لیکن دوسری روایت میں لفظ ہے زالت، زوال کے معنی ہیں آفتاب کا ڈھلنا، اس کا صاف مطلب ہے کہ ظہر کی نماز، زوال کے فوراً بعد نہیں بلکہ دوپہر میں آفتاب ڈھلنے کے بعد پڑھی جاتی تھی،

پھر روایت میں آیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھانے کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور وعظ فرمایا، جس میں قیامت کے ہولناک حالات بیان فرمائے پھر آپ نے فرمایا کہ آج جو پوچھنا ہو پوچھ لو، میں جب تک منبر پر کھڑا ہوں، ہر بات کا جواب دوں گا، پہلے گذر چکا ہے: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن اشياء كرهها، کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتوں کا سوال کیا گیا جو آپ کو گراں گذرا، اور اصل بات یہ تھی کہ منافقین اس طرح کے سوالات کیا کرتے تھے اور کبھی کبھی تو بھولے بھالے اہل ایمان بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے گویا جب ناپسندیدہ سوالات کا

سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے غصہ میں فرمایا کہ اچھا آج جو پوچھنا ہو پوچھ لو، چونکہ آپ یہ بات غصہ کی حالت میں فرمارہے تھے اس لئے خاموشی طاری رہی، مگر اکثران یقول سلونی آپ بار بار ارشاد فرماتے رہے کہ پوچھو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن حذافہ جنھیں کچھ لوگ نسب کے بارے میں متہم کرتے تھے، کھڑے ہوئے اور پوچھا من ابی ؟ کہ حضرت یہ ارشاد فرمائیے کہ میرے باپ کا کیا نام ہے ؟ آپ نے فرمایا حذافہ۔ چنانچہ آپ کے ارشاد فرمانے کے بعد نسب کے سلسلہ میں طعنے دینے کا سلسلہ بند ہوگیا دیگر روایتوں میں آتا ہے کہ انکی والدہ نے، انکے اس سوال پر بہت سرزنش کی۔

قالت ام عبداللہ بن حذافۃ ماسمعت	عبداللہ بن حذافہ کی والدہ نے کہا کہ میں نے تجھ جیسا
بابن قط اعق منك أ أمنت ان تكون	نافرمان لڑکا نہیں دیکھا، تجھے کیا یقین تھا کہ تیری
امك قد قارفت بعض ماتقارف نساء	ماں نے جاہلیت کی عورتوں کی طرح کوئی غلطی نہیں
اهل الجاهلية۔ (مسلم شریف ص ۲۶۳ ج ۲)	کی تھی۔ ؟

والدہ کا منشا یہ رہا ہوگا کہ تم نے پیغمبر علیہ السلام سے بھرے مجمع میں یہ سوال کرلیا، اگر آپ کی زبان پر کسی اور کا نام آجاتا، تو کتنی رسوائی کی بات ہوتی، تم نے مجمع عام میں ایسی بات پوچھ کر بڑی نادانی کا ثبوت دیا، حضرت عبداللہ نے جواب دیا واللہ لوالحقنی بعبد اسود للحقته کہ بخدا اگر آپ میرا نسب کسی کالے غلام سے ملا دیتے تو میں اسکو قبول کرلیتا۔

پھر جب آپ کا غصہ بڑھنے لگا تو حضرت عمرؓ نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رضينا بالله ربا الخ کہنا شروع کیا تو آپ خاموش ہوئے، پھر آپ نے فرمایا کہ ابھی جنت و دوزخ اس دیوار کے گوشہ میں میرے سامنے پیش کی گئی تھیں، اور جنت جیسا بہتر اور جہنم جیسا بدتر منظر میں نے نہیں دیکھا۔

علم غیب پر استدلال کی حقیقت

روایت میں لا تسألونی عن شئی الا اخبرتکم مادمت فی مقامی ھذا یعنی میں جب تک اس جگہ ہوں تمھاری ہر بات کا جواب دوں گا، مذکور ہے، اس سے علم غیب پر استدلال درست نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپؐ خود فرمارہے ہیں مادمت فی مقامی ھذا، کہ جب تک کہ میں اپنی اس جگہ پر ہوں اس وقت تک ہر سوال کا جواب دوں گا، اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت خصوصی طور پر یہ کیفیت طاری فرمائی ہے اور اس کیفیت کے بعد میں باقی رہنے پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ مادمت فی مقامی ھذا کا تقاضا ہے کہ اس جگہ سے ہٹنے کے بعد کیفیت باقی نہ رہے۔ مزید یہ کہ روایت میں اس کیفیت کے وقتی ہونے اور دائمی نہ ہونے کا یہ قرینہ بھی مذکور

ہے کہ جنت اور جہنم پیش کی گئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ جنت اور جہنم کا پیش کیا جانا ایک ہنگامی چیز تھی، دائمی نہ تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ روایت میں حاضرین کی طرف سے کئے گئے سوالات کے جوابات دینے کا وعدہ کیا گیا ہے، اس لئے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک سائلین کی ذہنی پرواز ہو سکتی ہے اتنے علوم مرحمت فرمائے گئے اور ظاہر ہے کہ سائلین کا علم محدود ہے اس کا علم غیب سے کیا تعلق ؟

تیسری بات یہ کہ علم غیب کے صرف باری تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہونے پر قطعی دلائل قائم ہیں، ارشاد فرمایا گیا: قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ (سورۃ النمل آیت ۶۵) آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے سوا، زمین و آسمان میں کوئی بھی (مخلوق میں سے) غیب کی بات نہیں جانتا اس لئے کسی روایت میں کسی لفظ کے عموم یا کسی تعبیر کے اجمال سے غیر اللہ کے علم غیب پر استدلال نہیں کیا جائیگا بلکہ انکی مراد اس طرح متعین کیجائیگی کہ قطعیات اور مسلّمات سے تعارض نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

تشریح روایت دوم دوسری روایت میں حضرت ابو برزہؓ اسلمی سے یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ اپنے پاس بیٹھا ہوا انسان شناخت میں آجاتا تھا ظاہر ہے کہ یہ غلس کی شان نہیں ہے، مسجد نبوی کی نیچی چھت اور کسی جانب سے روشنی آنے کا انتظام نہیں، لیکن نماز کے بعد برابر والے انسان کو پہچان لیا جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ باہر کتنی روشنی ہو جاتی ہوگی، لیکن یہ مسئلہ بعد میں آئے گا، یہاں تو امام بخاری کا مقصد ظہر سے متعلق ہے جس کے بارے میں آیا کہ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے بعد ہو جاتی تھی، زوال کے معنی ہیں آفتاب کا ڈھلنا، جونہی آفتاب ڈھلا، ظہر کی نماز ہو گئی، یہاں سردی اور گرمی کے موسم کا فرق بھی مذکور نہیں۔ لیکن بات وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی کہ اوقات کا معاملہ نازک اور اہم ہے مسجد نبوی میں عرصہ تک اوّل وقت میں نماز ہوتی رہی، جب اوقات ذہن نشین ہو گئے تو گرمی کے موسم میں ابراد کا حکم دیا گیا۔

پھر عصر کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے وقت ہوتی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز پڑھ کر اپنے گھر مدینہ کے آخری کنارے پر ایسے وقت میں پہنچ جاتا تھا کہ ابھی آفتاب زندہ ہوتا تھا، آفتاب کی زندگی کے معنی ہیں کہ اس میں تغیر نہ آیا ہو یعنی اس میں تیزی اور سفیدی باقی ہو، مسجد نبوی سے اقصائے مدینہ کا فاصلہ چار میل تک بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ فاصلہ مثل ثالث میں نماز پڑھ کر بہ آسانی طے کیا جا سکتا ہے، مسئلہ اپنی جگہ آئے گا۔

پھر راوی نے کہا کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ مغرب کے بارے میں کیا کہا تھا، پھر عشار کے بارے میں تبلایا کہ اس کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی کہ عشار کی نماز ایک تہائی رات کے بعد پڑھی جائے یا نصف لیل پر پڑھی جائے، یہ سب مباحث اپنی اپنی جگہ تفصیل سے آئیں گے۔

تشریح حدیث سوم تیسری روایت میں حضرت انس رض بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو گرمی کی اتنی شدت ہوتی تھی کہ ہمیں زمین پر سجدہ کرنے کیلئے کپڑا بچھانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ نماز ظہر زوال کے بعد ہوتی تھی کیونکہ اس میں ظہیرۃ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی نصف النہار کے ہیں، گویا اسی لفظ سے زوال کے بعد کا وقت مراد ہونا ضروری نہیں پھر یہ کہ یہاں اس سے مراد وقت نہیں لیا گیا بلکہ ظہر کی نماز لی گئی ہے، یعنی جب ہم ظہر کی نماز پڑھتے تو گرمی کی شدت ہوتی تھی، اس لئے یہ حقیقت ہے کہ بیان وقت کے سلسلے میں روایت مبہم ہے جبکہ امام بخاری کا مقصد اس ترجمہ سے ظہر کے اوّل وقت کا بیان ہے کہ وہ زوال کے فوراً بعد شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ عینیؒ نے تو یہ فرمایا کہ اس روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہے کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ظہر کی نماز پڑھتے تھے اس میں گرمی کی شدت ہوتی تھی اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز اول وقت میں ہوتی تھی اس لئے یہی وقت گرمی کی شدت کا ہوتا ہے، لیکن اس کے علاوہ امام بخاری کے ذوق کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے وقت کے سلسلہ میں یہ مبہم روایت ذکر کرکے یہ وضاحت کی ہے کہ اس ابہام کو بھی ترجمۃ الباب اور اس کے تحت ذکر کردہ دیگر روایات کے مطابق زوالِ آفتاب کے بعد پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

بَابُ تَاخِيْرِ الظُّهْرِ اِلَى الْعَصْرِ حدثنا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعًا وَ ثَمَانِيًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَقَالَ اَيُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِىْ لَيْلَةٍ مَطِيْرَةٍ قَالَ عَسٰى

ترجمہ، باب، ظہر کی نماز کو عصر تک موخر کرنے کا بیان حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہتے ہوئے نماز کی سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں پڑھیں یعنی ظہر اور عصر کو ملا کر آٹھ رکعت اور مغرب اور عشار کو ملا کر سات رکعت، ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے پوچھا کہ شاید بارش کی رات میں ایسا کیا گیا ہوگا تو انھوں نے

فرمایا "ہو سکتا ہے"۔

مقصد ترجمہ عنوان ہے ظہر کی نماز کو عصر تک مؤخر کرنا۔ مقصد ہے ظہر کے منتہائے وقت کا بیان، پچھلے باب میں ظہر کا ابتدائی وقت بیان کیا گیا تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیشہ ظہر کی نماز زوال آفتاب کے بعد پڑھی ہے، زوال سے پہلے کبھی نہیں پڑھی، اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد ہے، اب سوال یہ ہے کہ ظہر کا وقت ختم کب ہوگا تو امام بخاری نے اس باب میں بتلایا کہ ختم ہوگا عصر کے وقت، یعنی ظہر کا منتہا اور عصر کا مبدا ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، گویا امام بخاری نے یہ بتلادیا کہ ظہر اور عصر کے درمیان نہ کوئی وقت مہمل ہے اور نہ مشترک، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ظہر اور عصر کے درمیان چار رکعت کی ادائیگی کے بقدر وقت کو مشترک قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ سے اسد بن عمرو کی روایت کا مطلب بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ مثل ثانی کا وقت مہمل ہے، امام بخاری اس ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تردید کر رہے ہیں کہ ظہر کے آخری وقت کے فوراً بعد، عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

تشریح حدیث اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاری نے حضرت ابن عباس رض کی روایت ذکر کی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع فرمایا، امام بخاری کا مدعا یہ ہے کہ جمع کرنے کا طریقہ یہ ہوا کہ ظہر کی نماز کو ظہر کے وقت کے بالکل آخر میں، اور عصر کی نماز کو عصر کے بالکل ابتدائی وقت میں اس طرح پڑھا کہ دونوں نمازیں جمع ہوگئیں، اسی طرح مغرب کی نماز کو مغرب کے آخری وقت میں، اور عشاء کی نماز کو عشاء کے ابتدائی وقت میں صورۃً جمع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان اور مغرب اور عشاء کے درمیان نہ کوئی وقت مشترک ہے نہ مہمل، امام بخاری اس روایت کا یہ مطلب اس لئے سمجھ رہے ہیں کہ یہ عمل مدینہ میں ہوا اور ایسے حالات میں ہوا کہ جمع حقیقی کی رخصت والا کوئی عذر موجود نہ تھا، نہ سفر تھا نہ خوف تھا اور کوئی عذر ایسا تھا جو کسی امام کے یہاں قابل قبول ہو، حنفیہ کے یہاں تو ایام حج میں جمع کرنے کے علاوہ کسی اور موقع پر گنجائش ہی نہیں ہے، اس لئے امام بخاری کا مقصد ثابت ہوگیا کہ جب جمع حقیقی نہ تھی، صرف جمع صوری کا معاملہ تھا تو ظہر، بالکل آخری وقت میں ہوئی اور عصر بالکل ابتدائی وقت میں، کیونکہ بغیر عذر کے جمع حقیقی ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں درست نہیں ہے۔

حدیث باب پر امام ترمذی کا تبصرہ بلکہ امام ترمذی رح نے تو حضرت ابن عباس کی اس

روایت کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ میری اس کتاب (ترمذی) کی تمام روایتیں معمول بہا ہیں یعنی انکے مطابق کسی نہ کسی فقیہ کا عمل ہے مگر پوری کتاب میں دو روایتیں ایسی ہیں جن پر کسی کا عمل نہیں ہے ایک حضرت ابن عباس رضی کی وہ روایت جس میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام کے دوران کسی خوف، بارش اور سفر کے عذر کے بغیر ظہر وعصر کو اور مغرب و عشار کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا، اور دوسری وہ روایت ہے کہ شراب پینے والوں کو کوڑوں کی سزا دی جائے اور چوتھی مرتبہ شراب پینے پر قتل کی سزا دی جائے (ترمذی شریف، کتاب العلل ص۲۳۵ ج۲)

مگر امام بخاری کے ترجمۃ الباب کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت ابن عباس کی روایت پر بھی عمل ہے اور اس کا مطلب ہے محض صورۃً جمع کر کے پڑھنا، ترمذی نے چونکہ روایت کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ عذر کے بغیر جمع حقیقی کی گئی ہے اس لئے انھیں یہ کہنا پڑا کہ اس روایت پر کسی کا عمل نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے تو مقصد ترجمہ ہی یہ قرار دیا ہے کہ امام بخاری ترجمۃ الباب میں حضرت ابن عباس کی روایت کے معنی متعین کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے مدینہ میں جو دو نمازوں کو جمع کیا ہے، اس سے جمع حقیقی مراد نہیں بلکہ صرف صورۃً جمع کرنا مراد ہے کہ ظہر کو بالکل وقت کے آخر میں عصر کے قریب ادا کیا جائے اور عصر کی نماز کو عصر کے بالکل ابتدائی وقت میں پڑھا جائے۔ اس طرح دونوں نمازیں صرف ظاہر اور صورت میں جمع ہوں گی۔ (تراجم ابواب ص۲۲)

امام بخاری کے معین کردہ معنی کے وجوہ ترجیح امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی کی روایت کے جو معنی متعین کئے ہیں وہ محض ان کا ذوق نہیں ہے، بلکہ ابن عباس رضی کے شاگرد ابوالشعثار نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں، کیونکہ عمرو بن دینار نے اس روایت کے بارے میں ابوالشعثار سے پوچھا۔

اظنہ اخر الظہر وعجل العصر	میں گمان کرتا ہوں کہ ظہر کو آخری وقت میں،
واخر المغرب وعجل العشار	اور عصر کو ابتدائی وقت میں، اور مغرب کو آخری وقت
قال وانا اظنہ	میں اور عشار کو ابتدائی وقت میں پڑھا تو ابوالشعثار
(فتح الباری ص۱۶۴ ج۲)	نے کہا میں بھی یہی سمجھتا ہوں

اور اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ نسائی شریف میں اسی روایت میں حضرت ابن عباس سے صراحت کے ساتھ یہ تعبیر موجود ہے۔

عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعًا اخر الظہر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء (نسائی ص۹۸ ج۱)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ایک ساتھ آٹھ رکعتیں، اور ایک ساتھ سات رکعتیں پڑھیں، آپ نے ظہر کی نماز کو آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو ابتدائی وقت میں مغرب کی نماز کو آخری وقت میں اور عشاء کی نماز کو ابتدائی وقت میں پڑھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کے لئے روایات میں دو تعبیریں آتی ہیں ایک جمع بینھما اور دوسرے اخر و عجل، حنفیہ نے تو دونوں تعبیروں کے معنی ایک ہی لئے ہیں کہ صورۃً جمع کیا گیا، کیونکہ اصولی طور پر یہ بات متعین ہے کہ نمازوں کو ان کے مقررہ اوقات میں پڑھنا فرض ہے ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا، لیکن جن فقہاء کے یہاں عذر کی بنیاد پر نمازوں کو جمع کرنے کی گنجائش ہے ان کے یہاں بھی جمع بینھما کی تعبیر سے تو جمع حقیقی مراد لیا گیا ہے، لیکن اَخَّرَ وَعَجَّلَ کی تعبیر سب کے یہاں جمع صوری پر محمول ہے۔ اس لئے جب حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں، خود حضرت ابن عباسؓ سے عجل واخر کے الفاظ ثابت ہیں، تو امام بخاری کا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران جو ظہر اور عصر کی آٹھ رکعتیں ایک ساتھ پڑھی گئیں وہاں صرف صورۃً جمع کرنا مراد ہے۔

ابن عباسؓ کی ایک اور وضاحت

البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے اسی روایت کے مطابق جمع کرنے کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا گیا، تو انھوں نے فرمایا لئلا یکون علی امتہ حرج (نسائی ص۹۹ ج۱) یہ بات ترمذی اور دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے، مطلب یہ ہوا کہ دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کی اجازت اس لئے دی گئی تاکہ امت کو آسانی ہو اور وہ تنگی میں مبتلا نہ ہو، ابن عباسؓ کی اس وضاحت کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ امت کو اس معاملہ میں توسع دیا گیا ہے کہ ضرورت ہو تو دونوں نمازوں کو جمع کرلے، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تنگی ختم کرنے اور آسانی دینے کے معنی جمع حقیقی کی اجازت نہیں بلکہ ابن عباسؓ کا منشا یہ ہے کہ اگر ضرورت ہو اور مجبوری کی بنیاد پر نمازوں کو اپنے اپنے مستحب اوقات میں پڑھنے میں دشواری ہو تو شریعت اس موقع پر یہ سہولت دیتی ہے کہ ایک

نماز کو بالکل آخری وقت تک موخر کردیں اور دوسری نماز کو بالکل ابتدائی وقت میں پڑھ لیں تاکہ آسانی پیدا ہو جائے، گویا دفعِ حرج کے معنیٰ مطلقاً ہر طرح کے حرج کی نفی نہیں، بلکہ خاص نوع کی نفی ہے۔

ظہر کے آخری وقت کا مسئلہ

امام بخاریؒ کے تراجم سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ ظہر کا وقت عصر تک ممتد رہتا ہے، درمیان میں کوئی وقت مشترک یا مہمل نہیں ہے، لیکن ان ابواب سے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ظہر کا آخری وقت کیا ہے، اسی طرح اس سے اگلا باب آرہا ہے بابُ وَقتِ العصر اور اس کے تحت امام بخاری نے متعدد روایتیں ذکر کی ہیں مگر کسی روایت سے بھی ظہر کے آخری وقت اور عصر کے ابتدائی وقت کی پوری طرح وضاحت نہیں ہوتی۔

ظہر کے وقت سے متعلق ابواب ختم ہو رہے ہیں، اسلئے اختصار کے ساتھ اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ ظہر کے وقت کی ابتدا میں تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ زوال سے شروع ہوتا ہے، البتہ اختتام کے سلسلے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ ایک مثل تک ہے، نیز امام مالکؒ کے نزدیک مثلِ ثانی کی ابتدا میں چار رکعت کے بقدر وقت ظہر و عصر کے درمیان مشترک ہے، لیکن امام اعظمؒ سے ظہر کے آخری وقت کے سلسلے میں متعدد روایتیں ہیں۔ مشہور روایت جس کو اربابِ متون نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے، بعض حضرات نے اس کو ظاہر الروایۃ بھی کہا ہے لیکن حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جن کتابوں کو اصطلاح میں ظاہر الروایت کہا جاتا ہے ان میں سے کسی کتاب میں اس کی تصریح نہیں ہے اسلئے اس روایت کو جن حضرات نے ظاہر الروایۃ قرار دیا ہے اس سے مراد غالباً اصطلاح نہیں بلکہ لغت ہے، یعنی اُن کی مراد یہ ہے کہ امام اعظمؒ کی مشہور روایت یہ ہے۔

دوسری روایت جو فقہ حنفی کی عام کتابوں میں بھی موجود ہے جمہور کی رائے کے مطابق ہے، یہ روایت امام اعظمؒ سے حسنؒ بن زیاد نے کی ہے کہ ظہر کا وقت مثلِ اوّل پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔

تیسری روایت اسدؒ بن عمرو نے امام اعظم سے نقل کی ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے اور عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہر اور عصر کے درمیان یعنی مثلِ ثانی کا وقت مہمل ہے، موطا امام محمدؒ میں امام صاحب کی طرف جو بات منسوب ہے وہ بھی اسی کے قریب ہے، امام محمد نے اپنے موطا میں بروایتِ ثقات جو پہلی روایت ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت

ابورافعؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا

صل الظهر اذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك . (موطا امام محمد ص۴۱)	ظہر کی نماز اُس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ ایک مثل ہو جائے اور عصر اس وقت پڑھو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو جائے

اس کے بعد امام محمدؒ ارشاد فرماتے ہیں

قال محمد : هذا قول ابی حنيفة فی وقت العصر ...... فانه قال لا يدخل وقت العصر حتى يصير الظل مثليه (موطا امام محمد ص۴۱)	امام محمد نے فرمایا کہ عصر کے وقت کے سلسلے میں امام اعظم کا یہی قول ہے کہ عصر کا وقت اُس وقت تک داخل نہ ہوگا جبتک سایہ دو مثل نہ ہو جائے۔

امام اعظمؒ سے متعدد روایات کی وجہ

یہ مندرجہ بالا تین روایتیں تو امام اعظم سے عام طور پر نقل کی جاتی ہیں، اس کے علاوہ بھی بعض روایات ہیں، پھر بعض کتابوں میں امام اعظم کا رجوع بھی جمہور کے قول کی طرف نقل کیا گیا ہے، اور اگر رجوع ثابت ہو جاتا تو گویا اختلاف ہی ختم ہو جاتا اور ساری امت کا اجماع ہو جاتا کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ نقل کرنے والے بڑے لوگ ہیں مگر اس کا ثبوت دشوار ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے امام سے اس طرح کی متضاد اور متناقض روایات کس طرح چلیں اور ان میں اصل کیا ہے؟

اس سلسلے میں بنیادی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر کے آخری وقت کے بارے میں جو روایات ثابت ہیں ان میں ایک وقت پر اتفاق نہیں ہے، امامتِ جبرئیل والی روایت اور بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کا وقت مثلِ اوّل پر ختم ہو جاتا ہے جبکہ ابردوا بالظهر اور ساوى الظل التلول اور امتوں کی مدتِ عمل اور اجر والی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مثلِ ثانی میں بھی ظہر کا وقت باقی رہتا ہے، امام اعظمؒ نے ظہر کے آخری وقت اور عصر کے ابتدائی وقت کے سلسلے میں مندرجہ بالا دونوں روایات کے پیش نظر یہ فرمایا کہ ظہر کی نماز مثلِ اوّل میں پڑھ لی جائے اور عصر کی نماز مثلِ ثانی کے بعد پڑھی جائے تاکہ کسی بھی نماز کے وقتِ صحیح بلکہ وقتِ مستحب میں ادا کرنے میں کوئی اشتباہ نہ رہے، امام اعظم کی طرف منسوب تینوں روایات امام اعظم کی اسی محتاط روش کی مختلف تعبیرات معلوم ہوتی ہیں، ہمارے اساتذۂ کرام اسی طرح کی وضاحت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کا ارشاد

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سلسلے میں آنے والی متعارض

روایات کے درمیان، حنفیہ کا مزاج تطبیق دینے کا ہے، اسی طرح اگر امام اعظم سے ایک مسئلہ میں مختلف روایات ثابت ہوں تو میں ان میں ترجیح کا عمل کرنے کے بجائے تطبیق دینے کی کوشش کرتا ہوں، ظہر کے مسئلے میں مختلف روایات کے درمیان میرے نزدیک تطبیق کی بہتر صورت یہ ہے کہ مثل اوّل کو ظہر کے ساتھ خاص کیا جائے اور مثل ثالث کو عصر کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے اور مثل ثانی میں یہ صلاحیت تسلیم کی جائے کہ وہ حسب ضرورت ظہر کے ساتھ بھی ملحق ہو سکتا ہے اور عصر کے ساتھ بھی، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ قائم رہے، مثلاً اگر ظہر کی نماز زوال کے فوراً بعد پڑھ لی گئی ہے تو عصر کی نماز ایک مثل کے بعد دوسرے مثل میں پڑھ لی جائے اور اگر ظہر مثل اوّل کے بعد پڑھی گئی ہے تو عصر مثل ثالث میں پڑھی جائے، پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ اور فرق کی یہ رعایت سفر اور مرض کا عذر رکھنے والوں کے حق میں نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مثل اوّل ظہر کیلئے، اور مثل ثالث عصر کیلئے معین اور پسندیدہ وقت ہے اور مثل ثانی پسندیدہ وقت تو کسی بھی نماز کیلئے نہیں ہے البتہ اس میں دونوں نمازوں کی گنجائش ہے مگر دونوں نمازوں کے درمیان غیر معذورین کے لئے فاصلہ کی رعایت ضروری ہے جبکہ معذورین کے لئے فاصلہ کی رعایت کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

حضرت شیخ الہند کا زریں ارشاد حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے مثل ثانی کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں کے حق میں پسندیدہ نہ ہونے کے باوجود، حسب ضرورت دونوں ہی سے ملحق کرنے کی گنجائش سمجھی، لیکن حضرت شیخ الہند قدس سرہ دونوں سے ملحق کرنے کی گنجائش نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس وقت کو بوقت ضرورت صرف ظہر ہی کے ساتھ ملحق مانتے تھے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام اعظمؒ سے صراحت کے ساتھ کہیں یہ منقول نہیں ہے کہ بحالت اختیار ظہر کی نماز کو مثل ثانی میں پڑھنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے بلکہ امام اعظم کی تمام روایات کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ظہر کی نماز کو مثل اوّل ہی کے اندر پڑھ لیا جائے، گویا اگر عمداً ظہر کی نماز کو مثل اوّل میں ادا نہیں کیا اور بالقصد اس کو مثل ثانی تک موخر کر دیا تو یہ احتمال ہے کہ نماز ادا کے وقت میں نہ ہو، قضا کے وقت میں ہو جائے، البتہ عصر کے سلسلے میں اس کی تصریح ہے کہ اس کو بھی مثل ثانی میں نہ پڑھا جائے بلکہ اس کو مثل ثانی کے بعد مثل ثالث میں پڑھا جائے، اس لئے مثل ثانی کا پورا وقت نماز کے عمل کے حق میں خالی رہے گا۔

البتہ عصر کی نماز کی تو اس وقت میں بالکل ہی گنجائش نہیں ہے کیونکہ مختلف روایات سے تقریباً

صراحت کے درجہ میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ وقت عصر میں شامل نہیں، اسلئے اگر عصر اس وقت میں پڑھی جائے گی تو اس کا قوی اندیشہ رہے گا کہ نماز قبل از وقت ہونے کے سبب ادا نہ ہو اور ذمہ پر باقی رہ جائے، مگر ظہر کا معاملہ اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے، بالفرض اگر ظہر کی نماز کسی عارض کی بنا پر مثل اوّل میں نہ پڑھی جاسکے تو اس کو مثل ثانی میں پڑھ لینا چاہیئے، کیونکہ مثل ثانی کا وقت بعض روایات کی بنا پر ظہر سے ملحق معلوم ہوتا ہے اسلئے توقع یہ ہے کہ مثل ثانی میں پڑھی گئی ظہر کی نماز ادا ہی ہو گی اور اگر بالفرض ادا نہ بھی ہو تو قضا تو بالیقین ہو ہی جائے گی، حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ایضاح الادلہ میں بھی یہی ارشاد فرمایا ہے۔

" بالجملہ مطلب ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ وقت مابین المثلین کا بوجہ معروضہ ظہر میں شمار کرنا مناسب ہے کیونکہ وقت عصر میں داخل کرنے سے ادائے صلوٰۃ قبل الوقت کا احتمال باقی ہے، یہ مطلب نہیں کہ وقتِ مذکور بالیقین وقتِ ظہر میں داخل ہے اور جیسا بقائے ظہر مثل تک یقینی ہے بعینہ ایسا ہی مثلین تک وقت ظہر باقی رہتا ہے، بلکہ وقت ظہر یقینی تو مثل تک ہے اور ابتدائے عصر بالیقین مثلین سے ہوتا ہے اور درمیان کا وقت بوجہ روایاتِ مختلفہ دونوں امر کا محتمل ہے مگر بوجہ احتیاط مذکور، وقتِ مذکور کو وقت ظہر میں شامل کرنا اولیٰ اور انسب ہے" (ص ۱۳۷)

حضرت شیخ الہند کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ ظہر کیلئے پسندیدہ اور معین وقت مثل اوّل ہے اور عصر کیلئے مثل ثالث، اور مثل ثانی کو مجبوری کی صورت میں ظہر کے ساتھ ملحق کرنا مناسب ہے اور امام اعظمؒ کی روایات کا بھی خلاصہ یہی نکلتا ہے، خود حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا۔

" اسلئے صلوٰۃ ظہر کا قبل مثل اور عصر کا بعد مثلین پڑھنا اولیٰ اور انسب ہوگا تاکہ دونوں نمازوں میں کسی قسم کا خدشہ ہی باقی نہ رہے اور ظاہر الروایۃ کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے، بلکہ بعض علماء نے بالتصریح یہ لکھ بھی دیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ظہر کا وقت مثل پر ختم ہو جاتا ہے اور عصر مثلین کے بعد شروع ہوتی ہے" (ایضاح الادلہ ص ۱۳۶)

ان معروضات سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ ظہر کے وقت کے سلسلے میں امام اعظمؒ سے جو تین روایات منقول ہیں وہ دراصل ایک ہی مضمون کی تین تعبیرات ہیں جنھیں الگ الگ سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو امام صاحب سے جو چوتھی بات یعنی مثل اول کی طرف رجوع کی روایت بیان کی گئی ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ امام اعظم نے ظہر کی نماز کو مثل اوّل میں پڑھ لینے کی اہمیت بیان کی تو اسی کو جمہور کے قول کی طرف رجوع سمجھ لیا گیا، حالانکہ منشا امام صاحبؒ کا ایک ہی ہے کہ ظہر

کیلئے پسندیدہ اور معین وقت مثل اوّل ہے جیسا کہ عصر کیلئے پسندیدہ اور معین وقت مثل ثالث ہے اور مثل ثانی بحق عمل مہمل ہے لیکن اگر مجبوری لاحق ہو تو اس کو عصر کے ساتھ ملحق کرنے کے بجائے ظہر کے ساتھ ملحق کرنا اولیٰ وانسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

باب وَقْتِ الْعَصْرِ حدثنا ابراهيم ابن المنذر ثنا انس بن عياض عن هشام عن ابيه ان عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي العصر والشمس لم تخرج من حجرتها حدثنا قتيبة قال حدثنا الليث عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى العصر والشمس في حجرتها لم يظهر الفيء من حجرتها حدثنا ابو نعيم قال حدثنا ابن عيينة عن الزهري عن عروة عن عائشة قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي صلوة العصر والشمس طالعة في حجرتي ولم يظهر الفيء بعد، قال ابو عبد الله وقال مالك ويحيى بن سعيد وشعيب وابن ابي حفصة والشمس قبل ان تظهر حدثنا محمد بن مقاتل قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا عوف عن سيار بن سلامة قال دخلت انا وابي على ابي برزة الاسلمي فقال له ابي كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي المكتوبة فقال كان يصلي الهجير التي تدعونها الاولى حين تدحض الشمس ويصلي العصر ثم يرجع احدنا الى رحله في اقصى المدينة والشمس حية ونسيت ما قال في المغرب وكان يستحب ان يؤخر من العشاء التي تدعونها العتمة وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها وكان ينفتل من صلوة الغداة حين يعرف الرجل جليسه ويقرء بالستين الى المائة حدثنا عبد الله بن مسلمة عن مالك عن اسحق بن عبد الله بن ابي طلحة عن انس بن مالك قال كنا نصلي العصر ثم يخرج الانسان الى بني عمرو بن عوف فيجدهم يصلون العصر حدثنا ابن مقاتل قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا ابو بكر بن عثمان بن سهل بن حنيف قال سمعت ابا امامة يقول صلينا مع عمر بن عبد العزيز الظهر ثم خرجنا حتى دخلنا على انس بن مالك فوجدناه يصلي العصر فقلت يا عم ما هذه الصلوة التي صليت قال العصر وهذه صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم التي كنا نصلي معه حدثنا عبد الله بن يوسف قال اخبرنا مالك عن ابن شهاب عن انس بن مالك قال كنا نصلي العصر ثم يذهب الذاهب منا الى قباء فياتيهم والشمس مرتفعة حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري قال حدثني انس بن مالك قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي العصر والشمس مرتفعة حية فيذهب الذاهب الى العوالي فياتيهم والشمس مرتفعة وبعض العوالي من المدينة على اربعة اميال او نحوه۔

ترجمہ، باب، عصر کے وقت کا بیان، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ سورج ابھی ان کے حجرے سے نہ نکلتا تھا، یعنی ابھی دھوپ حجرے میں ہوتی تھی حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھی کہ دھوپ ابھی ان کی چہار دیواری یا حجرے میں تھی یعنی حجرے کا سایہ صحن کی دیوار پر نہیں چڑھا تھا حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ میرے حجرے (مسقف کمرے یا چہار دیواری) میں ہوتی تھی اور سایہ ابھی تک نہ چڑھتا تھا، امام بخاری نے کہا کہ امام مالک اور یحییٰ بن سعید اور شعیب بن ابی حمزہ اور ابن ابی حفصہ نے اپنی روایات میں یہ کہا کہ دھوپ ابھی اوپر نہ چڑھی ہوتی تھی، حضرت سیار بن سلامہ راوی ہیں کہ میں اور میرے والد، حضرت ابو برزہ اسلمی رض کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کن وقتوں میں پڑھتے تھے، فرمایا کہ آپ دوپہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ پھر ہم میں سے کوئی مدینہ طیبہ کے کنارے پر اپنے گھر میں واپس ہو جاتا اور آفتاب ابھی زندہ ہوتا۔ سیار کہتے ہیں کہ مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت ابو برزہ رض نے مغرب کے بارے میں کیا کہا تھا اور حضرت ابو برزہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں جسے تم عتمہ کہتے ہو تاخیر کرنا پسند کرتے تھے اور اس سے پہلے سو جانے کو اور اسکے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور فجر کی نماز سے ایسے وقت میں فارغ ہوتے تھے کہ انسان اپنے برابر والے کو پہچان لیتا تھا اور ساٹھ سے لیکر سو آیتوں تک پڑھتے تھے حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم لوگ عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر انسان بنی عمرو بن عوف میں جاتا تو انہیں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پاتا حضرت ابو امامہ رض کہتے ہیں کہ ہم نے ظہر کی نماز حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھ پڑھی پھر ہم نکل کر حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں، تو میں نے عرض کیا! چچا، یہ کونسی نماز ہے جو آپ نے پڑھی؟ فرمایا، عصر کی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز تھی جسے ہم آپ کے ساتھ پڑھتے تھے حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے تھے، پھر جانے والا ہم میں سے قبا جاتا تو وہ ایسے وقت وہاں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی بلند ہوتا حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے کہ آفتاب اونچا اور زندہ ہوتا

پھر جانے والا عوالی جاتا تو وہ ایسے وقت میں پہنچ جاتا کہ آفتاب ابھی اونچا ہوتا، اور بعض عوالی مدینہ سے چار میل یا اس کے قریب دوری پر واقع ہیں۔

مقصد ترجمہ پچھلے باب میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ عصر کا وقت وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں ظہر کا وقت ختم ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نہ کوئی وقت مہمل ہے نہ مشترک ہے مگر ظہر کے آخری وقت میں چونکہ اختلاف ہوگیا کہ وہ مثل اول پر ختم ہوجاتا ہے یا مثل ثانی تک ممتد ہے اسلئے عصر کے ابتدائی وقت کے بارے میں بھی اختلاف ہوگیا کہ وہ ایک مثل کے بعد شروع ہوجاتا ہے یا مثلین کے بعد، اب اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کا معمول عصر کی نماز میں تعجیل کا تھا یا تاخیر کا، امام بخاری کا رجحان تعجیل کا بیان کرنا معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری کے پاس اپنے مقصد کو ثابت کرنے کیلئے کوئی صریح روایت نہیں ہے اسلئے وہ ایسی روایتوں کو جمع کرکے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں جن سے تعجیل پر استدلال کیا جاسکتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان روایات میں سے کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس سے تاخیر یعنی مثلین کے بعد نماز عصر کیلئے استدلال کرنے والوں کو کوئی دشواری ہو، جیسا کہ روایات کی تشریح کے دوران معلوم ہوجائے گا۔

تشریح روایت اول، دوم وسوم اس باب کے تحت امام بخاری نے آٹھ روایات ذکر کی ہیں، جن میں سے پہلی تین روایتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ حضرت عائشہ رض کے حجرے میں ہوتی تھی اور سایہ اوپر نہ چڑھنے پاتا تھا، پہلی روایت کے الفاظ ہیں والشمس لم تخرج من حجرتہا کہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی وہاں سے نکل نہ پاتی تھی۔ اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں والشمس فی حجرتہا لم یظھر الفیٔ من حجرتہا کہ دھوپ حجرے میں ہوتی تھی اور حجرے کا سایہ اوپر نہ چڑھنے پاتا، تیسری روایت کے الفاظ ہیں والشمس طالعۃ فی حجرتی ولم یظھر الفیٔ بعد یعنی دھوپ ابھی حجرے میں موجود ہوتی اور ابھی تک سایہ اوپر نہ چڑھتا،

تعجیل پر استدلال کا طریقہ ان روایات سے تعجیل پر استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ حجرے سے مسقف کمرہ مراد نہیں، بلکہ مراد کمرہ کے سامنے کی چہار دیواری ہے اور حضرت عائشہ رض یہ بیان کررہی ہیں کہ کمرے کی دیواروں کا جو سایہ، اُن کے صحن یعنی کمرے کے سامنے کی چہار دیواری میں پڑتا تھا وہ ابھی دیوار پر نہیں چڑھنے پاتا تھا کہ عصر کی نماز پڑھ لی جاتی تھی،

شارحین نے یہاں اپنے اپنے ذوق کے مطابق وضاحت کی ہے لیکن اس روایت سے تعجیل عصر پر علامہ نووی نے نہایت آسان اور صاف استدلال اس طرح کیا ہے، فرماتے ہیں

کانت الحجرة ضیقة العرصة قصیرة الجدار بحیث کان طول جدارها اقل من مسافة العرصة بشیء یسیر فاذا صار ظل الجدار مثله کانت الشمس ابعد فی اواخر العرصة (نووی ص ۲۲۲)	حضرت عائشہ کے حجرے کا صحن تنگ اور دیواریں نیچی تھیں بایں طور کہ دیوار کی اونچائی صحن کی پیمائش سے کچھ ہی کم تھی اسلئے جب دیوار کا سایہ ایک مثل ہوگا تو دھوپ صحن کے بالکل کنارے پر پہنچ جائے گی

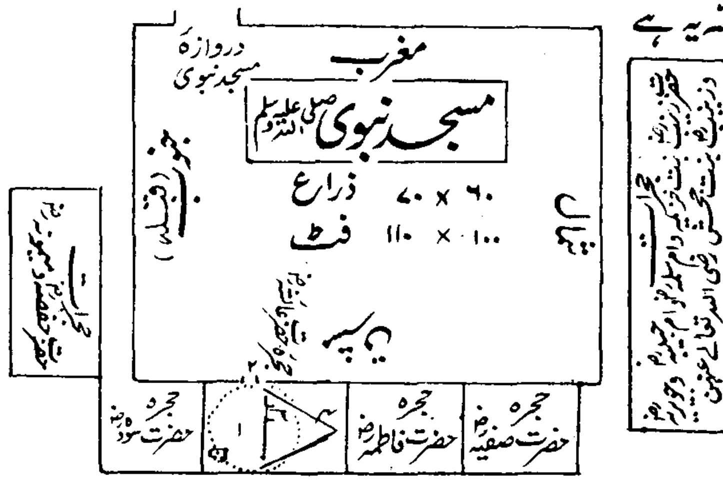
اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ حجرے سے مراد چہار دیواری ہے اور چہار دیواری کی اونچائی کتنی بھی ہو لیکن صحن جہاں دھوپ آئے گی وہ چہار دیواری سے کچھ ہی زائد تھا، اسلئے ایک مثل تک کی دھوپ تو صحن میں رہے گی لیکن دوسرے مثل کے شروع ہوتے ہی دیوار پر چڑھنی شروع ہو جائے گی اور چونکہ حضرت عائشہ رضؓ یہ فرما رہی ہیں کہ دھوپ ابھی میرے حجرے ہی میں ہوتی تھی دیوار پر چڑھنے نہ پاتی تھی اسلئے گویا عصر کی نماز مثل ثانی میں بلکہ مثل ثانی کے آغاز میں پڑھ لی گئی۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ نووی کا استدلال کتنا ہی صاف اور بے غبار سہی مگر اس کی صحت کا انحصار حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے طول وعرض، مسجدِ نبوی سے اس کی سمت کے تعین اور اس میں دھوپ آنے کے رُخ پر ہے، اسلئے پہلے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرلیں، پھر علامہ نووی کے استدلال پر غور کریں گے۔

حجرۂ عائشہ رضؓ کے بارے میں کچھ معلومات اگرچہ اس سلسلے میں پوری تفصیلات یقین کے ساتھ تو بیان نہیں کی جاسکتیں تاہم جتنا محفوظ ہے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کا حجرہ جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دفن ہیں مسجدِ نبوی سے جانبِ مشرق میں واقع ہے، مسجد نبوی کا طول وعرض ابتداءً ۷۰×۶۰ ذراع تھا یعنی ایک جانب سے ایک سو دس فٹ سے کچھ زائد اور دوسری جانب سے ایک سو فٹ سے کچھ کم، قبلہ جانبِ جنوب میں تھا، ازواجِ مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے مشرق، جنوب اور شمال کی طرف واقع تھے، مغرب کی جانب کوئی حجرہ نہیں تھا، یہ چیزیں طبقات ابن سعد جلد ہشتم میں موجود ہیں، پہلے مسجدِ نبوی تعمیر ہوئی اور پھر اس کے بعد مشرق کی طرف جنوب کے گوشہ میں حضرت سودہ رضؓ کا حجرہ بنایا گیا تھا، پھر اس سے متصل حضرت عائشہ کا حجرہ تھا جس کا عرض ۱۰، یا ۱۱ فٹ کے قریب اور طول ۱۷، یا ۱۸ فٹ کے قریب تھا، اونچائی صرف اسقدر تھی کہ حضرت

حسن بصریؒ کھڑے ہوکر ہاتھ اُٹھاتے تو چھت سے لگ جاتا تھا، گویا زیادہ سے زیادہ اونچائی آٹھ فٹ یا اس سے کم تھی، اس کا ایک دروازہ مغرب کی طرف یعنی مسجدِ نبوی میں کُھلتا تھا اور دوسرا دروازہ شمال کی طرف صحن میں کُھلتا تھا[۱]، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مزارِ اقدس سے جانب شمال میں جو پانچواں گوشہ نکالا تھا وہی حضرت عائشہ کے حجرے کا صحن تھا اور یہ صحن بیس فٹ سے کم نہیں تھا نیز اگر مسجدِ نبوی کے طول سو فٹ کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے جیسا کہ اس

---

[۱] نقشہ یہ ہے



طبقات ابن سعد میں ہے کانت ام سلمۃ وام حبیبۃ بنت ابی سفیان وزینب بنت خزیمۃ وجویریۃ بنت الحارث وزینب بنت جحش فی الجانب الشامی وکانت عائشۃ وصفیۃ وسودۃ فی الشق الاخر (طبقات ابن سعد ص ۱۱۷ ج ۸ النساء)
اس عبارت میں جانب شمال میں پانچ ازواج مطہرات کے نام دئے گئے ہیں، لیکن حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینب بنت خزیمہ (المتوفیہ ۳ھ) کے بعد ۴ھ میں عقدِ نکاح میں آئی تھیں اور ان کو حضرت زینبؓ والا حجرہ ملا تھا اسلئے نقشہ میں جانب شمال میں چار حجروں کی نشاندہی کی گئی ہے، اور چار ہی حجرے جانب مشرق میں ہیں مگر ان میں ایک حجرہ حضرت فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تین حجرے ازواج مطہرات کے ہیں، اور جانب جنوب میں حضرت حفصہ اور حضرت میمونہ کے حجرے دکھائے گئے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جو نمبر دئے گئے ہیں ان کی وضاحت یہ ہے (۱) مسقف حصہ جسکی پیمائش تقریباً ۱۱×۱۷ فٹ اور اونچائی تقریباً آٹھ فٹ تھی (۲) حجرہ کا غربی دروازہ جو مسجد نبوی میں کھلتا تھا، اس دروازے سے حجرہ کے اندر دھوپ آنے کا امکان ہے مگر مسجد نبوی کے غربی دروازے سے پہلے دھوپ مسجد میں آئے گی، پھر غروب سے کچھ پہلے حجرہ کے اندر آئے گی (۳) حجرۂ عائشہ کا وہ دروازہ جو جانب شمال میں کھلتا تھا اور شمال ہی میں صحن تھا اس دروازے سے زوال کے بعد دھوپ کے حجرے میں آنے کا کوئی امکان نہیں (۴) حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا تعمیر کردہ مخمس یا پنج گوشہ، ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے صحن کی جگہ پر بنایا گیا تھا (۵) نقطوں کے ذریعہ جو دائرہ بنایا گیا ہے یہ گنبد خضرا کی جگہ ہے جس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آرام فرما ہیں (مرتب)

اس سمت میں چار حجرات پر ہونا چاہیئے تب بھی صحن کشادہ نکلتا ہے۔

عصر موخر کرنیوالوں کی توجیہات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے بارے میں مندرجہ بالا حقائق کے بعد اب دھوپ کے معاملہ پر غور کرنا آسان ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی، یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ حجرہ سے مراد مسقف کمرہ ہے یا کمرے کے سامنے کی چہار دیواری، اگر حجرے سے مراد مسقف کمرہ لیا جائے جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں والمراد بالحجرة البیت والمراد بالشمس ضوءها (فتح الباری ص۱۶۳ ج۲) یعنی حجرے سے مراد مسقف کمرہ ہے اور شمس سے مراد دھوپ ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حجرے کے اندر دھوپ مسجد نبوی کے مسقف حصہ سے گذر کر آتی تھی، کیونکہ حجرے کا جو دروازہ جانب شمال میں کھلتا تھا اس سے دھوپ کے کمرہ کے اندر آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اسلئے کہ سورج اس سمت میں نہیں ہے، دھوپ اسی دروازے سے کمرے کے اندر جاسکتی ہے جو مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور جو جانب مغرب میں تھا، گویا جب سورج اتنا نیچا ہو جائے کہ پہلے دھوپ مسجد نبوی میں آئے پھر مسجد نبوی کے اندرونی حصے یعنی تقریباً سو فٹ میں پھیلتی ہوئی حضرت عائشہ کے دروازے تک پہنچے تب ہی مسقف کمرہ میں اندر جاسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات مثل ثانی میں ممکن نہیں، بلکہ یہ تو غروب کے قریب ہی ممکن ہے۔

تعجیل پر استدلال کرنے والوں کی جانب سے کہا جاسکتا ہے کہ مسجد نبوی کے مغربی دروازے سے آنے والی دھوپ مراد لینا نہایت بعید احتمال ہے لیکن ہماری گزارش یہ ہے کہ احتمال بعید سہی مگر جب آپ حجرے سے مراد بیت یعنی مسقف حجرہ لے رہے ہیں تو آپ ہی بتلایئے کہ دھوپ کدھر سے آئے گی پھر یہ کہ اس روایت سے تعجیل پر استدلال کرنے والے جب تک اس احتمال کی بندش نہ کردیں اس وقت تک اس روایت سے تعجیل پر استدلال کو ناتمام ہی قرار دیا جائے گا۔

اور اگر حجرے سے مسقف کمرے کے بجائے کمرے کے سامنے کی چہار دیواری مراد ہو تو دھوپ سے مراد وہ دھوپ نہ ہوگی جو کمرے کے اندر آرہی ہے بلکہ وہ دھوپ مراد ہوگی جو حجرے کی دیوار کے اوپر سے صحن میں آرہی ہے، اس صورت میں علامہ نووی کے بیان کے مطابق استدلال اسی وقت ممکن ہے جب حجرے کا صحن، حجرے کی دیوار کے بقدر یا اس سے کچھ ہی زائد ہو جیسا کہ نووی نے دعویٰ بھی کیا ہے کہ دیوار کی اونچائی صحن کی پیمائش سے کچھ ہی کم تھی، لیکن حضرت عائشہؓ کے حجرے کے بارے میں دی گئی تفصیلات سے اس کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ حجرے کی دیوار زیادہ سے زیادہ آٹھ

فٹ اونچی ہے اور صحن میں فٹ کے قریب ہے اسلئے جب دیوار کا سایہ صحن میں پڑے گا تو آٹھ فٹ تک مثل اول اور ۱۶ فٹ تک مثل ثانی رہے گا، اور یہ معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں گرمی کے موسم میں سایۂ اصلی بہت معمولی ہوتا ہے اسلئے یہ بات تقریباً متعین ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کے صحن میں مثل ثانی کے بعد بھی دھوپ باقی رہے گی اور دیوار پر مثل ثانی ختم ہونے کے بعد چڑھے گی۔ واللہ اعلم

اس موقع پر شارحینِ حدیث نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے مسلک کے مطابق گفتگو کی ہے امام طحاویؒ نے اس روایت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے

قد یجوز ان یکون کذلک وقد اخر العصر	دھوپ کے حجرے میں ہوتے ہوئے عصر میں تاخیر ہوسکتی ہے
لقصر حجرتها فلم یکن الشمس تنقطع منها	اسلئے کہ حجرے کی دیواریں نیچی تھیں اور اس صورت میں
الا بقرب غروبها فلا دلالة فی هذا الحدیث	دھوپ وہاں سے غروب کے قریب ہی ختم ہوگی اسلئے اس
علی تعجیل العصر۔ (طحاوی صـ ۱۳۲/۱)	روایت سے تعجیل عصر پر استدلال درست نہیں ہے۔

چہار دیواری کی دیواروں کے نیچا ہونے کے سبب تادیر دھوپ کے باقی رہنے کے امام طحاوی کے اس استدلال پر حافظ ابن حجرؒ نے کلام کیا ہے کہ دیواروں کا نیچا ہونا تو تسلیم ہے مگر سوال یہ ہے کہ صحن تنگ تھا یا وسیع، مشہور یہی ہے کہ صحن تنگ تھا، اور تنگ صحن میں دھوپ تادیر نہیں رہ سکتی چنانچہ ابن حجر کی رائے کے مطابق امام طحاوی کا استدلال تام نہیں، پھر علامہ عینیؒ نے حافظ ابن حجرؒ کی گرفت کی ہے کہ دیواروں کا نیچا ہونا تسلیم ہے تو مکابرہ یعنی بلاوجہ مخالفت کی کیا ضرورت ہے تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ دیواریں نیچی ہوں تو صحن کے تنگ یا کشادہ ہونے سے خاص فرق نہیں پڑتا، ہر صورت میں دھوپ تادیر صحن میں رہے گی۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ امام طحاویؒ کی بات بہت مضبوط ہے مگر حقیقتِ حال حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ کے سوال وجواب میں پوری طرح واضح نہیں ہوتی، اس کو سمجھنے کیلئے حضرت عائشہ رضؓ کے حجرے کی دیواروں اور صحن کی پیمائش کا ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امہات المومنین کے متعدد حجرات تو مسجد نبوی کے شمال اور جنوب میں تھے، جانب مغرب میں کوئی حجرہ نہیں تھا اور جانب مشرق میں سو فٹ کے طول میں صرف چار حجرے تھے، تین ازواج مطہرات کے اور ایک حضرت فاطمہ رضؓ کا، ترتیب یہ تھی کہ آپؐ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد پہلے صرف اُن دو ازواج مطہرات کے حجرے جو اس وقت تک زوجیت میں آگئی تھیں، ایک حضرت سودہؓ کا اور دوسرا حضرت عائشہؓ کا، حضرت سودہ رضؓ کا حجرہ جنوب مشرق میں بالکل دیوار قبلہ سے متصل تھا، اس کے برابر میں حضرت عائشہ رضؓ کا

حجرہ تھا، پھر جب ذوالحجہ ۲ھ میں حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہو گیا تو حضرت عائشہؓ کے حجرے کے برابر میں ایک حجرہ اُن کو دیا گیا، نیز حضرت صفیہؓ کے حجرے کا بھی اسی سمت میں ہونا معلوم ہوتا ہے، اب غور کر لیا جائے کہ سو فٹ کے طول میں صرف چار حجرات ہیں تو صحن کا اتنا تنگ ہونا کیا ضروری ہے جتنا علامہ نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تفصیل سے ہمارا مقصد حضرت عائشہؓ کی روایت کی شرح میں، دھوپ کے حجرے میں موجود ہونے اور دیوار پر نہ چڑھنے سے، عصر کی نماز میں تعجیل پر استدلال کرنے والوں نے جو بیان کیا ہے ہم نے اس کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے، پھر اس سلسلے میں تاخیر کی رائے رکھنے والوں کی بات بھی بیان کی ہے، اور اس سلسلے میں حجرۂ عائشہؓ کے محل وقوع کا لحاظ کر کے وضاحت کی کوشش کی ہے، اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ روایت تاخیر کی رائے رکھنے والوں کا مستدل یا ان کیلئے نص ہے، بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت تعجیل پر استدلال کیلئے نص نہیں ہے بلکہ اس میں تاخیر پر استدلال کی بھی گنجائش ہے اور حنفیہ نے اس روایت کو تاخیر پر محمول کرنے کیلئے جو توجیہات کی ہیں ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم

تشریح روایت چہارم اس سلسلے میں چوتھی روایت حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ سے دی گئی ہے، مگر یہ روایت بھی عصر کو مثل ثانی میں پڑھنے کیلئے نص نہیں ہے، فرماتے ہیں کہ دوپہر کی وہ نماز جسے لوگ صلوٰۃ اولیٰ کہتے ہیں اس وقت پڑھی جاتی جب آفتاب ڈھل جاتا تھا، مراد یہ ہے کہ ظہر کی نماز اوّل وقت میں پڑھی جاتی تھی مگر یہ بحث گذر چکی ہے کہ اسکی کیا وجہ تھی۔

ویصلی العصر الخ اور عصر کی نماز مسجدِ نبوی میں معمولاً ایسے وقت میں پڑھی جاتی تھی کہ نماز پڑھ کر ہم میں کا ایک شخص اقصائے مدینہ میں آفتاب کی زندگی میں اپنے گھر واپس ہو جاتا، اقصائے مدینہ سے مراد مدینہ کے دور ترین محلے ہیں اور آفتاب کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی یا گرمی میں تغیّر آنے سے پہلے، اسلئے مطلب یہ ہوا کہ جانے والا مسجدِ نبوی میں عصر کی نماز پڑھکر، مدینہ طیبہ کے دور تر محلوں تک میں، آفتاب کی روشنی یا حرارت میں تغیّر آنے سے پہلے پہنچ جاتا تھا۔

اس روایت میں بھی عصر کی نماز کے مثل ثانی میں پڑھنے کی صراحت نہیں ہے، بلکہ محض ایک علامت ایسی مبہم زبان میں بیان کی گئی ہے کہ اس کو تعجیل اور تاخیر دونوں پر منطبق کیا جا سکتا ہے، تعجیل یعنی مثل ثانی ہی میں عصر کی نماز کے لئے استدلال کرنے والوں کے خیال کے مطابق تشریح اس طرح کی جائے گی کہ مدینہ طیبہ کی آبادی عہدِ رسالت میں کئی میل تک پھیلی ہوئی تھی اور مسجدِ نبوی

سے دور ترین محلوں کا فاصلہ کئی میل تھا، اور آفتاب کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ اس کی گرمی، اور روشنی مکمل طور پر باقی رہتی تھی، اس لئے روایت سے ثابت ہوا کہ مسجد نبوی سے نماز عصر پڑھکر جانے والا آفتاب کی گرمی اور روشنی میں کئی میل کے فاصلہ پر اپنے گھر پہنچ جاتا تھا، تو نماز مثل ثانی ہی میں ہو جاتی تھی، کیونکہ مثل ثالث میں نماز پڑھکر کئی میل چلنے کے بعد یہ صورت مشکل ہے۔

لیکن عصر کی نماز کو مثل ثالث تک موخر کرنے والوں کی توجیہ یہ ہے کہ ذکر کردہ علامت سے مثل ثانی کا تعین ضروری نہیں، کیونکہ یہ بات مثل ثالث میں بھی ممکن ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی سے عصر کی نماز پڑھکر آفتاب کی زندگی میں دور ترین محلوں میں پہنچ جائے، کیونکہ روایت میں یہ مذکور نہیں کہ اقصائے مدینہ کا فاصلہ کیا تھا، نہ یہ مذکور ہے کہ یہ گرمیوں کے زمانہ کی بات ہے یا سردیوں کی۔ نہ جانے والے کے بارے میں یہ مذکور ہے کہ وہ سوار ہوتا تھا یا پیدل۔ نہ یہ وضاحت ہے کہ جانے والا تیز رفتار تھا یا سست رو، جوان تھا یا بوڑھا، پھر یہ کہ روایت میں احدنا کا لفظ ہے جس کا راجح مطلب یہ عموم نہیں کہ ہم میں سے ہر شخص یہ کام کر لیتا تھا بلکہ اس کا اصل اور متبادر مفہوم یہ ہے کہ ہم میں کا ایک شخص جو راوی کے ذہن میں متعین ہے یہ کام کر لیتا تھا، کیونکہ احدنا اپنے مفہوم کے اعتبار سے تعدد پر مشتمل نہیں، اسلئے جب تک اقصائے مدینہ کا فاصلہ متعین نہ ہو، جانے والا متعین نہ ہو، موسم اور دیگر تفصیلات معلوم نہ ہوں اس وقت تک مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھنے پر استدلال تام نہیں۔

یہاں بھی یہ وضاحت مناسب ہے کہ اگرچہ پیش کردہ احتمالات میں کچھ قریب ہیں کچھ بعید ہیں بلکہ کچھ بعید تر بھی ہیں لیکن جب تک تعجیل پر استدلال کرنے والے ان کی نفی نہ کردیں اس وقت تک ان کا استدلال ناقص ہے، احتمالات ختم کرنے کی ذمہ داری استدلال کرنے والے پر عائد ہوتی ہے، اس روایت میں دوسری نمازوں سے متعلق ذکر کردہ اوقات کی وضاحت اپنی اپنی جگہ آئے گی۔

تشریح روایت پنجم اس باب میں پانچویں روایت حضرت انسؓ سے دی گئی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے تھے، مراد یہ ہے کہ مسجد نبوی میں، پھر ہم میں سے کوئی انسان بنی عمرو بن عوف میں جاتا تو انہیں نماز پڑھتے ہوئے پاتا تھا، بنی عمرو بن عوف مسجد نبوی سے دو میل دور قبا میں رہتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے نوویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس روایت کے بارے میں اہل علم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اہل قبا زراعت پیشہ تھے، اسلئے وہ اپنے زراعت اور کاشتکاری کے کاموں سے فارغ ہو کر نماز عصر کی تیاری کرتے تھے اور ان کو نماز میں دیر ہو جاتی تھی۔ (نووی بر مسلم ص ۲۲۵/۱۷۰)

ہم یہ وضاحت تسلیم کرتے ہیں، اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ مسجدِ نبوی میں نماز ذرا پہلے ہو جاتی تھی وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدِ قبا میں تاخیر سے ہوتی تھی اور کیا یہ تاخیر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم میں نہ آئی ہوگی، جب جانے والے نے دومیل کی مسافت طے کرنے کے بعد دیکھا کہ مسجدِ قبا کے نمازی صحابۂ کرام عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں، پھر ایک دو دن کا معاملہ ہو تو اسے اتفاق قرار دیا جا سکتا تھا لیکن اگر معمول یہی تھا جیسا کہ کاشتکاری کے عذر کی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ عمل بھی صحیح بلکہ مستحسن ہے کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے اہلِ قبا کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ ان دنوں میں ہو سکتا ہے کہ مسجدِ نبوی کی حیثیت امام المساجد کی رہی ہو اور دیگر مسجدوں میں نماز مسجدِ نبوی کے بعد ہوتی ہو۔ واللہ اعلم

تشریح روایتِ ششم چھٹی روایت میں بھی کوئی واضح بات اور ایسی چیز نہیں ہے جس سے مسئلہ پوری طرح نکھر جائے، حضرت ابو امامہؓ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ظہر کی نماز حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھ پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر نکلے تو ملاقات کیلئے حضرت انسؓ بن مالک کی خدمت میں پہنچے، ان کا مکان مسجد کے قریب ہی میں تھا، دیکھا کہ حضرت انسؓ نماز کی تیاری کر رہے ہیں یا نماز پڑھ رہے ہیں۔ بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کونسی نماز ہے۔ یعنی اگر ظہر کی نماز ہے تو بڑی دیر کر دی اور اگر عصر کی نماز ہے تو ابھی تو ہم لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہے ہیں، اسلئے حضرت ابو امامہؓ نے حضرت انسؓ سے معلوم کر ہی لیا یا عمّ! ماھذہ الصلوٰۃ؟ چچا جان! یہ کونسی نماز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا عصر کی نماز ہے اور ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔

روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھ پڑھی گئی ظہر کی نماز کے فوراً بعد، حضرت انسؓ نے عصر کی نماز ادا کی، معلوم ہوا کہ حضرت انسؓ نے عصر کی نماز اوّل وقت میں پڑھی لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ظہر کی نماز کس وقت ادا کی تھی۔

نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت تک حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ نہیں ہوئے تھے، کیونکہ حضرت انسؓ کی وفات، حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت سے کئی سال پہلے ہو گئی تھی، اس لئے یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب عمر بن عبد العزیز کو، ولید بن عبد الملک کی جانب سے مدینہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا (یعنی ۸۶ھ تا ۹۳ھ) اسلئے حضرت عمر بن عبد العزیز کا ظہر کی نماز کو موخر کرنا کسی عذر کی بنا پر رہا ہوگا یا ہو سکتا ہے کہ سُنّت کا صحیح علم ہونے سے پہلے امراء بنو امیہ کی عادت کے مطابق یہ تاخیر ہوئی ہو (نووی ص ۲۲۵ ج ۱) لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے نووی کے اس تبصرہ سے اختلاف

کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے لوگوں کے بارے میں یہ تصور کیسے کر لیا جائے کہ وہ اُمرا بنو امیہ کا طریقہ اختیار کر لیں گے اور سنتِ نبوی کو چھوڑ دیں گے، غالبًا علامہ عینیؒ کی مراد یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی نشو ونما اور تربیت چونکہ مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے اور حضرت انسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نماز کے بارے میں یہ شہادت دی ہے

مارأیت احدا اشبہ صلاۃ بصلاۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ھذا الفتی یعنی عمر بن عبد العزیز (مسند احمد ص ۳۲۹/۲۲)

میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے بمقابلہ اس نوجوان یعنی عمر بن عبد العزیز کے زیادہ مشابہت رکھتی ہو۔

علامہ عینیؒ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے بارے میں نووی، سنت کا صحیح علم نہ ہونے کا اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں اسی زمانہ میں حضرت انسؓ ان کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ بتلا رہے ہیں تو کیسے نوویؒ کی توجیہ کو قابل قبول قرار دیا جائے۔

حضرت انسؓ سے تفصیلی روایت اس کے ساتھ یہ بات اور زیادہ اہم ہے کہ عصر کی نماز کے سلسلے میں حضرت انسؓ ہی سے مسند احمد مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ایک روایت موجود ہے جس میں ظہر کی نماز کے بعد ملاقات کیلئے آنے والوں سے حضرت انسؓ نے عصر کے وقت کے سلسلے میں گفتگو فرمائی ہے اور وقتِ مکروہ تک موخر کرنے کی مذمت فرمائی ہے جبکہ وقتِ مکروہ سے پہلے اس میں تعجیل کا کوئی مضمون نہیں ہے، اس روایت میں علاء بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم لوگ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت انسؓ سے ملاقات کیلئے ان کے گھر گئے، اس وقت حضرت انسؓ بصرہ میں مقیم تھے اور ان کا گھر مسجد کے برابر میں تھا، ہم پہنچے تو حضرت انسؓ نے فرمایا، عصر کی نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کیا ابھی تو ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر آئے ہیں، اس پر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اچھا! اب عصر کی پڑھ لو، چنانچہ ہم نے حضرت انسؓ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ لی، پھر حضرت انسؓ نے فرمایا

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: تلک صلوٰۃ المنافق یجلس یرقب الشمس حتی اذا کانت بین قرنی الشیطان قام فنقرھا اربعا لا یذکر اللہ فیھا الا قلیلا (مسلم ص ۲۲۵/۱۲)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ وہ منافق کی نماز ہے جس میں وہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان آجائے تو اٹھے اور چار ٹھونگیں مار لے جس میں ذکرِ خداوندی کا حصہ برائے نام ہو۔

اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز کو عجلت سے پڑھنے کی بات نہیں فرمائی بلکہ

عصر کی نماز کو وقتِ مکروہ میں داخل کرنے پر نکیر کی ہے جس کو حدیث میں منافق کی نماز کہا گیا ہے اور جو سورج کے غروب کے قریب ہوتی ہے۔

اور ہماری سمجھ میں تو ۔ واللہ اعلم ۔ یہ بھی آتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے خادمِ خاص تھے اور انہوں نے عمر بھی طویل پائی تھی اور یہ روایت یہ بھی بتلارہی ہے کہ حضرت انسؓ نے عصر کی یہ نماز گھر میں پڑھی جس کا سبب کبرسنی اور معذوری ہی ہو سکتا ہے، غرض یہ کہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے خصوصاً عصر کے بعد حال معلوم کرنے اور حدیثیں سننے کے لئے بہت زیادہ آمد و رفت رہتی تھی اس لئے حضرت انسؓ کو جب معذوری کے سبب مسجد میں جانا نہ ہوتا تو وہ عصر کی نماز اوّل وقت میں یعنی ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی پڑھ لیتے ۔ غالباً یہ خیال فرماتے ہوں گے کہ اگر نماز اوّل وقت میں نہ پڑھوں گا تو اگر لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا تو ممکن ہے کہ سلسلۂ کلام طویل ہو جائے اور وقت مکروہ داخل ہو جائے، اسی لئے احتیاط کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے یہ صورت اختیار فرما لیتے تھے ، اس لئے ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت انس کی مذکورہ بالا روایت سے عصر کی نماز کے مثلِ ثانی میں پڑھنے پر استدلال کرنا درست نہیں اور اس میں فریقِ ثانی کیلئے بہت گنجائش ہے البتہ اگر کوئی حقائق کو تسلیم ہی نہ کرے تو دوسری بات ہے ۔ واللہ اعلم

تشریحِ روایتِ ہفتم

ساتویں روایت حضرت انسؓ سے دی گئی ہے اور اس کا مضمون تقریباً وہی ہے جو پانچویں روایت میں آگیا ہے کہ عصر کی نماز پڑھکر ایک انسان بنی عمرو بن عوف میں جاتا تو انہیں عصر کی نماز میں مشغول پاتا، بنو عمرو بن عوف قبا میں رہتے تھے اور اس روایت میں یہ آیا کہ عصر کی نماز پڑھ کر جانے والا قبا پہنچتا تو آفتاب ابھی بلند ہوتا۔

لفظ قبا پر یہ اشکال کیا گیا ہے کہ امام مالکؒ کے علاوہ اور کوئی راوی یہ لفظ نقل نہیں کرتا چنانچہ بعض محدثین نے اس کو امام مالکؒ کا وہم قرار دیا ہے لیکن علامہ عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے مختلف محدثین کے حوالہ سے مختلف جوابات نقل کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ امام مالک کی طرف "وہم" کی نسبت درست نہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب روایات میں عوالی کا لفظ آرہا ہے اور قبا بھی عوالی ہی کا ایک حصّہ ہے تو لفظ قبا کو وہم کہنے کے بجائے عوالی کے اجمال کی وضاحت قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔

بہرحال اس روایت سے صرف یہ معلوم ہوا کہ عصر کی نماز کے بعد آفتاب کی بلندی میں قبا یعنی دو تین میل کی مسافت تک انسان چلا جاتا تھا ۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس سے بھی عصر کی تعجیل یعنی مثلِ ثانی میں پڑھنے کی صراحت نہیں ہوئی، بلکہ ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ مثلِ ثالث میں

پڑھنے کی علامت ہے کیونکہ جو لوگ آنے جانے کے عادی ہوتے ہیں ان کیلئے تو عصر کے مثل ثالث میں پڑھنے کے بعد آفتاب کی بلندی میں دو تین میل چلنا بہت آسان ہے اور جو عادی نہیں ہیں وہ بھی یہ مسافت طے کر سکتے ہیں کیونکہ مُرْتَفِعَۃ یعنی آفتاب کی بلندی کے معنی یہ ہیں کہ وہ افق سے اونچا ہی رہتا تھا جیسا کہ طلوع آفتاب کے بعد ارتفاع کے معنی یہ ہیں کہ وہ افق سے اتنا اونچا ہو گیا کہ صاف نظر آنے لگا اسی طرح غروب سے پہلے بھی ارتفاع کے معنی یہی ہوں گے کہ آفتاب ابھی تک افق سے اتنا اونچا ہوتا تھا کہ صاف نظر آتا تھا۔ واللہ اعلم۔

تشریح روایت ہشتم تعجیل عصر پر استدلال کیلئے آخری اور آٹھویں روایت بھی حضرت انسؓ ہی کی ہے اور اس میں ساتویں روایت سے زیادہ تفصیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے جب آفتاب اونچا بھی ہوتا اور اس میں حیات بھی ہوتی، جاتے وقت بلندی اور زندگی دو باتوں کا ذکر ہے، پھر جانے والا عوالی تک چلا جاتا اور آفتاب ابھی تک اونچا ہوتا، پہنچتے وقت صرف بلندی کا ذکر ہے، حیات اور زندہ ہونے کا ذکر نہیں، گویا جانے والا نماز پڑھکر چلا ہے تو آفتاب بلند بھی تھا اور اس میں زندگی بھی تھی، آفتاب کی زندگی کے ایک معنی تو ہیں اس کی روشنی کا صاف ہونا، گویا اصفرار اور تغیّر سے پہلے تک اس کو زندہ کہا جائے گا اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ عصر کی نماز تو آفتاب کے اُونچا اور روشن ہونے کی حالت میں ہوتی تھی لیکن چند میل کی مسافت طے کرتے کرتے اس میں تغیّر اور اصفرار آجاتا تھا۔

اور ابو داؤد نے حضرت خیثمہؒ سے اس کے دوسرے معنی نقل کئے ہیں حیاتها ان تجد حرّها ۵۹/۱۷۰ آفتاب کی زندگی یہ ہے کہ تمہیں حرارت محسوس ہو، گویا جب تک حرارت قائم ہے وہ زندہ ہے اور جب حرارت کم یا ختم ہو گئی زندگی ختم ہو گئی، اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ عصر کی نماز کے وقت تو آفتاب میں حرارت ہوتی تھی لیکن چند میل چلنے کے بعد وہ بے جان ہو جاتا تھا حرارت باقی نہیں رہتی تھی۔

ان تشریحات کے بعد انصاف کی بات یہ ہے کہ اس روایت میں بھی عصر کے مثل ثانی میں پڑھنے کی کوئی صراحت یا مضبوط قرینہ نہیں ہے بلکہ بغور دیکھا جائے تو یہ مثل ثالث میں پڑھنے کا قرینہ ہے اسلئے کہ اگر یہ بات طے ہو جائے کہ ایک انسان ایک میل کا فاصلہ کتنی دیر میں طے کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ عصر کی نماز کے بعد جانے والا کتنے میل جاتا تھا تو مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ ایک میل کی مسافت چلنے والوں کیلئے پندرہ منٹ سے زیادہ کی نہیں اسلئے اگر نماز پڑھنے کے بعد جانے والا ان عوالی میں جاتا تھا جن کا فاصلہ دو میل تھا جیسا کہ ساتویں روایت میں

قبا کی وضاحت ہے جس کا فاصلہ دو میل تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسجد نبوی میں عصر کی نماز ایسے وقت میں ہوتی تھی کہ اس کے تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد آفتاب میں تغیر آجاتا تھا یا اس کی حرارت ختم ہوجاتی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ مثل ثالث میں ہی ممکن ہے۔

اس حقیقت سے امام بخاریؒ بھی واقف ہیں اسلئے انھوں نے آٹھویں روایت میں عوالی کے فاصلے کی وضاحت کی اور فرمایا وبعض العوالی من المدینۃ علی اربعۃ امیال اونحوہ کہ بعض عوالی کا فاصلہ چار میل یا اس کے قریب ہے۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب پانچویں روایت میں بنی عمرو بن عوف کا اور ساتویں روایت میں قبا کا تعین ہوگیا تھا پھر اس وضاحت کی کیا ضرورت ہے کہ عوالی کے بعض محلے چار میل کے فاصلے پر ہیں، یہ تو زبردستی کی بات ہوئی۔

نیز یہ کہ عوالی کی اس مسافت کا بیان اصل روایت میں نہیں ہے، یہ بیان یا تو خود امام بخاری کا ہے یا امام زہریؒ کا ہے۔ فتح الباری اور عینی وغیرہ میں مسند عبدالرزاق وغیرہ کے حوالے سے اس وضاحت کو زہریؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر وہاں علی اربعۃ امیال کے بجائے علی میلین او ثلاثۃ ہے، البتہ مسند احمد ص۱۶۱ ج۳ میں اس وضاحت کو زہری کی طرف منسوب کرکے اربعۃ کا ذکر بھی موجود ہے قال الزھری والعوالی علی میلین من المدینۃ اوثلاثۃ احسبہ قال واربعۃ، لیکن اس طرح کی باتوں سے کیا کام چل سکتا ہے، جب یہ بات طے ہوگئی کہ یہ قصہ بنو عمرو بن عوف کا ہے جو قبا میں رہتے تھے تو دیگر عوالی کے فاصلے ذکر کرنے سے کیا فائدہ؟

خلاصہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دو میل، یا تین میل یا زہری کی وضاحت کے مطابق چار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد آفتاب کا رنگ پھیکا پڑجاتا تھا یا اس کی گرمی کم یا ختم ہوجاتی تھی، اور یہ بات بشرط انصاف مثل ثالث میں عصر پڑھ کر بھی ممکن ہے۔

پیشکردہ روایات اور بخاریؒ کا مقصد امام بخاریؒ کا مقصد عصر کی نماز میں تعجیل کا ثبوت پیش کرنا ہے مگر انھوں نے جتنی روایات پیش کی ہیں ان میں سے کوئی روایت مثل ثانی میں یا مثل ثالث سے پہلے عصر کی نماز پڑھنے پر نص نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر روایت کو آسانی کے ساتھ تعجیل کے بجائے تاخیر پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ تمام روایات میں وقت کی صراحت کے بجائے کچھ علامتیں بیان کی گئی ہیں اور ان علامتوں کی تشریح یا تطبیق میں وہ احتمالات پیدا ہوتے ہیں جو ہر روایت کی شرح میں بیان کئے گئے ہیں اور اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے مدعا کا ثبوت ناممکن ہے، ان احتمالات میں جہاں کچھ باتیں واقعی اور نہایت قریب کی ہیں وہیں بعض احتمالات

بعید بھی ہیں لیکن یہ استدلال کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ دلیل کے ساتھ پیدا ہونے والے احتمالات کا سدِ باب کریں اور اپنی دلیل کو اس طرح پیش کریں کہ احتمال ناشی عن دلیل کی گنجائش نہ رہے، پھر یہ کہ امام بخاریؒ کی پیش کردہ روایات کے بارے میں جو عرض کیا گیا ہے وہ محض احتمالات ہی نہیں بلکہ ہماری معروضات ان روایات کو تفصیلی روایات کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش ہیں یا پھر انہی روایات کے اندر پائے جانے والے اشارات کی وضاحت کی گئی ہے، مزید یہ کہ جو کہا گیا ہے وہ اگرچہ مذکورہ روایات میں تو اشارات کے درجہ میں ہو سکتے ہیں، مگر دوسری روایات میں صراحت کے ساتھ نص کے درجہ میں ثابت ہیں مثلاً (۱) حضرت ام سلمہؓ نے ارشاد فرمایا۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد تعجیلا للظہر منکم وانتم اشد تعجیلا للعصر منہ (ترمذی، مسند احمد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں تم سے زیادہ عجلت فرماتے تھے اور تم عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عجلت کرنے لگے ہو۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ سے بروایتِ صحیح بحوالہ موطا امام محمدؒ نقل کیا جا چکا ہے کہ عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھو جب تمہارا سایہ دو مثل ہو جائے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (نسائی ص ۱۳۹/۱ باب الصلوٰۃ قبل العصر میں اور ترمذی ص ۲/۱ باب کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتطوع بالنہار میں) روایت ہے کہ اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دن کی نفلوں کے بارے میں سوال کیا گیا، تو جواب میں ارشاد فرمایا۔

اذا کانت الشمس ھٰہنا کھیئتہا ھٰہنا عند العصر صلی رکعتین واذا کانت الشمس ھٰہنا کھیئتہا ھٰہنا عند الظہر صلی اربعا (ترمذی)	جب آفتاب یہاں (مشرق) میں جیسا وہاں (مغرب) میں عصر کے وقت ہوتا ہے تو دو رکعت پڑھتے پھر جب مشرق میں ایسا ہوتا جیسا مغرب میں ظہر کے وقت ہوتا ہے تو چار رکعت پڑھتے۔

حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اشراق کی نماز کیلئے حساب لگائیے کہ آفتاب صبح کے وقت، جانبِ مشرق میں اس جگہ کی محاذات میں ہوتا جہاں جانبِ مغرب میں عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے اس وقت اشراق کی دو رکعت پڑھتے اور جب اور زیادہ بلند ہو جاتا اور جانبِ مشرق میں، اس جگہ کی محاذات میں آجاتا جہاں جانبِ مغرب میں ظہر کے لئے ہوتا ہے تو چاشت کی چار رکعت پڑھتے، اس روایت سے بشرطِ انصاف عصر کی نماز کیلئے بہت ہی زیادہ تاخیر معلوم ہوتی ہے، پھر یہ کہ حضرت علیؓ کا عمل عصر کی نماز کو بہت زیادہ موخر کرکے

پڑھنے کا روایات میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے، موذن نے آکر عصر کی نماز کیلئے عرض کیا، تو فرمایا! بیٹھ جاؤ، کچھ دیر کے بعد اس نے پھر یاد دہانی کی تو حضرت علیؓ نے بہت سخت کلمات کہے ھذا الکلب یعلمنا بالسنة، یعنی یہ کتا ہمیں سنت کی تعلیم دینا چاہتا ہے پھر اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں نماز پڑھی کہ اس کے فوراً بعد آفتاب غروب ہونے لگا، یہ روایت مستدرک حاکم میں موجود ہے اور ذہبی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) امام محمدؒ نے عصر کی نماز کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب کا عمل نقل کیا ہے

عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراھیم قال: ادرکت اصحاب ابن مسعود یؤخرون العصر الی آخر الوقت، قال محمد: وبہ ناخذ مالم تتغیر الشمس۔ اخرجہ محمد فی الآثار) (جامع مسانید الامام ص۲۹۹)	امام ابوحنیفہ حماد سے اور وہ ابراہیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ کو دیکھا کہ وہ عصر کو وقت (مستحب) کے آخر تک موخر کرتے تھے، امام محمدؒ نے فرمایا اسی پر ہمارا عمل ہے جبتک آفتاب میں تغیر نہ آئے۔

پھر مصنف عبدالرزاق میں عصر کے سلسلے میں خود حضرت ابن مسعودؓ کا عمل تاخیر منقول ہے، امام طحاویؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے علاوہ اور صحابہ کرام کے نام بھی ذکر کئے ہیں

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ عصر کی نماز میں وقت مکروہ سے پہلے تک تاخیر کرنا ہی افضل ہے لیکن چونکہ اس نماز کا آخری وقت، یعنی آفتاب میں تغیر اور اصفرار آجانے کا وقت کراہت رکھتا ہے اسلئے جن روایات میں تعجیل کا مضمون بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ نماز کو وقت مکروہ میں داخل ہونے سے بچانے کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ حضرت انس کی اس باب میں مذکور چھٹی روایت کی تشریح سے واضح ہے واللہ اعلم

بَابُ اِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ حدثنا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِیْ تَفُوْتُہٗ صَلٰوۃُ الْعَصْرِ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ، قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ یَتِرَکُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ اِذَا قَتَلْتَ لَہٗ قَتِیْلًا اَوْ اَخَذْتَ مَالَہٗ،

ترجمہ، باب، اس شخص کے گناہ کا بیان جس کی عصر کی نماز فوت ہو جائے **حضرت** ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی عصر کی نماز فوت (قضا) ہوگئی تو گویا اس کا گھر بار، مال و متاع سب لٹ گیا، امام بخاری نے فرمایا کہ قرآن کریم میں جو یترکم آیا ہے وہ وترت الرجل سے ہے جب کسی کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے۔

مقصدِ ترجمہ امام بخاریؒ بھی کمال کرتے ہیں، برابر برابر ایک ہی طرح کے دو ترجمے رکھدیے ایک اثم من فاتتہ العصر نمازِ عصر کے فوت ہونے کے گناہ کا بیان اور دوسرے اثم من ترک العصر نمازِ عصر کو ترک کرنے کے گناہ کا بیان ۔ اور اسی لئے بعض حضرات نے امام بخاری پر تکرار کا الزام عائد کیا ہے اور اکثر شارحین نے دونوں عنوانات میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے اتنا فرق تو بالکل ظاہر ہے کہ ترک اختیاری ہوتا ہے اور فوات غیر اختیاری ،مگر اشکال یہ ہے کہ غیر اختیاری چیزوں پر اثم اور گناہ کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا اور اسی لئے شاید امام ترمذیؒ نے روایت باب پر جو عنوان دیا ہے اس میں غیر اختیاری ہونے کی وضاحت ہے اُن کا عنوان ہے باب ماجاء فی السهو عن وقت العصر، گویا ترمذی نے روایت کے مضمون کو سہو پر محمول کیا اور ابن حجرؒ نے اس کی یہ وضاحت کی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آخرت میں نمازِ عصر کا ثواب دیا جائے گا تو سہو کرنے کو اپنی محرومی پر اتنا افسوس ہوگا جیسے اہل وعیال تباہ و برباد ہوگئے ہوں ،گویا ترمذی کا عنوان اشارہ کررہا ہے کہ حدیثِ پاک کے مضمون میں دنیوی گناہ کا ذکر نہیں ہے ۔

مگر امام بخاریؒ نے اپنے ترجمہ میں اس پر اثم کا اطلاق کیا ہے گویا انہوں نے ترجمہ کے ذریعہ حدیث کی شرح کردی کہ فوات بھی گناہ ہے اور اتنا بڑا گناہ ہے جسکی تفصیل روایت میں آرہی ہے

امام بخاریؒ کے غیر اختیاری فعل پر گناہ کے اطلاق کی وجہ سے شارحین نے مختلف راستے اختیار کئے ہیں، مہلّب اور ان کے ہمخیال شارحین کی رائے یہ ہے کہ فواتِ عصر سے مراد جماعت کا فوت ہونا ہے کیونکہ یہ وقت دن اور رات کے فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہے ، امام اوزاعی کی رائے کچھ شارحین نے نقل کی ہے فواتها ان تدخل الشمس صفرة یعنی فواتِ عصر کے معنی یہ ہیں کہ اصفرارِ شمس کا وقت آجائے ، علامہ عینیؒ اور حافظ ابنِ حجر کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوات سے مراد ،نمازِ عصر کو کسی عذر کے بغیر وقتِ جواز سے موخر کرنا ہے کیونکہ گناہ کا ترتب اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کوئی شرعی عُذر نہ ہو ۔ غرض یہ ہے کہ شارحین نے امام بخاری کے ترجمۃ الباب میں لفظ اثم کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں ،مگر ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ دونوں ترجمے الگ الگ ہیں ، اور اپنی اپنی جگہ درست ہیں ، اور فوات غیر اختیاری پر اثم کا اطلاق اسلئے کیا گیا ہے کہ فوات اگرچہ غیر اختیاری طور پر ہوا لیکن جن اسباب کی بنیاد پر یہ کوتاہی ہوئی وہ اسباب تو غیر اختیاری نہ تھے انسان کو کاروبار کی مشغولیت ،یا اہل وعیال کیلئے جدوجہد میں اتنا غفلت شعار نہیں ہونا چاہیئے کہ نمازِ عصر جیسی اہم عبادت میں کوتاہی ہوجائے ،چنانچہ جن دو اسباب کی وجہ سے انسان ،کوتاہی

کرتا ہے، روایت میں انہیں کا ذکر ہے وتر اھلہ ومالہ ، امام بخاری گویا ترجمۃ الباب میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غیر اختیاری ہونے کے باوجود یہ معاملہ معمولی نہیں ہے بلکہ اس چیز کو حدیث پاک میں بہت اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تشریح حدیث

حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے کہ جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ گویا اس کا مال واسباب، اس کے اہل وعیال برباد ہوگئے، مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی شخص نے کسی کام میں مشغول ہوکر عصر کی نماز کی پرواہ نہ کی اور اس کی نماز وقت سے بے وقت ہوگئی تو یہی کہا جائے گا کہ اس نے نماز کو فوت کردیا، پھر اس کا اس کی طبیعت پر کیا اثر ہونا چاہیئے؟ فرماتے ہیں کہ اتنا اثر ہونا چاہیئے جتنا اہل وعیال اور مال واسباب کی تباہی وبربادی کا ہوتا ہے، اس کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ عصر کی نماز کیا فوت ہوئی سب کچھ فوت ہوگیا، جب اتنا اہتمام ہوگا تو یقیناً عصر کی پابندی کرے گا۔

روایت میں مال اور اہل کا ذکر اسلئے کیا گیا ہے کیونکہ نماز کے فوت ہونے کا سبب بالعموم یہی دو چیزیں ہوتی ہیں اور انسان یہ سوچتا ہے کہ مال حاصل کرلے، انسان کی طبیعت میں مال کی محبت بھی رکھی گئی ہے اور اہل وعیال کی خدمت کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ اور عصر کا وقت ایسا وقت ہے کہ اس میں کاری گر، تاجر اور کاشتکار، سب ہی لوگ زیادہ مشغول رہتے ہیں۔ کاری گر دن بھر کام کرتا ہے اور شام کے وقت مصنوعات کی فروخت کیلئے کھڑا رہتا ہے یا چکر لگاتا ہے، تاجر کے لئے بھی تجارت کی گرم بازاری کا یہی وقت ہے اور کاشتکار بھی یہی سوچتا ہے کہ دن ڈوب رہا ہے اسلئے بعجلت ممکنہ اپنی کاشت کی ضروریات سے فراغت حاصل کرلے۔

روایت میں یہ ذکر آیا کہ اگر مال ودولت کے حصول یا دیگر مشغولیتوں میں عصر کی نماز فوت ہوگئی تو یہ تصور کرو کہ کچھ کمایا نہیں بلکہ سب کچھ کھودیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اہل وعیال کی خدمت اور مال ومتاع کے حصول کے سبب نماز کے فوت کرنے کا گناہ تو سب ہی نمازوں میں ہے، پھر عصر کی کیا خصوصیت ہے تو ابن عبدالبر نے تو یہ کہا ہے کہ اس سلسلے میں سب نمازیں برابر ہیں مگر عصر کی نماز کا خصوصی ذکر اسلئے آگیا کہ شاید کسی سائل نے عصر ہی کی نماز کے بارے میں سوال کیا ہوگا اور یہ بات آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمائی ہوگی، اس پر علامہ نوویؒ نے گرفت کی ہے کہ ابن عبدالبر کی وضاحت تو منصوص سے غیر منصوص کو ملانے کے مرادف ہے جبکہ اس کیلئے علت کا اشتراک ضروری ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے، مگر ابن عبدالبرؒ کے موقف

پران روایتوں سے استدلال کیا جاسکتا ہے جن میں کسی بھی نماز کے فوت کرنے پر وعید کے کلمات مذکور ہیں جیسے مسند احمد میں حضرت نوفل بن معاویہ سے مرفوعاً منقول ہے من فاتتہ الصلوۃ فکانما وتر اھلہ ومالہ جس کی نماز فوت ہوگئی تو گویا اس کا مال اور اہل سب تباہ ہوگئے، لیکن ابن عبدالبرؒ کی بات کا تسلیم کرنا ضروری نہیں کیونکہ عصر کی نماز میں متعدد ایسی باتیں ہیں کہ مذکورہ وعید صرف اسی کے لئے بھی ہوسکتی ہے، مسلم، نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن عصر کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔

ان ھذہ الصلاۃ فرضت علی من کان	یہ نماز عصر تم سے پچھلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی
قبلکم فتوانوا فیھا وترکوھا فمن صلاھا	لیکن انہوں نے تن آسانی کا ثبوت دیا اور اسکو چھوڑ دیا
منکم ضعف لہ اجرہ ضعفین	اسلئے تم میں سے جو اس کو پڑھے گا اس کو دوہرا
مسند احمد ص ۳۹۷ ج ۶	اجر دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ یہ نماز پچھلی امتوں پر بھی فرض کی گئی تھی اور وہ اس کی پابندی نہ کرنے کے سبب معتوب ہوئے، اسلئے مسلمانوں کو بطور خاص اس کی پابندی کا حکم دیا گیا۔

اسی طرح نماز عصر کو الصلوۃ الوسطیٰ کہہ کر بھی اس کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے، اس کے علاوہ اور بھی خصوصیات بیان کی جاسکتی ہیں اور سب سے آسان بات وہ ہے جو علامہ عینیؒ اور ابن حجرؒ نے نے فرمائی کہ اس بحث میں پڑنا ہی زائد ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس نماز کو جو خصوصی فضیلت عطا فرمائے اور پیغمبر علیہ السلام جس نماز کے سلسلے میں جو خصوصی بات ارشاد فرمائیں وہ سب چون وچرا کے بغیر قابلِ قبول اور واجب التسلیم ہے۔

قال ابوعبداللہ الخ اس عبارت میں امام بخاریؒ وتر اھلہ ومالہ کا اعراب بیان کرنا چاہتے ہیں جمہور محدثین نے اھلہ ومالہ کو منصوب پڑھا ہے، قاضی عیاض نے بھی لکھا ہے کہ اس کو نصب کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے، نوویؒ نے اھلہ ومالہ کو مرفوع پڑھا ہے اور بخاری میں مستملی کی بھی روایت ہے، بعض حضرات نے منصوب اور مرفوع دونوں احتمال بیان کئے ہیں۔

امام بخاریؒ کی اس وضاحت کے معنی عام طور پر شارحین نے یہی لئے ہیں کہ وہ دونوں احتمالات کو مدلل کر رہے ہیں، "وَتَرَ" باب ضَرَبَ سے آتا ہے، اگر متعدی بیک مفعول ہو جیسے وَتَرَ فلانٌ فلاناً تو معنی ہیں تکلیف پہنچانا، ستانا، اور اگر متعدی بدو مفعول ہو جیسے وَتَرَ فلانٌ فلاناً حقَّہٗ او مالَہٗ تو معنی ہیں گھٹانا یا کم کردینا، یعنی فلاں نے فلاں کا حق یا مال گھٹا دیا۔

امام بخاریؒ نے سورہ محمد سے جو آیت لن یترکم اعمالکم نقل کی ہے، اس سے جمہور کی روایت نصب کی تائید مقصود ہے، کیونکہ یتر یہاں متعدی بدو مفعول ہے جو کُم ضمیر خطاب مفعول اول کو، اور اعمالکمُ مفعول دوم کو نصب دے رہا ہے، اس لئے اگر وُتِرَ اھلَہ ومالَہٗ میں اہل اور مال کو منصوب پڑھا جائے تو وُتِرَ کی ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل ہو جائے گی

اور اگر وُتِرَ اھلُہ ومالُہٗ کو اھل اور مال کے رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے لئے امام بخاریؒ نے وَتَرَ کا دوسرا استعمال وَتَرْتُ الرَّجُلَ اِذَا نقل کیا یعنی اس لفظ کو متعدی بیک مفعول بھی استعمال کیا جاتا ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا کوئی عزیز قتل کر دیا جائے یا اس کا مال چھین لیا جائے اور اس میں قصاص یا انتقام یا اپنا حق وصول کرنے کی طاقت نہ ہو، ایسی صورت میں انسان کے لئے دو صدمہ جمع ہو جاتے ہیں، ایک نقصان کا رنج اور دوسرے بے کسی کا صدمہ۔

بَابُ اِثْمِ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ اَخْبَرَنَا يَحْيٰى بْنُ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ قَالَ كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِيْ غَزْوَةٍ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ غَيْمٍ فَقَالَ بَكِّرُوْا بِصَلٰوةِ الْعَصْرِ فَاِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ

ترجمہ، باب۔ اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے عصر کی نماز کو ترک کر دیا ہو حضرت ابوالملیحؒ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، دن ابر آلود تھا، تو حضرت بُریدہؓ نے فرمایا کہ عصر کی نماز کو جلدی پڑھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے عصر کی نماز کو چھوڑ دیا اس کا عمل اکارت ہو گیا۔

مقصدِ ترجمہ پچھلے باب میں فوات کی تعبیر تھی جس کا مفہوم غیر اختیاری طور پر نماز عصر سے محرومی لیا گیا تھا، اب اختیاری طور پر نماز عصر کو ترک کر دینے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں، یعنی اگر عمداً اور دانستہ عصر کو ترک کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ جب فوات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ گویا وہ اہل وعیال اور مال ومتاع کی تباہی وبربادی کے مرادف ہے تو عمداً ترک کرنے میں اس سے کہیں زیادہ گناہ ہوگا، یہ فرق دونوں ابواب کے تحت دی گئی روایات کے الفاظ سے واضح ہے، فوات کے تحت جو مضمون دیا گیا ہے اس کی تعبیر کے لئے کَاَنَّمَا لایا گیا ہے جو تشبیہ کے لئے آتا ہے کہ گویا اس کے اہل وعیال تباہ ہو گئے اور ترک کے تحت جو مضمون دیا گیا ہے اس پر قَدْ داخل ہے جو تحقیق کے لئے آتا ہے یعنی جس نے عصر کی نماز ترک کر دی تو بلاشبہ

اس کا عمل اکارت اور ضائع ہوگیا، دوسرا فرق یہ ہے کہ وہاں نقصان متعلقات کا ہے اور یہاں خود اپنا نقصان ہے جس کا انسان پر زیادہ اور براہ راست اثر ہوتا ہے۔

تشریح حدیث ابوالملیح عامر بن اسامہ ہذلی کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں حضرت بریدہ اسلمیؓ کے ساتھ تھے، ابر کا دن تھا تو حضرت بریدہؓ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا بکروا بصلوٰۃ العصر یعنی عصر کا وقت ہوگیا ہے نماز جلدی پڑھ لو، کیونکہ ایک تو ابر کا دن ہے ہوسکتا ہے کہ بارش شروع ہو جائے اور دشواری ہو یا اندھیرا ہو جائے اور وقت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکے، دوسرے یہ کہ غزوہ کا موقع ہے، ہوسکتا ہے کہ دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے اور نماز کی صحیح طور پر ادائیگی میں پریشانی ہو یا پھر مذکورہ بالا چیزوں کی وجہ سے وقت مکروہ داخل ہو جائے وغیرہ۔ اسلئے احتیاط اسی میں ہے کہ نماز عصر کو آج یوم غیم میں اوّل وقت میں پڑھ لیا جائے۔ حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ مافیہ عین یوم غین یعنی جن نمازوں میں عین ہے مراد ہیں عصر اور عشار، انہیں غیم یعنی ابر کے دن اوّل وقت میں پڑھا جائے۔ یہ ہدایت اسلئے دی گئی کہ اعتدال سے ہٹنے والے انسان دو طرح کے ہوتے ہیں کچھ تو غلو کی حد تک احتیاط پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں اور کچھ زیادہ متساہل ہوتے ہیں جس کے مزاج میں پہلی چیز ہے وہ گہرائی میں جانے کی کوشش کرے گا اور اس خیال میں بیٹھا رہے گا کہ ابھی وقت ہوا ہے یا نہیں اور جس کے مزاج میں تساہل ہے وہ وقت کی پرواہ نہ کرے گا اور یہ سوچتا رہے گا کہ ابھی تو وقت ہے اُٹھ کر پڑھ لیں گے، گویا دونوں طرف سے خطرہ ہے، ایک تو وقت ہوجانے کے باوجود محسوس نہیں کرتا اور دوسرا بے پروائی سے کام لیتا ہے اسلئے تاکید کر دی گئی کہ بادل ہو تو نماز کو اوّل وقت میں پڑھ لیا جائے۔ چنانچہ موسم کے ابر آلود ہونے کی وجہ سے حضرت بریدہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے نماز عصر کو ترک کر دیا اس کا عمل سوخت ہوگیا۔

حبطِ عمل سے کیا مراد ہے؟ اب یہاں اک بحث یہ ہے کہ عمل کے برباد اور سوخت ہونے سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ حبطِ اعمال تو کفر و ارتداد اور شرک کی سزا ہے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ (سورۃ المائدہ آیت ۵) جو ایمان کے بجائے کفر اختیار کرے گا اس کا عمل سوخت کر دیا جائے گا، یا سورۃ البقرہ آیت ۲۱۷ میں فرمایا گیا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم، تم میں سے جو بھی اپنے دین صحیح کو چھوڑ کر ارتداد اختیار کرے گا اور پھر کفر ہی کی حالت میں انتقال کرے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال سوخت ہو جائیں گے، یا شرک کے بارے میں سورۃ الانعام آیت ۸۸ میں ارشاد فرمایا گیا ولو اشرکوا

لحبط عنهم ما كانوا يعملون اور اگر ان لوگوں نے شرک اختیار کیا تو ان کے تمام اعمال سوخت ہو جائینگے
خلاصہ یہ ہے کہ حبط عمل کی سزا، کفر، شرک اور ارتداد کے بارے میں ہے اور یہاں نماز عصر کے
ترک پر اس سزا کو مرتب فرمایا گیا ہے جبکہ یہ کفر و شرک نہیں ہے، چنانچہ اس روایت کے ظاہری
معنٰی سے مرتکب کبیرہ کے کفر کا عقیدہ رکھنے والے فرقوں جیسے خوارج وغیرہ نے استدلال کیا ہے
بلکہ اہل حق میں بعض حنابلہ نے بھی اس روایت سے تارک صلوٰۃ کے کفر پر استدلال کیا ہے کہ
من ترك صلوة العصر فقد حبط عمله اس آیت کی نظیر ہے جس میں فرمایا گیا ہے ومن یکفر بالایمان فقد
حبط عمله، یعنی جس طرح کفر پر حبطِ عمل کی وعید ہے اسی طرح ترکِ صلوٰۃ پر حبطِ عمل کی وعید آئی ہے
اس سے معلوم ہوا کہ ترکِ صلوٰۃ اور کفر ایک ہی جیسی دو چیزیں ہیں۔ لیکن اس استدلال کی کمزوری
ظاہر ہے، جواب دینے والوں نے جواب دیا ہے کہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ کفر کی سزا حبطِ عمل ہے
اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جو کفر اختیار نہیں کرے گا اس کو حبطِ عمل کی سزا نہیں دی جائے گی، گویا آیت
کا مفہوم، حدیثِ باب کے مضمون سے متعارض ہو گیا اور ایسی صورت میں تطبیق یا کسی مضمون میں توجیہ
یا تاویل کرنا متعین ہو جاتا ہے، چنانچہ حدیثِ باب میں مختلف توجیہات کی گئی ہیں، کسی نے ترک کے
معنٰی میں توجیہ کی ہے یعنی اگر فرضیت کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کی تو انکارِ فرضیت کی بنیاد پر کفر
آگیا اور سارا عمل سوخت ہو گیا، کسی نے حبط کے معنٰی میں توجیہ کی ہے یعنی حبطِ عمل سے مراد حقیقت
نہیں بلکہ تشبیہ دینا مقصود ہے کہ ایسا انسان اتنا محروم اور بدنصیب ہے جیسے وہ انسان جس کے تمام
اعمال سوخت ہو جائیں، اس کے علاوہ اور توجیہات بھی کی گئی ہیں۔

ایک قابلِ قبول توجیہ یہ ہے کہ اس عمل کا نفع ختم ہو گیا یعنی نماز کا فائدہ تھا خدا کے تقرب کا حصول،
اور ایک نماز سے دوسری نماز تک کی تمام سیئات کی معافی، مگر یہ تاثیر اب کہاں؟ اب قضا کر کے اگر
نماز پڑھ بھی لی تو ثواب کا وہ استحقاق نہیں رہا۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نمازِ عصر کے ترک کرنے
کی نحوست یہ ہے کہ صرف اسی ایک عمل کی نہیں، سارے دن کے اعمالِ صالحہ کی تاثیر ختم ہو گئی اور
برکت سے محروم کر دیا گیا جیسے شراب پینے والے کے بارے میں آتا ہے کہ اس عملِ بد کی نحوست سے
چالیس دن کی نمازیں رد کر دی جاتی ہیں ترمذی وابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے

من شرب الخمر وسكر لم تقبل له صلوة اربعين صباحًا (ابن ماجہ کتاب الاشربہ)	جو شراب پیئے اور نشہ کرے اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں کی جائے گی۔

اور سب سے اچھی اور راجح بات یہ ہے کہ ظاہری معنٰی مراد نہیں بلکہ تہدید مقصود ہے، اور یہ تعبیر، تہدید

کے معنیٰ بیان کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے ہیں جیسے سبابُ المومن فسوق وقتالہ کفر، کہ مومن کو برا کہنا یا گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے، یا ارشاد فرمایا گیا لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن، زانی جس وقت مبتلائے زنا ہوتا ہے تو مومن ہونے کی حالت میں نہیں ہوتا، اور ایسے مقامات پر تہدید اور زجر کے معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں - واللہ اعلم

باب فَضْلِ صَلوٰةِ الْعَصْرِ **حدثنا** الْحُمَیْدِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِیَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ عَنْ قَیْسٍ عَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃً فَقَالَ اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلوٰۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِھَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ۔ قال اسمٰعیلُ افعلوا لا تفوتنکم **حدثنا** عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلٰٓئِکَۃٌ بِاللَّیْلِ وَ مَلٰٓئِکَۃٌ بِالنَّھَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلوٰۃِ الْفَجْرِ وَصَلوٰۃِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُھُمْ رَبُّھُمْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِھِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنَاھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ ۔

ترجمہ، باب، نماز عصر کی فضیلت کا بیان حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے ایک رات میں چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ بے شک! تم لوگ اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کے دیکھنے میں کسی بھیڑ یا مزاحمت کی نوبت نہ آئے گی، پس اگر یہ کرسکو کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے کی نمازوں سے مغلوب نہ ہو جاؤ (یعنی پابندی سے ان کو ادا کرسکو) تو کرنا، پھر یہ آیت پڑھی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ الآیۃ کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح بیان کرو یعنی نماز پڑھا کرو۔ اسمٰعیل بن ابی خالد نے کہا کہ افعلوا کا مطلب یہ ہے کہ یہ نمازیں تم سے فوت نہ ہو جائیں ان کو ضرور پڑھا کرو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے درمیان رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے نوبت بہ نوبت آیا کرتے ہیں اور فجر کی نمازیں اور عصر کی نمازیں اکٹھے ہو جاتے ہیں پھر وہ فرشتے جو رات کے وقت تمہارے ساتھ رہے تھے وہ عالم بالا کی طرف عروج کرتے ہیں

تو اُن سے اُن کا پروردگار سوال کرتا ہے ۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے ۔ کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے ہیں اور جب ہم وہاں پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز میں مشغول تھے ۔

مقصدِ ترجمہ نمازِ عصر کے فوات اور ترک کے نقصان وخطرات پر تنبیہ فرما کر اب ترغیب کا مضمون ذکر کر رہے ہیں، نمازِ عصر کی فضیلت ۔ لیکن فضیلت تو تمام ہی نمازوں میں ہے عصر ہی کی کیا خصوصیت ہے ؟ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ بخاری کا مقصد یہ ہے کہ نمازِ عصر کو فجر کے علاوہ بقیہ تمام نمازوں پر فضیلت حاصل ہے جیسا کہ باب کے تحت ذکر کردہ روایات سے واضح ہے، اس پر علامہ عینیؒ کو اعتراض ہے کہ یہ بات تکلف سے خالی نہیں ہے اسلئے کہ تمام نمازیں فضیلت میں مشترک ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فجر اور عصر کی نمازوں کو بقیہ نمازوں پر فضیلت حاصل ہے، ہاں اتنی بات ہے کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں صرف عصر کا ذکر کیا فجر کا نہیں کیا جیسا کہ قرآن کریم میں سرابیل تقیکم الحر میں صرف گرمی سے حفاظت کا ذکر ہے، سردی سے حفاظت خود سمجھ میں آجاتی ہے، اسلئے علامہ عینی کا رجحان یہ ہے کہ ترجمہ کا مقصد، عصر اور فجر دونوں نمازوں کی یکساں فضیلت کا بیان ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ بخاریؒ نے باب فضل صلوٰۃ الفجر والعصر کا ترجمہ دیا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا ۔

حضرۃ الاستاذ کا ارشاد مگر یہ سب بڑوں کی باتیں ہیں، ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ امام بخاری کا مقصد یہاں صرف عصر کی فضیلت کا بیان ہے کیونکہ عصر سے متعلق ابواب منعقد کئے جا رہے ہیں، جب فجر سے متعلق ابواب آئیں گے تو وہاں مستقل ترجمہ منعقد کریں گے باب فضل صلوٰۃ الفجر، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نمازِ عصر کو تمام نمازوں سے افضل قرار دے رہے ہوں، اگرچہ پہلی روایت سے فجر اور عصر دونوں کی فضیلت یکساں معلوم ہوتی ہے کہ رویتِ باری کی نعمت کے حصول میں دونوں نمازیں موثر ہیں اور دوسری روایت سے بھی بہ ظاہر دونوں نمازوں کی فضیلت یکساں معلوم ہوتی ہے کہ فرشتے دونوں نمازوں میں شرکت کرتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ حقیقت یہ ہے کہ یہی دوسری روایت عصر کی خصوصی فضیلت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا اجتماع فجر اور عصر میں ہوتا ہے مگر ان دونوں میں ایک فرق ہے کہ فجر کی نماز میں جو فرشتے آتے ہیں وہ دن کے فرشتے ہیں اور ان کی آمد اپنے وقتِ مقرر پر ہے کیونکہ دن صبحِ صادق سے شروع ہو جاتا ہے، برخلاف نمازِ عصر

کہ ان فرشتوں کی ڈیوٹی رات کی ہے اور اگر یہ اپنے وقتِ مقرر پر آتے تو انہیں مغرب میں شریک ہونا تھا لیکن یہ فرشتے عصر ہی سے حاضر ہو گئے، معلوم ہوا کہ قبل از وقت حاضری میں نمازِ عصر کی فضیلت کا دخل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کو فجر سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم

تشریحِ حدیثِ اوّل

پہلی روایت میں حضرت جریرؓ بن عبداللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ نے رات کے وقت چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جس طرح تم اس چاند کو اپنی اپنی جگہ بغیر کسی مزاحمت کے دیکھ رہے ہو اسی طرح قیامت میں کسی دشواری یا مزاحمت کے بغیر پروردگارِ عالم کی رویت نصیب ہوگی۔

آگے ارشاد فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے کہ تم طلوع سے قبل والی نماز اور غروب سے قبل والی نماز کے معاملہ میں دنیوی کاموں سے مغلوب نہ ہو تو ایسا کرنا، یعنی جو اسبابِ غفلت ان نمازوں کے اہتمام کے منافی ہیں جیسے سو جانا یا دنیوی کاروبار میں مشغولیت وغیرہ، ان سے بچنے کی کوشش کرو اور ہمہ وقت ان نمازوں کی طرف متوجہ رہو کیونکہ رویتِ باری جو یقینی طور پر مسلمانوں کو قیامت میں حاصل ہونے والی ہے اس میں نمازِ عصر اور نمازِ فجر کی پابندی کا بڑا دخل ہے۔ اگر ان دونوں نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے رہوگے تو قیامت کے دن خدا کو اس طرح دیکھ سکو گے جس طرح آج چودھویں رات کے چاند کو مزاحمت کے بغیر دیکھ رہے ہو، وجہ یہ ہے کہ ان دونوں اوقات اور ان کی نمازوں میں مختلف خصوصیات ہیں، ان دونوں اوقات میں ایک وقت غفلت اور نیند کا ہے اور دوسرا مشغولیت کا، اور ان نمازوں میں خاص بات یہ ہے کہ یہ ملّتِ ابراہیمی کی نمازیں ہیں اور اسی لئے اگرچہ نماز تو لیلۃ المعراج میں فرض ہوئی ہے لیکن پیغمبر علیہ السلام نے ان نمازوں کو فرضیت سے پہلے بھی اختیار فرما رکھا تھا وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو یہ خصوصیات ہیں اور دوسرے یہ کہ ان نمازوں کی پابندی سے خداوند کریم کی رویت نصیب ہوگی۔ ترمذی میں روایت ہے کہ یہ رویت صبح و شام ہوگی۔

واکرمھم علی اللہ من ینظر الی وجھہ غدوۃ و عشیۃ (ترمذی ص ۷۲ ج ۲) — اللہ کے نزدیک اہلِ ایمان میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہوگا جسے صبح و شام باری تعالیٰ کی رویت میسر ہوگی

اسی طرح بعض روایات میں ابنؓ عمر اور حذیفہؓ سے نقل کیا گیا ہے من اھل الجنۃ من ینظر الی وجھہ غدوۃ و عشیۃ، اہلِ جنت میں کچھ ایسے ہوں گے جو صبح و شام رویتِ باری سے مشرف کئے جائیں گے

ثم قرأ فسبح الخ پھر اس مضمون کو مدلل کرنے کیلئے یہ آیت پڑھی جس میں فرمایا گیا ہے کہ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے اللہ کے نام کی تسبیح یعنی نمازوں کا اہتمام کرو، یہ آیت پڑھنے والے کون ہیں؟ بظاہر

تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے ثمّ قرأ جریر الخ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پڑھنے والے حضرت جریر رضی اللہ عنہ ہیں۔

وقال اسمٰعیل افعلوا لایفوتنکم ، محدث اسمٰعیلؒ نے جو حضرت قیسؒ کے شاگرد ہیں افعلوا کے معنی بیان کئے ہیں کہ افعلوا کے معنی ہیں لاتفوتنکم ۔ بیان کی وجہ یہ ہے کہ استطاعت کا تعلق امور وجودیہ یعنی مثبت چیزوں سے ہوتا ہے اور یہاں استطاعت کو لاتغلبوا سے متعلق کیا گیا ہے جبکہ مغلوب نہ ہونا ایک عدمی چیز ہے ، اسمٰعیل کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اسباب اختیار کرو جس سے فوات کی نوبت نہ آئے ، گویا استطاعت کا تعلق یا اسباب سے ہے جو وجودی ہیں یا مواظبت سے ہے جو امر وجودی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان نمازوں کی مواظبت کروگے تو اللہ کی رویت نصیب ہوگی ۔

رؤیتِ باری کا مسئلہ

آخرت میں اہل ایمان کو باری تعالیٰ کی رویت نصیب ہوگی ، یہ بات قرآن کریم کی آیات ، احادیث کثیرہ ، اور صحابۂ کرام اور ان کے بعد آنے والے اہل حق کے اجماع سے ثابت ہے ، احادیثِ رویت نقل کرنے والے صحابۂ کرام کی تعداد بیس سے زائد بیان کی گئی ہے جن میں حضرت ابوبکر ، حضرت علی ، حضرت عبداللہ بن مسعود ، حضرت معاذ بن جبل ، حضرت ابوموسیٰ ، حضرت ابن عباس ، حضرت ابن عمر ، حضرت حذیفہ ، حضرت ابو امامہ ، حضرت ابو ہریرۃ ، حضرت جابر ، حضرت انس ، حضرت عمار بن یاسر حضرت زید بن ثابت ، حضرت عبادہ ، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں ۔

لیکن معتزلہ ، خوارج اور مرجیہ رویتِ باری کے منکر ہیں ، ان حضرات نے اپنے موقف پر کچھ نقلی وعقلی دلائل پیش کئے ہیں ، مگر وہ سب غلط فہمی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ، یہاں ان کے مشہور دلائل اور ان کا جواب اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے تفصیل کیلئے عمدۃ القاری کا مطالعہ مفید ہوگا

(۱) قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کہ نگاہیں اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں کرسکتیں اور اللہ تعالیٰ نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے (انعام آیت ۱۰۳) منکرین کا استدلال یہ ہے کہ نگاہوں سے ادراک کی نفی سے لازم آتا ہے کہ رویت کی بھی نفی ہو جائے ۔ لیکن یہاں ادراک سے مراد احاطہ ہے کہ نگاہوں سے اس کی ذات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ، یہ مراد نہیں کہ نگاہیں اس کی رویت نہیں کرسکتیں ، کیونکہ آخرت میں اہل جنت کیلئے رویت کا ہونا یقینی دلائل سے ثابت ہے ۔

(۲) ان حضرات کی دوسری دلیل ہے لن ترانی (سورۃ الاعراف آیت ۱۴۳) کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکوگے یہ کلمات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا میں رویت کی درخواست کے جواب میں ارشاد فرمائے گئے ہیں منکرین کا استدلال اس طرح ہے کہ لن نفی تابید (ہمیشہ کی نفی) کے لئے آتا ہے ، اس لئے آیت سے اس

دنیا میں بھی رویت کی نفی ہوگئی اور مستقبل میں بھی ہمیشہ کے لئے نفی ہوگئی جس میں آخرت بھی شامل ہے، اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رویت کی نفی ہوگئی تو عام مومنین کے حق میں بدرجۂ اولیٰ رؤیت کی نفی ثابت ہوجائے گی۔ لیکن اہل حق کا جواب یہ ہے کہ "لن" کا نفی موبد کے لئے ہونا تسلیم نہیں کیونکہ قرآن کریم میں کفار کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے لن یتمنوہ ابدا (البقرہ آیت ۹۵) یہ یہود و کفار ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔ یہاں لن کا استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ عذاب جہنم کے ناقابل برداشت ہونے کے سبب آخرت میں کفار اور اہل جہنم کی جانب سے موت کی تمنا سورۂ زخرف میں نقل کی گئی ہے۔

(۳) منکرین کا تیسرا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب الآیۃ (شوریٰ آیت ۵۱) کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس کے ساتھ ہم کلام ہو مگر وحی کی صورت میں یا پردہ کے پیچھے یا پھر کسی فرستادہ کو بھیجے۔ منکرین کا استدلال اس طرح ہے کہ آیت یہ بتلا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی صورت میں بھی اللہ کی رویت نہ ہوگی اور جب ہمکلامی کے وقت بھی رویت نہیں تو ہم کلام نہ ہونے کے وقت رویت کا نہ ہونا ثابت ہے، لیکن اہل حق کا جواب یہ ہے کہ آیت میں وحی کی صورت میں متکلم کے سامع سے محجوب ہونے یا نہ ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے، آیت کا منشا یہ ہے کہ وحی جو بہت سرعت کے ساتھ سُنا جانے والا کلام ہے وہ بھی ہمکلام ہونے کی ایک صورت ہے، لیکن اس صورت میں سامع متکلم کو دیکھتا ہے یا دیکھ سکتا ہے یا اس کا امکان نہیں ہے تو اس کے لئے آیت میں کوئی وضاحت یا اشارہ نہیں ہے۔

(۴) منکرین کا چوتھا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں کفار کی جانب سے رویت باری کا مطالبہ نقل کر کے اس کو بہت بڑا گناہ قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی گئی ہے، اس مضمون پر مشتمل متعدد آیات ہیں واذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ و انتم تنظرون (البقرہ آیت ۵۵) اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ! ہم اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو کھُلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، چنانچہ (اس مطالبہ پر) تمہیں بجلی کے عذاب نے پکڑ لیا اور تم دیکھتے رہے۔ مگر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ محض رویت کے سوال کا بڑا گناہ اور قابل مذمت ہونا ضروری نہیں، قرین قیاس یہ ہے کہ عناد، تعنت اور ہٹ دھرمی کے طور پر کئے گئے مطالبہ کو بڑا گناہ اور قابل مذمت قرار دیا گیا ہے۔

(۵) اسی طرح منکرین نے عقلی طور پر اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی چیز کی رویت آٹھ شرطوں پر موقوف ہے۔ دیکھنے والے کی نظر (آلۂ رویت) کا صحیح سالم ہونا، خود اس چیز کا جائز الرویۃ

(دیکھنے کے لائق) ہونا، ۳ نظر آنے والی چیز کا دیکھنے والے کے مقابل ہونا، ۴ اس کا بہت دور نہ ہونا، ۵ بہت قریب نہ ہونا، ۶ نہایت چھوٹا نہ ہونا، ۷ نہایت لطیف نہ ہونا، ۸ رائی اور مرئی کے درمیان حجاب کا نہ ہونا، اور یہاں ان شرائط میں سے متعدد چیزیں موجود نہیں ہیں ۔ مگر اہل حق کہتے ہیں کہ شرائط مذکورہ میں سے آخری چھ شرطیں توصرف اجسام کی رویت کیلئے اللہ کی مقرر کردہ عادت کے مطابق اس دنیا میں ضروری ہیں اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے کہ اس کی رویت کیلئے ان چیزوں کو شرط قرار دیا جائے، نہ یہ ضروری ہے کہ آخرت میں بھی یہی اصول قائم رہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی رویت کے لئے توصرف دو چیزوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے ایک آلہ بصارت کا صحیح ہونا اور دوسرے رویت کا عقلاً محال اور شرعاً ممنوع نہ ہونا، اور یہ دونوں چیزیں یہاں پائی جاتی ہیں، کیونکہ اہل ایمان کے بارے میں قرآن کریم اور حدیث پاک دونوں ہی میں نہایت صراحت کے ساتھ رویت کی بشارت دی گئی ہے ۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ، الی ربھا ناظرۃ ۔ (سورۃ القیامہ آیت ۲۳) — کتنے ہی چہرے اس دن (آخرت) میں سرسبز و شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہوں گے ۔

نیز کفار کے بارے میں فرمایا گیا ہے

کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (سورۃ المطففین آیت ۱۵) — ہرگز نہیں! یہ لوگ (کفار) اس روز اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے ۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان حجاب میں نہ ہوں گے، پھر بیسیوں صحابہ کرام رضی کی روایتیں ہیں پھر امت کا اجماع ہے، یہ سب دلائل آخرت میں رویت باری کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں ۔

تشریح روایت دوم حضرت ابوہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے دن اور رات پر تقسیم کر کے کچھ فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر کر دی ہیں، یہ فرشتے نوبت بہ نوبت اس کو انجام دیتے ہیں، کچھ فرشتے دن کی ڈیوٹی بجا لاتے ہیں اور کچھ فرشتے رات کی، اور ان دن اور رات کے فرشتوں کا اجتماع فجر اور عصر کی نماز میں ہوتا ہے، اور رات کے فرشتے صبح کی نماز کے بعد عروج کرتے ہیں اور اوپر چلے جاتے ہیں، جب وہ خدا کے دربار میں حاضری دیتے ہیں، تو پروردگار ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے ہیں اور ہم جب گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے ۔

اس روایت میں چند باتیں تشریح طلب ہیں، ایک تو یہ کہ رات کے فرشتوں کی دربار خداوندی میں

حاضری اور ان سے سوال وجواب مذکور ہے، دن کے فرشتوں کا ذکر نہیں، دوسرے یہ کہ پروردگار جب تمام چیزوں کا خود علم رکھتا ہے تو فرشتوں سے پوچھنے کی کیا وجہ ہے، تیسرے یہ کہ فرشتوں سے پوچھا گیا ہے کس حال میں چھوڑ کر آئے، وہ جواب میں سوال سے زیادہ عرض کرتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم گئے تھے اس وقت بھی وہ مصروف نماز تھے، اور چوتھی بات یہ ہے کہ فرشتے اللہ کے بندوں کے بارے میں صرف نماز پڑھنے کی شہادت دیتے ہیں کسی اور کام کا تذکرہ نہیں کرتے جبکہ بندوں اور ان کے اعمال میں نماز کے علاوہ بھی بہت چیزیں ہیں۔

پہلی بات کی وضاحت یہ ہے کہ دربار خداوندی میں دن اور رات دونوں کے فرشتوں کی حاضری اور شہادت ثابت ہے، صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں مذکور ہے تجتمع ملائکۃ اللیل و ملائکۃ النهار فی صلاۃ الفجر و صلاۃ العصر فیجتمعون فی صلاۃ الفجر فتصعد ملائکۃ اللیل وتثبت ملائکۃ النهار ویجتمعون فی صلاۃ العصر فتصعد ملائکۃ النهار وتبیت ملائکۃ اللیل فیسألهم ربهم کیف ترکتم عبادی (عمدۃ القاری ج۲ ص۲۴) اس روایت میں تصریح ہے کہ دربار خداوندی میں حاضری اور اس کے بعد بندوں کے حالات کے بارے میں سوال وجواب، دن اور رات دونوں ہی کے فرشتوں سے ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض شارحین نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت کے بغیر، روایت باب ہی سے دونوں وقت کے فرشتوں سے سوال وجواب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کرمانی کہتے ہیں کہ یہ سرابیل تقیکم الحر (کپڑے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں) کی قبیل سے ہے جس میں ایک چیز کا ذکر کر کے اس کے مقابل کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیساکہ آیت میں کپڑوں کے بارے میں صرف یہ مذکور ہے کہ وہ گرمی سے بچاتے ہیں، حالانکہ سردی سے بھی بچاتے ہیں، مگر ذکر صرف گرمی سے بچانے کا کیا، اسی طرح روایت باب میں بھی تمہید کے اندر دونوں وقت کے فرشتوں کا ذکر ہے، اور دربار خداوندی میں پیشی کے سلسلے میں صرف ایک فریق کا تذکرہ ہے، دوسرے فریق کا حکم خود سمجھا جاسکتا ہے، پھر کرمانی نے اس سے بھی زیادہ اچھی بات کہی کہ اللہ کے بندوں کے بارے میں دربار خداوندی میں صرف رات کے فرشتوں کی گواہی کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ جب بندے رات کے وقت بھی مشغول عبادت تھے جبکہ رات میں راحت وآرام کا امکان بلکہ گناہوں کے مواقع بہت ہیں تو ایسے بندے دن میں یقیناً غفلت کا ثبوت نہ دیں گے۔

دوسری بات یعنی اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود فرشتوں سے اس لئے معلوم فرماتا ہے کہ وہ فرشتوں کی زبان سے شہادت ادا کرانا اور ان سے اقرار لینا چاہتا ہے کیونکہ

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے موقع پر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تھا

قالوا أتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء فرشتوں نے کہا کیا آپ زمین میں اسکو قائم کر رہے ہیں جو فساد کرے اور خونریزی کرے۔ (البقرہ، آیت ۳۰)

پھر اپنی قابلیت اور استحقاق کے سلسلے میں بھی کہا تھا ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك کہ ہم تیری حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری پاکی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس وقت تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا انی اعلم مالا تعلمون کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

باری تعالیٰ کا سب کچھ جانتے ہوئے فرشتوں سے سوال کرنا اسی سلسلے کی چیز ہے، گویا بنوآدم کے بارے میں فساد وخونریزی کا خیال ظاہر کرنے والوں پر واضح کیا جارہا ہے کہ یہی وہ بندے ہیں جو ہمہ وقت مصروفِ عبادت پائے گئے، مزید یہ کہ باری تعالیٰ اپنے نیک بندوں پر آخرت میں انعام فرمانے کیلئے شہادتیں جمع کر رہا ہے، تاکہ فرشتوں کے اس بیان کو بہانہ بنا کر انہیں رحمتوں سے نوازے، کہ جب فرشتے خدا کے روبرو ان بندوں کے صبح وشام مصروف عبادت رہنے کی شہادت دے رہے ہیں تو وہ خدا کے فضل واحسان اور انعام واکرام کے مستحق ہیں۔

تیسری بات یعنی فرشتوں کی جانب سے جواب میں سوال سے زیادہ عرض کرنے کی حکمت یہ ہے کہ فرشتے منشأ خداوندی کو سمجھ رہے ہیں کہ بندوں کے اعمال صالحہ پر شہادت منظور ہے اسلئے وہ سوال سے زیادہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم گئے تھے تب بھی مصروف نماز تھے۔

چوتھی بات یعنی نماز کے علاوہ کسی اور عمل کی شہادت نہ دینے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر یہ فرشتے محض نمازوں میں شرکت کیلئے نازل کئے جاتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ ان کی نظر سے بندوں کے برے اعمال پوشیدہ رکھے جاتے ہوں۔ کیونکہ وہ صرف مسجد میں آتے ہیں، نمازوں میں شرکت کرتے ہیں اور عالم بالا کی طرف عروج کر جاتے ہیں، یہ وہ فرشتے ہیں جن کا کام ہی اہل ایمان کے لئے استغفار کرنا ہے، قرآن میں ہے ویستغفرون للذین آمنوا اور وہ اہل ایمان کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں، اور اگر ان فرشتوں سے مراد نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتے ہوں تو اگرچہ ان کی نظر میں بندوں کے اچھے اور برے سب اعمال ہیں مگر باری تعالیٰ کے سوال سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ برے اعمال پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے مقصد تو فرشتوں سے بندوں کے اعمال صالحہ پر شہادت لینا ہے۔ ترجمۃ الباب سے روایت کا تعلق مقصد ترجمہ کے ذیل میں واضح کیا جاچکا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ

عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ وَ إِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ **حدثنا** عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيْمُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ، اُوْتِيَ اَهْلُ التَّوْرٰىةِ التَّوْرٰىةَ فَعَمِلُوْا حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ اُوْتِيَ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ الْاِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا إِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا ثُمَّ اُوْتِيْنَا الْقُرْاٰنَ فَعَمِلْنَا إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَاُعْطِيْنَا قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ فَقَالَ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ اَيْ رَبَّنَا اَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ وَاَعْطَيْتَنَا قِيْرَاطًا قِيْرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا اَكْثَرَ عَمَلًا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ اَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَا قَالَ وَهُوَ فَضْلِيْ اُوْتِيْهِ مَنْ اَشَاءُ **حدثنا** اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنْ اَبِي مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَاْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُوْنَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوْا إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ فَقَالُوْا لَا حَاجَةَ لَنَا إِلٰى اَجْرِكَ فَاسْتَاْجَرَ اٰخَرِيْنَ فَقَالَ اَكْمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِيْ شَرَطْتُ فَعَمِلُوْا حَتّٰى إِذَا كَانَ حِيْنَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَالُوْا لَكَ مَا عَمِلْنَا فَاسْتَاْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوْا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَكْمَلُوْا اَجْرَ الْفَرِيْقَيْنِ۔

ترجمہ، باب، اس شخص کا حکم جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت کو پالیا ہو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی شخص غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرلے اور جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرلے **حضرت** عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ امم سابقہ (یہود و نصاریٰ) کے مقابلہ میں تمہارا دنیا میں رہنا ایسا ہے جیسے عصر کی نماز سے غروبِ آفتاب تک، اہل توراۃ کو توراۃ دی گئی تھی انہوں نے کام شروع کیا یہاں تک کہ جب آدھا دن گذر گیا تو وہ تھک گئے چنانچہ انہیں ایک ایک قیراط دیدیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل عطا کی گئی انہوں نے عصر کی نماز تک کام کیا اور تھک گئے تو ان کو بھی ایک ایک قیراط دیدیا گیا، پھر ہم مسلمانوں کو قرآن دیا گیا اور ہم نے سورج کے غروب ہونے تک کام کیا اور ہم کو دو، دو قیراط دیئے گئے، پھر

اہلِ توراۃ اور اہلِ انجیل نے عرض کیا، اے پروردگار! تو نے ان مسلمانوں کو دُو دُو قیراط عطا کئے اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا جب کہ ہم نے کام ان سے زیادہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں نے تمہارے اجر میں سے کچھ کم کیا ہے، انہوں نے کہا نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو میرا فضل ہے جسکو چاہوں عطا کروں حضرت ابوموسیٰؓ اشعری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کسی گروہ سے صبح سے شام تک مزدوری پر کام کرنے کا معاملہ کیا اور ان لوگوں نے آدھے دن تک کام کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں تیری مزدوری کی ضرورت نہیں، (یعنی ہم کام نہیں کریں گے) پھر اس نے دوسرے لوگوں سے معاملہ کیا اور کہا کہ تم دن کے بقیہ حصہ میں کام کرو اور تم کو وہی مزدوری ملے گی جو میں نے طے کی تھی چنانچہ انہوں نے کام شروع کیا یہاں تک کہ جب عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو انہوں نے بھی کہدیا کہ ہم نے جو کام کیا ہے ہم تیرے حق میں اس سے دستبردار ہوتے ہیں (یعنی ہم کام پورا نہ کرسکیں گے، اُجرت کی ضرورت نہیں) پھر اس نے اور لوگوں سے معاملہ کیا اور وہ لوگ دن کے بقیہ حصہ میں غروبِ آفتاب تک کام کرتے رہے اور انہوں نے پچھلی دونوں جماعتوں کی مزدوری حاصل کرلی۔

مقصدِ ترجمہ ترجمہ کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی نے غروبِ آفتاب سے قبل عصر کی ایک رکعت پالی تو وہ مدرکِ عصر ہوگیا یعنی اس کو عصر کی نماز مل گئی، گویا ترجمہ میں وہ مسئلہ مذکور ہے جس کا تعلق احکامِ صلوٰۃ سے ہے جبکہ ذکر ہو رہا ہے اوقاتِ صلوٰۃ کا۔ مواقیتِ صلوٰۃ کے درمیان، ادراکِ صلوٰۃ کا مسئلہ بے ربط معلوم ہوتا ہے اسلئے ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ بخاری کا مقصد یہاں ادراکِ صلوٰۃ کے مسئلہ کا بیان نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا ہے بلکہ وہ اس باب میں عصر کے وقت کا منتہیٰ بیان کرنا چاہتے ہیں، گویا جس طرح بخاری نے دیگر اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے میں مبدأ اور منتہیٰ کا بیان کیا اسی طرح وہ عصر کے بارے میں یہاں یہ بیان کر رہے ہیں کہ عصر کا وقت جب سے شروع ہوتا ہے وہ برابر غروب تک ممتد رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ عصر کا وقت اصفرارِ شمس پر ختم ہوجائے جیسا کہ بعض حضرات اس کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ امام بخاری کے مدّعا کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے غروبِ آفتاب سے قبل ایک رکعت کو پالیا اس نے نماز کو پالیا، نماز کو پانا وقت کے پانے پر موقوف ہے، وقت گذرنے کے بعد نماز کہاں؟ اسلئے یہ بات واضح ہے کہ امام بخاری اس ترجمہ میں ان لوگوں پر رد کر رہے ہیں جو اصفرار کو وقتِ عصر سے خارج سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی قریب قریب یہی مقصد قرار دیا ہے کہ بخاری کا مقصد یہ

ثابت کرنا ہے کہ اگر غروب سے پہلے ایک رکعت بھی مل گئی ہے خواہ بقیہ رکعتیں غروب کے بعد پڑھی گئی ہوں تو نماز ہو گئی، قضا کی ضرورت نہیں ۔ بخاری کو یہ بات اہمیت کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ شوافع نے عصر کے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے، مثل اول ختم ہوتے ہی وقت مستحب ہے اور پورا مثل ثانی فضیلت والا وقت جواز ہے، پھر اصفرار سے پہلے تک جواز کا وقت ہے اور اصفرار کے بعد درجۂ مجبوری کا وقت ہے اور اس وقت تک موخر کرنے والا گنہگار بھی ہوتا ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس باب میں امام بخاریؒ درجۂ مجبوری کے وقت کے بارے میں ارشاد فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ بھی ایسا وقت ہے کہ نمازی نے اگر نماز کا کچھ حصہ بھی اس میں پڑھ لیا تو اس کا فریضہ ادا ہو جائے گا اور اس وقت تک موخر کرنے کے باوجود قضا اور اعادے کی ضرورت نہ ہوگی ۔

باب سابق سے ربط باب فضل صلوٰۃ العصر کے بعد باب من ادرک رکعۃ من العصر الخ منعقد کر کے امام بخاری یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ عصر کی فضیلت جس طرح عصر کو صحیح وقت میں پڑھنے والوں کو نصیب ہوتی ہے اسی طرح اندرونِ وقت ایک رکعت پانے والوں کو بھی اس فضیلت میں حصہ دار سمجھنا چاہیئے ، اگرچہ اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ جس نے پوری نماز وقت میں پائی اس کی فضیلت زیادہ ہے مگر ایک رکعت کا پانے والا بھی اس فضیلت سے محروم نہیں ہے ، بلکہ امام بخاری کے ذوق کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ یہ باب باب فی الباب کی قبیل سے ہے کیونکہ باب کے ذیل میں دی گئی حضرت ابوہریرہؓ کی پہلی روایت کا مضمون تو ایک رکعت پانے والے سے متعلق ہے مگر حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کی دوسری اور تیسری روایت کا تعلق تو مدرک کے مسئلہ سے کم اور فضل صلوٰۃ العصر سے زیادہ ہے ، لیکن یہ بات شارحین نے لکھی نہیں اس لئے اس کو احتمال کے درجہ میں سمجھنا چاہیئے، اصل یہی ہے کہ بخاری کا مقصد منتہائے عصر کا بیان ہے

تشریح روایت اوّل اس باب کے تحت امام بخاری نے تین روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے کہ جسے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی نماز کا ایک سجدہ مل جائے تو وہ اپنی نماز کو پورا کرلے ۔ ترجمۃ الباب میں رکعت کا لفظ ہے اور روایت میں سجدہ کا ، امام بخاری ترجمۃ الباب میں گویا حدیث کی شرح کر رہے ہیں کہ یہاں سجدہ سے مراد رکعت ہے کیونکہ سجدہ پر رکعت تمام ہوتی ہے اسلئے آخری جز بول کر کل مراد لے لیا، تراجم ابواب میں بخاری کا یہ بھی ایک طریقہ ہے ، مزید یہ کہ روایت کے بعض طرق میں من ادرک منکم رکعۃ وارد بھی ہوا ہے ۔

روایت میں ارشاد فرمایا گیا کہ غروب سے قبل کسی کو عصر کی ایک رکعت مل جائے تو وہ اسکو پورا کرلے

مطلب یہ ہے کہ اسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ سبب وجوب تو وقت ہے اسلئے بقدر سبب وجوب ہوا اور ایک ہی رکعت کا وقت ملا تھا، ایک رکعت پڑھ لی اور نمٹ گئے، فرماتے ہیں کہ ایسا سمجھنا غلط ہے، وقت کے تمام اجزا اول سے آخر تک سببیت میں برابر ہیں، اوّل وقت میں صَلّوا کا خطاب متوجہ ہوجاتا ہے، اگر نماز ادا کرلی تو ذمہ داری پوری ہوگئی ورنہ سببیت دوسرے حصہ میں منتقل ہوجاتی ہے اور اگر ایسا ہوگیا کہ آخری وقت آگیا اور ابھی تک نماز نہیں پڑھی تو یہی آخری وقت سببیت کیلئے متعین ہوگیا اور فرض ہیں چار رکعتیں، اب اگر ایک رکعت بھی وقت کے اندر پڑھنے کا موقع مل گیا ہے تو بقیہ رکعتوں کو وقت کے بعد پورا کرو، حکم فرمایا گیا فلیتمّ صلوٰتہ کہ نماز کو پورا کرنا ہوگا، یعنی شریعت نے تم کو مدرکِ عصر مان لیا ہے یعنی شریعت میں ایسی صورت میں استیناف کا حکم نہیں ہے بلکہ اسی ایک رکعت کے بعد بقیہ نماز کو ملانے کا حکم ہے۔ بعض روایات میں اتمام صلوٰۃ کے بجائے دوسری تعبیرات ہیں جیسے فقد ادرک الصلوٰۃ (یعنی اس نے نماز کو پالیا) یا فلم یفتہ العصر (اس کی عصر فوت نہیں ہوئی) حاصل سب کا یہی ہے کہ عصر کی فضیلت میں وہ شریک ہوگیا۔ نیز یہ کہ الفاظ اور تعبیرات میں فرق ہے اور سب میں کچھ نہ کچھ معانی کا فرق بھی بیان کیا جا سکتا ہے مگر یہ فیصلہ دشوار ہے کہ یہ سب تعبیرات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیں یا اس میں راویوں کی جانب سے تنوع پیدا ہوگیا ہے، البتہ امام بخاریؒ کا یہ مقصد کہ عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک ممتد ہے تمام تعبیرات سے ثابت ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ روایت میں فجر اور عصر دونوں کا ایک ہی حکم بیان کیا گیا ہے اور حنفیہ نے اس سلسلے میں فجر اور عصر کے درمیان فرق کیا ہے تو یہ مسئلہ چند ابواب کے بعد آرہا ہے۔

تشریح روایتِ دوم دوسری روایت حضرت ابن عمرؓ کی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں امم سابقہ کے مقابلہ میں تمہاری بقار کی مدت اتنی ہے جیسے عصر کی نماز سے غروبِ آفتاب تک کا مختصر وقت، یعنی تم کو بہت تھوڑا وقت دیا گیا ہے جیسے پورے دن کے مقابلہ میں عصر سے مغرب تک کا وقت بہت کم ہے۔ تم سے پہلے کی امتوں نے بڑے اور زیادہ وقت لئے ہیں اور انہوں نے تمہارے لئے بہت کم وقت چھوڑا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اہلِ تورات کو تورات دی گئی انہوں نے عمل شروع کیا، ابھی آدھا ہی دن ہوا تھا کہ وہ تھک گئے اور کندھا ڈال دیا، جب وہ عاجز ہوگئے تو مالک نے ان کو ایک قیراط حوالے کردیا، پھر اہلِ انجیل کی باری آئی تو انہوں نے نصف النہار سے عصر تک کام کیا پھر انہوں نے بھی عاجزی کا اظہار کیا تو مالک نے ان کو بھی ایک ایک قیراط دے کر رخصت کیا، پھر مسلمانوں یعنی اہلِ قرآن کی باری آئی تو انہوں نے عصر سے لیکر غروبِ آفتاب تک وہ کام مکمل کردیا جس کو اہلِ تورات و اہلِ انجیل نے ناتمام چھوڑ دیا تھا تو مالک نے خوش ہوکر ان کو دو، دو

قیراط عطا کئے، اس پر اہل تورات وانجیل نے عرض کیا کہ پروردگار! تونے ان کو دو، دو قیراط عطا کئے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا گیا، یعنی کام ہمارا زیادہ ہے کہ ہم میں کا ہر ہر فرد اپنے اپنے زمانہ میں زیادہ وقت تک کام کرتا رہا؟ پروردگار تے ارشاد فرمایا، تم سے جو طے کیا گیا تھا اس میں تو کمی نہیں کی گئی، جواب دیتے ہیں کہ بجا ارشاد فرمایا، پھر پروردگار نے فرمایا، باقی میرا فضل ہے جس کو چاہوں زائد عطا کروں اس میں کسی کو مداخلت کا کیا حق ہے؟

مقصدِ ترجمہ کا ثبوت

روایت میں امم سابقہ اور مسلمانوں کے تقابل کیلئے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے اور جن لوگوں نے بخاری کے ترجمہ کا یہ مقصد قرار دیا ہے کہ ایک رکعت کے مدرک کو پوری نماز کا مدرک قرار دیا جائے انہوں نے مقصد ترجمہ سے روایت کے مضمون کو مربوط کرنے کے لئے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے، حافظ ابن حجرؒ، مہلبؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جزوی عمل پر اجر پورے عمل کا دیدیا جائے کیونکہ عصر سے لیکر غروب تک کے کام پر پورے دن کی اجرت عطا کی گئی ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ایک رکعت کے مدرک کو پوری نماز کا ثواب دیا جائے۔ پھر ابن حجرؒ نے مہلب کی بات پر اور ذرا سا اضافہ کیا کہ حدیث میں وہ جزوی عمل جس پر پورا اجر دیا گیا ربع نہار کا عمل ہے یعنی عصر سے لیکر غروب آفتاب تک کا وقت، دن کا ایک چوتھائی حصہ ہے اور جس طرح اس چوتھائی وقت میں کام کرنے پر پورا اجر دیا گیا اسی طرح ایک رکعت کے مدرک کو، چار رکعت پانے والے کی طرح قرار دیا گیا۔ گویا مثال اور ممثل لہ میں، چوتھائی عمل کو پورا عمل قرار دینے کی بات مشترک ہے، پھر حافظ ابن حجرؒ نے کچھ اعتراضات نقل کر کے ان کا جواب دیا ہے لیکن اصل اعتراض کو انہوں نے چھیڑا ہی نہیں کہ پورے دن کی اجرت تو تین قیراط تھی، اسلئے اگر روایت میں یہ آتا کہ فریقِ ثالث کو تین قیراط دئے گئے تو یہ بات ثابت ہوتی کہ چوتھائی عمل پر پورا اجر دیا گیا، یہاں تو دو قیراط ملے اسلئے ثابت تو اتنا ہوا کہ کم عمل پر زیادہ اجرت دی گئی۔

ان سوال وجواب کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ اگر ترجمہ کا مقصد یہی قرار دیا جائے کہ ایک رکعت کا مدرک پوری نماز کا مدرک ہے تو مہلبؒ اور حافظؒ کی بات بہت اچھی اور خوبصورت ہے مگر اس کے باوجود ہمیں یہ کہنے دیجئے کہ مواقیتِ صلوٰۃ سے اس کا کیا ربط رہا۔ بیان ہو رہا ہے اوقات نماز کا اور درمیان میں بالکل اجنبی بحث چھڑ گئی۔ اسلئے ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری کا مدعا ہے منتہائے عصر کا بیان اور وہ اس طرح ثابت ہے کہ روایت میں دن کو تین حصوں میں تقسیم کر کے۔ اس کو تین فریق کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ صبح سے نصف النہار تک کا یہود کے حق میں ہے اور اس میں کوئی

دوسرا شریک نہیں، پھر دوسرا حصہ ظہر سے عصر تک کا نصاریٰ کے حق میں ہے اور اس میں کوئی شریک نہیں پھر تیسرا حصہ عصر سے مغرب تک کا ہے اور اس میں کوئی تقسیم نہیں، معلوم ہوا کہ جس طرح ظہر سے عصر تک کا وقت اوّل سے آخر تک ایک ہے اسی طرح عصر سے مغرب تک کا وقت بھی ایک رہنا چاہیئے، بخاری کا مدعا ثابت ہوگیا کہ عصر کے وقت کا منتہیٰ غروب آفتاب ہے۔

تشریح روایت سوم تیسری روایت حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک قوم کو رات تک کام کرنے کی شرط پر اجیر رکھا، یعنی طے ہوا کہ اتنی اجرت ملے گی اور شام تک کام کرنا ہوگا، انہوں نے نصف النہار تک کام کر کے درمیان میں چھوڑ دیا اور مالک سے کہا کہ ہمیں اجرت کی بھی ضرورت نہیں، ہم سے کام نہیں ہوتا، دوسرے مزدور تلاش کرلو، مالک نے دوسرے مزدوروں سے معاملہ کیا کہ وہ دن کے بقیہ حصہ میں کام مکمل کردیں اور جو اجرت طے ہوئی تھی وہ مکمل لے لیں، لیکن یہ حضرات بھی عصر تک کام کر کے کہنے لگے کہ اب ہم کام نہ کریں گے اور جو کام کیا ہے اس کی اجرت کی بھی ضرورت نہیں چنانچہ مالک نے پھر تیسرے فریق سے بات کی، اس تیسرے فریق نے غروب آفتاب تک کام کیا اور پچھلے دونوں کام سے انکار کر کے بھاگنے والوں کی اجرت بھی حاصل کرلی، اس روایت میں بھی عصر سے مغرب تک کے وقت کو، ایک وقت قرار دیا گیا ہے اور اس سے بھی امام بخاری کا مقصد ثابت ہے۔

دونوں روایتوں میں وجوہِ فرق پھر یہاں ایک اور بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ کی روایتوں میں تمثیل کے طور پر جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ ایک ہی واقعہ ہے یا الگ الگ دو واقعے ہیں، بعض حضرات نے ان کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے مگر ہمیں تو یہ کوشش تضییع اوقات معلوم ہوتی ہے، دونوں روایتوں میں متعدد باتوں میں اختلاف بلکہ تضاد ہے، پہلی اور دوسری روایت میں اتنی بات تو مشترک ہے کہ تین تین فریق ہیں اور ہر فریق سے معاملہ الگ الگ ہے مگر پہلی روایت میں مدتِ اجارہ کی صراحت نہیں، دوسری روایت میں مدتِ اجارہ یعنی إلی اللیل کی تصریح ہے، پہلی روایت میں ہے کہ آدھے دن تک کام کر کے عاجز ہوگئے اور ان کو ایک ایک قیراط دیا گیا، دوسری روایت میں ہے کہ ہمیں اجرت کی ضرورت نہیں، یہ ناخوشی کے الفاظ ہیں اور یہاں یہ مذکور نہیں کہ ان کو کچھ دیا گیا ہو۔ اسلئے ظاہر یہی ہے کہ دونوں تمثیلات الگ الگ ہیں اور دو قسم کے لوگوں کے حالات کو ظاہر کیا گیا ہے پہلی روایت میں یہود و نصاریٰ

میں سے ان لوگوں کا حال ہے جو اپنے زمانے میں اپنے دین پر قائم رہے اور اس پر عمل کیا اور وفات پا گئے، عجزوا کے معنی ہوں گے موت سے عاجز ہوگئے، مالک نے ان کو اجرت دیدی، اور دوسری روایت میں ان لوگوں کا حال ہے جنھوں نے دین سے بیزاری کا اظہار کیا وغیرہ۔

امتوں کی مدت بقا یا افراد کی؟ یہاں اس کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ روایت میں یہود و نصاریٰ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدتِ بقاء کم ذکر کی گئی ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہود کی مدت ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار سال ہے بھی مگر نصاریٰ کی مدت تو زیادہ سے زیادہ چھ سو سال ہے، جبکہ مسلمانوں کو چودہ سو سال ہو چکے ہیں اور معلوم نہیں کہ قیامت تک اور کتنا زمانہ باقی ہے، پھر یہ کہ ان امتوں کی جانب سے روایت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے، اسلئے مسلمانوں کی مدتِ بقاء کا کم ہونا اور یہود و نصاریٰ کے کام کا زائد ہونا کیسے صادق ہے؟

کچھ حضرات نے یہ معنیٰ بیان کئے ہیں کہ ان تمثیلات میں گذری ہوئی ہر امت کے مقابلہ پر امتِ محمدیہ کے کم بقاء کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ پچھلی تمام امتوں کے مجموعہ سے تقابل کیا گیا ہے یعنی تمام امتوں کی مجموعی مدت کے مقابلہ پر امتِ محمدیہ کی عمر کم ہے، یہ بھی ایک صورت ہے۔

لیکن اس سے زیادہ واضح اور اچھی بات یہ ہے کہ یہاں امت کا امت سے تقابل نہیں بلکہ آحاد و افرادِ امت کا، آحاد سے تقابل ہے، اس امتِ محمدیہ کے جو افراد ہیں ان کی عمروں کا اوسط حدیث پاک کی رُو سے ۶۰ سے ۷۰ کے درمیان ہے اعمار امتی مابین الستین الی السبعین (ترمذی ص۵۶ ج۲ وابن ماجہ) کہ میری امت کی عمریں ۶۰ سے ۷۰ کے درمیان ہوں گی جبکہ امم سابقہ کے افراد کی عمریں اس سے کہیں زیادہ بیان کی گئی ہیں، بلکہ عمر کی زیادتی کے ساتھ ان چیزوں کو بھی شمار کیجئے کہ ان کو افکار بھی اتنے درپیش نہ تھے، ان کو صحت بھی اس سے کہیں زیادہ اچھی دی گئی تھی، کہتے ہیں کہ فرعون کے کئی سو سال تک سر میں بھی درد نہیں ہوا۔ تو ہمارے لئے عمل کا وقت کم اور قُویٰ کمزور ہیں اور پچھلی امتوں کے افراد کی عمریں زائد یعنی ان کے عمل کا وقت زائد اور قویٰ نہایت مضبوط تھے، اسی لئے پروردگار نے ہم پر رحم فرمایا کہ امم سابقہ کو ایک نیکی پر ایک ہی نیکی کا ثواب دیا جاتا تھا اور ہماری ایک نیکی کو دس کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

آحاد سے آحاد کے تقابل کی دلیل یہ ہے کہ کلمۂ قیراط کے تکرار کے ساتھ قیراطا، قیراطا اور قیراطین قیراطین فرمایا گیا ہے، اگر تقابل امت کا امت سے ہوتا تو قیراطا کے تکرار کی ضرورت نہیں تھی صرف قیراطًا کافی تھا یعنی پوری امت کو ایک قیراط نہیں بلکہ امت کے ہر ہر فرد کو ایک ایک قیراط

دیا گیا ہے اور پھر اس معنی پر بھی غور کر لیجئے کہ اگر کسی امت کو ایک قیراط اور پوری امت محمدیہ کو دو قیراط ملے تو ثواب تقسیم کیجئے، ایک کم افراد والی امت پر ایک قیراط تقسیم ہو اور ایک اُن سے دس گنا تعداد والی امت پر دو قیراط تقسیم ہوں تو دو قیراط کم پڑ جائیں گے اور پھر یہ شکایت مہمل ہو جائے گی کہ ان کو زائد کیوں ملا۔ اور سب سے زیادہ اہم دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں آحاد کا آحاد سے تقابل منقول ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ عصر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپؐ نے ارشاد فرمایا

ما اعمارکم فی اعمار من مضی الا کما بقی من النہار فیما مضی منہ (مسند احمد ص ۱۱۶ / ج ۲) تمہاری عمروں کی مثال گذری ہوئی امتوں کی عمروں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے گذرے ہوئے دن کے مقابلہ میں دن کا بقیہ حصہ۔

یہ بات آپؐ نے عصر کے بعد ارشاد فرمائی اور اس میں امت کا امت سے نہیں بلکہ امم سابقہ کے افراد کی عمروں کا امت محمدیہ کے افراد کی عمروں سے تقابل کر کے مضمون بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

باب وَقْتِ الْمَغْرِبِ وَقَالَ عَطَاءٌ يَجْمَعُ الْمَرِيضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ **حدثنا** مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّجَاشِيِّ هُوَ عَطَاءُ بْنُ صُهَيْبٍ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ يَقُولُ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ **حدثنا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَئُوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ - كَانُوا أَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ **حدثنا** الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ **حدثنا** آدَمُ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا -

ترجمہ، باب، مغرب کے وقت کا بیان، حضرت عطاء نے فرمایا کہ بیمار کیلئے مغرب اور عشاء کی نماز کا جمع کرنا درست ہے **حضرت** رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور ہم میں سے کوئی ایسے وقت میں فارغ ہو کر لوٹتا تھا کہ

وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ سکتا تھا **محمد** بن عمرو کہتے ہیں کہ حجاج (مدینہ کا عامل ہوکر) آیا تو ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے (نماز کے اوقات کے بارے میں) پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھتے تھے اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ آفتاب ابھی صاف ہوتا تھا اور مغرب کی نماز غروبِ آفتاب کے فوراً بعد پڑھتے تھے اور عشار کی نماز کبھی اِس وقت اور کبھی اُس وقت، یعنی جب آپ یہ دیکھتے کہ صحابہ جمع ہو گئے ہیں تو جلد پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ انہوں نے آنے میں دیر کی تو نماز کو موخر کر دیتے اور صبح کی نماز ۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اندھیرے میں پڑھتے ۔ **حضرت** یزیدؓ بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ جب سورج چھُپ جاتا تھا **حضرت** ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعت ایک ساتھ (یعنی مغرب و عشار) اور آٹھ رکعت ایک ساتھ (یعنی ظہر و عصر) پڑھیں ۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ مغرب کے وقت کا آغاز کب سے ہوتا ہے اور اس کا منتہیٰ کیا ہے ؟ چنانچہ امام بخاری نے واضح کر دیا کہ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مغرب کی نماز کو غروب سے متصل رکھا ہے ۔ اگر کوئی اشتباکِ نجوم تک موخر کرے گا تو کراہت آجائے گی ۔ البتہ اگر کوئی شخص مجبوری مرض وغیرہ کے سبب مغرب اور عشار وغیرہ کو اس طرح جمع کرنا چاہے کہ مغرب کی نماز مغرب کے آخر وقت میں اور عشار کی نماز عشار کے اوّل وقت پڑھے تو مضایقہ نہیں ۔ حضرت عطار کا اثر اسی مقصد سے نقل کیا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت اتنا تنگ بھی نہیں ہے کہ معمولی سی تاخیر کی بھی گنجائش نہ ہو جیسا کہ بعض ائمہ سے چند رکعات کے بقدر منقول ہے ۔ حضرت عطار کے قول میں جو جمع بین المغرب و العشار کا مضمون ہے اس سے مراد جمع صوری ہے اور امام بخاری کے یہاں جہاں بھی جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے ان سب مقامات پر جمع صوری ہی مراد ہے کیونکہ بخاری جمع حقیقی کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں بھی عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ جمع حقیقی نہیں ہے ۔

تشریح روایات اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے چار روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت رافعؓ بن خدیج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی ایک نماز پڑھ کر لوٹتا تھا تو اس کو اپنے تیر کے گرنے کی جگہ نظر آتی تھی ۔ مراد یہ ہے کہ نمازِ مغرب میں عجلت پسندیدہ امر ہے اور آپؐ غروب کے فوراً بعد نماز پڑھتے

تھے، حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت اس وقت تک فطرت پر برقرار رہے گی جبتک کہ وہ مغرب کو ستاروں کے نکلنے تک موخر نہ کرے، حضرت رافع کی روایت میں آیا کہ نماز سے فراغت کے بعد روشنی برقرار رہتی تھی، علی بن بلال لیثی کہتے ہیں کہ میں نے انصار مدینہ کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے نماز کے بعد تبلایا

کانوا یصلون المغرب مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ینطلقون یترامون لا یخفی علیھم مواقع سھامھم حتی یاتون دیارھم فی اقصی المدینۃ (مسند احمد ص۳۶ ج۴)

وہ لوگ مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھکر نکلتے، تیراندازی کرتے تو ان پر تیروں کے گرنے کی جگہ پوشیدہ نہ رہتی حتیٰ کہ وہ اقصائے مدینہ میں اپنے گھروں تک پہنچ جاتے۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ تیراندازی کر کے گھر جاتے تھے بلکہ گھر پہنچ کر تیراندازی کرتے تھے، روایت میں ہے

عن رجل من اسلم انھم کانوا یصلون مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم المغرب ثم یرجعون الی اھلیھم الی اقصی المدینۃ ثم یرمون فیبصرون مواقع نبلھم (نسائی، باب تعجیل المغرب ص۹۰ ج۱)

قبیلہ اسلم کے ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے پھر اقصائے مدینہ میں اپنے گھر لوٹ جاتے پھر تیر اندازی کرتے تو اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھ لیتے۔

گویا مغرب کے بعد فاصلہ طے کر کے بھی اتنی روشنی رہتی تھی کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آئے، اس روایت سے بشرط انصاف اُس روایت کے معنی سمجھنے میں مدد لی جاسکتی ہے جس میں عصر کی نماز پڑھ کر تغیر آفتاب سے پہلے اقصائے مدینہ میں واقع اپنے گھروں تک پہنچنے میں زیادہ وقت نہ لگتا تھا، حد یہ ہے کہ غروب کے بعد نماز پڑھتے اور پھر اتنی روشنی میں گھر پہنچ جاتے کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آتی۔

دوسری روایت حضرت محمد بن عمرو کی ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک بن مروان کی جانب سے ۷۴ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی مدینہ طیبہ کا عامل بن کر آیا اور نمازوں کے سلسلے میں مستحب اوقات کی رعایت نہ رہی تو ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نمازوں کے اوقات کے سلسلے میں سوال کیا حضرت جابر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کی گرمی میں پڑھتے تھے، یہ بحث گذر چکی ہے اور عصر ایسے وقت میں پڑھتے کہ آفتاب ابھی صاف ہوتا، یہ بحث بھی گذر چکی ہے اور مغرب، غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھتے، ترجمۃ الباب اس لفظ سے متعلق ہے اور عشاء میں صحابہ کے جمع ہو جانے کی صورت میں تعجیل فرماتے اور اگر ان حضرات کے جمع ہو جانے میں دیر ہوتی تو تاخیر فرما دیتے اور فجر کی نماز غلس میں ہوتی تھی، مطلب یہ ہے کہ اس میں مقتدیوں کے انتظار کے سبب تاخیر نہ ہوتی تھی۔

تیسری روایت حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے ہے کہ مغرب کی نماز آفتاب کے پردہ میں آتے ہی یعنی غروب کے فوراً بعد پڑھی جاتی تھی، ان تینوں روایتوں سے بخاری کا مقصد مغرب کی نماز میں تعجیل کا بیان ہے، اس کے بعد چوتھی روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قیام کے دوران مغرب اور عشار کی سات رکعتیں ایک ساتھ اور ظہر وعصر کی آٹھ رکعتیں ایک ساتھ ادا کیں، یہ وہی روایت ہے جس کے بارے میں امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں فرمایا ہے کہ اس پر کسی کا عمل نہیں ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے حالتِ قیام میں یہ روایت کسی کے نزدیک قابلِ عمل نہیں ہے، امام بخاری نے بتا دیا کہ یہ جمع صوری پر محمول ہے اور مرض وسفر وغیرہ کے عذر میں قابلِ عمل ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت غروب سے عشار تک ممتد رہتا ہے اور اس کا آخری وقت عشار کے اوّل وقت سے متصل ہے اور درمیان میں کوئی فاصلہ نہیں، اگر کوئی معذور جمع صوری کرنا چاہے تو گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

باب مَنْ كَرِهَ اَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ **حدثنا** ابو معمر - هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو - قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بُرَيْدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ الْمُزَنِيُّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اِسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَتَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَاءُ۔

ترجمہ، باب، ان لوگوں کے استدلال کا بیان جو مغرب پر عشار کا اطلاق مکروہ قرار دیتے ہیں **حضرت** عبداللہ مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری مغرب کی نماز کے نام پر اعراب غالب نہ آجائیں، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ اعراب اس نماز کو عشار کے نام سے یاد کرتے تھے۔

مقصدِ ترجمہ مقصد یہ ہے کہ شریعت میں مختلف چیزوں کے باقاعدہ اصطلاحی نام مقرر کئے گئے ہیں تاکہ ان ناموں کے ساتھ احکامِ شریعت بیان کئے جائیں اور مخاطب کو سمجھنے میں سہولت رہے اور ایک حکم دوسرے حکم سے بالکل ممتاز طریقہ پر سمجھا جا سکے، مغرب اور عشار کے الفاظ بھی شریعت کی اصطلاح میں آکر، جاہلیت کے زمانہ کے اطلاق یا لغوی مفہوم سے قدرے مختلف ہو گئے ہیں، مغرب کے لغوی معنیٰ ہیں غروب کا وقت اور عشار کے لغوی معنی ہیں اوّل ظلام اللیل رات کی تاریکی کا ابتدائی حصہ، اور اس کا آغاز غروبِ شفق سے ہوتا ہے جبکہ شریعت کی اصطلاح میں مغرب اور عشار کے الفاظ، دو الگ الگ نمازوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔

اس لئے امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ بول چال میں اور اطلاقات میں اور احکامِ شرعیہ کے بیان میں ان اصطلاحات کی پابندی کی جائے، مغرب کو مغرب ہی کے نام سے یاد کیا جائے، لفظ عشار کا اس پر اطلاق نہ کیا جائے، اگر اس کی رعایت نہ کی گئی تو اس کا نقصان ہوگا، ایک تو یہ کہ اسلامی نام کے

مقابلہ پر جاہلیت کا نام فروغ پائے گا اور دوسرے یہ کہ احکام شرعیہ کے بیان میں التباس ہوجائے گا، اور سننے والے کو دشواری پیش آئے گی کہ وہ کس حکم کو کس چیز سے متعلق قرار دے۔

تشریح حدیث حضرت عبداللہ مزنی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بادیہ نشین حضرات عام بول چال میں تمہارے "مغرب" کے نماز کے نام پر، جاہلیت کے زمانہ کے نام کو غالب نہ کردیں، اس لئے کہ یہ لوگ اس نماز کو عشار کے نام سے یاد کرتے ہیں، اگر یہ لوگ اس سلسلے میں غالب آگئے تو دو نقصان ہوں گے، ایک تو اسلامی زبان کی حفاظت نہ ہوسکے گی اور دوسرے یہ کہ احکام میں التباس ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر احکام میں التباس نہ ہو اور اعراب کی زبان کے غلبہ کا بھی اندیشہ نہ ہو جیسے مغرب اور عشار کو تغلیباً عشائین کے نام سے یاد کرنا یعنی صَلَّیْتُ العشائین بولنا، تو اس کی اجازت دی جائے گی واللہ اعلم

بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ وَقَالَ لَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَالْاِخْتِيَارُ أَنْ يَقُولَ الْعِشَاءُ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ، وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ فَأَعْتَمَ بِهَا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةُ أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَائِشَةَ أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَمَةِ وَقَالَ جَابِرٌ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ وَقَالَ أَنَسٌ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَأَبُو أَيُّوبَ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ **حَدَّثَنَا** عَبْدَانُ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَالِمٌ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ قَالَ صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ۔

ترجمہ، باب، عشار کو عشار اور عتمہ کے نام سے ذکر کرنے کا حکم اور ان لوگوں کی رائے کی وضاحت جنہوں نے اس میں توسع اختیار کیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا کہ منافقین پر نمازوں میں سب سے بھاری نماز، عشار اور فجر ہیں، فرمایا کہ اگر لوگ عتمہ (یعنی عشار) اور فجر کی فضیلت جان لیں تو..... ابو عبداللہ یعنی امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ پسندیدہ یہی ہے کہ لفظ عشار استعمال کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے من بعد صلوٰۃ العشاء آ فرمایا ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ عشار کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نوبت بہ نوبت جایا کرتے تھے تو آپ نے (ایک دن) عتمہ یعنی تاریکی میں نماز پڑھی ۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشار کی نماز عتمہ (تاریکی) میں پڑھی اور بعض راویوں نے حضرت عائشہؓ سے یوں روایت کی ہے اعتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعتمۃ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتمہ (عشار) کی نماز (عتمہ میں (یعنی تاریکی میں تاخیر کرکے) پڑھی ۔۔۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی نماز پڑھتے تھے ۔ حضرت ابوبرزہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی نماز کو موخر کرکے پڑھتے تھے ۔۔۔ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلی عشار کی نماز تاخیر سے پڑھی ۔ حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشار کی نماز پڑھی ۔ **حضرت** عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عشار کی نماز پڑھائی اور یہ وہ نماز ہے جسے لوگ عتمہ کے نام سے یاد کرتے ہیں ، پھر جب آپ فارغ ہو گئے تو روئے مبارک ہماری طرف کرکے فرمایا ، اپنی اس رات کو یاد رکھنا کیونکہ اس صدی کے آخر تک ان لوگوں میں سے جو اس وقت روئے زمین پر ہیں کوئی باقی نہیں رہے گا ۔

مقصدِ ترجمہ پچھلے باب میں ذکر تھا کہ شریعت نے جو اصطلاحی نام مقرر کئے ہیں ان کی پابندی کرنی چاہیئے اور اسی لئے مغرب پر عشار کا لفظ نہ بولا جائے ، اب اس باب میں پچھلے باب کے برخلاف یہ بیان کررہے ہیں کہ عشار کی نماز پر عشار اور عتمہ دونوں ناموں کا اطلاق کیا گیا ہے اسلئے اس کی گنجائش ہے ، امام بخاری کی عادت ہے کہ ایسے مواقع پر وہ خود ذمہ داری قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی طرف انتساب کرکے حکم بیان کرتے ہیں چنانچہ ترجمۃ الباب کے الفاظ ہیں ومن راٰہ واسعًا یعنی ان لوگوں کی رائے کی وضاحت جنھوں نے گنجائش سمجھی ہے ۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ زیر بحث ترجمۃ الباب کا مضمون پچھلے باب سے بالکل مختلف ہے کیونکہ بادیہ نشینوں کی زبان کی ترویج سے بچنے کی بات دونوں جگہ پائی جاتی ہے ، وجہ فرق یہ ہے کہ اول تو مغرب پر عشار کے اطلاق سے ممانعت میں دو باتیں تھیں ایک اسلامی اصطلاحات کی حفاظت اور دوسرے احکام شرعیہ کے بیان میں التباس کا خطرہ ، اور عشار پر عتمہ کے اطلاق میں پہلا سبب پایا جاتا ہے ، احکام میں التباس کا کوئی اندیشہ یا اشتباہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ دونوں کا مصداق ایک ہے دوسرے یہ کہ حدیث پاک میں عشار پر عتمہ کا اطلاق آیا بھی ہے جیسا کہ امام بخاری مختلف تعلیقات

کے ذریعہ ترجمۃ الباب میں اس کو ثابت کر رہے ہیں۔ بہرحال بخاری کا مقصد ترجمۃ الباب سے یہ ہے کہ عشار پر اگرچہ عشار ہی کا اطلاق پسندیدہ ہے، لیکن روایات میں کبھی کبھی اس پر عتمہ کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اس لئے اگر کبھی اس لفظ کو استعمال کر لیا جائے تو مضایقہ نہیں ہے، نیز لغت کے اعتبار سے بھی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مقصدِ ترجمہ کی یہ وضاحت شارحین کے ذوق کے مطابق ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس مقصد کے ساتھ عشار کے اوّل وقت کی تعیین کی طرف بھی اشارہ ہو کیونکہ عشار کے معنی اوّل ظلام اللیل یعنی رات کی تاریکی کا ابتدائی حصہ ہیں اور عتمۃ بھی از روئے لغت غیبوبتِ شفق کے بعد کو کہتے ہیں اسلئے امام بخاری نے اس طرف بھی متنبہ کر دیا کہ عشار کے وقت کی ابتدا، شفق غائب ہونے کے بعد سے ہوتی ہے (واللہ اعلم)

ترجمۃ الباب کی تعلیقات اس ترجمہ کے ذیل میں امام بخاریؒ نے سند حذف کر کے متعدد احادیث کے وہ جملے نقل کئے ہیں جن میں عشار پر کبھی عشاء اور کبھی عتمۃ کا اطلاق کیا گیا ہے، ان تمام احادیث کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں دوسرے مقامات پر بسندِ صحیح نقل کیا ہے، مگر یہاں اختصار کے سبب سندیں ذکر نہیں کی ہیں بلکہ صرف صحابی کا نام ذکر کر دیا ہے، اس طرح سند کے اوّل سے راویوں کے حذف کرنے کو تعلیق کہتے ہیں۔

قال ابو ھریرۃ الخ حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ منافقین پر سب سے بھاری نمازیں فجر اور عشار کی ہیں، یہ الفاظ باب فضل العشاء فی جماعۃ میں بسندِ متصل مذکور ہیں، جن میں عشار کی نماز کے لئے عشار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر فرمایا گیا ہے کہ اگر لوگوں کو وہ فضیلت معلوم ہو جائے جو عتمہ (عشار) اور فجر میں رکھی گئی ہے تو لوگ گھٹنوں کے بل چل کر یعنی زیادہ سے زیادہ مشقت برداشت کر کے بھی ان میں حاضر ہونے کی کوشش کریں، یہ الفاظ باب الاستھام فی الاذان میں بسندِ صحیح مذکور ہیں جنہیں عشار پر عتمہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

قال ابو عبد اللہ الخ ابو عبد اللہ، خود امام بخاریؒ ہیں، فرماتے ہیں کہ اگرچہ عتمۃ کا اطلاق عشار پر کیا گیا ہے اور اس کی گنجائش بھی ہے لیکن پسندیدہ یہی ہے کہ لفظِ عشار کا استعمال کیا جائے کیونکہ قرآن کریم میں بھی اس نماز کو عشار کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے، یہ مضمون حدیثِ پاک میں بھی آیا ہے لایغلبنکم الاعراب علی اسم صلوٰتکم العشاء فانھا فی کتاب اللہ العشاء یعنی یہ بادیہ نشین اور اہل دیہات عشار کی نماز پر کسی اور لفظ کے اطلاق میں تم پر غالب نہ آجائیں اسلئے کہ اس نماز پر کتاب اللہ میں عشار کا لفظ بولا گیا ہے، امام بخاری نے یہ لفظ بڑھا کر متنبہ کر دیا کہ اگرچہ عشاء پر عتمہ کے اطلاق کی گنجائش ہے مگر کبھی کبھی، عام طور پر پسندیدہ لفظ وہی ہوگا جسے قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

ویذکر عن ابی موسیٰ الخ حضرت ابوموسیٰ رضؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نوبت بہ نوبت جایا کرتے تھے، ہمارا یہ جانا عشار کی نماز کے وقت تھا تو آپؐ عشار کی نماز کو عتمہ میں یعنی تاخیر فرما کر تاریکی میں پڑھتے تھے۔ اس تعلیق کو امام بخاریؒ نے دو باب کے بعد باب۔ فضل صلوٰۃ العشاء میں مرفوعاً ذکر کیا ہے جبکہ یہاں اُس کو "یذکر" کہہ کر یعنی بصیغۂ مجہول اور بصیغۂ تمریض لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ امام بخاری تعلیقات میں صیغۂ تمریض استعمال کریں تو ان کا ضعیف ہونا ضروری نہیں بلکہ امام بخاری کبھی روایت بالمعنیٰ کے طور پر کوئی بات ذکر کریں یا اپنی ضرورت کے مطابق صرف ایک جز کے نقل پر اکتفار کریں یا ان کے نزدیک کوئی اور مصلحت ہو تو وہ صیغۂ تمریض ذکر کر دیتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ یہاں عشار پر عتمہ کا لفظ نہیں بولا گیا ہے بلکہ عشار کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کیلئے عتمہ سے باب افعال اَعْتَمَ استعمال ہوا ہے، آگے بھی دیگر تعلیقات میں فعل کا استعمال ہوا ہے، امام بخاریؒ اس سے بھی عشار پر لفظ عتمہ کا اطلاق دکھا رہے ہیں یہ امام بخاری کی شان ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اَعْتَمَ وغیرہ کا اطلاق خالص لغوی استعمال ہے، عتمہ کے عشار پر اطلاق کا اس سے ثبوت ضروری نہیں۔

قال ابن عباسؓ وعائشۃؓ الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتمہ یعنی عشار کی نماز کو موخر کر کے پڑھا اس تعلیق میں بالعتمۃ کے بعد بالعشاء، بالعتمۃ کا بدلِ اشتمال ہے، بخاری کا مدعا ثابت ہو گیا کہ عشار پر عتمہ کا اطلاق ہوا۔ ابن عباسؓ کی روایت باب۔ النوم قبل العشاء میں اور حضرت عائشہؓ کی روایت باب۔ فضل العشاء اور باب۔ النوم قبل العشاء میں بسندِ متصل مذکور ہے۔

وقال بعضھم عن عائشۃ الخ یہ تعلیق باب۔ خروج النساء الی المساجد میں بہ سندِ شعیب عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ مذکور ہے اس تعلیق میں اعتم بالعتمۃ کے الفاظ ہیں یعنی فعلِ مشتق بھی استعمال ہوا ہے اور عشار پر عتمہ کا لفظ بھی بولا گیا ہے۔

قال جابرؓ الخ متعدد صحابۂ کرام سے عشار کی نماز پر لفظِ عتمہ کے اطلاق کا ثبوت فراہم کرنے کے بعد اب امام بخاری عشار پر لفظِ عشار کا اطلاق دکھانا چاہتے ہیں، سب سے پہلے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ کی روایت ذکر کی ہے جو امام بخاری کے یہاں باب۔ وقت المغرب اور باب۔ وقت العشاء میں بسندِ متصل مذکور ہے، اس روایت میں عشار کیلئے عشار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

قال ابوبرزۃؓ الخ اس تعلیق میں بھی عشار کے لئے عشار کا استعمال ہے، یہ تعلیق سندِ متصل کے ساتھ بابُ وقت العصر میں گذر چکی ہے۔

قال انسؓ الخ اس تعلیق کو امام بخاری نے بابُ وقت العشاء الی نصف اللیل میں بسندِ متصل

ذکر کیا ہے، اس میں عشار پر عشار کا اطلاق کیا گیا ہے ۔

قال ابن عمرؓ و ابو ایوب وابن عباس الخ اس تعلیق میں تین صحابۂ کرام کے نام ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور ابو ایوبؓ کی روایت کتاب الحج میں بہ سند متصل مذکور ہے اور ابن عباس کی روایت باب تاخیر الظہر الی العصر میں گذر گئی ہے، ان تینوں روایتوں میں عشار پر لفظ عشار کا اطلاق کیا گیا ہے ۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت امام بخاریؒ نے جو روایت دی ہے اس کے مضامین کی تفصیل باب السمر فی العلم (ایضاح جز ٦) میں گذر گئی ہے، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشار کی نماز پڑھائی اور یہ وہی نماز تھی جسے عام طور پر لوگ عتمۃ کے نام سے یاد کرتے ہیں، انہی الفاظ سے ترجمۃ الباب کا تعلق ہے، معلوم ہوا کہ ایک ایسا وقت بھی گذرا ہے جب عشار کی نماز کیلئے عتمۃ کا لفظ کثیر الاستعمال تھا، لیکن چونکہ وہ جاہلیت کا زمانہ تھا اسلئے آہستہ آہستہ اس کا استعمال کم ہوتا رہا اور عشار کی اصطلاح رواج پاتی رہی اب حکم یہ ہے کہ عشار کا استعمال پسندیدہ ہے، لیکن چونکہ عتمۃ کا استعمال بھی کیا گیا ہے اور التباس کا بھی اندیشہ نہیں اسلئے گاہ بگاہ اس لفظ کے استعمال میں مضائقہ نہیں ہے ۔

بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوا حدثنا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَهُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ ۔

ترجمہ، باب، عشار کے وقت کا بیان، جب لوگ جمع ہوجائیں یا دیر کریں، حضرت محمد بن عمرو ۔ جو حضرت حسنؓ بن علیؓ کے صاحبزادے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سخت گرمی کے وقت پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ سورج ابھی زندہ ہوتا تھا، اور مغرب کی نماز غروب آفتاب کے فوراً بعد پڑھتے تھے اور عشار میں اگر سب مقتدی آجاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر حاضرین کم ہوتے تو تاخیر فرما دیتے اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے ۔

مقصد ترجمہ ترجمہ کا مقصد کیا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ نے بڑی عمدہ اور پاکیزہ بات بیان کی

کہ مقصد ہے اُن لوگوں پر رَد کرنا جنھوں نے عشاء اور عتمہ کے اطلاق میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر نماز کو اوّلِ وقت میں پڑھ لیا جائے تو اس کا نام عشاء ہے اور دیر سے ادا کریں تو عتمہ، حافظ کہتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے کیونکہ روایت میں یہ آیا کہ نماز اوّلِ وقت میں ہو تب بھی عشاء اور دیر سے ہو تب بھی عشاء،

حافظؒ کا بیان کردہ مقصد باب سابق سے بھی مربوط ہے اور نہایت اچھی بات ہے مگر علامہ عینیؒ معترض ہیں کہ ھٰذا الکلام واہٍ یہ بیکار بات ہے کیونکہ ترجمۃ الباب کے مضمون میں اس مضمون کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے اسلئے مقصد اُن کے نزدیک یہ ہے کہ بخاری اس باب میں عشاء کا پسندیدہ وقت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر نمازی جمع ہو جائیں تو اوّلِ وقت میں پڑھ لینا پسندیدہ ہے اور نمازیوں کے جمع ہونے میں تاخیر ہو جائے تو تاخیر سے پڑھنا بہتر ہے، علامہ سندھیؒ کے نزدیک بھی مقصدِ ترجمہ بیان المختار من وقت العشاء یعنی عشاء کی نماز کیلئے پسندیدہ وقت کی وضاحت ہے۔

حضرۃ الاستاذؒ کا ارشاد ارشاد فرمایا کہ یہ سب بڑوں کی باتیں ہیں ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ پچھلے ابواب میں یہ بات آگئی تھی کہ مغرب کی نماز اور ہے اور عشاء کی اور، اور ان کے احکام بھی الگ الگ ہیں اور اسی لئے مغرب پر عشاء کا اطلاق بھی ممنوع ہے، اب اس باب میں پیغمبر علیہ السلام کے عمل سے امام بخاری مغرب اور عشاء کے درمیان ایک فرق دکھانا چاہتے ہیں کہ مغرب کی نماز پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ میں جمع بین الصلوتین کے موقع کے علاوہ ہمیشہ اوّلِ وقت ہی میں پڑھی گئی اس معمول میں کبھی تغیر واقع نہیں ہوا لیکن عشاء کی نماز کا ایک وقت نہیں رکھا گیا، یہ نماز اوّلِ وقت میں بھی پڑھی گئی، ثلثِ لیل پر بھی، بلکہ نصفِ لیل پر بھی پڑھی گئی، اسلئے عشاء کی نماز کو اوّل وقت میں پڑھا جائے یا مؤخر کر کے پڑھا جائے دونوں باتیں درست ہیں، اور اگر نمازیوں کے اوّل وقت میں حاضر ہونے کی صورت میں مقدم ورنہ مؤخر کر دیا جائے تو اس کو درست قرار دیا جائے گا۔

تشریح حدیث حدیث وہی ہے جو چند ابواب پہلے باب صلوٰۃ المغرب میں گذری ہے، اس میں تمام نمازوں کے اوقات بیان کئے گئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ آرہے ہیں، یہاں ترجمۃ الباب سے عشاء کا وقت متعلق ہے جس کے بارے میں یہ آیا کہ لوگ جمع ہو جاتے تو نماز اوّلِ وقت میں ہوتی اور جمع ہونے میں دیر کرتے تو عشاء کو مؤخر کر دیا جاتا، حافظ ابن حجرؒ کے بیان کردہ مقصد کے تحت تشریح یہ کی جائے گی کہ دیکھو اوّل وقت میں نماز ادا کی جائے تو عشاء، آخر وقت میں پڑھی جائے تب عشاء، اور علامہ سندھیؒ و علامہ عینیؒ کے بیان کے مطابق دونوں وقت عشاء کے لئے برابر اور پسندیدہ ہیں اور ہمارے خیال میں بخاری نے مغرب اور عشاء کے درمیان فرق کی وضاحت کر دی کہ دیکھئے مغرب کی نماز تو ہر حال

میں اوّلِ وقت میں ہے اس کو بلا ضرورت موخر کرنا درست نہیں ہے البتہ اگر کوئی طویل قرارت کرے کہ نمازِ مغرب شروع تو اوّل وقت میں ہو جائے لیکن کبھی قرارت میں طول کے سبب دیر ہو جائے تو اس میں شفق کے ڈوبنے تک کراہت نہیں۔ اور عشار کی نماز کیلئے اوّلِ وقت کی پابندی نہیں کی گئی بلکہ ضرورت کے مطابق تقدیم وتاخیر کی جاتی رہی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسجدوں میں نمازیوں کی سہولت اور انتظام کیلئے جو اوقات مقرر کر دئے جاتے ہیں وہ درست نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اوقات مقرر نہوں اور انتظام نہ ہو تو بڑی پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں، اسلئے ازروئے انتظام تعیینِ اوقات بھی درست ہے مگر بخاری کا مقصد تو یہ واضح کرنا ہے کہ عہدِ رسالت میں عشار کی نماز کیلئے اوّلِ وقت کا انتخاب نہیں تھا بلکہ حسبِ ضرورت تقدیم وتاخیر کی جاتی تھی۔ واللہ اعلم

بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ **حدثنا** يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ أَعْتَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى قَالَ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ **حدثنا** مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِينَ قَدِمُوا مَعِي فِي السَّفِينَةِ نُزُولًا فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَأَصْحَابِي وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: عَلٰى رِسْلِكُمْ أَبْشِرُوا، إِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يُصَلِّي هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ أَوْ قَالَ مَا صَلّٰى هٰذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ، لَا يَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ قَالَ. قَالَ أَبُو مُوسٰى فَرَجَعْنَا فَرِحِي بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ، **باب**، عشار کی فضیلت کا بیان **حضرت** عائشہؓ نے حضرت عروہ سے بیان کیا کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشار کی نماز میں دیر کی اور یہ اسلام کے پھیلنے سے پہلے کا واقعہ ہے چنانچہ آپ گھر سے نہیں نکلے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ عورتوں اور بچوں کو نیند آ رہی ہے پھر آپ تشریف لائے اور اہل مسجد سے فرمایا کہ روئے زمین پر تمہارے علاوہ اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے **حضرت** ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ میں اور میرے وہ رفقار جو میرے ساتھ کشتی

یں آئے تھے وادئ بطحان میں اترے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تھے چنانچہ ہر رات میں ان لوگوں میں سے چند آدمی عشار کی نماز کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نوبت بہ نوبت آیا کرتے تھے پھر اتفاق سے جس دن میں اور میرے چند ساتھی آئے تو اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے اور آپ نے اس دن نماز میں تاخیر فرمادی یہاں تک کہ آدھی رات ہوگئی، پھر آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ ذرا ٹھہرے رہیئے، تمہیں یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ تم پر یہ اللہ کی نعمت ہے کہ اس وقت تمہارے علاوہ لوگوں میں سے کوئی نماز نہیں پڑھ رہا ہے، یا یہ فرمایا کہ تمہارے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اس وقت نماز پڑھی ہو، فرمایا کہ یہ معلوم نہیں کہ آپ نے ان دونوں جملوں میں سے کیا جملہ ارشاد فرمایا، حضرت ابوموسیٰ رضؓ کہتے ہیں کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر ہم لوگ بہت خوش خوش واپس ہوئے۔

مقصدِ ترجمہ مقصد بالکل واضح ہے کہ نماز عشار کی فضیلت بیان کرنا چاہتے ہیں اور باب کے تحت دی گئی روایات سے یہ مقصد ثابت ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ کی بات پر بڑا تعجب ہے، فرماتے ہیں کہ باب کے تحت دی گئی روایتوں سے عشار کی کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہوئی اسلئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کا یہ ترجمہ مَا يَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ غَيْرُكُمْ (تمہارے علاوہ اور کوئی روئے زمین پر اس نماز کا منتظر نہیں ہے) سے ماخوذ ہے مگر اس صورت میں یہ کہنا ہوگا کہ یہاں حذف ہے اور اصل ترجمہ فضل العشاء نہیں باب فضل انتظار العشاء ہونا چاہیئے۔

جبکہ علامہ سندھیؒ فرمارہے ہیں کہ عشار کی فضیلت بالکل صاف ہے کہ دونوں روایتوں میں عشار میں شرکت کرنے والوں کی مدح وثنا اور ہمت افزائی کی جارہی ہے اور اُن کو خوشخبری سنائی جارہی ہے وغیرہ، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ عشار کی خصوصی فضیلت تو اس بات سے عیاں ہے کہ تمام نمازوں میں صرف اسی کیلئے انتظار اور انتظار پر بشارت سُنائی جارہی ہے۔ ہمیں بھی حافظ ابن حجرؒ کی بات پر حیرت ہے کیونکہ باب کے ذیل میں دی گئی روایات سے نماز عشار کی خصوصی فضیلت پوری طرح ثابت ہے کیونکہ اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس وقت کی نماز وہ نعمت ہے جو تمہارے علاوہ کسی کو نہیں دی گئی وقت بھی ایسا ہے کہ انسان تمام کاموں سے فارغ ہے، نہ کاروبار، نہ آمدورفت، نہ کوئی اور مشغلہ، پھر وقت میں اتنی وسعت کہ جبتک جی چاہے مناجات میں مشغول رہیئے، اس سے زیادہ اور کیا فضل ہوگا کہ اس عزت کے ساتھ ہزاروں امتوں سے ممتاز کر کے صرف مسلمانوں کو نوازا گیا ہے۔

تشریح حدیث اوّل پہلی روایت میں حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰة والسلام

نے ایک رات عشار کی نماز دیر سے پڑھائی اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ اسلام پورے طور پر پھیلا نہیں تھا یعنی اسلام کا قدم مدینہ سے باہر نہیں نکلا تھا، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، غرض یہ کہ آپ کو حجرے سے نکلنے میں دیر ہوئی تو حضرت عمرؓ کو یہ عرض کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ نماز کیلئے جو بچے اور عورتیں حاضر ہیں انہیں نیند آنے لگی ہے، حضرت عمرؓ نے مردوں کا ذکر نہیں کیا حالانکہ نیند اُن کو بھی آرہی ہوگی، صرف عورتوں اور بچوں کا ذکر کیا کہ اُن کے نام پر رحم و کرم اور رعایت کی درخواست مناسب تھی۔ مگر مسلم شریف کی روایت صـ ۲۲۸ ج ۱ میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے زور زور سے یہ بات کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں آئی اور آپؐ نے فرمایا ما کان لکم ان تنزروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس طرح تقاضا اور اصرار نہیں کرنا چاہیئے تھا، گویا تاخیر کسی مجبوری یا مصلحت کی بنا پر تھی۔ بہرحال آپ باہر تشریف لائے، نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ارشاد فرمایا ماینتظرھا من اھل الارض احد غیرکم ہوسکتا ہے مطلب یہ ہو کہ یہ نماز صرف تمہاری خصوصیت ہے، یہ شرف اور فضیلت تم سے پچھلی امتوں میں کسی کو حاصل نہیں ہوئی، بعض روایات میں یہ الفاظ آئے بھی ہیں ماصلیٰ ھٰذہ الصلوٰۃ امۃ قبلکم کہ تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی، اس مطلب کے مطابق عشار کی خصوصی فضیلت بالکل واضح ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ یہ بات بمقابلہ اہل کتاب کہی گئی ہو جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے تنتظرون صلوٰۃ ماینتظرھا اھل دین غیرکم کہ تم ایسی نماز کے منتظر ہو کہ تمہارے علاوہ اور کسی دین والے اس کے منتظر نہیں ہیں، اس اعتبار سے مراد یہ ہوگی کہ یہاں مدینہ میں رہنے والے یہود بھی ہیں مگر وہ آرام سے اپنی قیام گاہوں میں سو رہے ہیں اور تم ہو کہ اپنے پیغمبر کے ساتھ نماز میں شرکت کے منتظر ہو، اس مطلب کی رُو سے عشار کی فضیلت یہ ہوگی کہ تمہارا یہ انتظار اُس فضیلت کے سبب جو اس نماز کو حاصل ہے بالکل بجا ہے، نیز یہ کہ جب یہ نماز صرف تمہاری خصوصیت اور تمہارا امتیازی نشان ہے تو تمہیں اس کیلئے خصوصی اہتمام کرنا چاہیئے۔

اور ہوسکتا ہے کہ یہ بات مدینہ طیبہ کی دیگر مسجدوں کے مقابلہ میں فرمائی گئی ہو کہ دیگر تمام مسجدوں کے نمازی عبادت سے فارغ ہوچکے ہیں مگر تم ہو کہ ابھی تک پیغمبر علیہ السلام کی معیت میں نماز کا شرف حاصل کرنے کیلئے انتظار کر رہے ہو اور یہ انتظار اسی لئے تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عشار کی نماز سے مسلمانوں کو خصوصی طور پر مشرف فرمایا ہے، وقت بھی بڑا وسیع عطا کیا ہے، موقع بھی خلوت کا ہے، اس طور پر عشار کا خصوصی شرف اور فضیلت ظاہر ہے مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن حجرؒ کیوں ادھر متوجہ نہیں ہوئے۔

تشریح حدیث دوم دوسری روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی ہے، فرماتے ہیں کہ جب میں اور میرے ساتھی کشتی سے سفر کرکے اترے تو ہمارا قیام مدینہ طیبہ کے قریب بقیع بطحان میں تھا، بقیع اس وسیع میدان کو کہتے ہیں جہاں درخت یا درختوں کی جڑیں ہوں، مدینہ طیبہ میں اس طرح کے متعدد مقامات تھے اس لئے جگہ کو متعین کرنے کیلئے کسی نہ کسی چیز کی طرف اضافت کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں بطحان کی طرف اضافت کی گئی ہے جو مدینہ طیبہ کی ایک وادی کا نام ہے، بہرحال ان کا قیام بطحان کی وادی میں تھا، کشتی کے جس سفر کا ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری یمن کے رہنے والے ہیں اور بالکل ابتدا ہی میں مکہ مکرمہ پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے پھر اس کے بعد اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اپنے وطن واپس ہوگئے تھے یا حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، محمد بن اسحاق نے مہاجرین حبشہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا شمار کیا ہے لیکن واقدی اور دوسرے اہل سیر اس کے منکر ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ص۳۶۲ ج۵ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے وطن سے کشتی کے ذریعہ سوار ہوئے لیکن ہواؤں نے ان کی کشتی کو حبشہ میں جا اتارا پھر یہ وہاں حضرت جعفر طیارؓ کے پاس مقیم رہے اور پھر انہی کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد ص۴۵ ج۲ میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت ابوموسیٰ یمن واپس ہوگئے تھے مگر جب انہیں کچھ مسلمانوں کا ہجرت کرکے حبشہ پہنچنا معلوم ہوا تو چونکہ حبشہ یمن سے قریب ہے اسلئے یہ اپنے وطن سے ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے پھر فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں حضرت جعفرؓ ہی کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے۔ بہرحال یہ کشتی کے ذریعہ سفر کرکے مدینہ پہنچے تو وادی بطحان میں قیام رہا۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم سب چونکہ روزانہ حاضر خدمت نہ ہوسکتے تھے اسلئے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ پوری جماعت میں سے روزانہ چند آدمی نوبت بہ نوبت حاضری دیتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشغولیت کسی لشکر کی ترتیب سے متعلق تھی، عشار کی نماز کیلئے اتنی تاخیر سے باہر تشریف لائے کہ رات آدھی گذر گئی تھی (ابھارّ اللیل ای انتصف، بھرۃ الشیئ، وسطہ سے ماخوذ ہے) پہلے آپ نے نماز پڑھائی پھر حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا، ذرا ٹھہریئے! بہت دیر سے انتظار کر رہے تھے، طبعًا یہ بات تکلیف دہ ہے، مگر کس چیز کا انتظار تھا، نماز عشار کا، خوشخبری سن لیجئے، خدا کا بڑا احسان ہے کہ لوگوں میں سے کوئی شخص بھی تمہارے سوا اس وقت نماز پڑھنے والا نہیں ہے یا یہ فرمایا کہ تمہارے علاوہ کسی نے اس وقت میں نماز پڑھی ہی نہیں، یعنی تمہارا انتظار اسلام کی مخصوص اور امتیازی نماز کے لئے تھا، اسلئے یہ نہ سمجھنا کہ یہ اجر و ثواب سے خالی ہے اس میں بہت بہت اجر ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی

بات سن کر اسقدر خوش ہو کر واپس ہوئے جس کی انتہا نہیں، کیونکہ ہمیں نماز عشار کے عمل اور اس کے انتظار پر مبارکباد حاصل ہوئی تھی، اس روایت سے بھی عشار کی خصوصی فضیلت ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

باب مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ حدثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا۔

ترجمہ، باب، اس نیند کا بیان جو عشار سے پہلے مکروہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار سے پہلے سونے کو اور عشار کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

مقصد ترجمہ تراجم کے انعقاد میں بخاری کا کمال ظاہر ہوتا ہے، یہ نہیں کہتے کہ عشار سے قبل سونا مکروہ ہے بلکہ کہتے ہیں مایکرہ من النوم یعنی نیند کی کونسی صورت ایسی ہے جسمیں کراہت ہے، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی نے امام ترمذی کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ کرہ اکثر اھل العلم النوم قبل العشاء ورخص فی ذلک بعضھم وقال ابن المبارک اکثر الاحادیث علی الکراھۃ ورخص بعضھم فی رمضان (ترمذی ص۲۳ ج۱) یعنی اکثر اہل علم نے عشار سے پہلے سونے کو مکروہ کہا ہے اور بعض نے رخصت دی ہے، ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث تو کراہت پر دلالت کرتی ہیں مگر بعض اہل علم نے رمضان میں (عشار سے قبل) سونے کی رخصت دی ہے۔

امام طحاویؒ نے کراہت و اجازت میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عشار کا وقت داخل ہونے سے قبل سو جائے تو گنجائش ہے، وقت داخل ہونے کے بعد سونے میں کراہت ہے۔

امام بخاریؒ وضاحت تو نہیں کرتے کہ عشار سے قبل سونے کی ممانعت اور اجازت میں تطبیق کی کیا صورت ہے مگر ترجمۃ الباب کے الفاظ میں اشارہ کر دیا، اگلے باب میں یہ بات واضح ہو جائے گی، خلاصہ یہ ہے کہ نہ ہر شخص کیلئے سونا مکروہ ہے، نہ ہر حال میں مکروہ ہے، ایک شخص اضطراری طور پر سو جائے تو کوئی گناہ نہیں، یا اختیاری طور پر سو رہا ہو کہ کچھ دیر آرام کر سکے اور عشار کی نماز نشاط کے ساتھ ادا کرے نیز یہ کہ اس نے وقت پر بیدار ہونے کا انتظام کر لیا تھا، یا اس کو اپنی نیند پر قابو ہے یا ایسی جگہ سو رہا ہے جہاں لوگ خود ہی اٹھا دیں گے تو ایسی صورتوں میں سونے میں کوئی حرج نہیں اور اگر نماز باجماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

تشریح حدیث اس باب کے تحت حضرت ابو برزہ اسلمی کی ایک ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار سے پہلے سو جانے کو پسند نہیں کرتے تھے، اسی طرح عشار

کے بعد گفتگو کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، حدیث پاک میں دونوں باتیں بالکل عام ہیں مگر بخاری نے ترجمہ میں حدیث کی شرح کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر نوم مکروہ نہیں جیسا کہ عرض کیا گیا، اسی طرح عشار کے بعد کی گفتگو میں بھی تفصیل ہے کہ بے ضرورت گفتگو جس سے رات کی نماز میں یا فجر کی جماعت میں شرکت میں حرج واقع ہوتا ہو ممنوع ہے لیکن اگر کسی دینی مصلحت کے سبب گفتگو کی جائے، تو روایت میں اس کی اجازت ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی سیرت میں اس کے متعدد واقعات ہیں۔

بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ **حدثنا** اَیُّوْبُ بْنُ سُلَیْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ عَنْ سُلَیْمَانَ قَالَ صَالِحُ بْنُ کَیْسَانَ اَخْبَرَنِیْ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ حَتّٰی نَادَاهُ عُمَرُ الصَّلٰوةَ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْیَانُ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا یَنْتَظِرُهَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ غَیْرُکُمْ قَالَ وَلَا تُصَلّٰی یَوْمَئِذٍ اِلَّا بِالْمَدِیْنَةِ قَالَ وَکَانُوْا یُصَلُّوْنَ الْعِشَاءَ فِیْمَا بَیْنَ اَنْ یَّغِیْبَ الشَّفَقُ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ **حدثنا** مَحْمُوْدٌ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنِی ابْنُ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ نَافِعٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شُغِلَ عَنْهَا لَیْلَةً فَاَخَّرَهَا حَتّٰی رَقَدْنَا فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ اسْتَیْقَظْنَا ثُمَّ رَقَدْنَا ثُمَّ اسْتَیْقَظْنَا ثُمَّ خَرَجَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ غَیْرُکُمْ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا یُبَالِیْ اَقَدَّمَهَا اَمْ اَخَّرَهَا اِذَا کَانَ لَا یَخْشٰی اَنْ یَّغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا وَکَانَ یَرْقُدُ قَبْلَهَا، قَالَ ابْنُ جُرَیْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ فَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اَعْتَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً بِالْعِشَاءِ حَتّٰی رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَیْقَظُوْا وَرَقَدُوْا وَاسْتَیْقَظُوْا فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ الصَّلٰوةَ. قَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَخَرَجَ نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلَیْہِ الْاٰنَ یَقْطُرُ رَأْسُہٗ مَاءً وَاضِعًا یَدَہٗ عَلٰی رَأْسِہٖ فَقَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّصَلُّوْهَا هٰکَذَا فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً کَیْفَ وَضَعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ عَلٰی رَأْسِہٖ کَمَا اَنْبَاَہٗ ابْنُ عَبَّاسٍ فَبَدَّدَ لِیْ عَطَاءٌ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ شَیْئًا مِّنْ تَبْدِیْدٍ ثُمَّ وَضَعَ اَطْرَافَ اَصَابِعِہٖ عَلٰی قَرْنِ الرَّأْسِ ثُمَّ ضَمَّهَا یُمِرُّهَا کَذٰلِکَ عَلَی الرَّأْسِ حَتّٰی مَسَّتْ اِبْهَامُہٗ طَرَفَ الْاُذُنِ مِمَّا یَلِی الْوَجْہَ عَلَی الصُّدْغِ وَنَاحِیَةِ اللِّحْیَةِ لَا یُقَصِّرُ وَلَا یَبْطُشُ اِلَّا کَذٰلِکَ وَقَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّصَلُّوْا هٰکَذَا۔

ترجمہ، **باب،** نیند کا غلبہ ہو تو عشار سے قبل سونے کا بیان **حضرت** عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشار کی نماز دیر سے پڑھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر کہا: نماز! عورتیں اور بچے سو گئے ہیں، چنانچہ آپ حجرے سے نکلے

اور فرمایا کہ اہل زمین میں سے تمہارے علاوہ کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا ہے، راوی کہتا ہے کہ ان دنوں مدینہ کے علاوہ اور کسی جگہ نماز نہیں ہوتی تھی، اور عشار کی نماز غروب شفق کے بعد سے رات کے ایک تہائی حصہ کے درمیان پڑھی جاتی تھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں عشار کی نماز کے وقت مشغولیت پیش آگئی تو آپ نے نماز کو موخر فرما دیا یہاں تک کہ ہم لوگ مسجد میں سو گئے پھر بیدار ہوئے پھر سو گئے پھر بیدار ہوئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اہل زمین میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہارے علاوہ نماز کا انتظار کر رہا ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ عشار کی نماز کو جلدی پڑھیں یا دیر سے پڑھیں بشرطیکہ انہیں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ نماز کے وقت نیند سے مغلوب ہو جائیں گے اور وہ عشار سے پہلے سو جاتے تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت جو نافع سے سُنی تھی عطار بن ابی رباح سے بیان کی تو عطار نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ایک رات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشار کی نماز میں تاخیر فرمائی یہاں تک کہ لوگ سو گئے اور بیدار ہوئے پھر سو گئے اور بیدار ہوئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نماز کیلئے کہا، عطار کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے نکلے گویا میں اس وقت بھی آپؐ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپؐ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، آپؐ اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھے ہوئے تھے پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت پر اس بات کو مشقت کا سبب نہ سمجھتا تو یہ حکم دیتا کہ وہ اسی وقت یہ نماز پڑھا کریں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے اس سلسلے میں عطار سے مزید تحقیق کی درخواست کی کہ جیسے ابن عباسؓ نے آپ کو بتلایا تھا آپ بھی مجھے بتلائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر اپنے ہاتھ کو کیسے رکھا تھا تو عطار نے اپنی انگلیاں قدرے کشادہ کیں، پھر انگلیوں کے کنارے سر کے کونے پر رکھے پھر انگلیوں کو سر پر اس طرح گذارا کہ انگوٹھے نے کانوں کے اس کنارے کو مس کیا جو کنپٹی پر ڈاڑھی کے کونے پر چہرے کے قریب ہے، نہ آپ اس میں کمی کر رہے تھے اور نہ مضبوط پکڑ رہے تھے بس ایسے کر رہے تھے جیسے میں کر رہا ہوں اور پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت کے لئے باعثِ مشقت نہ سمجھتا تو ان کو حکم دیتا کہ عشار کی نماز اسی وقت پڑھا کریں۔

مقصدِ ترجمہ پچھلے باب کا عنوان تھا کہ نیند کی کونسی صورت مکروہ ہے، اس باب میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نیند سے مغلوب ہو کر سو جائے یعنی اس میں اُس کے اختیار کا کوئی دخل نہ ہو تو اس کی یہ نیند قابلِ اعتراض نہیں گویا اس باب میں اُن حالات کی طرف اشارہ مقصود ہے جن میں نیند کی اجازت ہے جن میں ایک بات تو صراحت سے مذکور ہے یعنی نیند سے مغلوب ہو جانا

اور کچھ روایات سے بھی سمجھ میں آتا ہے کیونکہ مثلاً روایت میں مسجد میں نماز کے انتظار میں سونے کا ذکر ہے جس پر پیغمبر علیہ السلام کی جانب سے مانعت یا نکیر نہیں ہے اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر نمازی ایسی جگہ سو جائے جہاں اٹھا دینا یقینی ہو جیسے مسجد میں صفوں کے درمیان آنکھ لگ گئی تو وہاں جماعت کے وقت کون سونے دیگا، یقیناً اٹھا دیا جائے گا، اسی پر اُن لوگوں کو بھی قیاس کر لیا جائے جو سوتے وقت بیداری کا انتظام کر لیں، کسی کو مقرر کر دیں یا اُن کی نیند اتنی گہری نہ ہو کہ سونے کے بعد اٹھنے کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا ہو بلکہ انہیں اپنی عادت پر پورا اعتماد ہو کہ ضرورت کے وقت آنکھ کھل جائے گی، وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ نیند غیر اختیاری ہو تو معذور ہے اور اختیاری ہو لیکن نماز اور جماعت کے فوات کا اندیشہ نہ ہو تو چونکہ نیند سے کوئی نقصان نہیں اس لئے اس کی اجازت ہے۔

تشریح حدیث اوّل اس باب کے ذیل میں امام بخاریؒ نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت عائشہؓ سے ہے جو ایک باب پہلے بابُ فضل صلوٰۃ العشاء میں گذر چکی ہے فرماتی ہیں کہ ایک دن عشاء کی نماز میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ حضرت عمرؓ کو نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ کہنے کی نوبت آگئی، بخاری کا مقصد ثابت ہو گیا کہ جو لوگ نماز کے ارادے سے آئے تھے نماز میں تاخیر کے سبب ان پر نیند غالب آگئی، وہ سو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سونے پر کوئی نکیر نہیں کی، اس لئے کہ مسجد میں یا صفوں کے درمیان سونے سے نماز یا جماعت کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا اسی پر ان تمام صورتوں کو قیاس کر لیجئے جن میں سونے سے کوئی نقصان لازم نہ آتا ہو۔

قال ولا تصلّٰی یومئذٍ الخ بابُ فضل صلوٰۃ العشاء میں حضرت عائشہ کی روایت میں آیا تھا قبل ان یفشو الاسلام کہ یہ بات اسلام کی عام اشاعت سے پہلے کی ہے، اس روایت میں فرما رہی ہیں کہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب مدینہ طیبہ کے علاوہ اس طرح کی نماز باجماعت کا موقع نہیں تھا اسلئے کہ اسلام صرف مکہ اور مدینہ میں تھا مگر مکہ کے مسلمان مشرکین کے ظلم وستم کی وجہ سے جماعت سے نماز پڑھنے پر قادر نہیں تھے۔

وکانوا یصلّون الخ مفہوم یہ ہے کہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے فوراً بعد یعنی اوّل وقت میں نہ ہوتی تھی بلکہ معمول یہ تھا کہ بالعموم تو رات کے ایک تہائی حصّہ تک موخر کرتے تھے ورنہ بعض روایات میں اِس وقت کے بھی بعد میں عشاء کی نماز پڑھنے کی بات مذکور ہے۔

تشریح روایت دوم دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مشغولیت کے سبب عشاء کی نماز میں تاخیر ہو گئی، معلوم ہوا کہ اتنی تاخیر خلافِ عادت ہوئی، نیز یہ تاخیر اس تاخیر کے علاوہ ہے جو حضرت جابرؓ کی روایت میں مذکور ہوئی کہ

لوگ جمع ہوئے تو پہلے پڑھ لی گئی اور دیر سے جمع ہوئے تو تاخیر کر دی گئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اتنی تاخیر ہوئی کہ ہم لوگ سو گئے پھر بیدار ہو گئے پھر سو گئے پھر بیدار ہوئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اس میں یہ صراحت آگئی کہ جو لوگ مسجد میں آگئے تھے ان پر نیند کا اتنا غلبہ تھا کہ جاگنے کی کوشش کے باوجود نیند ان پر غالب آجاتی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اپنی اپنی جگہ صفوں کے درمیان سو رہے ہوں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس کا نوم ناقض وضو رہا ہوگا اس نے وضو کر لیا ہوگا، نماز پڑھانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس وقت تمہارے علاوہ کوئی نماز کا منتظر نہیں ہے۔

بخاری کا ترجمۃ الباب اس طرح ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد نیند پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا بلکہ آپ کی جانب سے انتظار کو سراہا گیا اور آپنے فرمایا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ عشاء کی نماز موخر کر کے اسی وقت پڑھی جائے لیکن امت کیلئے یہ عمل باعث مشقت ہو جائے گا اور میں امت کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، گویا آپ نے یہ فرمایا کہ عشاء میں جسقدر تاخیر ہو پسندیدہ ہے۔

• وکانَ ابن عمرؓ الخ درمیان میں راوی حضرت ابن عمرؓ کا معمول بھی بیان کرتا ہے کہ ابن عمرؓ کو اگر یہ اطمینان ہوتا کہ نیند سے عشاء کی نماز متاثر نہ ہوگی تو وہ اس کے مقدم یا موخر ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

قال ابن جریج الخ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت۔ جو نافع سے سنی تھی اور جسے نافع نے ابن عمرؓ سے بیان کیا تھا۔ عطاء بن ابی رباح سے بیان کی تو انہوں نے بتلایا کہ میں نے ابن عباسؓ سے سُنا ہے کہ ایک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں دیر ہوگئی، پھر وہی روایت سُنائی ابن عباس کی روایت میں اتنا جز زائد ہے کہ جب آپ تشریف لائے تو مجھے خوب یاد ہے کہ آپ اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے، آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا یعنی آپ غسل کر کے آئے تھے اور آپ نے فرمایا تھا کہ نماز کا مناسب وقت تو یہی ہے لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں بہت مشقت ہوگی۔

فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً الخ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے مزید تحقیق کی کہ آپ کو ابن عباسؓ نے جس طرح سر پر ہاتھ رکھکر بتایا تھا اسی طرح آپ مجھے بتائیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے کس طرح سر مبارک پر ہاتھ رکھا تھا تو حضرت عطاء نے انگلیوں کو قدرے کھولا، پھر انگلیوں کو ملا کر ان کے اطراف کو پیشانی کے بالوں کی جگہ رکھا اور انگلیوں کو سر سے گذار کر پانی سُوت کر نکالنے کی صورت تبلائی، اس کھینچنے میں نہ بہت عجلت تھی نہ بہت آہستگی، اور کہتے ہیں کہ انگلیوں سے پانی سوت کر دکھلانے میں انگوٹھا کانوں کے اس کنارے سے مَس کر گیا جو کنپٹی پر چہرے کی سمت میں ہے یعنی ڈاڑھی کے کنارے سے انگوٹھا پانی نکالتے وقت مل گیا، خلاصہ یہ ہے کہ ابن جریج کو عطاء نے عمل کر کے صورت سمجھادی۔

باب وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ وَقَالَ أَبُوبَرْزَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَاخِيرَهَا **حدثنا** عَبْدُ الرَّحِيمِ الْمُحَارِبِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ قَالَ قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ۔

ترجمہ، باب، عشار کا وقت نصف رات تک ہے، اور حضرت ابوبرزہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی نماز تاخیر سے پڑھنا پسند کرتے تھے **حضرت** انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشار کی نماز کو آدھی رات تک موخر فرمادیا پھر نماز پڑھائی اور فرمایا کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سوگئے، خبردار! کہ تم لوگ جبتک نماز کا انتظار کر رہے ہو اس وقت تک نماز ہی میں ہو، ابن ابی مریم نے اپنی سند کے ساتھ یہ اضافہ اور کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا گویا میں اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رات میں انگوٹھی کی چمک کو دیکھ رہا ہوں، یعنی مجھے پوری باتیں مستحضر ہیں۔

مقصدِ ترجمہ ترجمہ کے الفاظ ہیں کہ عشار کا وقت نصف لیل تک ہے، لیکن بخاری وقتِ مختار بیان کرنا چاہتے ہیں یا وقتِ جواز، اس سلسلے میں شارحین کے خیالات مختلف نظر آتے ہیں، علامہ کرمانیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصد وقتِ جواز کا بیان ہے یعنی اُن کے نزدیک عشار کی نماز کا وقتِ ادا صرف نصف لیل تک ہے اس کے بعد نماز قضا ہو جائے گی، کرمانی کہتے ہیں کہ اسی لئے امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں، یا باب کے ذیل میں دی گئی روایتوں میں ایسی کوئی چیز ذکر نہیں کی جس سے عشار کے وقت کا صبح صادق سے پہلے تک ممتد ہونا معلوم ہو، لیکن کرمانی کے علاوہ عام شارحین کی رائے یہ ہے کہ بخاری عشار کی نماز کا وقتِ مختار بیان کرنا چاہتے ہیں، ہمارا خیال بھی یہی ہے کیونکہ اوّل تو بخاری نے ترجمۃ الباب میں حضرت ابوبرزہؓ سے یہ نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی نماز میں تاخیر کو پسند کرتے تھے اور اس میں تاخیر کا منتہیٰ نقل نہیں کیا، پھر حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ عشار کی نماز نصف لیل کے کچھ بعد پڑھی گئی، اسلئے یہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اس ترجمہ میں عشار کا وقتِ مختار بیان کر رہے ہیں، ورنہ وقتِ جواز تو فجر صادق تک ہے۔

گویا عشار کے وقت کی تفصیل یہ ہے کہ ثلثِ لیل کا وقت سب سے افضل ہے اور ثلث سے نصفِ لیل تک بھی استحباب کا درجہ رکھتا ہے اور نصفِ لیل سے فجر صادق تک وقتِ جواز ہے، مگر نصفِ لیل کے بعد تک تاخیر کو بعض اہل علم نے مکروہ قرار دیا ہے لیکن یہ کہنا ہوگا کہ یہ کراہت نصفِ لیل کے فوراً بعد

نہیں بلکہ نصفِ لیل کے بعد بھی تھوڑا وقت گذرنے پر آتی ہے کیونکہ روایت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اَخّر النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العشاء الی نصف اللیل ثم صلّٰی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو نصفِ لیل تک موخر فرمایا پھر نماز پڑھی ثم صلّٰی سے ثابت ہوا کہ عشاء کی نماز نصف لیل کے بعد پڑھی گئی اور پچھلے باب کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو عشاء کی نماز کیلئے یہی وقت مقرر کیا جاتا، نیز یہ بھی ماننا ہوگا کہ نصفِ لیل اور کچھ وقفہ کے بعد جو کراہت ہے وہ کراہت تنزیہہ ہے کیونکہ مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے انما التفریط علی من لم یصل الصلوٰۃ حتی یجیء وقت الصلوٰۃ الاخری (مسلم ۲۳۹) تفریط یعنی کوتاہی کا مرتکب صرف ان لوگوں کو قرار دیا جائے گا جو دوسری نماز کا وقت آنے تک نماز نہ پڑھیں، یہاں دوسری نماز کا وقت فجر صادق ہے اسلئے فجر صادق سے پہلے تک کوتاہی نہیں واللہ اعلم

تشریح حدیث

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو نصف لیل تک موخر فرمادیا، پھر نماز پڑھی، معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا اس وقت تک موخر کرنا درست ہے، بخاریؒ کا مقصد اسی ثم صلّٰی سے متعلق معلوم ہوتا ہے، پھر آپ نے دیر سے نماز کا انتظار کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ دیر ہوگئی اور وقت بیکار ضائع ہوا بلکہ جب انسان نماز کا انتظار کرتا ہے تو وہ نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے، یہ مضمون گذر چکا ہے

وزاد ابن ابی مریم الخ یہاں اس تعلیق کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حمید الطویل کا سماع، حضرت انسؓ سے ثابت ہے، اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ اس رات میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی چمک آج تک میری نظروں میں ہے، گویا حضرت انسؓ حال ماضی کا استحضار بیان کر رہے ہیں، انگوٹھی کے موضوع پر کلام اپنی جگہ آئے گا۔

بَابُ فَضْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَالْحَدِیْثِ حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰی عَنْ اِسْمٰعِیْلَ قَالَ حَدَّثَنَا قَیْسٌ قَالَ قَالَ لِیْ جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ نَظَرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ فَقَالَ اَمَا اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ کَمَا تَرَوْنَ ھٰذَا لَاتُضَامُّوْنَ اَوْ لَاتُضَاھُوْنَ فِیْ رُؤْیَتِہٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّاتُغْلَبُوْا عَلٰی صَلٰوۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَالَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا، قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ زَادَ ابْنُ شِھَابٍ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ عَنْ قَیْسٍ عَنْ جَرِیْرٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ عِیَانًا حدثنا ھُدْبَۃُ بْنُ خَالِدٍ قَالَ حَدَّثَنَا ھَمَّامٌ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْجَمْرَۃَ عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ صَلّٰی

البَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَقَالَ ابْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَهُ بِهٰذَا **حدثنا** إِسْحٰقُ قَالَ حَدَّثَنَا حَبَّانُ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ ۔

ترجمہ، باب، نماز فجر کی فضیلت کا بیان اور اس سلسلے میں وارد حدیث کی فضیلت، یا نماز فجر کی فضیلت اور عشار کے بعد کی گفتگو کا بیان **حضرت** جریرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو (قیامت میں) اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی یا یہ فرمایا کہ تمھیں کوئی اشتباہ نہ ہوگا، تو اگر یہ کرسکو کہ طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز اور غروب سے پہلے کی نماز میں کسی مشغولیت سے مغلوب نہ ہو جاؤ تو ایسا کرنا پھر یہ آیت پڑھی فَسَبِّحْ الآية پس طلوع اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح بیان کرو ۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ابن شہاب نے اسمٰعیل عن قیس کے واسطے سے حضرت جریرؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے پروردگار کو کھلی آنکھوں سے دیکھو گے **حضرت** ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دو ٹھنڈے وقتوں کی نمازیں (یعنی فجر اور عصر) پڑھے گا وہ جنت میں جائے گا، عبداللہ بن رجار نے بیان کیا کہ ہم سے ہمام نے بواسطۂ ابوجمرہ بیان کیا کہ ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے یہ حدیث ان سے بیان کی ۔ اِسحٰق بن منصور نے بیان کیا کہ ہم سے حبان بن ہلال نے کہا کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے بیان کیا کہ ہم سے ابوجمرہ نصر بن عمران نے اور اُن سے ابوبکر بن عبداللہ بن قیس نے اور انہوں نے اپنے باپ ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ۔

مقصد ترجمہ مقصد الفاظ سے ظاہر ہے فضل صلوٰة الفجر یعنی نماز فجر کی فضیلت کا بیان مگر اس کے ساتھ ایک لفظ اور ہے وَالحدیث ، یہ لفظ صرف ابوذر کے نسخے میں ہے عام نسخوں میں نہیں ہے ۔ بظاہر اس کا کوئی ربط بھی نہیں ہے ۔ شارحین اس کی توجیہ میں پریشان ہیں ، علامہ کرمانی نے فرمایا کہ لفظ "والحدیث" کی ترجمۃ الباب سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے لیکن کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری نماز فجر کی فضیلت کے ساتھ ، اس سلسلے کی حدیث کی فضیلت بھی بیان کرنا چاہتے ہیں ہمارے اکابر میں حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد بھی اس کے قریب ہے ، انہوں نے فرمایا کہ اس سلسلے میں جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے یعنی چونکہ اس سلسلے کی حدیث میں قیامت کے دن رویت باری کی بشارت مذکور ہے اور مومن کیلئے یہ سب سے بڑی نعمت ہے اسلئے امام بخاری نے "والحدیث" بڑھا کر اسکی

طرف اشارہ کردینا مناسب سمجھا۔ ہمارے خیال میں کرمانی کی توجیہ قابلِ قبول ہے کیونکہ کسی درجہ میں بات تو بنی لیکن حافظ ابن حجرؒ کرمانی کی اس توجیہ سے متفق نہیں۔ بات کو مدلل نو کرتے نہیں مگر کہتے ہیں کہ یہ بات بہت بعید ہے یعنی بعید از فہم، پھر حقیقت کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ الفاظ بخاری کے عام نسخوں میں نہیں ہیں اور نہ شارحین نے اس کو لیا ہے اس لئے اس کا وہم ہونا ظاہر ہے۔ پھر حافظ نے احتمال کے درجہ میں یہ بات کہی کہ یہاں تحریف ہوگئی ہے، اصل عبارت میں باب فضل الفجر والعصر تھا۔ لفظ والعصر میں تحریف ہوگئی اور کاتبوں کی غلطی سے والحدیث بن گیا، حافظ کی اس بات پر علامہ عینی بہت برہم ہیں، کہتے ہیں کہ وہم قرار دینے سے کہیں زیادہ آسان اور بہتر ہے کہ کرمانی کی توجیہ کو قبول کرلیا جائے اور جہاں تک کاتبوں کی غلطی سے العصر سے محرف ہوکر الحدیث بن جانے کی بات ہے تو وہ تو بہت ہی بعید ہے ہمارے خیال میں بھی علامہ عینیؒ کا تبصرہ معقول ہے کیونکہ محرَّف اور اصل میں کچھ تو مناسبت ہونی چاہیئے، حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں "ناموں" میں سے کچھ ایک دوسرے سے رسم الخط میں یکسانیت رکھنے والے الفاظ دئے ہیں جیسے مُعَرِّف اور مُطَرِّف، جُبَیْر اور حُنَیْن وغیرہ، کاتب کی غلطی سے اس طرح کے نام میں تحریف ممکن ہے، لیکن العصر کا الحدیث کیسے ہوجائے گا سمجھ میں نہیں آتا۔

علامہ کشمیریؒ کا ارشاد حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ والحدیث معنی لغوی پر محمول ہے اور اس سے عشاء کے بعد کی گفتگو مراد ہے، یعنی باب کا اصل مقصد تو فجر کی فضیلت ہی کا بیان ہے لیکن امام بخاری اس کے ساتھ ہی عشاء کے بعد گفتگو کرنے کا جواز بھی بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ پچھلے ابواب میں عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد گفتگو کرنے سے ممانعت مذکور ہوچکی ہے اور روایتِ باب سے عشاء کے بعد گفتگو کا جواز نکلتا ہے اسلئے بخاریؒ نے چاہا کہ اگرچہ یہ بات ترجمۃ الباب سے غیر متعلق ہے مگر بخاری کی عادت ہے کہ اگر حدیث ترجمۃ الباب کے علاوہ کسی مزید فائدے پر مشتمل ہو تو وہ اس کیلئے مستقل باب کا انعقاد ضروری نہیں سمجھتے بلکہ درمیان ہی میں توجہ دلادیتے ہیں، اس طرح کی بات باب الاغتسال وربط الاسیر فی المسجد میں گذرچکی ہے، اس طرح کے ابواب کیلئے حضرت علامہ کشمیری نے ایک اصطلاح مقرر فرمائی ہے "انجاز" یعنی مزید فائدہ کا قبل از وقت بیان،

رہا یہ کہ حدیثِ باب میں عشاء کے بعد کی گفتگو کا ذکر کہاں ہے، تو یہ اگرچہ صراحت سے ثابت نہیں مگر چونکہ روایت میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر فرمایا، بس بخاری نے یہیں سے عشاء کے بعد کی گفتگو کا مضمون ثابت کردیا۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی توجیہ، دیگر تمام توجیہات سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم

تشریح احادیث اس باب کے ذیل میں امام بخاری نے دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت جریرؓ سے ہے جو چند ابواب پہلے گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم آخرت میں اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس وقت چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد آپ نے لا تضامّون یا لا تضاهون فی رؤیتہ فرمایا، پچھلی روایت میں الفاظ کا یہ اختلاف مذکور نہیں تھا۔ لا تضامّون، بہ تشدید المیم ہو تو اس کا مادّہ ضمٌّ ہے یعنی تم ایک دوسرے پر بھیڑ اور ازدحام نہ کروگے اور اگر تضامُون بتخفیف المیم ہو تو اس کا مادّہ ضَیْمٌ ہے جس کے معنی ظلم ہیں یعنی تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کروگے، اور اگر لا تضاهون ہو تو یہ مضاهاة سے ہے جس کے معنی مشابہ ہونے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر شخص بغیر ازدحام، بغیر پریشانی اور بغیر اشتباہ کے اپنی جگہ رہتے ہوئے پروردگار کی زیارت کر سکے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس شرف کو حاصل کرنے کیلئے اگر ہو سکے تو طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو، بس اسی سے فجر کی نماز کی فضیلت معلوم ہوگئی کہ یہ نماز اتنی اہم ہے جس کی پابندی رویتِ باری جیسی عظیم نعمت کے حصول میں موثر ہے۔ بقیہ تشریحات گذر چکی ہیں۔

دوسری روایت حضرت ابوموسیٰ اشعری سے ہے مَن صلّی البردین دخل الجنۃ کہ جو ٹھنڈے وقت کی دو نمازوں کی پابندی کرے گا وہ جنت میں جائے گا، ٹھنڈے وقت کی دو نمازوں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں کیونکہ یہ نمازیں دن کے دونوں طرف واقع ہیں، جن اوقات میں ہوا بہت خوشگوار ہوتی ہے، نیز گرمی نہیں ہوتی۔ البتہ ان دونوں وقتوں میں سے ایک وقت طلب راحت کا ہے اور دوسرا کثرتِ مشاغل کا، اسلئے ان دونوں اوقات کی نماز کی پابندی پر جنت کی بشارت دی گئی ہے کہ جو ان اوقات میں بھی پابندی کرے گا وہ دوسرے اوقات میں اور زیادہ آسانی سے اپنے فرائض ادا کرے گا۔

ابوداؤد اور مسند احمد میں حضرت فضالہ لیثیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو آپ نے مجھے تعلیم دی، منجملہ تعلیمات پانچوں نمازوں کا وقت پر پڑھنا بھی تھا، میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑی مشغولیت رہتی ہے اسلئے آپ مجھے ایسی جامع باتیں بتلائیں جن پر عمل پیرا ہونا کافی ہو جائے (فمُرنی بامر جامع اذا انا فعلتہ اجزأ عنی) اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر مشغولیت ہے تو حافظ علی العصرین، عصرین کی پابندی کرنا، چونکہ لفظ عصرین ہماری زبان میں مستعمل نہیں تھا تو میں نے پوچھا عصرین کا کیا مفہوم ہے، آپ نے فرمایا صلوٰۃ الغداۃ و صلوٰۃ العصر یعنی فجر اور عصر کی نمازیں (ابوداؤد، باب المحافظۃ علی الصلوات ج۱ ص۶۱ و مسند احمد ج۴ ص۳۴۴)

اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ فجر اور عصر کے علاوہ بقیہ نمازوں کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک مطلب تو

تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کے علاوہ جو دیگر چیزوں کی تعلیم دی تھی حضرت فضالہؓ نے ان کو عمل میں لانے سے مشغولیت کی بنیاد پر عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ان دو اوقات میں ان اذکار کی پابندی کر لیا کریں، بقیہ اوقات میں ضرورت نہیں، یا پھر یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آپؐ ان کو ایسے انداز سے پابند بنانا چاہتے ہیں کہ دفعتہً بار بھی نہ ہو اور کام بھی ہو جائے اور چونکہ فجر کا وقت راحت و آرام کا ہے بلکہ غفلت کا ہے اور عصر کا وقت کثرتِ اشغال کا، اسلئے آپ نے ان دونوں اوقات کی اہمیت بیان فرمادی کہ جب کوئی انسان ان دو وقتوں میں اہتمام کرلے گا تو بقیہ اوقات میں اور زیادہ آسان ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بردین جنھیں حضرت فضالہ کی روایت میں عصرین کہا گیا ہے ان کی پابندی کو جنت کے دخول میں اس طرح دخل ہے کہ ان اوقات کی پابندی دیگر اوقات کی پابندی کو مستلزم ہے، اسلئے ان کی اہمیت بیان کردی گئی، بخاری کا مدعا یعنی نماز فجر کی فضیلت ثابت ہوگئی، امام بخاری نے اس باب میں جو تعلیقات ذکر کی ہیں ان کو مطولات میں دیکھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

بابُ وَقْتِ الْفَجْرِ حدثنا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ أَوْ سِتِّيْنَ يَعْنِي آيَةً **حدثنا** الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ سَمِعَ رَوْحَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلَّى قُلْنَا لِأَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ آيَةً **حدثنا** إِسْمٰعِيْلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ أَخِيْهِ عَنْ سُلَيْمٰنَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُوْلُ كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي ثُمَّ تَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ **حدثنا** يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلٰوةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ۔

ترجمہ، باب، فجر کے وقت کا بیان حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے اور صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر وہ سب فجر کی نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، میں نے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا تو انہوں نے فرمایا کہ پچاس یا ساٹھ آیتیں پڑھنے کے بقدر، حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور زیدؓ بن ثابت نے سحری کھائی، جب سحری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھائی، ہم نے حضرت انسؓ سے کہا کہ سحری سے فارغ ہو کر نماز شروع کرنے تک کتنا فاصلہ تھا تو فرمایا کہ جتنے وقت میں ایک انسان پچاس آیتیں پڑھ سکے **حضرت** سہلؓ بن سعد کہتے ہیں کہ میں اپنے اہل میں سحری کھاتا تھا پھر مجھے جلدی ہوتی تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ لوں **حضرت** عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مشرف بایمان عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، فجر کی نماز میں چادریں اوڑھے یا لپیٹے ہوئے حاضر ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو نماز سے فراغت کے بعد ایسے وقت میں واپس ہو جاتیں کہ انہیں کوئی آخر شب کی تاریکی میں پہچان نہ سکتا تھا۔

مقصد ترجمہ مقصد ہے یہ بیان کرنا کہ فجر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ فجر کا وقت سحری کے بعد ہے، جبتک سَحَر کا وقت ہے اس وقت تک فجر نہیں، سَحَر کا وقت ختم ہو جائے تو فجر کا آغاز ہو جاتا ہے، لہٰذا طلوعِ فجر کو وقتِ فجر کا مَبدا سمجھنا چاہیئے۔

تشریح روایتِ اوّل و دوم اس باب کے تحت امام بخاری نے چار روایات ذکر کی ہیں پہلی اور دوسری روایت کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے، البتہ سند میں فرق ہے، نیز یہ کہ پہلی روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ سحری میں شریک نہیں تھے اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس بھی سحری میں شریک ہیں، پہلی روایت کے مطابق حضرت انس کے شریک سحری نہ ہونے کی وضاحت حافظ ابن حجر نے ابن حبان کی روایت سے کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں کچھ کھانے کا نظم کرو چنانچہ میں کھجور اور پانی لیکر حاضر ہوا پھر آپ نے فرمایا، انس! کوئی آدمی تلاش کرو جو میرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے تو میں حضرت زید بن ثابت کو بلا کر لایا، چنانچہ وہ آئے اور سحری میں شریک ہو گئے، پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں روایتوں میں یہ آیا کہ جب یہ پوچھا گیا کہ نماز اور سحری کے درمیان کتنا وقفہ تھا تو جواب دیا کہ پچاس یا ساٹھ آیتوں کی تلاوت کے بقدر، معلوم ہوا کہ سحری اور نماز میں بہت کم فاصلہ تھا اور سحری کے فوراً بعد نمازِ فجر کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

تشریح روایتِ سوم تیسری روایت حضرت سہلؓ بن سعد کی ہے کہ میں اپنے گھر سحری کھا کر بعجلت ممکنہ مسجدِ نبوی میں پہنچنے کی کوشش کرتا تاکہ نمازِ فجر، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ سکوں، معلوم ہوا کہ نمازِ فجر رمضان میں سحری سے متصل ہوتی تھی، یعنی سحری سے فارغ ہونے کے بعد جہاں فجر کا وقت شروع ہوا، نماز پڑھ لی، دارالعلوم دیوبند میں بھی اکابر کے زمانہ سے رمضان شریف

میں اسی کا اہتمام ہے کیونکہ اوّل تو رمضان کی راتیں سونے کی نہیں ہوتیں، دوسرے یہ کہ اگر کچھ دیر کیلئے انسان سو بھی جائے تو اسے سحری کیلئے بیدار ہونا ہی ہے، سحری کھانے کے بعد لیٹ جائے گا تو نماز کے لئے اٹھنا دشوار ہوگا، اسلئے رمضان شریف میں تو یہی مناسب ہے کہ سحری کے فوراً بعد فجر کی نماز پڑھ لی جائے، نیز یہ کہ احناف کے یہاں اسفار کی وجہ تکثیر جماعت ہے، اور رمضان المبارک میں سحری کے فوراً بعد نمازیوں کی کثرت متوقع ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

تشریح روایت چہارم چوتھی روایت حضرت عائشہ رضؓ سے ہے کہ مسلمان عورتیں فجر کی نماز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھنے کے بعد چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتیں تو انہیں کوئی تاریکی میں پہچان نہ سکتا تھا۔ یہاں چند باتیں غور طلب ہیں، حضرت عائشہؓ کا مقصد کیا ہے؟ امام بخاری کا طرز کیا بتاتا ہے؟ اور نماز فجر کیلئے غلس اور اسفار میں کس کو ترجیح ہے وغیرہ۔

حضرت عائشہ کا مقصد، اس روایت میں نماز فجر کا وقت بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کے پردہ کے ساتھ حاضر مسجد ہونے کی مدح مقصود ہے، یعنی اُن کا مقصود اسفار اور غلس کا بیان نہیں وہ تو یہ بیان کرنا چاہتی ہیں کہ عہد رسالت میں عورتیں، پردے کا پورا اہتمام کرکے مسجد نبوی میں آتی تھیں۔ گویا وہ اس روایت میں باب ستر میں عورتوں کی مدح کر رہی ہیں، مسئلۂ وقت بیان نہیں کر رہی ہیں۔

اسی طرح امام بخاری کا طرز عمل بھی قابل غور ہے کہ انہوں نے اس باب میں چار روایتیں ذکر کی ہیں جن میں پہلی تین روایتیں رمضان کی نماز فجر سے متعلق ہیں، اس کے بعد یہ چوتھی روایت حضرت عائشہ رضؓ سے ذکر کی ہے اسلئے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اس چوتھی روایت کو بھی رمضان سے متعلق ماننے کا اشارہ کر رہے ہیں، امام مالکؒ سے بھی اوّل وقت میں نماز پڑھنے کے حکم کو رمضان سے خاص کرنا منقول ہے۔

غلس پر استدلال کی حقیقت یہ روایت نماز فجر کے غلس میں پڑھنے والوں کا مستدل ہے، کیونکہ اس روایت میں راوی نے تبلایا لَا یَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ ان الفاظ کا بظاہر ترجمہ یہ ہے کہ ان عورتوں کو کوئی انسان غلس کے سبب پہچان نہ سکتا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ غلس اور تاریکی کے سبب نہ پہچاننے کا مضمون حضرت عائشہ کا ہے یا کسی اور راوی کا؟

مسند احمد ص۲۵ ج۶ میں اسی روایت میں ہے مَا یُعْرَفْنَ من الغلس او قال لا یعرف بعضھن بعضًا، یعنی راوی نے یا یہ کہا کہ عورتوں کو تاریکی کے سبب پہچانا نہ جاتا تھا یا یہ کہا کہ ایک عورت بھی دوسری عورت کو نہ پہچانتی تھی، گویا دوسری تعبیر میں غلس کا تذکرہ ہی نہیں اور نہ پہچاننے کی بنیاد غلس نہیں بلکہ پردہ کا اہتمام ہے اور اس سے زیادہ صاف بات یہ ہے کہ ابن ماجہ میں باب وقت صلوۃ الفجر ص۲۲ ج۱ میں

تو یرجعن الی اھلھن فلا یعرفھن احد، تعنی من الغلس نقل کیا گیا ہے، اس روایت کے مطابق حضرت عائشہؓ کے الفاظ تو صرف اتنے ہیں کہ عورتیں گھر واپس ہوتیں تو انہیں کوئی پہچانتا نہیں تھا، البتہ نیچے کا کوئی راوی اپنے طور پر نہ پہچاننے کا سبب غلس کو بیان کرتا ہے، راویوں کی جانب سے اس طرح کے اضافہ کو اِدْراج کہتے ہیں، علامہ سندھیؒ نے اس روایت پر لکھا ہے "تعنی من الغلس" صریح انہ لیس من قولھا وانما ھو تفسیر من احد الرواۃ ولا حجۃ فیہ (حاشیہ سندھی ج ۱ ص ۲۳۰) یعنی "تعنی من الغلس" صراحت کے ساتھ بتلا رہا ہے کہ یہ حضرت عائشہ کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ تو کسی اور راوی کی جانب سے وضاحت ہے، اس لئے اس سے غلس پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اگر "من الغلس" کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عورتیں تاریکی اور غلس کی وجہ سے پہچان میں نہ آتی تھیں تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلس سے وقت کا غلس مراد ہے یا مسجد کے اندرونی حصہ کا غلس مراد ہے، چونکہ حضرت عائشہؓ کا مقصد وقتِ فجر کا بیان نہیں اسلئے وقت کا غلس مراد لینا ضروری نہیں، بلکہ مسجد کے اندرونی حصہ کا غلس بھی مراد ہو سکتا ہے جو اسفارِ وقت کے منافی نہیں، اور چونکہ مسجد کی چھت نیچی ہے، روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہے اسلئے مراد یہ ہے کہ اوّل تو عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی ہوتی تھیں، دوسرے یہ کہ مسجد کے اندر روشنی دیر سے پہنچتی تھی اس لئے ان کو پہچاننا ممکن نہ ہوتا تھا۔

نہ پہچاننے کا مطلب روایت میں آیا کہ عورتوں کو کوئی پہچان نہ پاتا تھا، حافظؒ نے کچھ شارحین کے نام نقل کر کے اس کے متعدد معانی بیان کئے ہیں۔ داؤدی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنی پہچان بھی نہ ہوتی تھی کہ عورت ہے یا مرد؟ صرف پرچھائیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کی تشریح کو اپنے مسلک کیلئے سخن پروری سے زیادہ حیثیت نہیں دی جا سکتی، عورت اور مرد کی پہچان کیلئے تو چادروں میں لپٹا ہوا ہونا بھی کافی ہے، اس کا مطلب یقینی طور پر یہ ہے کہ عورت ہونا تو معلوم ہوتا تھا البتہ یہ تعیین نہ ہوتا تھا کہ ہندہ ہے یا زینب؟ پھر دوسرے شارح باجی، یہ تو داؤدی سے بھی آگے نکل گئے، کہتے ہیں کہ عورتیں منھ کھولے ہوئے ہوتی تھیں، دلیل یہ ہے کہ منھ چادر میں ہو تو پردے کیلئے اندھیرے کی قید کی ضرورت نہیں، مگر اس تشریح پر حافظؒ بھی مطمئن نہیں، کہتے ہیں کہ ہر عورت کا ایک انداز، چال ڈھال اور ہیئت ہوتی ہے جس سے پردے کے باوجود اسکو پہچانا جا سکتا ہے۔

اصل مسئلہ کی وضاحت یہ بحث تو روایتِ باب پر تھی، اب اصل مسئلہ کا بھی جائزہ لے لیں، بحث یہ ہے کہ نمازِ فجر کا غلس میں پڑھنا افضل ہے یا اسفار میں، حنفیہ اور مالکیہ اسفار کے قائل ہیں، شوافع اور حنابلہ غلس کے، امام محمدؒ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ نماز غلس میں شروع

کرکے اسفار میں ختم کی جائے ، امام طحاویؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔ روایت زیر بحث قائلینِ غلس کا مستدل ہے لیکن مندرجہ بالا گفتگو سے واضح ہوگیا کہ اس سے غلس پر استدلال تام نہیں ہے تاہم روایات سے نمازِ فجر کا غلس میں پڑھنا بھی معلوم ہوتا ہے اور اسفار میں بھی ، روایات دونوں طرف ہیں ، مگر حنفیہ نے عام دنوں میں اسفار کو ترجیح دی ہے کیونکہ ترمذی ، نسائی اور دوسری کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اَسْفِروا بالفجر فانہ اعظم للاجر فجر کو روشنی پھیلنے کے بعد پڑھو اسلئے کہ اس سے ثواب میں اضافہ ہوگا ، یہ روایت اسفار کے لئے بالکل نص صریح ہے ، لیکن قائلین غلس نے یہ تاویل کی ہے کہ اسفار سے مراد فجر کا تیقن ہے یعنی اس کا یقین کرلینا کہ فجر طلوع ہوگئی ہے ، مگر اسفار کے لغوی یا ظاہری معنیٰ اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتے ، نیز یہ کہ اس روایت میں مثلاً نسائی میں یہ الفاظ ہیں مااسفرتم بالصبح فانہ اعظم للاجر (نسائی ص۹۴ ج۱) جتنا بھی صبح کو روشن ہونے دو گے اتنا ہی ثواب میں اضافہ ہوگا ۔ اس روایت میں یہ مضمون ہے کہ درجہ بدرجہ اسفار کے اضافہ پر ، درجاتِ ثواب کا ترتب ہے اور سند کے لحاظ سے بھی روایت صحیح ہے ، اس روایت کا مضمون قائلینِ غلس کی تاویل کے بالکل منافی ہے کیونکہ طلوعِ فجر کے تیقن میں یہ درجہ بندی نہیں کی جاسکتی ، جبکہ اسی روایت کے بعض طرق میں کلما اصبحتم بالصبح فانہ اعظم لاجورکم وغیرہ الفاظ آئے ہیں ۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ نمازِ فجر میں اسفار پر ترتبِ ثواب کا جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ اگرچہ ایک عارض ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل حکم پر قوی عارض کو ترجیح دی جاتی ہے ، نمازوں کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آجائے اور حکم خداوندی متوجہ ہوجائے تو تقاضائے عبدیت یہ ہے کہ فوراً تعمیل کی جائے ، یہ اصلی فضیلت ہے لیکن گرمیوں کی دوپہر میں عارضِ قوی کی بنیاد پر "ابراد" کو ترجیح دی گئی ، یا عشاء میں ابھی چند ابواب پہلے گذرا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ وقت میں تاخیر تھی لیکن امت کی مشقت کے عارضِ قوی کے سبب زیادہ تاخیر کا حکم نہیں دیا گیا ، اسی طرح فجر میں بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ تکثیرِ جماعت کی مصلحت یعنی عارضِ قوی کے سبب اسفار کو ترجیح دی گئی ۔

قائلینِ اسفار کے مستدلات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت بھی ہے جو بخاری و مسلم میں ہے اور جس میں انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز مزدلفہ میں وقتِ مقرر سے پہلے ادا فرمائی ، الفاظ ہیں صلی الفجر قبل میقاتہا ، ابن حجرؒ بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قبل از وقت کے یہ معنیٰ تو نہیں ہوسکتے کہ نماز فجر ، طلوعِ فجر سے پہلے پڑھ لی گئی ، بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ مزدلفہ میں طلوعِ فجر

کے ساتھ ہی نماز فجر پڑھ لی گئی جبکہ بقیہ ایام میں تاخیر یسیر کی جاتی تھی، مگر ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ معمولی تقدیم و تاخیر پر قبل میقاتہا کا اطلاق نہیں کیا جائے گا، اس اطلاق کا تقاضا تو یہ ہے کہ نمایاں طور پر وقت میں تقدیم کی گئی، اس لئے اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ مزدلفہ میں تو نماز غلس میں پڑھی گئی جبکہ عام دنوں میں یہ صورت نہ تھی بلکہ اسفار پر عمل کیا جاتا تھا۔

اور اگر بالفرض مسجد نبوی میں قدرے غلس مان بھی لیں تو یہ بات کئی جگہ ذکر میں آچکی ہے کہ مسجد نبوی کی حیثیت امام المساجد کی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتظار کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو جائیں اور مسجد نبوی میں جماعت ہو جائے تو وہ اپنی نماز ادا کریں، پھر عورتوں کی شرکت کے سبب بھی مسجد نبوی میں غلس کی مصلحت ہے، اور بھی مصلحتیں ہو سکتی ہیں۔ مگر جب ان تمام چیزوں کے باوجود عام طور پر مسلمانوں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے اسفروا بالفجر تو اسی کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔ اور اسی لئے محدثین و فقہاء کے یہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ قول و عمل میں تعارض ہو تو ترجیح، حدیث قولی کو دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مرسلاً روایت ہے

ما اجتمع اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی شیءٍ	صحابہ کرامؓ کا کسی چیز پر اتنا اتفاق رائے نہیں ہے
ما اجتمعوا علی التنویر (طحاوی ص ۱۲۹ ج ۱)	جتنا اتفاق نماز فجر کے روشنی میں پڑھنے پر ہے۔

امام طحاویؒ نے اس کو نقل کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کسی حکم کے برخلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق رائے اسی وقت ممکن ہے جب اُن کے نزدیک پہلے حکم کا منسوخ ہونا محقق ہو اور اُس کی جگہ خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوسرا حکم ثابت ہو۔ واللہ اعلم

الی ھٰنا تم الجزء السابع عشر من ایضاح البخاری ویتلوہ الجزء الثامن عشر
ان شاء اللہ تعالیٰ واوّلہ باب من ادرک من الفجر رکعۃً

الحمد للہ جلد سوم تمام ہوئی

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

یادداشت